جلد اول

آداب فہم قرآن

سید جواد نقوی

مرکز تحقیقات اسلامی بعثت
مثال پبلیکیشنز

بسم الله الرحمن الرحيم

آدابِ فہمِ قرآن

(جلد اول)

نام کتاب: آدابِ فہمِ قرآن
مؤلف: حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد نقوی
ترتیب: مرکز تحقیقاتِ اسلامی بعثت
ناشر: متاب پبلیکیشنز
اشاعت اول: جمادی الاول ۱۴۳۳ھ (مئی 2012 عیسوی)
تعداد: ۲۰۰۰

جملہ حقوق متاب پبلیکیشنز کے لئے محفوظ ہیں

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آدابِ فہم قرآن آج لباس طباعت میں ملبوس پیروان قرآن کریم کی خدمت میں حاضر ہے، اس کا ماجرا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے طالب علم کی حیثیت سے بارگاہِ کتابِ الٰہی میں حاضری کی توفیق تو نصیب ہوئی لیکن یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ نگاہیں تو کلامِ الٰہی کے نورانی الفاظ کی زیارت سے منور ہیں، سماعتیں خوش الحان قاریوں کی آواز سے لطف اندوز، زبانیں تلاوتِ کلامِ وحی سے معطر، حافظے آیات قرآن سے مملو اور محفلیں ذکر کتابِ خدا سے مزیّن جبکہ دل نورِ کلامِ الٰہی سے خالی ہیں۔

اس محرومیت اور خلاء پر بے تابی و بے چینی نے اسباب محرومیت تلاش کرنے کی جستجو ایجاد کی۔ اس کے نتیجے میں ایک کھلی، آشکارا اور بیّن حقیقت سامنے آئی کہ قرآن کریم کی کتابت میں خوشخطی کا نہایت اعلیٰ اہتمام کیا جاتا ہے یعنی آیاتِ الٰہیہ کو لکھنے کے مرحلے میں تمام آدابِ کتابت بروئے کار لائے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں حسین وزیبا رسم الخط سے مزین نسخے معرضِ طباعت میں آئے ہیں اور آج دُنیا بھر میں ہنری شاہکار مانے جاتے ہیں۔ ایسے ہی تلاوت کے مرحلے میں خوش لحن قاری تجوید وقرأت کے تمام آداب کے ساتھ جب آیات کلامِ خدا پڑھتے ہیں تو سننے والے مسحور ہوکر رہ جاتے ہیں۔ علم تجوید وقرأت ان آداب کا مجموعہ ہے جو قرآنی آیات کی تلاوت کو نہایت حسین بنا دیتے ہیں اور سماعتوں کو کلامِ الٰہی کی طرف جذب کر لیتے ہیں۔

لیکن جب قرآنِ کریم کو سمجھنے کا مرحلہ آتا ہے تو وہ لطف وسرور جو دلوں میں حاصل ہونا چاہیے محسوس نہیں ہوتا جبکہ آیاتِ الٰہی دلوں کے لئے اُتری ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سمجھنے کے بھی آداب ہیں جنہیں نظر انداز کردیا جاتا ہے جبکہ آدابِ فہم قرآن کلام کو سمجھنے کے لئے دلوں کو کہیں زیادہ آمادہ تر کردیتے ہیں بہ نسبت پڑھنے اور لکھنے کے آداب کے۔

چنانچہ قم المقدسہ میں ایک ماہ رمضان المبارک میں بعض طلاب کرام کے لئے اس بحث کا

آغاز ہوا، محور کے طور پر صدر المتالہین ؒ کی کتاب مفاتیح الغیب کو انتخاب کیا گیا اور اس طرح آدابِ فہم قرآن کی پیدائش ہوگئی، کافی عرصہ تک اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا تا اینکہ کچھ قرآن دوست ادب پسندوں نے اس کی تحریر کا فریضہ نبھا دیا۔

دیگر بیسیوں عناوین کی طرح یہ موضوع بھی کمپیوٹر کے حافظے اور متاب کی بے نظمی میں خاموش زندگی بسر کر رہا تھا کہ جناب سید وصال حیدر نقوی صاحب کے علم میں آ گیا، پھر کیا تھا کہ سیّد صاحب نے فوراً اس کی طباعت کا اصرار شروع کر دیا۔ ہماری تمام تر ٹال مٹول کے باوجود انہوں نے تمام مراحل سے سرخروئی سے چھاپ ہی دیا۔ اس بابت جس ہستی نے نا قابل توصیف عرق ریزی کی، دن رات کی محنت، شوق، جذبہ اور نہایت ادب کے ساتھ آداب فہم قرآن کو قرآن دوستوں تک پہنچایا وہ عزیز القدر جناب دانش صاحب ہیں۔ وصال صاحب کے اہتمام اور دانش صاحب کی محنت نے یہ اُمید پیدا کر دی ہے بلکہ اسے یقینی بنا دیا ہے کہ انشاء اللہ سستی، غفلت، ٹال مٹول، لاپروائی جیسے غبار کے نیچے دبے ہوئے سینکڑوں موضوعات اب طباعت کے لباس میں ملبوس ہو کر قارئین کرام تک پہنچتے رہیں گے۔

غلطیاں انسانی کام کا لازمہ ہیں، مشاہدے کی صورت میں عفو و درگزر کے ساتھ مطلع فرمائیں۔ شکریہ

خداوند متعال سے ان عزیزوں اور ہر اس عزیز کے لئے توفیقاتِ فراوان کے متمنی ہیں جس نے آداب فہم قرآن کے طباعتی سفر میں کوئی قدم اُٹھایا ہے۔

احقر العباد

سید جواد نقوی

جامعہ العروۃ الوثقیٰ۔ لاہور

04/05/2012

فہرست

تمہید:

(حصّہ اوّل)

۱)قرآن ذریعۂ شناختِ رمضان	19
۲)قرآن کتابِ ہدایت	21
۳)نزولِ قرآن کاہدف ومقصد	22
۴)ہدایت سے کیامراد ہے؟	24
۵)قرآن منشورِحیاتِ بشر	25
۶)رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کابارگاہِ خدامیں شکوہ	26
۷)بعنوانِ منشورقرآن کے احیاء کی ضرورت	29
۸)قرآن کسی خاص طبقے کیلیۓ نازل نہیں ہوا	30
۹)قرآنی تقویٰ کیاہے؟	35
۱۰)نزول کامطلب	36
۱۱)ہدایت کے دوپہلو	42
۱۲)علم کی تعریف	43
۱۳)بعض اوقات حقیقت خودتنزل کرتی ہے	48
۱۴)کشف کرنے اورانکشاف ہونے میں فرق	48
۱۵)کتابِ مکنون کامعنیٰ	51
۱۶)لَّا یَمَسُّہٗ سے مراد	54

۱۷) نزولِ قرآن کی ضرورت 55
۱۸) لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ گفتگو 58
۱۹) قرآن فہمی کیلئے آمادگی کی ضرورت 60

تمہید 67

(حصۂ دوم)

۱) دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطبین کی اقسام 68
☆ اولوا الالباب 68
☆ مہر شدہ سخت دل رکھنے والے 69
☆ مریض القلوب 71
۲) خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے 73
۳) فہم کی آمادگی کیلئے مشق کی ضرورت 76
۴) تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت 78
۵) ثواب مقصدِ قرآن نہیں 83
۶) قرآن میں تدبر نہ کرنے کی مذمت 87
۷) قرآن میں تعقل کی ضرورت 89
۸) اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں 92
۹) قرآن میں تدبر کی تاکید 94
۱۰) ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ 97

۱۱) قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت 99

فصلِ تعارفِ ادب 105

۱) ادب کی تعریف بلحاظِ لغت 106
☆ قرآن دسترخوانِ خدا ہے 108
۲) ادب کے لغوی معنیٰ کے دیگر موارد 113
۳) معنیٔ ادب بزبان علامہ طباطبائیؒ 117
۴) دیگر اہلِ لغت کے نزدیک ادب کا معنیٰ 123
۵) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک افضل ادب 125
۶) اخلاق اور آداب میں فرق 131
۷) آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ 135
☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد 137
۸) آداب اور اخلاق میں ربط 142
۹) آداب کی تعریف اور آدابِ فہمِ قرآن میں ارتباط 144

فصلِ اہمیتِ ادب 148

۱) بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ 149
۲) روایاتِ امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی اہمیت 150
☆ ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم 151

☆ صاحبانِ عقل کیلئے ادب کی اہمیت 151

☆ ذہانت وفطانت، ادب کی رہینِ منت 152

☆ مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا 154

☆ آداب، حجابوں کو چیرنے میں مددگار 155

۳) مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت 158

☆ بے ادب لطفِ خدا سے محروم 159

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں 160

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب 163

☆ بے ادب، راہ زن ونامرد 173

☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا 177

۴) مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین کی شرح 179

فصلِ ادبِ اوّل 184

درکِ عظمتِ قرآن

۱) تعارفِ مفاتیح الغیب 185

۲) درکِ عظمتِ کلام 187

۳) قرآن ذومراتب حقیقت 194

۴) قرآن، ایک محجوب حقیقت 200

۵) قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ 210

۶)احترام بمناسبت عظمتِ مقام 213
۷)اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے 217
۸)معرفت اور اجارے کی نماز میں فرق 219
۹)اللہ کو پانا ہے 225
۱۰)قرآن حبلِ خدا ہے 227
۱۱)مستورِ قرآن لطفِ خدا ہے 229
۱۲)قرآن کی حکمت اور عبارت کا تعلق 235
۱۳)قرآن،نورِ حکمت 240
۱۴)قرآن،مشروبِ حیات 244

فصلِ ادب دوم 250

طہارتِ قلب

(حصہ اوّل)

۱)طہارتِ قلب کی ضرورت 251
۲)قلب سے مراد 252
۳)قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں؟ 255
۴)قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام 255
۵)حقیقی دل اور اعزازی دل 262
۶)خود فراموشی، خدا فراموشی کا نتیجہ 264

۷) قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں 266
۸) قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام 269
۹) قرآن ظرفِ نورانی پر اترتا ہے 271
۱۰) طہارتِ ظاہری وطہارتِ باطنی 275
۱۱) طہارت کے درجے 278

فصلِ ادبِ دوم 289

طہارتِ قلب

(حصّہ دوم)

۱) دل مانندِ ظرف ہے 291
۲) دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا 292
۳) دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت 295
۴) مبلغین پہلے اپنے مُخَاطَبْ تیار کریں 301
۵) انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ تبلیغ 302
۶) قرآن ہر دل میں داخل نہیں ہوتا 304
۷) خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں 306
۸) پاک دل موردِ نگاہِ خدا 309
۹) تطہیرِ قلب اعضاء وجوارح سے ظاہر ہوتی ہے 311
۱۰) اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں 313

۱۱) قرآن کے مطابق دل کی بیماریاں 316
◂ 1) غِلْظَت 316
◂ 2) غرور وتکبر 317
◂ 3) گناہ 320
◂ 4) غفلت 321
◂ 5) ضعف 324
◂ 6) مختوم دل 324
◂ 7) مطبوع دل 325
◂ 8) غیر متفقہ دل 328
◂ 9) زیغ شدہ دل 328
◂ 10) اندھے دل 329
◂ 11) بیزار دل 330
◂ 12) مقفل دل 331
◂ 13) قسی دل 332
◂ 14) مغلوف دل 333
◂ 15) پردوں سے ڈھکے ہوئے قلوب 333
◂ 16) غل رکھنے والے دل 334
◂ 17) مُشَرّب دل 335
◂ 18) نفاق رکھنے والے دل 335
◂ 19) غیظ والے دل 336

20) شک والے دل 336
21) لہوی دل 337
22) زنگ والے دل 337

فصلِ ادبِ دوم 345

طہارتِ قلب

(حصّہ سوم)

۱) قرآن پر ناپاک دل کا اثر 346
۲) قرأتِ قرآن سے پہلے استعاذہ 347
۳) فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے 348
۴) شیاطین بلحاظِ امور مختلف ہیں 353
۵) دین کا مُخاطَبْ عقل ہے 355
۶) اکثریت کی عقل مغلوب ہے 356
۷) خیالِ شیطان زدہ کا کام! 357
۸) وہم کا کام! 364
۹) حقیقت کو سمجھنے کے منابع 366
۱۰) قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط 366
۱۱) غلط خیالات اور ان کا علاج! 380

فصلِ اَدبِ سِوُم 386

حضورِ قلب

(حصّہ اول)

۱)حضورِ قلب کا معنیٰ 387
۲)حضورِ قلب کے میادین 391
۳)حضور کیلئے قرآنی تعبیرات 395
۴)حضورِ قلب کی دشواری، ایک المیہ 398
۵)دلِ وحشی کی تربیت 400
۶)حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہوسکتا 402
۷)انس کیلئے مسانخت کی ضرورت 403
۸)سنخیت کے بغیر اُنس ناممکن ہے 409
۹)قرآن وعبادت کے ساتھ مسانخت 415
۱۰)گریہ، انس کی علامت 421
۱۱)اُنس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم 422

فصلِ ادبِ سِوُم 426

حضورِ قلب

(حصّہ دوم)

۱)تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ 428

۲)تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے	431
۳)مشغول دل حضورِ قلب میں مانع	433
۴)تعلقات کو کاٹنا ضروری ہے	434
۵)انقطاع کے معانی	436
۶)عرفان کی حقیقت	438
۷)دعا ومناجات میں انقطاعِ تعلقات کی ترغیب	446
۸)لہو ولعب کے معانی	448
۹)قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الھا ہیں؟	458
۱۰)لہو والھا کے دیگر مصادیق	465
☆لعب میں مشغول دل	465
☆کھانے پینے میں مشغول دل	467
☆لذتوں میں مشغول دل	468
☆آرزوؤں میں مشغول دل	470
۱۱)دنیا کسے کہتے ہیں؟	476
۱۲)دنیا کی کشش،حربۂ شیطان	479
۱۳)قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟	485
۱۴)قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت	492
۱۵)قرآن،باعثِ سرور	494
۱۶)قرآن،باعثِ تفرج	496

فصلِ ادبِ چھارم 503

تدبر در قرآن

(حصّہ اوّل)

١) تدبر کا معنیٰ 504

٢) تدبر اور حضورِ قلب دو علیحدہ مرحلے 509

☆ محو اور صحو کا فرق 510

٣) قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع 513

٤) قرآن میں تکرار نہیں 515

٥) قرآن میں تدبر کی تاکید 520

٦) روایات میں تدبر کی تاکید 522

٧) تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے 525

٨) متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے 526

٩) جہاں بینی اور جہاں بانی میں فرق 528

١٠) عالم اور عامی میں فرق 529

١١) ہم اہلِ تدبر کیوں نہیں ہیں؟ 532

١٢) اللہ کی نشانیوں سے اجنبی نہ بنیں 535

١٣) قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام 536

فصلِ ادبِ چهارم 543

﴿تدبر در قرآن﴾

(حصّہ دوم)

۱)عالمِ خلقت کے مطالعے کی ضرورت 544
۲)قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی 549
۳)اہلِ تدبر جنت کے حقدار 553
۴)تدبر، ترقی کا پیش خیمہ 554
۵)علماءِ دین کون ہیں؟ 555
۶)اولوا الالباب کون ہیں؟ 556
۷)اہلِ لُب ہی خدا کو پاسکتے ہیں 562
۸)تدبر کی مشق کے مراحل 566
۹)سوال پیدا ہوتا ہے 569
۱۰)سات ملین سوالوں کی تیاری 571
۱۱)قرآن اہلِ تدبر کا راہنما 574
۱۲)متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا 576
۱۳)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن میں غور وفکر کرنا 581

فصلِ ادبِ پنجم 586

﴿استنباط﴾

(حصہ اول)

۱)مطالعۂ قرآن کے لحاظ سے لوگوں کی اقسام 587

۲)استنباط کا معنیٰ 590

☆راویوں کے طبقے 594

☆ پیغامِ دین کو اَفْقَہْ تک پہنچانے کی حکمت 596

۳)میڈیا کے اہلِ استنباط 599

۴)ادارتی اہلِ استنباط 601

۵)سیاسی اہلِ استنباط 603

۶)اقتصادی اہلِ استنباط 606

۷)طبی اہلِ استنباط 607

۸)دینی اہلِ استنباط 607

۹)چیزوں کو اہل تک پہنچائیں 610

۱۰)قرآن کے اہلِ استنباط 616

۱۱)احادیث کے اہلِ استنباط 621

فصلِ ادبِ پنجم 626

استنباط

(حصّہ دوم)

۱) الفاظ، معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط 628
۲) استنباط کی ضرورت 629
۳) استنباط کے رائج ثمرات 634
۴) قرآن سے علماء کا محدود استنباط 635
۵) قرآن، معدنِ معارف 637
۶) استنباط کیلئے حسِ جستجو چاہئے 640
۷) استنباطِ تقلیدی 642
۸) لقمہ خورِ غرب نہ بنیں 644
۹) قرآن واہلبیتؑ باعثِ ثروت 651
۱۰) قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت 654
۱۱) علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت 655
۱۲) اشارۂ قرآن 658
۱۳) اشارۃ الموضوع 661
۱۴) اشارۃ الفتنہ 666
۱۵) اشارۃ الارض 669
۱۶) ٹیکنالوجی وایجادات، ثمراتِ اشارہ 670

۱۷)اثارۃ العقل، انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت 670

۱۸)اثارۃ الناس 674

۱۹)اثارۃ القرآن کی ضرورت 678

۲۰)قرآنی موضوعات کے احیاء کیلئے مہارت کی ضرورت 681

۲۱)اثارۂ قرآن نہ کرنے کا نقصان 685

۲۲)قرآن گفتگو کرتا ہے 687

فصلِ ادبِ پنجم 691

﴿استنباط﴾

(حصّہ سوم)

۱)قرآنی موضوعات کا اثارہ، نظم وترتیب کے ساتھ 693

۲)توحید، قرآن کا بنیادی موضوع 694

۳)معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ہے 697

۴)اسماء اللہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب 700

☆ آیات کے آخر میں اسماء اللہ کی حکمت 703

☆ دعائے جوشن، خزانۂ اسماء اللہ 705

۵)افعالِ الٰہی، معرفتِ خدا کا دوسرا باب 707

☆ فعلِ الٰہی سے مراد 707

۶)افعالِ الٰہی کے دو چہرے 709

۷) بابصیرت انسان کی دید 712

۸) کتابِ تکوینیٔ خدا کی تفسیر کی ضرورت 714

۹) فعل سے فاعل کا استنباط 715

۱۰) کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں 717

۱۱) اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت 721

۱۲) فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس 727

۱۳) باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب 729

فہرستیں 737

تمہید:

(حصّہ اوّل)

۱)قرآن ذریعۂ شناختِ رمضان

۲) قرآن کتابِ ھدایت

۳)نزولِ قرآن کا ھدف و مقصد

٤) ھدایت سے کیا مراد ھے؟

٥)قرآن منشورِ حیاتِ بشر

٦)رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بارگاہِ خدا میں شکوہ

۷)بعنوانِ منشور قرآن کے احیاء کی ضرورت

۸)قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نھیں ھوا

۹)قرآنی تقویٰ کیا ھے؟

۱۰)نزول کا مطلب

۱۱)ھدایت کے دو پھلو

۱۲)علم کی تعریف

۱۳)بعض اوقات حقیقت خود تنزل کرتی ھے

۱٤)کشف کرنے اور انکشاف ھونے میں فرق

۱۵)کتابِ مکنون کا معنی

۱۶)لَّا یَمَسُّهٗٓ سے مراد

۱۷)نزولِ قرآن کی ضرورت

۱۸)لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ گفتگو

۱۹)قرآن فہمی کیلئے آمادگی کی ضرورت

اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○(۱)

ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں لہٰذا جو شخص اس مہینے میں حاضر رہے اس کا فرض ہے کہ روزہ رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو وہ اتنے ہی دن دوسرے زمانے میں رکھے، خدا تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے زحمت نہیں چاہتا اور اتنے ہی دن کا حکم اس لئے ہے کہ تم عدد پورے کردو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی کبریائی کا اقرار کرو اور شاید تم اس طرح اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

۱)قرآن ذریعۂ شناختِ رمضان

خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کو ماہِ مبارک رمضان میں قلبِ نورانیٔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بشریت کی ہدایت کیلئے نازل کیا ہے۔ قرآن میں پوری بشریت کی دنیوی واخروی فلاح و

نجات کیلئے راہنمائی موجود ہے لہٰذا اس الٰہی پیغام کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ کتاب ''آدابِ فہمِ قرآن'' کے عنوان سے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں ایک ہی مہینے کا نام لیا ہے اور وہ ماہِ مبارک رمضان ہے۔ ماہِ رمضان کا تعارف خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کے ذریعے سے کروایا ہے نہ کہ صیام کے ذریعے سے، صیام آدابِ ماہِ مبارک رمضان میں سے ہے۔ سورۂ مبارکہ بقرہ کی آیہ ۱۸۵ میں خداوند تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ......

ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں......

اس آیۂ مبارکہ میں خداوندِ متعال نے پہلے ماہِ رمضان کی طرف متوجہ کیا ہے اور ماہِ رمضان کا تعارف قرآن کے ذریعے سے کروایا ہے یعنی قرآن ذریعۂ شناختِ رمضان ہے، قرآن باعثِ عظمتِ رمضان ہے، رمضان کی فضیلت کے اعتراف میں اسے سید الشھور کہا گیا ہے اور اسے معصومین علیہم السلام کی زبانِ مبارک سے شہر اللہ تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ خدا کا مہینہ ہے اور سید الشھور یعنی تمام مہینوں کا سردار ہے، اسے ربیعِ قلوبِ مومنین بھی قرار دیا گیا ہے، یہ بہار اور فصلِ بہار ہے۔ ماہِ مبارک رمضان کی یہ ساری عظمت اور فضیلت قرآن کی وجہ سے ہے چونکہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے۔

۲) قرآن کتابِ ہدایت

قرآن مجید کا تعارف بھی خود قرآن نے اسی آیہ میں کروایا ہے کہ قرآن کیا چیز ہے؟

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ......

قرآن ہدایت ہے یعنی ماہِ رمضان میں نازل ہونے والا یہ کلامِ الٰہی انسان کے لئے ہدایت ہے اور بینات یعنی اس کے اندر روشن دلائل ہیں، ساتھ ہی یہ فرقان بھی ہے، فرقان یعنی ہدایت وگمراہی اور حق وباطل کے درمیان تمیز اور فرق ڈالنے والی شے کہ جو صفات واسمائے قرآن میں سے ہے، ماہِ رمضان میں روزہ آدابِ رمضان میں سے ہے اسی آیہ کے ذیل میں ہے کہ

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ......

اگر کسی کو مشاہدۂ رمضان اور شہودِ رمضان کی توفیق نصیب ہو یعنی اتنی زندگی اور حیات ہو کہ اس کی عمر میں ماہِ رمضان آئے اور وہ مشاہدۂ رمضان کرے، پس وہ اس ماہ میں روزہ بھی رکھے، پھر اس کے بعد روزے کے آداب اور احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ بطورِ خلاصہ کہہ سکتے ہیں کہ ماہِ رمضان ماہِ نزولِ قرآن ہے لیکن یہ تعبیر سنتے ہی ذہن میں یہ مطلب منعکس ہوتا ہے کہ تاریخ میں چونکہ عموماً مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں اور اس جیسی مشابہ مضمون کی دیگر آیات کے ضمن میں جو ابحاث کی ہیں وہ فقط اسی نقطے پر مرکوز ہیں کہ ماہِ رمضان میں قرآن ایک دفعہ قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور پھر اس کے بعد رسمی تفصیلی بحثیں ہیں کہ ایک طرف سے قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور ایک طرف سے تیئس سالوں میں نازل ہوا، ایک طرف سے قرآن کا دعویٰ ہے کہ لیلۃ

مبارکہ میں نازل ہوا ہے، ایک طرف سے شہرِ رمضان میں نازل ہوا، اتنی زیادہ نزول کی آیات کو آپس میں کیسے طواف ہو یا ان کے درمیان کیسے سازگاری ایجاد کی جائے؟ بیشتر مفسرین کا وقت اور توانائی ان آیات کو آپس میں باہم جمع کرنے میں صرف ہوا ہے اور بحث کا یہی ایک پہلو غالب رہا ہے کہ جس کے نتیجے میں انہی آیات کے ذیل میں دوسری ابحاث کہ جو اس سے زیادہ اہم تر ہیں وہ نمایاں نہیں ہو پائیں۔

۳) نزولِ قرآن کا ہدف و مقصد

قرآنِ مجید قلبِ نورانیٔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا لیکن قرآن کا صرف یہی ایک تنہا نزول نہیں ہے بلکہ یہ فقط قرآن کا ایک نزول ہے اور اس کے علاوہ بھی نزولاتِ قرآن ہیں۔ ہم سادہ سی تعبیر یا عبارت میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن لوحِ محفوظ میں تھا پھر وہاں سے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور اب اسے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلوبِ مومنین تک نازل ہونا ہے چونکہ قرآن نہ لوحِ محفوظ کے لئے تھا اور نہ ہی اس کا مقامِ اصلی قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، نزول کا ہدف و مقصد قلبِ نورانیٔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خود قرآن نے ایسے الفاظ اور تعبیرات استعمال کی ہیں کہ ذاتِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قرآن کے نزول کی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نزول نایافتہ قرآن تک بھی دسترس تھی۔ یہ قرآن ہی کی تعبیر ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام لدن سے قرآن کی تلقی کرتے ہیں

لٰہذا خداوندِ متعال نے فرمایا ہے کہ

اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ٥ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ٥ لَّا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ٥ (۲)

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

کامل مصداقِ مطہرین پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور غیر نزول یافتہ قرآن کہ جو کتابِ مکنون کی شکل میں ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول سے پہلے مس کر سکتے ہیں، نزول کا اصلی مقصد یہ تھا کہ قرآن انسانوں کے لئے ہدایت ہو، جس طرح ماہِ رمضان کی تعریف قرآن کے ذریعے سے ہوئی ہے اسی طرح قرآن کی تعریف ہدایت کے ذریعے سے ہوئی ہے، تعریف یعنی شناخت کہ قرآن ہدایت ہے۔ مختصر جملے میں قرآن نے اپنی تعریف یا اپنی شناخت خود کروائی ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ہے،

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ٥ (۳)

یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، یہ صاحبانِ تقویٰ کے لئے مجسم ہدایت ہے۔

اور اس آیہ میں فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ......

پس یہ کتابِ ہدایت ہے اور ہدایت بھی ناس کے لئے ہے یعنی مُخاطَبِ قرآن ناس ہیں اور وہ بھی عام اور سارے انسان ہیں، اس کیلئے کوئی مخصوص طبقہ نہیں ہے یعنی یہ کتاب تمام انسانوں

کے لئے ہدایت ہے۔

٤) ہدایت سے کیا مراد ہے؟

ہدایت یعنی وہ ذریعہ کہ جس کے نتیجے میں انسان نقص سے کمال تک پہنچتا ہے اور خسارے سے فلاح تک پہنچتا ہے،

وَالْعَصْرِ ٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ٥(۴)

قسم ہے عصر کی۔ بیشک انسان خسارے میں ہے۔

اور جب انسان ایسے گھاٹے سے فلاح تک پہنچے گا تو بسببِ قرآن و طفیلِ قرآن پہنچے گا،

وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥(۵)

اور یہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

یعنی جو انسان اسفل السافلین اور خسرانِ مبین میں ہے تو اسے اس پستی اور خسارے سے نکال کر اپنے مقصدِ حیات تک پہنچانا ہدایتِ انسان ہے اور یہی کام قرآن کرتا ہے۔ قرآن انسان کو انہی مراحل سے گزار کے نقطۂ عوج و عروج پر پہنچاتا ہے۔ قرآن کے دیگر فرضی و ضمنی عناوین بھی ہیں لیکن اصلی عنوانِ قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ اگر اس کو مطلب کو اور زیادہ سادہ کر کے بیان کریں تا کہ یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آئے کہ کتابِ ہدایت سے کیا مراد ہے تو کہیں گے کہ قرآن انسان کی حیات کا منشور ہے۔

۵)قرآن منشورِ حیاتِ بشر

اگر ہم ھُدًی لِّلنَّاس کی عام تعبیر کریں یا اس کیلئے آزاد متبادل لفظ استعمال کریں تو کہیں گے کہ یہ منشورِ حیاتِ بشر ہے کہ جو خدا نے تدوین کیا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کے توسط سے عام بشریت کو پہنچایا ہے اور ابلاغ کیا ہے۔ منشور سے مراد ضابطے، قاعدے، قوانین، حدود، دستورات، آگاہی، معرفت، علم، تحریکات اور محرکات ہیں، ایک منشور میں یہی چیزیں ہوتی ہیں اور یہی چیزیں انسان کی زندگی کو تشکیل دیتی ہیں، قرآن ان سب کا مجموعہ ہے اور حیاتِ بشر کے لئے کامل ترین منشور ہے۔

منشورِ حیات کو حیات کے اندر ہونا چاہئے، منشورِ حیات کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس کے مطابق بسر ہو، منشور کسی علمی مجموعے، تاریخی مجموعے یا سائنسی مجموعے کو نہیں کہتے ہیں، منشور سے ہم سب آشنا ہیں، اہلِ اسلام بھی آشنا ہیں اور غیر اہلِ اسلام بھی آشنا ہیں، جس طرح سے ہر ملک کیلئے، ہر قوم کیلئے اور ہر حزب و جماعت کیلئے ایک منشور ہوتا ہے کہ جو وہ لوگ خود تدوین کرتے ہیں اور اس کے اندر اپنے اہداف مشخص کرتے ہیں، اپنے مقاصد متعین کرتے ہیں، ان مقاصد تک پہنچنے کے لئے مختلف طریقوں کی نشاندہی کرتے ہیں، ان طریقوں کے اندر موانع کی نشاندہی کرتے ہیں، ان موانع سے بچنے کیلئے تدابیر سوچی جاتی ہیں، انسانی ضروریات کی نشاندہی کی جاتی ہے، ان ضروریات کو فراہم کرنے کے لئے چارہ اندیشی کی جاتی ہے، انسان کو درپیش خطرات کی نشاندہی کی جاتی ہے اور ان خطرات سے نمٹنے کے لئے راہِ حل تلاش کیا جاتا ہے، منشور انہی چیزوں کا نام ہے

اور اگر کسی منشور کے اندر یہ ساری چیزیں موجود نہ ہوں، پیش گوئیاں اور پیش بینیاں موجود نہ ہوں تو اس کو منشور نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ ایک وِرد کہلا سکتا ہے، ایک علمی مجموعہ و تاریخی دستاویز کہلا سکتا ہے یا اس کو کوئی اور نام دے سکتے ہیں لیکن اسے منشور کی حیثیت ہرگز نہیں ملتی ہے۔

آج انسانی کوششوں کے نتیجے میں بہت ساری علمی کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی منشور کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بہت ساری کتابیں ہیں کہ جو نصابوں میں، دینی مدارس میں، کالجز (Colleges) اور یونیورسٹیز (Universities) میں پڑھائی جاتی ہیں، اس کے علاوہ لائبریریز (Libraries) بھی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ان کتابوں میں سے کسی کو بھی منشور نہیں کہا جاتا، ان کتابوں میں سے کچھ حوالوں کی کتابیں ہیں، انسائیکلوپیڈیاز (Encyclopedias) ہیں، علمی مجموعے ہیں، سائنسی و معلوماتی ذخیرے ہیں اور انسان معلومات کے حصول کے لئے ان کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے علاوہ بھی ہر شعبے کے اندر انسانوں کی کاوش کا نتیجہ موجود ہے لیکن انہیں منشور نہیں کہا جا سکتا، قرآن منشورِ الٰہی اور کتابِ حیاتِ بشر ہے لہٰذا تمام انسان اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔

۶) رسولِ اکرم ﷺ کا بارگاہِ خدا میں شکوہ

قرآن میں مذکور ہے کہ پیغمبرِ اکرم ﷺ قیامت میں بروزِ حشر بارگاہِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں ایک شکوہ کریں گے اور وہ مہجوریتِ قرآن کے بارے میں ہوگا،

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا○(٦)

اور رسول کہیں گے: اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔

یعنی اے پروردگار میری قوم نے، میری امت نے اس قرآن کو متروک رکھا۔ متروک رکھنے کے معانی یہ نہیں ہیں کہ قرآن پڑھا نہ جائے، متروک رکھنے کے معانی یہ بھی نہیں ہیں کہ قرآن پر تحقیقات نہ ہوں بلکہ متروک رکھنے کے معانی یہ ہیں کہ منشور کو منشور ہی نہ بنایا جائے، باقی سارے کام اس کے اندر انجام دیئے جائیں لیکن اسے منشور کی حیثیت حاصل نہ ہو تو اس وقت تک یہ متروک و مہجور رہے۔

کثرتِ قرأت، کثرتِ تلاوت، کثرتِ طباعت، کثرتِ حفظ اور کثرتِ ذکر کے باوجود قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکوہ کریں گے کہ قرآن مہجور رہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شکوہ کریں گے کہ اے میرے پروردگار! اے میرے رب!

اِنَّ قَوْمِي......

میری قوم نے......

یعنی نہ کہ غیر مسلموں نے، نہ کہ مسیحیت نے، نہ کہ یہودیت نے، نہ کہ ہندوؤں نے اس قرآن کو مہجور رکھا یا فلاں قوم قرآن نہیں پڑھتی تھی اور قرآن کی طرف نہیں آتی تھی بلکہ میری قوم نے قرآن کو مہجور رکھا۔ اس قوم میں کثرت سے حفاظ موجود ہیں، اس میں کثرت سے مفسرین موجود ہیں، قرآن کی مختلف طباعتیں موجود ہیں بلکہ ابھی بھی ریکارڈ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ چھپنے والی

کتاب قرآن ہے، دنیا میں سب سے زیادہ بکنے ولی کتاب بھی قرآن ہے لیکن پھر بھی پیغمبر اکرم ﷺ شکوہ کریں گے کہ میری قوم نے اس کتاب کومھجور رکھا ہے، مھجور یعنی متروک رکھا ہے، معطل رکھا ہے، کیوں معطل رکھا ہے؟ کیونکہ پڑھنے سے اس کی مھجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے، تلاوت سے اس کی مھجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے، ختمِ قرآن سے اس کی مھجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے، حفظ کرنے سے اس کی مھجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے اور زیادہ نسخوں کی صورت میں چھاپنے سے اس کی مھجوریت مرتفع نہیں ہوتی ہے بلکہ تدبر کرنے سے، تعقل کرنے سے اور پھر غور وفکر کر کے اس کو اپنی زندگی کا عملی منشور بنانے سے قرآن کی مھجوریت مرتفع ہوتی ہے۔

عام سی مثال سے اس نکتے کو سمجھا جاسکتا ہے مثلاً کسی ملک کا آئین اس کے لاء کالجز (Law colleges) میں اور یونیورسٹیز (Universities) میں تدریس کیا جائے اور اس آئین کے مطابق لوگ پڑھ کر وکیل (Lawyer) بنیں، لیجسلیٹر (Legislator) بنیں، اٹارنی (Attorney) بنیں، بیرسٹر (Barrister) بنیں، ایڈووکیٹ (Advocate) بنیں، ججز (Judges) بنیں، اس پر ایل ایل بی (LLB) ہو رہا ہو، ایل ایل ایم (LLM) ہو رہا ہو اور ماہرینِ قانون بن رہے ہوں لیکن یہ قانون اسی ملک کے اندر معطل ہو، جس طرح عموماً ہوتا بھی ہے کہ مستبد حکمران اور آمر لوگ آتے ہیں اور سب سے پہلا کام یہی کرتے ہیں کہ آئین کو معطل کر دیتے ہیں، اگر کسی ملک میں آئین معطل ہو جائے لیکن اس آئین پہ تعلیم ہو رہی ہو، اس آئین پہ ڈگریاں مل رہی ہوں، اس آئین کے حافظ بن رہے ہوں، اس آئین

کے متخصص بن رہے ہوں تو اس قانون کو پھر بھی نافذ قانون نہیں بلکہ معطل قانون ہی کہیں گے۔

قرآن مَہجور ہے یعنی معطل ہے، منشورِ قرآن بحیثیتِ منشور معطل ہے، اگرچہ اس کے متخصص پیدا ہو رہے ہیں، قاری پیدا ہو رہے ہیں، ماہرین پیدا ہو رہے ہیں، اس کے حافظ موجود ہیں، اس کو چھاپنے والے موجود ہیں، اس کو وِرد کرنے والے موجود ہیں اور اس سے متعلق فراواں فرعی اور ثانوی سرگرمیاں موجود ہیں لیکن قرآن بعنوانِ آئین، بعنوانِ منشور معطل ہے لہٰذا بارگاہِ خداوند تبارک و تعالیٰ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر شکوہ کریں گے کہ میری قوم نے اس آئین کو، میرے اور آپ کے منشور کو معطل رکھا ہے تو یہ کاملاً صادقانہ شکوہ ہوگا اور کسی کے پاس اس کا دفاع موجود نہیں ہوگا، حتیٰ جو اہلِ قرآن ہیں، جو قاریٔ قرآن ہیں، جو حافظِ قرآن ہیں، جو مفسرینِ قرآن ہیں، جو مؤلفینِ موضوعاتِ قرآن ہیں اور جو محققینِ موضوعاتِ قرآن ہیں ان کے پاس بھی کوئی جواب نہ ہوگا۔ آئین نافذ نہ ہو تو یہ معطل آئین کہلاتا ہے لہٰذا جب ملک کا آئین معطل ہو جائے اور اس آئین پر علمی تحقیقات ہو رہی ہوں تو یہ اس آئین کے ساتھ ظلم ہے۔

۷) بعنوانِ منشور قرآن کے احیاء کی ضرورت

قرآن کو پوری تاریخ میں اور آج بھی بعنوانِ منشور اپنا وہ مقام نہیں مل سکا کہ جو ہونا چاہیے تھا لہٰذا بعنوانِ منشور قرآن کے احیاء کی ضرورت ہے نہ کہ صرف کتابِ مقدس کے طور پر، کتابِ محترم کے طور پر، کتابِ استخارہ کے طور پر اور کتابِ ثواب کے طور پر کیونکہ آج قرآن کا ہر عنوان موجود ہے

لیکن یہ کتاب بعنوانِ منشور مہجور ہے۔ اسکے اندر تدبر کریں، فکر کریں کہ قرآن بعنوانِ منشور کیوں نہیں اپنایا گیا ہے؟ ہم نے اسے غیر اسلامی زندگی کے اندر ایک مقدس چیز کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ یہ تبرک کے طور پر، برکت کے طور پر، گھروں میں، مسجدوں میں، سینوں میں، لائبریریوں میں یا اداروں میں موجود ہے لیکن جس چیز کی زینت ہے وہاں غیر موجود ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس سے کوئی برکت اور خیر حاصل ہو جائے لیکن زندگی کی زینت اور زندگی کے منشور کے طور پر اسے نہیں اپنایا گیا۔

اس کے بہت سارے اسباب ہیں لیکن ان میں سے ایک بڑا سبب قرآن کی صحیح شناخت ومعرفت کا نہ ہونا ہے کہ قرآن کس چیز کی کتاب ہے؟ اور ظاہر ہے کہ جس مجموعے کی صحیح شناخت موجود نہ ہو اور اس شناخت کے اندر یہ متعین نہ ہو کہ قرآن ایک منشور ہے تو اس لاعلمی کی بنا پر اور قرآن کی معرفت کے فقدان کی بنا پر یہ منشور مہجور ومتروک ہے اور اس پر کسی کو خود بخود یہ آگاہی کم نصیب ہوتی ہے یا جب تک تعلیم کا حصہ نہ بنے تو لوگوں میں اس شعور کا فقدان بدستور قائم رہتا ہے، آج ہم محسوس کرتے ہیں اور لمس کرتے ہیں کہ قرآن مہجور ومتروک ہے۔

قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

۸)قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

قرآن تمام انسانوں کے لئے حتیٰ عام انسانوں کے لئے بھی منشور ہے چونکہ مخاطبِ قرآن ناس ہیں، قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے لیکن ہدایت ناس کے لئے ہے،

هُدًى لِّلنَّاسِ......

یہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے......

یہ ناس کی زندگی کا منشور ہے، ناس یعنی عام لوگ، ناس قرآن کی تعبیر ہے، ناس کے مقابلے میں بھی قرآن کی تعبیرات ہیں مثلاً ملاء ہے، ملاء یعنی لوگوں میں سے ایک ایسا طبقہ کہ جو اپنے آپ کو ایک الگ تشخص کے تحت جدا کرتا ہے، اس کے اندر ایک بزرگی پیدا ہوتی ہے اور وہ اموال و املاک کا مالک بن جاتا ہے، اپنے آپ کو مقتدر سمجھتا ہے اور عام لوگوں سے اپنے آپ کو ممتاز اور جدا سمجھتا ہے، قرآن نے اس طبقے کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ملاء ہے، جب بھی انبیاءؑ ناس کیلئے پیغام خدا لے کر آئیں ہیں تو ناس اور پیغامِ خدا کے درمیان یہ طبقہ ملاء حائل رہا ہے، ہر نبی علیہ السلام کے زمانے میں اور خود قرآن کے ساتھ بھی یہ اتفاق رونما ہوا ہے، تعبیراتِ قرآن فراواں ہیں کہ

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ اِنَّا لَنَرَاکَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ o(۷)

تو قوم کے رؤسا نے جواب دیا کہ ہم تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ اِنَّا لَنَرَاکَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ o(۸)

قوم میں کفر اختیار کرنے والے رؤسا نے کہا کہ ہم تم کو حماقت میں مبتلا دیکھ رہے ہیں اور ہمارے خیال میں تم جھوٹوں میں سے ہو۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهِ قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُوْنَ o(۹)

تو ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کمزور بنا دیئے جانے والے لوگوں میں سے جو ایمان لائے تھے ان سے کہنا شروع کیا کہ کیا تمہیں اس کا یقین ہے کہ صالح خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، انہوں نے کہا کہ بیشک ہمیں ان کے پیغام کا ایمان اور ایقان حاصل ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ ٥(١٠)

تو ان کی قوم کے کفّار نے کہا کہ اگر تم لوگ شعیب کا اتباع کرلو گے تو تمہارا شمار خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا......(١١)

ان کی قوم کے مستکبرین نے کہا کہ اے شعیب ہم تم کو اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا تم بھی پلٹ کر ہمارے مذہب پر آجاؤ......

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ ٥(١٢)

فرعون کی قوم کے رؤسا نے کہا کہ یہ تو سمجھدار جادوگر ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ ٥(١٣)

تو ان کی قوم کے بڑے لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا کہا کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھ رہے ہیں اور تمہارے اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے پست طبقہ کے سادہ لوح افراد ہیں، ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے ہیں بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً...... (۱۴)

ان کی قوم کے کافر رؤساء نے کہا کہ یہ نوح تمہارے ہی جیسے انسان ہیں جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ خدا چاہتا تو ملائکہ کو بھی نازل کر سکتا تھا......

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ٥ (۱۵)

تو ان کی قوم کے رؤساء نے جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کر دیا تھا اور ہم نے انہیں زندگانی دنیا میں عیش وعشرت کا سامان دے دیا تھا وہ کہنے لگے یہ تو تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہے جو تم کھاتے ہو وہی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو وہی پیتا بھی ہے۔

دیگر آیات میں بھی طبقۂ ملاء کا ذکر موجود ہے لیکن قرآن نہ تو ملاء کے لئے نازل ہوا ہے اور نہ کسی اور طبقے کے لئے نازل ہوا ہے بلکہ مُخاطَبِ مستقیم قرآن ناس ہیں۔ اگرچہ سورہ بقرہ کے اوائل میں

قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ٥(١٦)

ہے اور یہاں پر

هُدًى لِّلنَّاسِ......(١٧)

ہے، کہیں فرمایا کہ

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ٥(١٨)

اور یہ مسلمین کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ٥(١٩)

یہ صاحبانِ ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ٥(٢٠)

جو ان نیک کردار لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن ان میں کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے بلکہ یہ قرآنی آیات کے اندر ایک بہت خوبصورت ہم آہنگی ہے کہ آیا سب کے لئے ہے لیکن ساتھ ہی قرآن نے یہ نکتہ بھی تفہیم کر دیا کہ اگرچہ قرآن سب کے لئے ہے لیکن اس سے ہدایت لینے کی ایک شرط ہے اور وہ تقویٰ ہے۔سورۂ آلِ عمران کی آیہ ۱۳۸ میں صریحاً ارشاد فرمایا کہ

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ٥

یہ عام انسانوں کیلئے ایک بیانِ حقائق ہے اور صاحبانِ تقویٰ کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

قرآن کسی خاص طبقے کیلئے نازل نہیں ہوا

قرآن کریم میں خدا نے متقین سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید کا ایک دورہ صرف اسی عنوان سے کرے کہ متقین کیلئے خدا نے کیا کیا ارشاد فرمایا ہے تو اس پر عیاں ہو جائے گا کہ بہترین انجام صرف متقین کیلئے ہے۔ متقین سے متعلق چند آیت درج ذیل ہیں۔

قُلْ أَذٰلِکَ خَیْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ کَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَّمَصِیْرًاO (۲۱)

کہہ دیجئے کیا یہ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا اہلِ تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے، جوان کیلئے جزا اور ٹھکانا ہے۔

تِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّاO (۲۲)

یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم متقین کو بنائیں گے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَO (۲۳)

اور نیک انجام تو اہلِ تقویٰ کیلئے ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًاO (۲۴)

تقویٰ والوں کیلئے یقیناً کامیابی ہے۔

۹) قرآنی تقویٰ کیا ہے؟

ضمناً قرآن نے ہمیں تقویٰ کی تعریف بھی بتا دی ہے، تقویٰ حالت کا نام نہیں ہے عموماً

اخلاقیات میں تقویٰ کی بحث ایک مَلَکہ نفسانی کے طور پر کی جاتی ہے، قرآنی تقویٰ ملکہ نفسانی نہیں ہے بلکہ قرآنی تقویٰ ایک استعداد ہے کہ جو قرآن سے ہدایت پزیری اور ہدایت لینے کی صلاحیت و قابلیت کا نام ہے۔ انسان اپنے اندر جب یہ قابلیت پیدا کرے، قرآن کا مُخَاطَبْ واقع ہوجائے اور قرآن سے ہدایت لینا شروع کردے تو وہ انسان متقی انسان کہلاتا ہے۔ پس اس بات کو درک کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن لوحِ محفوظ سے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیا ہے اور قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عامۃ الناس تک پہنچا ہے، یہی نزولِ دُوُم قرآن ہے۔

۱۰)نزول کا مطلب

نزول کا معنیٰ وہی ہے جو عام طور پر ہمارے ذہنوں میں آتا ہے لیکن کچھ خصوصیات کے ساتھ اس کا معنیٰ ہمیں معلوم ہونا چاہئے۔ نزول درمقابلِ تعالی ہے، تعالی یعنی نیچے سے اوپر جانا، کسی چیز کا بلندی کی طرف جانا، ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف جانے کو تعالی کہتے ہیں اور اعلیٰ مقام سے، بالا مقام سے نیچے آنے کو تنزل کہتے ہیں، اس لئے اگر کوئی نیچے کھڑا ہو اور عرب زبان لوگ اس کو اوپر کی طرف بلائیں تو تَعَالَوْا کہتے ہیں، تعال یعنی اوپر آؤ اور اگر کوئی اوپر کھڑا ہوا ہو اور اسے نیچے بلانا ہو تو اس کو نَزِّلْ کہتے ہیں یعنی نیچے کی طرف آؤ، بلند مقام سے کسی شے کے نچلے مقام پر آنے کو نزول کہتے ہیں۔ یہ مادی چیزوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر مادی چیزوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہ بغیر کسی مجازیت کے حقیقت کے طور پر استعمال ہوتا ہے چونکہ مادی چیزیں بھی کسی

نزول کا مطلب

مکانِ بلند پر ہوتی ہیں، جسمانی چیزیں عموماً ذی مکان ہیں، مادی جسمانی چیزوں کا کوئی نہ کوئی مکان ہوتا ہے لیکن غیر مادی چیزوں کا کوئی مکان نہیں ہوتا وہ غیر مکانی چیزیں ہوتی ہیں، مادی چیزوں کے نزول سے ہم آشنا ہیں کہ جیسے قرآن نے بھی یہ لفظ مادی امور کے لئے استعمال کیا ہے مثلاً مادی امور کے بارے میں بارش کا نزول ہے، اس کا واضح ترین نمونہ یہ ہے کہ انسان بادلوں سے پانی اترتا ہوا دیکھتا ہے چونکہ مکان کے لحاظ سے بادل انسان کی نسبت بلندی پر ہیں اور انہی بادلوں سے بارش کے قطرات زمین کی طرف اترتے ہیں لیکن زمین چونکہ نیچے ہے، اس کا مکان سِفل یعنی پستی ہے اس وجہ سے اس کو نزولِ باران یا نزولِ ماء کہتے ہیں اور قرآن نے بھی اس کو نزول ماء کے عنوان سے استعمال کیا ہے،

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ......(۲۵)

یعنی اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے......

یا اس طرح کی مشابہ تعبیرات کے ساتھ لفظِ نزول استعمال ہوا ہے۔ ہمارا زیادہ تر تعلق چونکہ مادی اور جسمانی امور سے ہی ہے، اردگرد کی دنیا اور جس دنیا سے ہمارا تعلق اور سروکار ہے حتیٰ ہماری ضرورتیں، ہمارے روابط اور ہم خود بھی اسی جسمانی و مادی دنیا سے مرتبط ہیں، اس وجہ سے فوراً ہمارے ذہن میں نزولِ جسمانی ہی آتا ہے یعنی نزول کیلئے کہتے ہیں کہ ایک جسمانی چیز اوپر رکھی ہوئی تھی اور کسی نیچے کے مقام پر اتر آئی۔ یہ نزول فقط مادی چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جس طرح مکانِ عالی ہے اسی طرح مقامِ عالی بھی ہوتا ہے یعنی مرتبہ و درجہ، اگر کسی شے کا درجہ عالی ہو، بلند ہو اور

نزول کا مطلب

اس بلند درجے سے اگر وہ نچلے درجے پر آ جائے تو اس کو بھی نزول کہتے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی کی عام مثالوں میں بھی غیر مادی نزول موجود ہے۔

اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شخص کو ایک مقام اور درجہ دیا جاتا ہے، ایک پوسٹ (post) دی جاتی ہے مگر بسا اوقات بعد میں اسی کی نا اہلی یا ناقص کارکردگی کی وجہ سے وہ درجہ اس سے لے لیا جاتا ہے، بڑا درجہ لے کر اسے ایک چھوٹے درجے پر فائز کر دیا جاتا ہے تو یہ اس شخص نے نزول کیا ہے یعنی یہ انسان ایک بالا درجے پر فائز تھا اور وہاں سے اس کو ہٹا کر ایک نچلے درجے پر فائز کر دیا گیا ہے لہٰذا اس انسان نے نزول کیا ہے لیکن اس نزول کے معانی یہ نہیں ہیں کہ پہلے کسی فوقانی طبقے پہ تھا اور اب کسی نچلے فلور (Floor) پر آ گیا ہے یعنی کسی بلڈنگ کے اندر اوپر کی اسٹوری سے یہ نیچے آ گیا ہے، نہیں، جہاں تھا اور جس کمرے میں تھا وہیں پر ہے لیکن صرف اس کا مرتبہ نیچے آ گیا ہے، فرض کریں کہ پہلے اگر یہ صدر تھا تو اب نائب صدر ہو گیا ہے، پہلے اگر کسی ادارے کا رئیس کل تھا تو اب رئیس جز بن گیا ہے، اس کا وہ مقام نہیں رہا جو پہلے تھا لہٰذا اس نے رتبے اور درجے کے لحاظ سے تنزلِ معنوی کیا ہے۔ اس کو دیگر قسم کے مشابہ امور میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، علمی مسائل کے اندر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے کہ بعض اوقات انسان ایک بڑے اعلیٰ علمی مرتبے پر فائز ہوتا ہے اور کبھی اس سے تنزل بھی کر جاتا ہے، کبھی ارتقاء و ترقی کرتا ہے، پہلے چھوٹے علمی مرتبے پر فائز ہوتا ہے اور وہاں سے ترقی کرتے کرتے اعلیٰ علمی مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔

نزول کا مطلب

مثلاً فرض کر لیں کہ ایک مجتہد ہے اور اعلیٰ علمی مرتبے پر فائز ہے لیکن کسی بیماری یا عارضے کی

وجہ سے، بڑھاپے یا صدمے کی وجہ سے یا کسی بھی سبب کی وجہ سے ممکن ہے کہ ملکۂ اجتہاد اس کے اندر ختم ہو جائے لہٰذا یہی شخص جو پہلے ایک اعلیٰ علمی درجے پر فائز تھا اب ایک معمولی انسان کی طرح ہے، جس طرح سے عموماً انسان بعض حادثات کے اندر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اسی طرح سے بسا اوقات یہ ملکۂ اجتہاد اور اجتہادی صلاحیتیں بھی کھو بیٹھتا ہے اور معمولی انسان کی طرح ایک مقلد انسان بن جاتا ہے، پس اس نے علمی مرتبے سے تنزل کیا ہے۔ بعض اوقات مقامِ تعلیم میں یہی تعبیر استعمال ہوتی ہے یعنی کسی دوسرے کو علم منتقل کرنے کیلئے یا کسی دوسرے کو سمجھانے کے موقع پر بھی یہ لفظِ نزول استعمال ہوتا ہے، مثلاً ایک انسان صاحبِ علم و فضل ہے اور عالمانہ گفتگو کرتا ہے لیکن عوام کے سامنے بے بس و مجبور ہے، ایسے بعض نمونے موجود ہیں، بعض علماء عالمانہ گفتگو کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کے سامنے کہ جو عالم نہیں ہیں، خوانخواہ ان کی عالمانہ گفتگو، اصطلاحی گفتگو، خاص علمی اصطلاحات کے اندر لپٹی ہوئی گفتگو اس عوام کے پلے نہیں پڑتی ہے، یہاں پر یا تو یہ عوام اتنا اوپر آئیں، اپنے آپ کو علمی درجے پر اتنا اوپر لے کر آئیں کہ ذہنی طور پر کہ اس عالم کے ہم سطح ہو جائیں کہ عالم وہی عالمانہ گفتگو کرے لیکن یہ غیر عالم اب اس کی عالمانہ گفتگو کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں، یہاں عُلُوِیَّت پیدا ہوئی ہے یعنی ایک نیچے کا انسان اوپر آیا ہے لیکن ایسا اتفاق کم رونما ہوتا ہے کہ مثلاً ایک عالم عوام میں جا کر عالمانہ گفتگو کرے تو عوام کہے کہ یہ ہماری سطح کے برابر نہیں ہے، وہ عالمانہ سطح پر ہے اور ہم عوامانہ سطح پر ہیں اور اس کی گفتگو ہمارے پلے نہیں پڑ رہی ہے لہٰذا ہم کوشش کر کے اپنے آپ کو اس کے ہم مرتبہ لے جائیں گے یا کم از کم اپنا علمی درجہ اتنا بڑھا لیں گے کہ اس کی گفتگو ہمیں

نزول کا مطلب

سمجھ میں آنا شروع ہو جائے۔

کبھی کبھی عوام میں سے اکا دکا افراد کوشش کرتے ہیں، مثلاً ان کو زبان نہیں آتی ہے تو زبان سیکھ لیتے ہیں، اگر کوئی خاص علم اس گفتگو کو سمجھنے کے لئے ضروری ہو تو وہ علم بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن اکثریت ایسی ضرورت محسوس نہیں کرتی ہے اور اگر کچھ عرصہ اور دیکھے کہ گفتگو سمجھ میں نہیں آ رہی تو گریز بھی کرتی ہے یعنی لوگ اصلاً چھوڑ دیتے ہیں اور اس گفتگو کو اپنی ضرورت ہی نہیں سمجھتے ہیں چونکہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس عالم کو یا اس فاضل کو اپنے علمی مقام سے عوامی سطح پر آنا پڑتا ہے یعنی اس نے گفتگو کے اندر بات وہی کرنی ہے لیکن عالمانہ لب ولہجہ چھوڑ کر، اصطلاحی گفتگو چھوڑ کر اب وہ ایک دوسری زبان اپناتا ہے، سادہ وسلیس زبان اپناتا ہے، آسان تر تعبیرات اور الفاظ چنتا ہے اور فنی وعلمی اصطلاحات کو چھوڑ کر معمول کی گفتگو کرتا ہے تاکہ ان لوگوں کو سمجھ میں آ جائے لہٰذا یہاں تنزل ہوا ہے، تعالی نہیں ہوئی، لوگ اوپر نہیں آئے بلکہ اس عالم کو نیچے آنا پڑا، عالم مقام کے لحاظ سے نیچے نہیں آیا ہے چونکہ اس کا علمی درجہ محفوظ ہے بلکہ ابھی صرف اس کی گفتگو نے، اس کی تعبیروں نے، اس کے بیانات نے تنزل کیا ہے، نزول کیا ہے یعنی درجۂ بالا کی گفتگو اس درجے سے نیچے آئی ہے اور عوام کی سطح کی گفتگو میں تبدیل ہوئی ہے البتہ اب عوام کی جو بھی زبان ہو۔

نزول کا مطلب

ہم یہ اتفاق بھی دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایک عالم وفاضل گفتگو کر رہا ہوتا ہے اور کوئی اس کو تذکر دیتا ہے یا اس کو متوجہ کر رہا ہوتا ہے کہ ہمارے پلے نہیں پڑ رہی ہے لہٰذا وہ اپنا اندازِ اصطلاحی وعلمی چھوڑ کر دوسری زبان میں لوگوں کو سمجھاتا ہے لہٰذا اس کو بھی تنزل کہتے ہیں لیکن یہ تنزل جسمانی نہیں

ہے، اس کے معانی یہ نہیں ہیں کہ پہلے وہ منبر پر بیٹھ کر بات کر رہا تھا اور اب منبر کے نیچے آکر بات کر رہا ہے یا پہلے کسی بالا طبقے پہ بیٹھا ہوا تھا، کسی بلند منزل پہ تھا اور اب وہاں سے اتر کے زمین پر آکر گفتگو کر رہا ہے، ممکن ہے کہ عالمانہ گفتگو نیچے زمین پر بیٹھ کر کر رہا ہوں یا منبر پر بیٹھ کر کر رہا ہو لیکن عالمانہ گفتگو ہمیشہ سطحِ عوام سے بالاتر ہوتی ہے۔

نزول کا مطلب

قرآن مجید میں بھی نزولِ قرآن جسمانی نہیں ہے چونکہ حقیقتِ قرآن جسمانی نہیں ہے، قرآن ہدایت ہے، صنفِ قرآن ہدایت ہے، قرآنی جملے، قرآنی زبان، قرآنی مفاہیم، قرآنی لب ولہجہ یہ سب ہدایت کے اصناف میں سے ہیں، ہمیں راحمِ منطق نے یہ قضایہ نہیں سکھائے چونکہ ان کا کسی ہدایتی منشور سے سروکار نہیں تھا، علمِ منطق کہ جو رائج ہے اور جنہوں نے ہمیں قضایہ کی بحث سکھائی ہے وہ سارے علمی مسائل فلسفے یا کلام کے لئے ہیں یا اسی قسم کے علوم کے لئے منطق تدوین ہوئی ہے لہٰذا اس میں ایسے قضایہ کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے کہ جو ہمیں مخصوصاً قضایۂ ہدایتی کی پہچان کروائیں کہ ہدایتی قضایہ کیسے ہوتے ہیں؟ ہدایتی جملے کیسے ہوتے ہیں؟ اور ان کے اجزائے اصلی کیا ہوتے ہیں؟ پس سنخِ تعبیراتِ قرآن ہدایت ہے۔

سادہ وآسان ترین جملے میں اگر معنیٰ کریں تو نزولِ قرآن کا مطلب یہ ہے کہ غیر دسترس اور رسائی سے باہر چیز کا دسترس میں آجانا، رسائی میں آجانا۔ ظاہری بات ہے کہ رسائی اور دسترس سے مراد ہاتھ میں آنا نہیں ہے، یہ جسمانی دسترس نہیں ہے، جس کو ہم کہتے ہیں کہ یہ کوئی جسمانی اپروچ (Approach) نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فہم ہے، یعنی یہ انسان کی شناخت کی کمند میں آجائے،

انسان کی شناخت کی دسترس میں آجائے، انسان کی معرفت اور علمی رسائی اس حقیقت تک ہو جائے لیکن یہ کیسے حاصل ہوگی؟ یہ فاصلہ کیسے کم ہو؟ یہ کام اس حقیقت نے خود کر دیا، یعنی ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو نازل کیا ہے، نزول یعنی دسترس میں قرار دیا ہے، دسترس میں قرار دینا یعنی علمی دسترس میں قرار دیا ہے، معرفت کی دسترس اور فہم کی دسترس میں قرار دیا ہے چونکہ یہ فہمِ انسان سے بالاتر تھا۔

۱۱) ہدایت کے دو پہلو

ہدایت جسمانی چیز نہیں ہو سکتی ہے بلکہ خوانخواہ غیر جسمانی چیز ہوتی ہے۔ چونکہ ہدایت کے اندر دو پہلو ہیں، اس کے اندر ایک معرفت ہے اور دوسرا اس معرفت کے ذریعے سے انسان کو تحریک دینا ہے، انسان کو اکسانا ہے کہ کسی فعل پر یا کسی کام پر حرکت کرے، ہدایت کے یہ دو کام ہیں، فقط حرکت دینا ہدایت نہیں ہے اور فقط معرفت بھی ہدایت نہیں ہے، وہ معرفت جس کے نتیجے میں انسان کے اندر حرکت پیدا ہو، ارتقاء پیدا ہو تو اس کو ہدایت کہیں گے یعنی ایسی معرفت کہ جو انسان کو ایک ادنیٰ نقطے سے کسی اعلیٰ اور بلند نقطے کی طرف منتقل کرے، لامحالہ ایسی چیز جسمانی نہیں ہو سکتی ہے چونکہ معرفت جسمانی و مادی نہیں ہے بلکہ غیر مادی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان حقیقتوں تک پہنچے لیکن حقیقتیں تو اپنے خاص عالم میں ہیں اور ہر

حقیقت کا اپنا ایک مقام ہے، چونکہ اس عالم میں پوری کائنات حقائق سے ترتیب یافتہ ہے اور کائنات کے سب کے سب موجودات حقائق ہیں، ہدایت حقائق میں سے ہے، علم حقائق میں سے ہے، یہ ساری حقیقتیں ہیں اور حقائق تک رسائی دو طریقوں سے ممکن ہے، ایک یہ ہے کہ حقائق اپنے مقام پر ہی رہیں اور انسان ان حقائق کی طرف سفر کرے، اس صورت میں انسان تکامل کرتا ہے یعنی انسان بڑا ہوتا ہے، انسان ترقی وارتقاء کرتا ہے چونکہ انسان کا مقام حقائق سے نیچے تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو اتنی ترقی دی اور خود کو اتنا اوپر لایا کہ حقائق اس کو سمجھ میں آنا شروع ہو گئے، اس نے حقائق کو دیکھنا شروع کر دیا، حقائق کو سمجھنا شروع کر دیا اور حقائق کو اپنانا شروع کر دیا۔

علم کی تعریف

۱۲)علم کی تعریف

چونکہ اس گفتگو کا متن ہم نے صدر المتالہین ؒ کی کتاب مفاتیح الغیب سے اختیار کیا ہے کہ جو قرآنی حقائق کے بارے میں ہے اور اس کا ایک باب آدابِ فہمِ قرآن کے نام سے ہے، اس میں صدر المتالہین ؒ نے یہ مطلب دوسرے حکماء سے زیادہ واضح تر بیان کیا ہے، چونکہ ہم نے علم کے بارے میں تعلیمی دنیا میں بھی اسی طرح سنا ہوا ہے اور علم کی تعریف بھی ایسے ہی کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ مطلب ہمارے ذہنوں میں پکا بیٹھا ہوا ہے کہ علم انسان تک آتا ہے، علم کی تعریف بھی یوں کرتے ہیں کہ

اَلْعِلْمُ هُوَ حُصُوْلُ صُوْرَةِ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ......(۴۶)

کسی چیز کی صورت کا عقل میں آ جانا علم کہلاتا ہے......

اِنَّ الْعِلْمُ هُوَ الصُّوْرَةُ الْحَاصِلَةُ مِنَ الشَّیْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ......(۲۷)

بتحقیق علم سے مراد عقل میں کسی چیز سے حاصل ہونے والی صورت ہے۔

اَلْعِلْمُ هُوَ : حُضُوْرُ صُوْرَةِ الشَّیْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ......(۲۸)

علم کسی شے کی صورت کا عقل میں حاضر ہونا ہے۔

ان کا مطلب یہ ہے کہ صورتِ شے حاصل ہوتی ہے، عقل کے پاس علم آتا ہے یعنی حقیقت اپنی جگہ پر ہے، انسان اپنے گھر میں ہے اور وہاں سے صورتِ علمی اٹھ کر انسان کے ذہن میں منتقل ہوتی ہے، صدر المتألھین ؒ فرماتے ہیں کہ یہ اشتباہ ہے، علم کبھی بھی انسان کی طرف نہیں آتا ہے بلکہ انسان علم کی طرف جاتا ہے اور حقیقت کی طرف جاتا ہے، اسی لئے علم کے ذریعے سے انسان کو تکامل حاصل ہوتا ہے ورنہ اگر انسان اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور علم اس کے پاس بار بار آتا جاتا رہے تو انسان تو وہیں رہے گا لیکن علم ترقی کرتا جائے گا، چونکہ ترقی وہ کرتا ہے کہ جس میں حرکت ہوتی ہے لہٰذا انسان علم کی طرف جاتا ہے نہ کہ علم انسان کے پاس آتا ہے۔

بعض بزرگ حکماء نے اپنے علمی فرزندوں کے لئے، غیر صلبی اولاد کے لئے وصایا لکھیں ہیں مثلاً امام خمینی ؒ نے اپنے معنوی پیروکاروں کے لئے لکھا اور اولاد کیلئے وصیت نامہ لکھا ہے یعنی جو بھی اسلامِ ناب کو قبول کرنے والا ہے، قرآن اور اسلام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے والا ہے ان سب کے لئے یہ وصیت نامہ ہے، اسی طرح ان حکماء نے اپنی علمی اولاد کے لئے کہ جو ان کے علم سے اور

ان کی کتب سے استفادہ کرتے ہیں وصیت نامہ لکھا کہ علم اور چیز ہے اور عبارتیں و اصطلاحیں اور چیز ہیں، کہیں ان کو آپس میں مخلوط نہ کر بیٹھنا۔

پس علم کی تعریف بھی الگ ہے یعنی اَلْعِلْمُ نُوْرٌ، علم نور ہے لیکن اصطلاحی نور نہیں ہے، عبارتی نور نہیں ہے، حکماء نے بھی علم کو نور کہا ہے اور اتفاق سے ائمہ ھدیٰ علیہم السلام سے بھی یہی تعریف منقول ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی علم کی یہی تعریف بیان فرمائی ہے کہ

اَلْعِلْمُ نُوْرٌ......(۲۹)

علم نور ہے......

دنیا میں ایسے لوگ فراواں ہیں کہ جن کے پاس معلومات کے کثیر ذخیرے اور قوی حافظے ہیں، بہت سارے لوگوں کو خدا نے یہ صلاحیتیں دی ہوئی ہیں، دنیا میں ایک ریکارڈ بُک ہے کہ جس کے اندر دنیا کے بڑے بڑے بے نظیر اور بے مثل قسم کے کارنامے یا اعمال درج کئے جاتے ہیں اور یہ ہر سال چھپتے ہیں، یہ کتاب گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز (Guinness Book of World Records) کے نام سے ہے یعنی جو بھی ایسا کام کرے کہ جو دوسرے عام لوگ نہ کر سکتے ہوں اسے اسی کے نام سے اس کتاب میں درج کر دیا جاتا ہے، اگر مطالعہ کرنا ہے تو اس کو پڑھیں، بعض زبانوں میں ترجمہ بھی ہوتی ہے، بڑی دلچسپ اور پڑھنے کی کتاب ہے، اس پر عمل نہیں کرنا لیکن معلومات کے لئے پڑھنا ہے، کبھی اس میں نام لکھوانے کی کوشش مت کرنا، اس میں ایک ریکارڈ جو ہر سال قائم ہوتا ہے مثلاً ایسے افراد کے ریکارڈز کہ جن کو ٹیلیفون نمبرز زیادہ سے زیادہ یاد ہوں، یہ آدمی

ایک پوری ڈائرکٹری (Directory) ہوتا ہے، مثلاً ایک انسان ایسا ہے کہ جس کو نوے ہزار ٹیلیفون نمبر زیاد ہیں اور وہ بھی پورے انکے مشخصات کے ساتھ، مثلاً اسے یہ بھی پتہ ہے کہ یہ نمبر کس انسان کا ہے، یہ نمبر کس شہر کا ہے، عورت کا ہے یا مرد کا ہے، بچے کا ہے یا جوان کا ہے، ادارے کا ہے یا گھر کا ہے، ان ساری خصوصیات کے ساتھ اس کو نوے ہزار نمبرز از بر ہیں اور ہمیں نو نمبر بھی یاد نہیں ہوتے ہیں اور کبھی اپنا نمبر بھی بھول جاتے ہیں لیکن اس انسان کو نوے ہزار نمبرز پوری خصوصیات، پوری ڈیٹیل (Detail) کے ساتھ یاد ہیں، ہم اس سے متاثر تو بہت ہوتے ہیں لیکن آیا ہم اس کو علم کہیں گے کہ نوے ہزار ٹیلیفون نمبرز کسی نے رٹ لئے ہوں؟ یا اسی بک میں ہے کہ ایک بچے کو تمام ممالک کے دارالخلافے از بر ہیں، مثلاً پانچ سال کا بچہ ہے، ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ ہے کہ دنیا میں کتنے ملک ہیں؟ بظاہر اس کی توقع نہیں ہے یعنی اس بات کا شائبہ تک نہیں ہے، کیوں کسی کو شعور نہیں ہے؟ اس لئے کہ سروکار نہیں ہے لیکن اگر کسی کو معلوم ہو کہ دنیا میں اس وقت کتنے ملک ہیں؟ البتہ یہ معلومات ہونی چاہئیں، اپ ڈیٹ (Update) رہنے کے لئے کم از کم اتنا پتہ ہو کہ جس دنیا میں رہتے ہیں اس میں کتنے ممالک ہیں لیکن بعض لوگوں کو ان ممالک کی خصوصیات بھی پتہ ہیں مثلاً اتنے ملک ہیں، ہر ملک کا یہ دارالخلافہ ہے، اس کا رقبہ یہ ہے، اس کے پڑوسی یہ ہیں، اس کے اندر معدنیات یہ ہیں، یہ ساری خصوصیات از بر ہیں، کیا یہ علم ہے؟ یہ علم نہیں ہے۔

اسی طرح ایک انسان کو مثلاً پوری پوری کتابیں حفظ ہوں، اس نے رٹا ہوا ہو تو یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے نوے ہزار ٹیلیفون نمبر زیاد کئے ہوں، یہ علم نہیں ہے، یہ ایک مہارت ہے اور اچھی

مہارت ہے، اس پہ اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور حوصلہ افزائی بھی یہ کہ تالیاں بجادو، یہ مہارت اس سے زیادہ کی حقدار نہیں ہے لیکن یہ علم نہیں ہے بلکہ علم نور ہے۔

لہٰذا اگر انسان یہ کام کرے تو بہترین کام ہے یعنی بہت ہی مطلوب حالت ہے، جس کو عام زبان میں بڑی آئیڈیل (Ideal) صورت کہتے ہیں کہ انسان اٹھے اور حقیقت کی طرف سفر کرے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں انسان کو اپنے آپ کو حقیقت کی سطح تک بلند کرنا پڑے گا، ارتقاء و ترقی انسان کے لئے ضروری ہے، انسان کے اندر خوانخواہ تکامل آئے گا اور ایسے ہی ہوتا ہے مثلاً پہلے بچے تھے تو نہیں سمجھتے تھے، حقائق ہم سے بڑے تھے لیکن اس بچپنے سے جب ہم نے بلوغ میں نے قدم رکھا تو آج بہت ساری چیزیں ہمیں سمجھ میں آنا شروع ہوگئی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ارتقاء کیا ہے اور ہمارے اندر تکامل آیا ہے ورنہ اگر ہم بچے ہی رہتے اور یہ ساری چیزیں ہم تک آ پہنچتیں تو چیزیں ترقی کر جاتیں اور ہم وہیں رہتے۔ صنعتی دنیا یہی کام کر رہی ہے، صنعتی دنیا میں انسان نے کوئی ترقی نہیں کی ہے، لوگ یہ جملے بھی کہتے ہیں کہ انسان اتنی ترقی کر گیا ہے، مغرب نے ترقی کی ہے اور مشرق کو غلط فہمی ہوگئی ہے، مغربی انسان اتنی ترقی کر گیا ہے، حالانکہ انسان نے تو ترقی نہیں کی ہے بلکہ انسان کے وسائل نے ترقی کی ہے، گاڑیاں ترقی کر کے کہاں سے کہاں جا پہنچی ہیں، ٹیلیفون لائنیں ترقی کر کے کہاں سے کہاں جا پہنچی ہیں، مواصلاتی نظام ترقی کر کے کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے لیکن انسان تو وہیں ہے۔ وسائل انسان کی طرف آرہے ہیں نہ کہ انسان کہیں جا رہا ہے۔ جو حرکت کرتا ہے وہ ترقی کرتا ہے لیکن جو بیٹھا ہوا ہے وہ ترقی نہیں کر سکتا ہے۔

۱۳) بعض اوقات حقیقت خود تنزل کرتی ہے

پس ایک صورت یہ ہے کہ حقیقت انسان تک پہنچے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان حقیقت تک پہنچے، اس صورت میں انسان ترقی کرتا ہے لیکن بعض حقیقتیں ایسی ہیں کہ انسان پہلے قدم میں اتنی ترقی نہیں کرسکتا ہے کہ ان حقائق تک پہنچے، وہاں پر دوسرا نظام یا دوسرا عمل شروع ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ حقیقت انسان تک پہنچائی جاتی ہے نہ کہ انسان حقیقت تک پہنچتا ہے، یہ دو مطلب اگر ہمیں سمجھ میں آجائیں تو بہت سارے راز سمجھ میں آجائیں گے اور ہم بہت ساری چیزوں کو سمجھنے کے قابل بھی ہو سکتے ہیں۔ کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں کہ پہلے قدم پر انسان اتنی ترقی نہیں کرسکتا ہے مثلاً خالی ہاتھ اتنی ترقی کرے کہ ان حقائق سے جا متصل ہو، ان حقائق کے بارے میں بھی انسان کیلئے معرفت ضروری ہے بالآخر انسان کو وہ حقائق بھی سمجھنا چاہئیں، ان حقائق سے واسطہ بھی ہے اور وہ حقائق انسان کی زندگی سے مربوط ہیں۔ یہاں پر ظاہر ہے کہ انسان جب حقیقت تک پہنچے تو خود ترقی کرتا ہے لیکن جب حقیقت انسان کی طرف آئے تو حقیقت تنزل کرتی ہے، حقیقت کو انسان کی سطح پر آنا پڑتا ہے۔

۱۴) کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

اس مطلب کو ذرا اور سادہ و آسان کر کے بیان کرتے ہیں کہ واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔

دو لفظ ہم اپنی عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں، ایک کشف اور ایک انکشاف، عام اردو میں ہم یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ میں نے یہ حقیقت کشف کی، اس حقیقت کا مجھ پر انکشاف ہوا۔ ان

دونوں جملوں میں بہت فرق ہے کہ یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی اور یہ حقیقت میں نے کشف کی، میں اگر وضاحت نہ بھی کروں تو بھی سننے والے کو صاف فرق محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ کیا کہنا چاہتا ہوں، یہ حقیقت میں نے کشف کی یعنی حقیقت جہاں تھی وہیں رہی لیکن میں اس کی طرف گیا اور میں نے اسے کشف کرلیا۔ کشف کرنا یعنی اس کی راہ میں جو حجاب تھے، اس کی راہ میں جو پردے تھے اور رکاوٹیں تھیں وہ ساری میں نے دور کیں، پردے ہٹا کر میں اس حقیقت تک اور اس راز تک پہنچ گیا۔ بہت ساری چیزیں انسان نے کشف کی ہیں، یہ حقائق تھے کہ جو خدا نے بنائے ہوئے تھے اور صدیوں سے انسان ان حقائق کو نیچے دبا کر اوپر بیٹھا ہوا تھا، اوپر زندگی بسر کر رہا تھا اور دوڑ دھوپ کر رہا تھا۔

یہ تیل زمین کے نیچے تھا اور عرب اوپر اونٹ دوڑاتے تھے، تیل نیچے موجود تھا لیکن وہ اس تک نہیں پہنچ سکے، بعد میں کچھ تعلیم یافتہ لوگ آئے اور انہوں نے زمین کھود کر پردے ہٹائے، ریت ہٹائی یعنی پہلے جہالت کا پردہ ہٹایا پھر زمین کا پردہ ہٹایا، اس زمین کے اندر گھسے اور تیل کشف کرلیا، اس کو کہتے ہیں کہ یہ کشف کیا ہے۔ اسی طرح انسان نے مادی دنیا کے اندر بہت ساری چیزیں کشف کی ہیں مثلاً بہت سارے سیارے، ستارے اور کہکشائیں ایسی موجود ہیں کہ جو آج انسان نے کشف کی ہیں، یہ پہلے بھی موجود تھیں لیکن اندھیروں میں اور کئی ہزار ملین سال دور تھیں لیکن انسان نے دقیق آلات واوزار بنائے اور ان کی مدد سے انہیں کشف کرلیا۔ انسان نے حقیقتیں کشف کی ہیں، ایجاد نہیں کی ہیں، وہ پہلے سے موجود تھیں لیکن پنہاں تھیں اور ان کے اوپر پردے تھے، طبعی پردے،

کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

عالمِ طبیعت کے پردے، جسمانیت و مادیت کے پردے تھے اور انسان نے کوشش کر کے ان کو کشف کیا۔

کشف کرنے اور انکشاف ہونے میں فرق

لیکن کچھ حقیقتیں خود اپنے آپ کو انسان پر پیش کرتی ہیں، یہ کونسی حقیقتیں ہیں کہ جو انسان کے کشف کے انتظار میں نہیں ہیں؟ یہ وہ حقیقتیں ہیں کہ جو انسان کے لئے ضروری ہیں، جن کے بغیر انسان کی زندگی بسر نہیں ہوتی ہے اور اگر انسان ان سے محروم رہے تو ہلاکت میں پڑ جائے گا اور اگر اتنا انتظار کرے کہ خود انسان ان تک پہنچے تو پھر انسان کو ان حقائق تک پہنچنے کے لئے طویل عمر لگے گی یا شاید اصلاً پہنچ ہی نہ سکے، ایسی حقیقتوں کو خود منکشف ہونا پڑتا ہے، خود حقیقت کو انسان کی طرف آنا پڑتا ہے، حقیقت اپنے رخ سے خود حجاب ہٹاتی ہے، خود برسرِ انسان اور نظرِ انسان کے سامنے آتی ہے تاکہ انسان کے سامنے آ کر اپنی آرائش کرے اور انسان اس کی طرف توجہ کریں، اس کی طرف جذب ہوں اور اس سے استفادہ کریں، مثلاً سورج انسان نے کشف نہیں کیا ہے، کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ سورج فلاں کا کشف ہے، یہ کسی سائنسدان، کسی عالم نے کشف نہیں کیا بلکہ سورج خود انسان پر منکشف ہوا ہے یعنی خود حقیقت انسان پر منکشف ہوئی ہے، انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اگر انسان حقیقت کو کشف کرے تو یہ ارتقائے انسان ہے لیکن اگر انسانی زحمت کے بغیر خود حقیقت انسان پر منکشف ہو تو یہ نزولِ حقیقت ہے اور اسی کو نزول کہتے ہیں۔

۱۵)کتابِ مکنون کا معنٰی

قرآن مجید نے خود اپنا تعارف سورۂ مبارکہ واقعہ میں آیت ۷۷ اور ۷۸ میں اس طرح کروایا ہے کہ

اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌO

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔

فِیْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍO

جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب مکنون میں ہے، مکنون پردے کی جمع ہے، مکنون یعنی پردے میں محجوب چیز، پردے کے پیچھے چھپی ہوئی پنہاں چیز، یہ کتاب مکنون ہے یعنی پنہاں چیز ہے، سادہ تعبیر میں کتابِ مکنون سے مراد یہ ہے کہ یہ معمولی انسان کی دسترس سے باہر ہے، جیسے بہت سارے حقائق زمین کے نیچے تھے اور سابقہ نسلوں کی دسترس سے باہر تھے لیکن اِس نسل نے ان تک رسائی کی ہے، اسی طریقے سے یہ قرآن حقیقت ہے،

اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌOفِیْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍO

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔

قرآن مکنون میں ہے یعنی پردوں اور حجابوں کے پیچھے ہے، اس حالت میں یہ کتابِ مکنون ہے یعنی دسترس سے باہر کتاب ہے،

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ٥(٣٠)

اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

یہ کتاب ہرایک کی دسترس سے باہر ہے مگران لوگوں کی دسترس سے باہرنہیں ہے کہ جن کی تطہیر کی گئی ہے، جنہیں پاک کیا گیا ہے، مطہرون یعنی پاک ہستیاں، پاک ذاتیں، پاک نفوس اور پاک موجودات، پس نزول کے بغیر قرآن ایک حقیقت ہے، ایک حقیقتِ پنہاں، حقیقتِ مکنون اور پردوں کے نیچے اس حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہے،

لَا یَمَسُّهٗۤ......

اس تک کسی کی رسائی نہیں ہے،

اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ٥

مگر پاکیزہ موجودات کی ہے، شناختہ شدہ موجودات میں ایک ملائکہ ہیں کہ جو پاکیزہ ہیں اوران کے اندر ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ جوانہیں قرآن کی حقیقت تک پہنچنے سے روکے البتہ شاید سب ملائکہ بھی نہ ہوں بلکہ ملائکہ مقربین ہوں کہ جن کے بارے میں کہہ سکتے ہیں، مسلم حقیقت ہے کہ ملائکہ مقربین وہ پاکیزہ موجودات ہیں اوران کی رسائی وہاں تک ہے اور پھر قرآن نے مطہرون کا ایک طبقہ متعارف کرایا ہے، سورۂ مبارکہ احزاب آیہ ۳۳ میں ہے کہ

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا٥

بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیتؑ کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اوراس طرح پاک و پاکیزہ

رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

یعنی کچھ انسان، کچھ نفوس کہ جو اہلبیت علیہم السلام کے عنوان میں آتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ خدا نے ان کو پاکیزہ کیا ہے، خدا نے ان کی تطہیر کی ہے کہ جو معلوم ہیں کہ یہ مطہرین پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندانِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، انشاء اللہ فصلِ ادبِ دوم میں تطہیر کا اور اسی مضمون کا معنیٰ بیشتر ہو جائے گا کہ قرآن کے لئے جس تطہیر کی ضرورت ہے اس سے کیا مراد ہے؟ یہاں اتنا جان لینا ضروری ہے کہ قرآن نے اپنا تعارف خود کروایا ہے کہ یہ حقیقتِ مکنون تھی اور سوائے مطہرون کے قابلِ دسترس نہیں تھی۔ مطہرون ملائکہ ہیں یا اہلبیت علیہم السلام ہیں لیکن ادھر سے قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ ناس کے لئے ہدایت ہے،

هُدًى لِّلنَّاسِ......

پھر کہتا ہے کہ یہ ناس کی دسترس سے باہر ہے،

لَّا يَمَسُّهُ......

کوئی مس نہیں کر سکتا ہے، پس یہ کتاب ہدایت ہے لیکن جس طبقے کے لئے ہدایت ہے اس کی دسترس سے باہر ہے کیونکہ یہ مطہرون میں سے نہیں ہے، ہم جیسے لوگ مطہرون میں سے نہیں ہیں یعنی قرآن ایک مکنون، عالی اور بلند حقیقت ہے لیکن جس طبقے کے لئے ہدایت ہے وہ نیچے اور پستی میں ہے، اب یہ طبقہ اس انتظار میں رہے کہ اپنے آپ کو اس حقیقت تک پہنچائے یعنی یا فرشتہ بنے یا مثلاً اہلبیت علیہم السلام کی طرح پاکیزہ ہو جائے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے، پس کیا کیا جائے؟ جب انسان ترقی

کر کے اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو لامحالہ اس حقیقت کو انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے یعنی انسان کتابِ مکنون کو کشف نہیں کرے بلکہ کتابِ مکنون اپنے آپ کو انسان کے سامنے منکشف کرے، نمایاں کرے اور کھل کے انسان کے سامنے آجائے اور نزول کا معنیٰ بھی یہی ہے۔

۱۶) لَّا یَمَسُّهٗۤ سے مراد

خدا نے قرآن کا یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌo فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ o لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَo

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔ اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

قرآن کا وضو کے بغیر مسِ ظاہری بھی نہیں کرنا چاہئے، یہ حکمِ شرعی ہے، نہی کی گئی ہے کہ اگر آپ کا بدن خبث و حدث سے پاک نہیں ہے تو آپ الفاظِ قرآن کو مس نہ کریں لیکن سورۂ واقعہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ

لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَo

اس لَّا یَمَسُّهٗ سے مراد کتاب کو ہاتھ سے چھونا نہیں ہے بلکہ فہم ہے یعنی فہمِ ناپاک قرآن کو مس نہیں کر سکتا ہے، یہ بھی ایک محاورے کی زبان ہے کہ اگر بات دشوار ہو تو کہتے ہیں کہ آپ کی بات کو ذہن نے چھوا بھی نہیں ہے یا اس مطلب نے چھوا بھی نہیں ہے یعنی یہ مطلب ذہن کی گرفت سے

باہر ہے، سمجھ جانا ذہن کو چھونا ہے، مس کرنا ہے، مسِ ذہنی، مسِ عقلی، مسِ علمی، مسِ فہم، نہ کہ مسِ جسمانی ہے یعنی انسانِ پاکیزہ ہی اس کو سمجھ سکتا تھا اور غیر پاکیزہ انسان اس کے تعقل سے اور اس کے فہم سے قاصر تھا لیکن خداوند تبارک وتعالیٰ نے ایک بہت بڑا لطف کہ جو انسانیت اور بشریت پر کیا وہ یہ ہے کہ قرآن یعنی اس حقیقتِ مکنون کو نازل کیا، منکشف کیا اور انسان کی سطح پر لے آیا، چونکہ انسانی فہم کے کچھ اپنے لوازمات ہیں، انسانی فہم کے لوازمات یہ ہیں کہ ایک چیز پہلے فہم کی شکل میں ہو، مفہومی صورت اختیار کرے اور وہ مفاہیم بھی لفظی قالب میں، لفظی شکل میں انسان کے سامنے آئیں، جب تک کوئی حقیقت لباسِ مفہوم نہیں پہنتی تو وہ حقیقت ہی ہے اور انسانی رسائی سے باہر ہے یعنی جب تک وہ مفہوم لفظی لباس نہیں پہنتا، لباسِ الفاظ نہیں پہنتا ہے تو اس وقت تک انسان کی فہم سے باہر ہے لہٰذا قرآن کا نزول ہوا یعنی وہ حقیقتِ مکنونہ مفہوم بنی اور اس نے معانی کی شکل اختیار کی اور یہ معانی قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ پر اترے البتہ یہ اتارنے کے لئے بیچ میں ایک وسیلہ چاہئے تھا، اس سے حقیقتِ وحی کی طرف ایک ضمنی اشارہ ہوتا ہے، اس موضوع کی طرف ابھی ہم نہیں جاتے لیکن انسان ضمناً متوجہ ہوتا ہے کہ حقیقتِ وحی کیا ہے؟

۱۷) نزولِ قرآن کی ضرورت

وحی ڈاک پہنچانا نہیں ہے کہ خداوند عالم نے پیغام دیا کہ یہ انسانوں تک لے جائیں، گویا خود خدا کی معاذ اللہ انسانوں تک رسائی نہیں تھی، اسی آیۂ شہر رمضان کے ذیل میں ہے کہ

وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ......(۳۱)

اور اے پیغمبرا گر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں۔ پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان واعتماد رکھیں......

لہٰذا پہلے ذکر کیا کہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ......(۳۲)

اے ایمان والو! اللہ، رسول اور وہ کتاب جو رسول پر نازل ہوئی ہے اور وہ کتاب جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے سب پر ایمان لے آؤ......

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ○(۳۳)

اس نے آپ پر وہ برحق کتاب نازل کی ہے جو تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور توریت وانجیل بھی نازل کی ہے۔

اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ... ..(۳۴)

بیشک میرا مالک ومختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے......

نَزَّلَ الۡکِتَابَ بِالۡحَقِّ......(۳۵)

کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے......

نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ......(۳۶)

جس پر قرآن نازل ہوا ہے......

تَبَارَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ......(۳۷)

بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے......

قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ......(۳۸)

اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ جو شخص بھی جبریلؑ کا دشمن ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جبریلؑ نے آپ کے دل پر حکم خدا سے قرآن نازل کیا ہے......

خدا نے قرآن کو قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے اور جبرئیلؑ کے ذریعے سے نازل کیا، بیچ میں واسطے کیوں پڑے ہیں؟ اس وجہ سے کہ ان کے بغیر نزول ممکن ہی نہیں تھا، عام آدمی کی سطح تک حقیقت کا نزول یعنی حقیقت کا منکشف ہونا اس کے علاوہ ممکن ہی نہیں تھا لہٰذا نزول کے لئے بیچ میں واسطہ ضروری تھا، یہ وسائل نزولِ قرآن تھے، جس طرح بعد میں یہی وسائلِ ارتقائے انسان بنیں گے پس نزولِ قرآن ہوا یعنی قرآن انسان کی فہم کی سطح تک آ گیا ہے۔ اب اگر انسان اس کو سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے لیکن اس نزول کے بہت سارے لوازمات ہیں، اس کے لئے قلب چاہئے، ذریعہ چاہئے، واسطہ چاہئے اور دیگر لوازمات کے ساتھ ساتھ ایک چیز جو قرآن مجید نے اس

کیلئے متعارف کروائی ہے وہ یہ ہے کہ نزول کیلئے زمانِ مناسب چاہیئے، یہ قرآن ایک زمانِ مناسب میں قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے کہ جسے شہر رمضان یا لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔

پس رمضان ماہِ نزولِ قرآن ہے یعنی ماہِ فہمِ قرآن ہے، رمضان میں قرآن سمجھ میں آتا ہے، یہ زمان ضروری ہے، یہ زمان فہمِ قرآن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس ماہ میں انسان کے اندر فہمِ قرآن کے لئے جو آمادگی پیدا ہوتی ہے وہ ہر زمانے سے بیشتر ہے بلکہ باقی تمام زمانوں کے لئے یہ ضروری ہے، چونکہ قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ نورانی پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور پھر تدریجاً جو آیات نازل ہوئیں وہ خارج از رمضان بھی نازل ہوئی ہیں، قرآن تیئس سالوں میں نازل ہوا ہے لیکن وہ تیئس سالہ نزول رمضانی نزول کا نتیجہ ہے یعنی تیئس سالہ نزولِ تدریجی و تفصیلی اس رمضانی نزول کا رہینِ منت ہے۔ یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام انسان کے لئے بھی ہے چونکہ اب قرآن کو قلبِ نوارنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نازل ہونا ہے اور قلبِ مومن تک آنا ہے، یہ بھی قرآن کا ایک اور تنزل ہے چونکہ قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تو مومن کی بھی رسائی نہیں ہے۔

۱۸)لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ گفتگو

امام صادق علیہ السلام کی حدیث کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اپنی کُنہ عقل کے ساتھ لوگوں سے خطاب نہیں کیا،

مَا كَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْعِبَادَ بِكُنْهِ عَقْلِهِ قَطُّ. (۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بیان فرمایا وہ بس لوگوں کی عقلوں کی صلاحیت کے مطابق فرمایا ہے۔

یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حقیقتِ عقل، اپنی عقل کی گہرائی کے ساتھ کبھی بھی انسانوں سے گفتگو نہیں کی ہے چونکہ اس عقل کی گہرائی سے گفتگو ہو تو انسانوں کے پلّے نہیں پڑتی بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ......(۴۰)

بے شک! ہم گروہ انبیاء اس بات پر معمور ہیں کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں......

یعنی انبیاء علیہم السلام لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق مطالب کو تنزل دیتے ہیں، لوگوں کو چاہئے کہ ہماری ذہنی سطح پر آجائیں لیکن یہ لوگوں کے لئے دشوار ہے پس ہم مطالب کو آسان کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے قابلِ فہم بنا دیتے ہیں لہٰذا قرآن کا نزولِ عمومی اور نزولِ خصوصی ہے، پہلے یہ لوحِ محفوظ سے یا کتابِ مکنون سے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیا اور اب قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلوبِ مومنین تک بھی انہی دو مرحلوں میں آئے گا، ممکن ہے ایک انسان کو قرآن پوری عمر میں جا کر سمجھ آجائے، ممکن ہے چند سال لگ جائیں مثلاً قرآن سمجھتے ہوئے یا قرآن کو اپنی زندگی کا منشور بناتے ہوئے تیئس سال لگ جائیں کہ خوانخواہ یہ کام تدریجا ہوگا لیکن اس کے لئے نزولِ رمضانی و نزولِ لیلۃ القدر مقدمہ بنے گا، اگر یہ نزول نہیں ہوا تو وہ تدریجی بھی نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے

لوگوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ گفتگو

ماہِ رمضان ماہِ فہمِ قرآن ہے۔

۱۹)قرآن فهمی کیلئے آمادگی کی ضرورت

خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے کہ

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ......(۴۱)

پس خدا جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے......

پھر سورۂ انشراح میں فرمایا کہ ہم نے قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آمادہ کیا،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○(۴۲)

کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینے کو کشادہ نہیں کر دیا۔

یعنی ہم نے صدرِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سینہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقلبِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کے نزول کے لئے آمادہ کیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی فرمایا کہ آپؐ اپنے آپ کو آمادہ کریں،

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ......(۴۳)

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ اپنے آپ کو آمادہ کریں، رات کی فرصت سے فائدہ اٹھائیں، کیوں؟

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ قِيْلًا○(۴۴)

ہم عنقریب تمہارے اوپر ایک سنگین حکم نازل کرنے والے ہیں۔ بیشک رات کا اٹھنا نفس کی پامالی کے لئے بہترین ذریعہ اور ذکر کا بہترین وقت ہے۔

چونکہ بہت ہی گراں چیز آپؐ کے قلبِ نورانی پہ اترنے والی ہے لہٰذا اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں چنانچہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو آمادہ کیا اور ذاتِ خدا نے بھی آپؐ کو آمادہ کیا، جب قلبِ نورانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمادہ ہو گیا تو یہ حقیقتِ مکنون اس قلبِ نورانی پہ نازل ہو گئی، اب قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مومن کے قلب پہ یعنی میرے اور آپ کے قلب پہ یہ قرآن تب اترے گا جب ہم بھی اپنے قلوب کو آمادہ کریں گے، ہم جب تک اپنی فہم کو آمادہ نہیں کریں گے اس وقت تک قرآن تو رہے گا، قرآن کو پڑھیں گے بھی، حافظ بھی بنیں گے اور سب کچھ کریں گے لیکن قرآن نازل نہیں ہوگا، یہ نزول کئے بغیر ہمارے اردگرد رہے گا اور مہجور و متروک رہے گا لہٰذا مہجوریت سے نکالنے کے لئے فہم کو آمادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ امور انجام دینے کی ضرورت ہے کہ جن کے ذریعے سے اس قولِ ثقیل کو قبول کرنے کے لئے انسانی فہم آمادہ ہوتی ہے یعنی دوسرے لفظوں میں عام مومنین کو بھی یہی خطاب ہے کہ اے ایمان والوں، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا......

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ......

آپ بھی رات کی فرصت سے فائدہ اٹھاؤ،

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝

یہ رات کی فرصت آپ کے لئے بہت مناسب ہے، اس فرصت سے اپنے دلوں کو تیار کرو، اپنی فہم کو تیار کرو، کیوں؟ کیونکہ ہم آپ کے دلوں میں بھی وہ قولِ ثقیل نازل کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب فہم آمادہ نہیں ہوگی تو یہ قولِ ثقیل کے قابل نہیں ہوگی، غیر آمادہ فہم کے لئے دشوار امور اور

آسان امور یکساں ہیں چونکہ آمادہ نہیں ہے، دشواری اور آسانی میں فرق ان لوگوں کے لئے یا ان ذہنوں کے لئے ہے کہ جو سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں، جن چیزوں سے ہماری فہم آمادہ ہوگی تا کہ قرآن ہماری حد تک، ہماری سطح تک اور ہمارے اندر اتر آئے تو اس کیلئے کچھ اصول وقوانین ہیں اور انہی کا نام ''آدابِ فہمِ قرآن'' ہے، ان آداب کے ساتھ ہم اپنی فہم کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ یہ نزول مرحلۂ دیگر طے کرے اور ان اوراق سے، ان سطروں سے ہمارے دلوں میں اتر آئے یا قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے دلوں میں اتر آئے، ہمارے لئے تو یہ لفظی قرآن بھی کتابِ مکنون ہے نہ یہ کہ ہمارے لئے یہ کتاب تنزل یافتہ ہے، ہمیں تو یہ بھی پلے نہیں پڑا اور ابھی اس کی فہم بھی ہمیں حاصل نہیں ہوئی پس بنا براین کہ

لَّا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ○

اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

لہٰذا اس تطہیر کی ہمیں بھی ضرورت ہے، بعض قرآن شناس لوگوں نے زحمت کی ہے اور واقعاً تطہیر قلب کے مراحل کو طے کر کے فہمِ قرآن کیلئے خود کو آمادہ کیا ہے۔ انشاءاللہ اس فصل کے حصۂ دوم میں فہمِ قرآن کیلئے تدبر کی ضرورت کو مزید اجاگر کیا جائے گا۔

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

(۲)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹، ۷۸، ۷۷)

(۳)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲)

(۴)......(سورۂ مبارکہ عصر، آیہ ۲، ۱)

(۵)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۵)

(۶)......(سورۂ مبارکہ فرقان، آیہ ۳۰)

(۷)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۶۰)

(۸)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۶۶)

(۹)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۷۵)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۹۰)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۸۸)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۰۹)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ ھود، آیہ ۲۷)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ مومنون، آیہ ۲۴)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ مومنون، آیہ ۳۳)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲)

(۱۷)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

(۱۸)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۲)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ نمل، آیہ ۲)

(۲۰)......(سورۂ مبارکہ لقمان، آیہ ۳)

(۲۱)......(سورۂ مبارکہ فرقان، آیہ ۱۵)

(۲۲)......(سورۂ مبارکہ مریم، آیہ ۶۳)

(۲۳)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۲۸)(سورۂ مبارکہ قصص، آیہ ۸۳)

(۲۴)......(سورۂ مبارکہ نبأ، آیہ ۳۱)

(۲۵)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۹۹)(سورۂ مبارکہ رعد، آیہ ۱۷)(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰)
(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۶۵)(سورۂ مبارکہ حج، آیہ ۶۳)(سورۂ مبارکہ فاطر، آیہ ۲۷)(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۲۱)

(۲۶)......(المنطق - مظفرؒ، صفحه ۱۴)

(۲۷)......(مفاهیم قرآن جلد السادس)

(۲۸)......(کتاب مبانی نقد متن الحدیث)

(۲۹)......(امثال القرآن)(انسان و قرآن، الجزء ۲، صفحه ۱۲)
(بحار الانوار، الجزء ۱، صفحه ۲۲۵)(مصباح الشریعة المنسوب للصادقؑ، الجزء ۱، صفحه ۵)

(۳۰)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹)

(۳۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۶)

(۳۲)......(سورۂ مبارکہ نساء، آیہ ۱۳۶)

(۳۳)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ۳)

(۳۴)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۹۶)

(۳۵)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۷۶)

(۳۶)......(سورۂ مبارکہ حجر، آیہ ۶)

(۳۷)......(سورۂ مبارکہ فرقان، آیہ ۱)

(۳۸)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۹۷)

(۳۹)......(التفسير الأصفى - الفيض الكاشانيؒ، الجزء ۱، صفحه ۱۴)(تسنيم تفسير قرآن كريم- آية اللّٰه جوادى آملى مدظله)(الكافى - الكلينيؒ، الجزء ۱، صفحه ۲۸)(شرح أصول كافى - مولى محمد صالح المازندرانى، الجزء ۲، صفحه ۱۷)(بحار الأنوار - العلم العلامة الحجة فخر الامة المولى الشيخ محمد باقر المجلسيؒ، الجزء ۱، صفحه ۸۵)(سنن النبیؐ - السيد الطباطبائيؒ، الجزء ۱، صفحه ۱۲۱)

(۴۰)......(الكافى- الكلينيؒ، الجزء ۱، صفحه ۲۸)(بحار الأنوار - العلم العلامة الحجة فخر الامة المولى الشيخ محمد باقر المجلسيؒ، الجزء ۱، صفحه ۸۵)(التفسير الأصفى، الجزء ۱، صفحه ۱۴)(تفسير الميزان، بحث روائى، الجزء ۶، صفحه ۱۶۴)(سنن النبیؐ - السيد الطباطبائيؒ، الجزء ۱، صفحه ۱۲۱)(تفسير مجمع البيان، باب المعنٰى، الجزء ۶، صفحه ۱۸۸)

(۴۱)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۱۲۵)

(۴۲)......(سورۂ مبارکہ شرح، آیہ ۱)

(۴۳)......(سورۂ مبارکہ اسراء، آیہ ۷۹)

(۴۴)......(سورۂ مبارکہ مزمل، آیہ ۵،۶)

تمهید

(حصۂ دوم)

۱)دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطَبین کی اقسام

☆اولوا الالباب

☆مہر شدہ سخت دل رکھنے والے

☆مریض القلوب

۲)خدا نے قرآن کو آسان بنایا ھے

۳)فھم کی آمادگی کیلئے مشق کی ضرورت

٤)تدبر و تفقه سے خالی قرأت و عبادت

٥)ثواب مقصدِ قرآن نہیں

٦)قرآن میں تدبر نه کرنے کی مذمت

۷)قرآن میں تعقل کی ضرورت

۸)اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں

۹)قرآن میں تدبر کی تاکید

۱۰)ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینه

۱۱) قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت

قرآن مجید نے خود ہی اپنے مخاطبین کو چند قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ قرآن مخاطِب تو سب کیلئے ہے، ھدی للناس ہے لیکن بعض مخاطَبینِ قرآن ایسے ہیں کہ جن کے اندر فہم آمادہ ہے، ان کے اندر ہدایت قبول کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی شرائط موجود ہیں یعنی انہوں نے اپنے اندر یہ شرائط پیدا کی ہیں۔

۱) دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطَبین کی اقسام

☆اولوا الالباب

پہلا گروہ ان لوگوں کا ہے کہ جو اولی الالباب ہیں۔

الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولٰئِکَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ٥ (۱)

جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبانِ عقل ہیں۔

یہ لوگ خدا کی آیات اور نشانیوں سے ہدایت لینے کے قابلیت رکھتے ہیں لہٰذا آیاتِ تدوینیٔ خدا اور آیاتِ تکوینیٔ خدا کن لوگوں کیلئے ہدایت کا سرچشمہ بن سکتی ہیں؟

لِأُولِی الْأَلْبَابِ...... (۲)

اولی الالباب کیلئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ فلاح پانے کیلئے انہیں بھی تقویٰ اختیار کرنا ہوگا۔

دلوں کے لحاظ سے قرآن کے مخاطَبین کی اقسام

فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا أُولِی الْأَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ (٣)

اے صاحبانِ عقل اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تم اس طرح کامیاب ہو جاؤ۔

☆مہر شدہ سخت دل رکھنے والے

قرآن مجید نے دوسرا گروہ ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جن کے اندر یہ فہم اور استعداد و صلاحیت مر چکی ہے، سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور یہ ذرہ برابر قرآن سے استفادہ نہیں کر پائیں گے، خداوند تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی منع کیا ہے اور روکا ہے یعنی دوسرے لفظوں میں ارشاد کیا ہے کہ آپ اپنی توانائیاں اور اپنا وقت ان پر ضائع نہ کریں،

سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ٥ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ٥ (٤)

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر گویا مہر لگا دی ہے کہ نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں، ان کے واسطے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

اس لئے کہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں، انہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے، ان کے سامنے قرآن پیش کرنا اور نہ پیش کرنا برابر ہے یعنی جیسا نتیجہ نہ سمجھانے کا ہے تو سمجھانے کا نتیجہ بھی وہی ہے، نہ سمجھانے کے نتیجے میں انہیں کوئی ہدایت نہیں ملے گی لیکن سمجھانے کے نتیجے میں بھی انہیں کوئی ہدایت

حاصل نہیں ہوگی چونکہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں، ان کے دلوں نے حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے۔قرآن نے ان کے لئے مختلف صفات ذکر کی ہیں، مثلاً ان کے لئے قفل ذکر کیا گیا ہے،

أَفَلا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا٥(۵)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی تدبر نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی انسان کی دو ہی حالتیں ہیں تیسری کوئی حالت نہیں ہے، بصورتِ قضیہٗ مانعۃ الخلو، منطقی اصطلاح میں بصورتِ مانعۃ الخلو یہ ہے کہ غیر ہدایت یافتہ انسانوں نے یا تو قرآن میں تدبر نہیں کیا ہے یا پھر ان کے دلوں پہ تالے پڑے ہوئے ہیں۔

☆مہر شدہ سخت دل رکھنے والے

ان کیلئے بعض اوقات قساوت کو بھی ذکر کیا ہے کہ

قُلُوْبُهُمْ قَاسِيَةً ......(۶)

وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ......(۷)

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ......(۸)

فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ......(۹)

فَلَوْلَا اِذْ جَائَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥(۱۰)

پھر ان سختیوں کے بعد انہوں نے کیوں فریاد نہیں کی، بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے

ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آراستہ کردیا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ......(۱۱)

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت......

یہ دل یا فہم کی مختلف حالتیں ہیں کہ جو انسان کے اندر بن جاتی ہیں اور انسان ہدایتِ قرآن سے محروم رہتا ہے۔

☆مریض القلوب

☆مریض القلوب

تیسرا گروہ ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جو بین بین ہیں یعنی جو فہمِ قرآن کے لئے نہ صد در صد آمادہ ہیں اور نہ ہی ابھی اس انتہائی نوبت تک پہنچ چکے ہیں کہ شاید ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہو بلکہ درمیانی حالت میں ہیں، ان کو کہا گیا ہے کہ یہ مریض القلوب ہیں، ان کے دلوں کے اندر مرض ہے،

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ ......(۱۲)

ان کے دل بیمار ہیں، اگر یہ چاہیں تو علاج بھی ہو سکتا ہے اور اگر چاہیں تو یہ دل اس انجام تک بھی پہنچ سکتا ہے کہ یہی بیماری ان کے دل کی ہلاکت اور دل کی موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اسی تقسیم کے حوالے سے قرآن مجید نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب ایک آیتِ قرآن نازل ہوتی ہے تو جن کے دلوں میں ایمان ہے یعنی جن کے دل آمادہ ہیں، جن کی فہم آمادہ ہے، ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے یعنی ان کے لئے نزولِ آیۂ قرآن باعثِ تقویتِ ایمان ہے اور جن کے دل آمادہ

نہیں ہیں، جن کے دلوں میں زیغ ہے، جن کے دلوں میں زنگ ہے، جن کے دلوں میں ضعف و کمزوری وکجی ہے تو یہی آیہ جب نازل ہوتی ہے تو ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ آیہ کے اندر تو گمراہی موجود نہیں ہے، آیہ نور ہے لیکن یہ نور جب ایک ایسے ظرف کے اندر اترتا ہے کہ جو تیار نہیں ہے اور آلودہ ظرف ہے تو یہ قانون ہے کہ اگر ہم آلودہ چیز کے اندر پاک چیز بھی ڈالیں تو وہ چیز بھی یعنی مظروف بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ہم پاک شے کسی ناپاک برتن میں ڈالیں تو وہ برتن بھی پاک ہو جائے بلکہ عموماً وہ شے ناپاک ہو جاتی ہے، مثلاً اگر آپ ایک مٹیالے برتن کے اندر صاف وشفاف پانی ڈالیں تو مٹی نہیں دھلے گی بلکہ پانی مٹیالہ ہو جائے گا یا اگر آپ ایک نجس برتن کے اندر دودھ ڈالیں تو برتن پاک نہیں ہوگا بلکہ دودھ نجس ہو جائے گا۔یہی تمثیل انسان کے فہم کیلئے بھی ہے کہ اگر انسان کی فہم آلودہ ہو اور اس دل کے اندر قرآن کا نور اتر بھی جائے تو وہ نورِ قرآن کو آلودہ کر دیتا ہے نہ یہ کہ قرآن اس کے دل کو پاک کر دے گا۔

ظرف ومظروف کا یہ قانون کہ جو عام طور پر طبعی اور مادی عالم کے لئے ہے یہی قانون فہم کیلئے بھی ہے یعنی ظرف ومظروفِ معنوی کے لئے بھی یہی قانون ہے، اس بنا پر کچھ چیزیں ضروری ہیں تاکہ جس طرح بحثِ تفسیری میں یہ مطلب بیان ہوا ہے کہ اگر انسان کا دل سخت ہو جائے اور خدا نخواستہ انسان قساوتِ قلبی کا شکار ہو جائے تو کس طرح سے دل کو نرم کریں؟ کس طرح سے دل میں خشوع پیدا ہو؟ یعنی اگر غیر آمادہ فہم ہو تو اس فہم کو انسان کس طرح آمادہ کرے؟ تاکہ اس کے کچھ پلے

پڑنا شروع ہو جائے، اس فہم سے کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو جائے، قرآن کا نور اس کے دل کے اندر اترنا شروع ہو جائے اور اس کا وجود قرآن سے منور ہو جائے لہٰذا اجمالی طور پر کہیں گے کہ جو چیزیں دل کے اندر خشوع پیدا کرتی ہیں اور قرآن کیلئے فہم کو تیار کرتی ہیں انہی چیزوں کا نام آدابِ فہمِ قرآن ہے۔

۲) خدا نے قرآن کو آسان بنایا ھے

قرآن نے سورہ مبارکہ قمر میں متعدد مواقع پر اس نکتے کو بیان فرمایا ہے کہ

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡآنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ٥ (۱۳)

اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

یعنی قرآن میں پہلے اسرار تھے، اس کے اندر دشواری تھی لیکن خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسانیت اور بشریت پر لطف کیا، جہاں بہت سارے الطاف انسان کے شاملِ حال ہوئے ہیں ان میں سے ایک نزولِ قرآن یا سہولتِ قرآن ہے۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے قرآن کو سہل بنایا ہے، یسرنا القرآن یعنی قابلِ فہم بنایا ہے، چونکہ دوسری طرف سے خود قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ

هُدًی لِّلنَّاس...... (۱۴)

یہ تمام بشریت کے لئے ہدایت ہے اور ظاہر ہے کہ فقط قرآن فقط ایک نسل کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے، نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک کتابِ خاتم ہونے کے لحاظ

سے وکتابِ مھیمن ہونے کے لحاظ سے یہ ہر نسل کے لئے اور ہر عصر کے لئے ہدایت ہے، کوئی خاص طبقہ قرآن کا مخاطب نہیں ہے، اس کتاب کی بشریت کے لئے ہدایت ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ عام بشر کے لئے قابلِ فہم بھی ہو، اگر قرآن فقط اہلِ عربی کے لئے قابلِ فہم ہو اور غیر عربی کے لئے قابلِ فہم نہ ہو تو یہ غرضِ ہدایت کے ساتھ سازگار نہیں ہے، یعنی یہ ھدی للناس شمار نہیں ہوتی بلکہ یہ ھدی للعرب ہے، اگر قرآن فقط علماء کے لئے قابلِ فہم ہو اور غیر علماء کے لئے قابلِ فہم نہ ہو تو یہ پھر بھی ھدی للناس نہیں ہے بلکہ ھدی للعلماء ہے چونکہ ناس عامۃ الناس کو کہتے ہیں اور عامۃ الناس میں ظاہر ہے کہ وہ تخصص موجود نہیں ہوتا ہے کہ جو عربی دان طبقے میں ہے یا اہلِ علم میں ہے، اس لئے قرآن مجید کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے آسان کیا اور چند آیات میں اس کو تکرار کیا ہے۔

خدا نے قرآن کو آسان بنایا ہے

قرآن کو مہجوریت سے نکالنے کے لئے خداوندِ متعال نے انسانوں پر یہ لطف کیا ہے کہ قرآن کو ہمارے لئے آسان کر دیا ہے لیکن بعض لوگ کوشش میں ہیں کہ برعکس کام کریں، خدا نے جتنی کوشش کی البتہ خدا کے کاموں کے لئے کوشش تو نہیں کہہ سکتے ہیں یعنی خدا نے ہم پر یہ لطف کیا، یہ عنایت ورحمت کی کہ ہم پر قرآن کو آسان بنا کر پیش کیا، اب کچھ لوگ مشغول ہیں کہ قرآن کو دوبارہ مشکل بنائیں، اتنا مشکل بنائیں کہ پھر فرشتوں ہی کی سمجھ میں آئے۔ خدا کہہ رہا ہے کہ ہم نے آسان کیا ہے لیکن لوگ اس کے جواب میں اسے اتنا مشکل بنانے میں مشغول ہیں کہ پھر یہ کسی کو سمجھ میں نہ آئے اور اس کو کتابِ مکنون سے بھی بالاتر کسی جگہ پر پہنچا دیں۔

دوسرے لفظوں میں یسرنا القرآن نزول کی تفسیر ہے، جب کہا کہ

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ......(۱۵)

ہم نے قرآن نازل کیا ہے، کیا مطلب کہ نازل کیا ہے؟ یعنی نہ کہ یہ آسمان پہ تھا اور اس کو اب زمین پر لے آئے ہیں یا کسی فلک پہ تھا اور اس کو اب کسی دوسرے فلک پہ منتقل کیا ہے یا کسی مکانِ بلند پہ تھا اور اس کو ہم نے اب مکانِ ادنیٰ میں منتقل کیا ہے، نزولِ جسمانی نہیں ہوا ہے بلکہ نزول کا معنیٰ یہ ہے کہ پہلے یہ انسان کی دسترس سے باہر تھا لیکن اب ہم نے اسے انسان کی دسترس میں قرار دیا ہے،

اِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌo فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍo لَّا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُونَo(۱۶)

یہ بڑا محترم قرآن ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

یہ دسترسِ انسان سے باہر تھا، پھر فرمایا کہ

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَo(۱۷)

یعنی خدا نے اس کو نازل کیا، کس طرح سے نازل کیا؟

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ......

یہ تنزیل کی تشریح ہے یا نزول کی وضاحت ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے یعنی قابلِ فہم بنا دیا ہے، چونکہ پہلے یہ کتابِ مکنون تھی، یہ غیر مفہومی حقیقت تھی اور یہ قرآن غیر لفظی تھا لیکن ہم نے اسے انسان کی فہم کی سطح تک پہنچا دیا ہے یعنی ان حقائق کو ہم نے مفہوم کا جامع پہنایا ہے اور

ان مفاہیم کو بھی الفاظ کی شکل دی ہے، پس قرآن کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس قابل بنادیا ہے کہ انسان کے لئے قابلِ فہم ہو جائے لیکن دوسری طرف سے انسان کی فہم کو بھی آمادگی کی ضرورت ہے۔

۳)فہم کی آمادگی کیلئے مشق کی ضرورت

اگرچہ فہمِ انسان میں پیدائشی طور پر نہ صرف قرآن بلکہ بہت سارے غیر قرآنی معارف کو بھی درک کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے یعنی قابلیتِ بالفعل نہیں ہوتی ہے لیکن خدا نے انسان کے اندر ایسی طاقت یا قوت رکھی ہوتی ہے کہ اگر انسان چاہے تو اس کی تکمیل کر کے ایسے مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ وہ ان معالم، ان مطالب اور ان معارف کو درک کر سکے، ہر فہم ہر قسم کے مطلب کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوتی بلکہ اس فہم کو جسمانی صلاحیتوں کی طرح آمادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً انسان کے بدن میں جسمانی صلاحیتیں فراواں ہیں لیکن سارے اجسام ہر کام کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے ہیں مخصوصاً اگر ہم ایسے جسمانی کاموں پر نظر رکھیں کہ جن کو کرنے کیلئے لوگ معمول سے ہٹ کر اور مشق کر کے اپنے بدن کو تیار کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد محیر العقول کام سرانجام دیتے ہیں مثلاً اگر جمپ لگانا ہے، بغیر سہارے رسی پر چلنا ہے یا کوئی بھاری وزن اٹھانا ہے تو اسی معمولی جسم کے ساتھ انسان یہ امور انجام نہیں دے سکتا ہے لیکن اسی جسم کو جب آمادہ کیا جائے، مشق کراوائی جائے، ریاضت کروائی جائے اور تیار کروایا جائے تو یہی جسم وہ کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفسِ انسان اور روحِ انسان بھی ہے، جسمانی صلاحیتوں کی طرح روحانی

طاقتیں اور صلاحیتیں بھی انسان کے اندر ہیں، ان کے اندر بھی کبھی آمادگی موجود نہیں ہوتی ہے لیکن اگر انہیں آمادہ کیا جائے، تیار کیا جائے تو اس آمادگی کے بعد انسان انہی کاموں کو کرنے کے قابل ہو جاتا ہے کہ جن کیلئے پہلے تیار اور آمادہ نہیں تھا۔ ایسے کام بہت سارے ہیں کہ جن کے لئے ہمیں کہا گیا ہے کہ اپنے آپ کو آمادہ کرو، تیار کرو، اگر آپ بغیر آمادگی کے اس مرحلے میں پہنچ گئے تو ضرر اور نقصان ہے، مثلاً عرصۂ غیبتِ کبریٰ میں اور انتظار کے زمانے میں فریضۂ انتظار یہ ہے کہ اپنے آپ کو آمادہ کرو، انتظار یعنی تیاری کا زمانہ، آمادگی کا زمانہ، اگر بغیر آمادگی کے ظہور ہو جائے، غیر آمادہ قوم کے اندر، غیر آمادہ امت کے اندر ظہور ہو جائے کہ جیسے سابقہ امتوں میں ایسا اتفاق رونما ہوا ہے مثلاً بنی اسرائیل کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم رہبر آیا درحالیکہ بنی اسرائیل اس کے لئے آمادہ اور تیار نہیں تھے، غیر آمادہ قوم میں اگر ایک نبی اور معصوم بھی آ جائے تو کام آگے نہیں بڑھتا ہے، اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام نے جب اقتدارِ حکومت سنبھالا تو اس وقت قوم آمادہ نہیں تھی، اس رہبر کی رہبری کے لئے امت تیار نہیں تھی یا ایسے اور بہت سارے دیگر تاریخی واقعات ہیں کہ جیسے کوفہ ایک شہرۂ عالم مثال ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے اپنے امام کو بلایا، رہبر کو بلایا لیکن آمادہ نہیں تھے، آمادگی کے بغیر طلب کر لیا، آمادگی کے بغیر اس کی طرف دعوت نامہ ارسال کر دیا۔

غیر آمادہ لوگوں کو اگر کوئی چیز میسر آ بھی جائے تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں اور وہ چیز یقیناً ان کے ہاتھ سے زائل و ضائع ہو جاتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ غیر آمادہ طبقہ زیادہ نقصان کرے۔ اسی طرح قرآن مجید کے لئے ہے، اگرچہ قرآن کے نزول کے لئے اُس طرف سے جتنی سہولت و آسانی

فہم کی آمادگی کیلئے شوق کی ضرورت

ممکن تھی وہ انجام دی گئی ہے یعنی قرآن کو مرتبہ مکنونہ سے، مقام لدن سے، مقام علیم وحکیم سے اورلوحِ محفوظ سے نازل کیا گیا ہے، یہ تعبیریں خود قرآن کی ہیں کہ قرآن پہلے یہاں تھا یا بالامرتبہ قرآن یہ تھااوروہاں سے اسے نازل کیا گیا ہے، پھرارشادہوا کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ......

ہم نے قرآن کوآسان، سادہ اور عام فہم بنایا ہے یعنی قرآن کوآسان کیا گیا ہے لیکن دوسری طرف سے فہمِ انسان کوبھی ان مطالب کودرک کرنے کے لئے آمادہ ہونا چاہئے، جیسا کہ قرآن مجید نے اول مقصد بھی یہی ذکر کیا ہے کہ قرآن کوفہم کی ضرورت ہے یعنی انسان قرآن کو سمجھے، صرف قرآن کا موجود ہونا کافی نہیں ہے یا کوئی بھی کام کہ جوانسان قرآن کے حوالے سے انجام دیتا ہے اگر ان کے اندر فہم کا عنصر شامل نہ ہوتو وہ چنداں مفید نہیں ہیں۔

٤)تدبر و تفقه سے خالی قرأت و عبادت

انسان تلاوت وقرأت قرآن کرتا ہے لیکن اگرانسان کے اندرفہم وتدبّر نہ ہوتواس کی فضیلت کی نفی کی گئی ہے اور بعض اوقات سرے سے اس کی افادیت کی نفی کردی گئی ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ حدیث امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ

اَلا لا خَيرَ فِي قِرَاةٍ لا تَدَبُّرَ فِيهَا......(١٨)

آگاہ رہو! جس قرأت میں تدبر نہ ہواس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

یعنی ایسی قرآن خوانی کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جس کے اندر تدبر موجود نہ ہو، یہ احادیث معصومین علیہم السلام سے منقول ہیں اور متعدد مضامین کے ساتھ ہیں، فرمایا کہ اس قرأت اور قرآن خوانی کے اندر کوئی خیر نہیں ہے یعنی کوئی کمال نہیں ہے، بے شک وقت صرف کرنا ہے، ٹائم پاس ہوگا، وہ سرگرمی ہے اور ممکن ہے اس کے بہت سارے فائدے بھی حاصل ہو جائیں لیکن خیر کوئی بھی نہیں ہے، ہم کتنے قرآن ختم کر کے پھر یہ سمجھتے ہیں کہ اتنی خیر ہے کہ ہم سے بھی زیادہ ہے اور مردے کو بھی بھیجتے ہیں کہ یہ سارا خیر اس مردے کو مل جائے کہ جو اس کے اندر ہے، قرآن خوانی میں عموماً مدرسے کے طالب علموں کو قرآن پڑھنے کے لئے لے آتے ہیں اور ویسے گنیز بک (Guinness Book) کے مطابق عالمی ریکارڈ تو سات منٹ میں سپارہ پڑھنا ہے لیکن یہ جو ختمِ قرآن میں پڑھتے ہیں یہ تین منٹ سے بھی کم میں سپارہ پڑھتے ہیں بلکہ پڑھتے نہیں ہیں صرف ورق گردانی کرتے ہیں، پھر اس کے بعد بڑے خلوص کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ یہ جو قرآن خوانی ہوئی ہے اس کا ثواب مُردے یا مرحوم کو پہنچے لیکن جو حرکتیں انہوں نے قرآن پڑھتے ہوئے کی ہیں، یہ سب کچھ جو انہوں نے کیا ہے اگر یہ مردے تک پہنچ جائے تو وہ تو تڑپ جائے گا، یہ تو حکمتِ خدا ہے کہ اس تک یہ سب کچھ نہیں پہنچتا ہے۔

آپ نے ایصالِ ثواب کرنا ہے تو ایک سورۂ فاتحہ کیلئے کسی کو بلاؤ کہ جو آپ کے لئے اس کی تفسیر کرے، آپ سے تدبر کروائے اور دوسروں کو بھی متوجہ کرے، مردہ بھی اس سے بہرہ مند ہو اور زندہ بھی چونکہ جو چیز زندوں کے کام نہیں آسکتی ہے وہ مردے کے کس کام آئے گی؟ قرآن زندوں

کے لئے نازل ہوا ہے، نہ کہ مُردوں کے لئے، لہٰذا اس قرآن خوانی سے حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا کہ جس میں تدبر نہ ہو یعنی خیر سے خالی تلاوتیں، خیر سے خالی قرأتیں، خیر سے خالی شبینے، خیر سے خالی قرآن خوانیاں اور خیر سے خالی ختمِ قرآن۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سات دن سے پہلے قرآن ختم نہ کرو، کیوں؟ اس لئے کہ خود قرآن نے کہا ہے کہ

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (١٩)

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر با قاعدہ پڑھو۔

قرآن کے اندر تدبر کرو، ظاہر ہے کہ اس کیلئے فرصت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ قاریوں نے قرآن پڑھنے کے آداب لکھے ہیں کہ جو تلاوتِ قرآن سے متعلق ہیں اور وہ آداب الفاظ کے ذریعے سے ہیں کہ مثلاً یہاں وقفہ ہے، یہاں پر وقفہٗ لازم ہے، یہاں سکتہ ہے، یہاں سانس ٹوٹنی چاہئے، یہاں سانس جوڑنی چاہئے، ان میں ساری توجہ سانس کی طرف ہوتی ہے، بعد میں موانعِ فہم بھی تحریر میں لائیں گے، ان موانعِ فہم میں سے ایک یہی چیز ہے یعنی مخرج اور یہ امور کہ جن کے لئے ابھی قرآن میں زیادہ حساسیت پیدا ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ جب انسان سانس کے چکر میں پڑ اہوا ہو کہ کہاں روکوں؟ کہاں چھوڑوں؟ تو معنیٰ کی طرف تو توجہ نہیں جاتی ہے، جتنی بھی سانس ہے وہ جہاں رکتی ہے روک دو، اصل وقفہ کہاں کرو؟ معنیٰ پر وقفہ کرو، کچھ معانی ایسے ہیں کہ جہاں رک جاؤ، وقف یعنی ٹھہر جاؤ، یہ مقام گزرنے کا نہیں ہے، یہاں تامل، تعقل، تدبر اور غور و فکر کرو، اس طرح سے

تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

فرفر پڑھ جانا مطلوب نہیں ہے۔یقیناً اس طرح ثواب بھی کم ہے یا کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح فرفر پڑھنے کا بہت محدود ثواب ہے، قرآن کو تدبر کے ساتھ پڑھو تو ثواب بھی بیشتر ہے اور اس کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

لَا خَيْرَ فِيْ عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيْهَا...... (۲۰)

اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں جس میں تفقہ نہ ہو۔

فقہ بھی فہم کے معانی میں ہے اور یہ قرآنِ مجید کی اصطلاح ہے، روایتِ دیگر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہے کہ

آيَاتُ الْقُرْآنِ خَزَائِنُ الْعِلْمِ...... (۲۱)

قرآن کی آیتیں خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی ہر آیتِ قرآن اپنی جگہ خزانہ ہے، اسی مضمون کو دیگر الفاظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے مثلاً

اِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْراً وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا اِلٰى سَبْعَةِ اَبْطُنٍ...... (۲۲)

بیشک قرآن کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر باطن کیلئے باطن ہے، یہاں تک کہ سات باطن ہیں۔

اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ ستر باطن ہیں،

اِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْراً وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا اِلٰى سَبْعَةِ اَبْطُنٍ اَوْ اِلٰى سَبْعِيْنَ

تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

بَطْنًا......(۲۳)

بیشک قرآن کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر باطن کیلئے باطن ہے، یہاں تک کہ سات باطن ہیں یا ستر باطن ہیں......

قرآن کی ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کے ماورا ایک اور حقیقت ہے اور اس حقیقت کے ماورا ایک حقیقتِ دیگر ہے، اب یہ انسان کی توفیق ہے کہ ان درجات یا ان حقیقتوں تک اپنے آپ کو کیسے پہنچا سکتا ہے، آیاتِ قرآن علم کے خزانے ہیں لیکن یہ خزانہ بند ہے،

آیاتُ الْقُرْآنِ خَزَائِنُ الْعِلْمِ فِکُلَّمَا فُتِحَتْ خَزَانَةٌ فَیَنْبَغِیْ لَکَ أَنْ تَنْظُرَ فِیْهَا......

قرآن کی آیات علم کے خزانے ہیں پس جب خزانے کی جگہ کھل جائے تو سزاوار یہ ہے کہ تم ان پر نظر کرو۔

یعنی انسان جب تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک صندوق ہو کہ جس کے اندر قیمتی جواہر و قیمتی موتی موجود ہوں لیکن وہ صندوق بند ہو اور انسان کے پاس اس کی چابی نہ ہو لہٰذا اس صندق کا اس انسان کو کوئی فائدہ نہیں ہے یا قرآن ایک معدن کی طرح ہے کہ اس معدن کے اندر بہت قیمتی دھاتیں موجود ہیں لیکن اس معدن کے نیچے جانے کے لئے انسان کے پاس کوئی راستہ موجود نہیں ہے تو انسان کیلئے ایسی معدن کا یا اس سے سروکار رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے،

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

تدبر و تفقہ سے خالی قرأت و عبادت

تَدَبَّرُوا آيَاتِ الْقُرْآنِ وَ اعْتَبِرُوا بِهِ فَإِنَّهُ أَبْلَغُ الْعِبَرِ......(۲۴)

قرآن مجید کی آیات میں تدبّر کرواور ان کے ذریعے عبرت لے لو بے شک یہ سب سے زیادہ عبرت والی ہیں۔

۵)ثواب مقصدِ قرآن نہیں

آغازِ کتاب میں یہ بتانا ضروری ہے کہ بعض کام قرآن مجید کی طرف رغبت بڑھانے کے لئے پیش کئے گئے ہیں،ہمیں ان کاموں میں رغبت اور مقصدِ قرآن میں فرق معلوم ہونا چاہئے ،دائماً ہم کسی حال میں بھی اس سے غفلت نہ برتیں از جملہ ثواب ہے کہ آپ آیاتِ قرآن پڑھیں،آپ ختمِ قرآن کریں،آپ حفظِ قرآن کریں اور قرآن کے حوالے سے جتنے اعمال ہیں وہ انجام دیں کہ جن کے بارے میں فضیلت ذکر کی گئی ہے اور ثواب ذکر کیا گیا ہے لیکن ثواب مقصدِ قرآن نہیں ہے۔قرآن کی طرف لانے کے لئے ثواب ایک رغبت ہے،اس کو متعدد دفعہ مومنین کے سامنے اور عوام کے سامنے ذکر کیا ہے، چونکہ اس میں سبھی گرفتار ہیں،خواص بھی اور عوام بھی،سب ہی اس کی حدود کی برہمی کا شکار ہوئے ہیں،امورا پنے اپنے مقام پر نہیں ہیں بلکہ درہم برہم ہو گئے ہیں، ان کی حدود آپس میں مکس (Mix) ہوگئی ہیں اور ان میں ملاوٹ ہوئی ہے۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اصل مقصود ہیں اور انسان کو اس مقصود کی طرف لانے کے لئے کچھ رغبتیں ایجاد کی جاتی ہیں،رغبتیں بھی ان لوگوں کے لئے ایجاد کی جاتی ہیں کہ جن کو معرفت نہ ہو چونکہ

انسان قرآن کی طرف یا حقائق کی طرف دو محرکات کے تحت آتا ہے، اول یہ کہ انسان بالغ ہے، کمال یافتہ انسان ہے اور معرفت اس کے لئے کافی ہے۔ علم و معرفت انسان کو اس حقیقت تک لے آتی ہے اور غیر از معرفت کوئی محرکِ دیگر انسان کو نہیں چاہئے۔ دوسرا محرک رغبت ہے یعنی بعض انسان ایسے ہیں کہ نہ ان کے پاس معرفت ہے یا معرفت ہے لیکن کافی نہیں ہے اسی لئے ایسی رکاوٹوں میں اور موانع میں مبتلا ہوتے ہیں کہ فقط حقیقت کا جان لینا اور کشف ہو جانا ان کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ان کے اندر اس سے زیادہ جاذبہ، کشش اور رغبت موجود ہو تاکہ یہ اس حقیقت تک پہنچ جائیں مثلاً بڑے اور بالغ انسان خود علم حاصل کرنے جاتے ہیں، کلاسوں میں، مدرسوں میں اور درسوں میں جاتے ہیں، خود کتابیں پڑھتے ہیں اور انہیں رغبت دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے لیکن چھوٹے بچوں کو والدین جب اسکول بھیجتے ہیں تو انہیں کلاسوں میں اور مدرسوں میں ہزار رغبتوں کے ساتھ بھیجتے ہیں، کبھی انہیں کوئی کپڑے خرید کر دیتے ہیں، کبھی انہیں جوتے خرید کر دیتے ہیں، کبھی انہیں کھانا خرید کر دیتے ہیں اور کبھی انہیں کھلونا خرید کر دیتے ہیں، یہ ثواب ہیں۔

اگر ہم ثواب کو تمثیل کے ساتھ پیش کریں تو کہیں گے کہ ثواب رغبت کے طور پر ہے یعنی نابالغ انسان جو معرفت نہیں رکھتا ہے جیسے بچہ ہے کہ اسے علم کی معرفت نہیں ہے، اسکول کی معرفت نہیں ہے، کتاب کی معرفت نہیں ہے کہ اس معرفت کے ساتھ اسکول جائے بلکہ وہ رغبتوں کی وجہ سے اسکول جاتا ہے، اگر یہ رغبتیں بیچ میں سے ہٹا دی جائیں تو یہ ایک دن بھی جانے کے لئے حاضر نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو بالغ انسان ہیں جیسے امیر المومنین علیہ السلام بالغ انسان ہیں ان کا یہ فرمانا ہے کہ

مَا عَبَدْتُکَ خَوْفًا مِنْ نَّارِکَ وَلَا طَمَعًا فِیْ جَنَّتِکَ وَلٰکِنْ وَجَدْتُکَ أَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُکَ...... (۲۵)

میں نے تیرے جہنم کے خوف سے اور جنت کی لالچ میں تیری عبادت نہیں کی لیکن تجھے عبادت کا اہل پایا تو تیری عبادت کی......

کیونکہ میں عبدِ الٰہی ہوں، میں خدا کی نعمتوں کا بندہ نہیں ہوں یعنی رغبتیں اور نعمتیں مجھے خدا کی طرف لے کر نہیں آئی ہیں، خدا نے مجھے نعمتوں کی طرف متوجہ کیا ہے نہ کہ نعمتوں نے مجھے خدا کی طرف متوجہ کیا ہے لہٰذا فرمایا کہ اگر جنت اور جہنم نہ بھی ہو تو بھی علیؑ کی عبادت میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں پڑے گا چونکہ علی علیہ السلام بالغ انسان ہیں اور عبادتِ خدا کے لئے معرفتِ خدا کافی ہے۔

لیکن ہم نابالغ بچوں کی طرح ہیں، روزہ تب رکھتے ہیں کہ جب روزے کے فراواں فضائل بیان کئے جائیں، فضائل سے مراد مادی اور معنوی رغبتیں ہیں، جنت کی نعمتیں اور دنیا کی نعمتیں جب بتائی جائیں تو روزے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں مثلاً روزہ رکھنے سے جسم میں خون کنٹرول ہوتا ہے، شوگر کنٹرول ہوتی ہے اور جسم میں یہ اچھے اثرات پڑتے ہیں تو پھر ہم روزہ رکھتے ہیں یا مثلاً جب یہ کہا جائے کہ روزہ رکھو تو بہشت میں یہ نعمتیں ملیں گی تو پھر روزہ رکھتے ہیں لیکن اگر ہمیں یہ کہا جائے کہ روزہ رکھو یا نہ رکھو ہمیں جنت میں تو جانا ہی جانا ہے تو پھر کوئی بھی روزہ نہیں رکھے گا چونکہ ہمارا روزہ رغبت کے لئے ہے، اس مقصود کے لئے روزہ نہیں ہے، یہ ہمارے عدمِ بلوغ کی علامت ہے لہٰذا کثرت سے قرآن کی تلاوت اور قرآن کی آیات کے بارے میں ثواب ذکر کیا گیا ہے تا کہ لوگ

ثواب، مقصدِ قرآن نہیں

رغبت کریں۔

ہم ثواب کے متوالے اور دلدادہ ہیں اور قرآن کے ذریعے سے ثواب کمانا چاہتے ہیں، خدا کو ثواب کے ذریعے سے قرآن تک پہنچانا مقصود تھا نہ کہ قرآن کے ذریعے سے ثواب تک پہنچانا یعنی ثواب مقصدِ قرآن نہیں ہے بلکہ ثواب کا مقصد قرآن ہے۔ اس لئے ثواب رکھا گیا ہے کہ انسان رغبت پیدا کرے اور قرآن کی طرف آئے لہٰذا قرآن کو دیکھنے کا بھی ثواب ہے کہ مثلاً جو کسی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا ہے تو اس کا بھی ثواب ہے کہ وہ آ کر دیکھے یعنی قرآن کسی انسان کو لاتعلق نہیں رکھنا چاہتا ہے، ذاتِ خدا نے کسی انسان کو قرآن سے لاتعلق نہیں رہنے دیا لہٰذا کوئی بہانہ نہ کرے کہ مجھے قرآن پڑھنا نہیں آتا تھا۔ اگر آپ کو پڑھنا نہیں آتا ہے تو آپ سنیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ میں سن بھی نہیں سکتا ہوں تو آپ دیکھیں یعنی لاتعلقی کے لئے خدا نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ بالآخر ان رغبتوں کی وجہ سے جب انسان قرآن کی طرف آتا ہے یا کسی بھی وجہ سے آجاتا ہے تو وہ حقیقت انسان پر اپنا اثر چھوڑتی ہے۔

ثواب مقصدِ قرآن نہیں

اکثر مومنین کو اسی مطلب کو سمجھانے کے لئے یہ مثال بھی دی ہے کہ بچوں کی عمر میں ایک ضدی زمانہ آتا ہے۔ جب بچہ ڈھائی تین سال کا ہوتا ہے تو اس کی ضد کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، اس کے اندر ایک فکرِ استقلال آجاتی ہے کہ وہ اپنا ہر کام خود کرنا چاہتا ہے اور امر و نہی برداشت نہیں کر سکتا ہے، آپ نے اور ہم سب نے یہ زمانہ گزارا ہوا ہے، اگر اپنا یاد نہیں ہے تو دوسروں کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ ہم بھی بچپن میں ایسے ہی تھے، مثلاً ایک چیز کہ جس میں ضد کرتا ہے وہ یہ ہے کہ کھانا نہیں کھاتا ہے

یا دودھ نہیں پیتا ہے اور ماں کو معلوم ہے کہ اگر دودھ نہیں پئے گا تو یہ کمزور ہو جائے گا، مریض ہو جائے گا بااینکہ دودھ میں اس کی حیات ہے، دودھ میں اس کی بقاء ہے لیکن یہ ضد کرتا ہے اور دودھ کی طرف نہیں آتا ہے، ماں اس کو کھلونے کا وعدہ دیتی ہے کہ تم دودھ پیو اور میں تمہیں کھلونا دوں گی اور وہ کھلونے کی وجہ سے دودھ پیتا ہے، اسی لمحے اگر اس بچے سے پوچھیں کہ دودھ کیوں پیتے ہو؟ تو وہ کہے گا کہ کھلونے کی خاطر پیتا ہوں، ماں سے پوچھیں کہ ایسا کیوں کر رہی ہو؟ کھلونا کیوں دے رہی ہو؟ تو وہ کہے گی کہ دودھ کی خاطر، یعنی بچے کی نظر میں کھلونا ہدف ہے اور دودھ پینا ذریعہ ہے لیکن ماں کے نزدیک کھلونا ذریعہ، کشش اور رغبت ہے اور دودھ پلانا مقصد ہے۔

ہم قرآن کی طرف ثواب کی خاطر آئے ہیں لیکن خدا نے اس لئے ثواب رکھا ہے کہ ہم قرآن کی طرف آئیں اور قرآن کا اصل ہدف یہ ہے کہ اس کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی کا منشور قرار دیں۔

۶) قرآن میں تدبر نہ کرنے کی مذمت

قرآن کی آیات خزانہ ہیں اور ان خزانوں کو فہم و تعقل و تدبر کی ضرورت ہے، آیاتِ کریمہ میں اس نکتے کو ذکر کیا گیا ہے کہ آیاتِ قرآن کو فہم کی ضرورت ہے یعنی انسان قرآن کو سمجھے، فقط قرآن کا ہونا یا پڑھ لینا، فہم سے خالی تلاوت، فہم سے خالی عبادت یا فہم سے خالی قرأت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام گرامی پر موسوم ہے ان لوگوں کی مذمت کی گئی

ہے کہ جو قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں، فہم نہیں کرتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔ سورہ مبارک محمدؐ کی آیہ (۲۳) اور (۲۴) میں ہے کہ

أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ٥

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔

یعنی پہلے ان لوگوں کا ذکر کر کے، ان کے اعمال کا تذکرہ کر کے پھر فرمایا کہ ان پر خدا کی لعنت ہے اور لعنتِ خدا یہ ہے کہ یہ محروم ہیں۔ قرآن میں لعن در مقابلہ رحمت ہے، رحمت یعنی خدا نے اپنی نعمتیں ان کو عطا کی ہوئی ہیں اور لعنت یعنی اپنی نعمتیں ان سے روکی ہوئی ہیں، انہیں محروم رکھا ہوا ہے، اس محرومی کی ایک علامت یا اس کا ایک مصداق یہ ہے کہ

فَأَصَمَّهُمْ......

خدا نے ان کو بہرا قرار دیا ہے، یہ آواز سنتے ہیں لیکن اس آواز کے نتیجے میں جو پیغام ہے اسے نہیں سمجھتے ہیں مثلاً آوازِ قرآن سنتے ہیں، آیات کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے لیکن پیغامِ قرآن ان کے اندر منتقل نہیں ہوتا ہے،

وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ٥

اور خدا نے ان کی آنکھیں اندھی قرار دی ہیں، پھر آیہ ۲۴ میں فرمایا کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا٥

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی تدبر نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ

رُبَّ تَالِ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ......(۲۶)

بہت سارے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں جن پر خود قرآن لعنت کرتا ہے۔

غور کیجئے کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہے حالانکہ یہ قاریٔ قرآن ہیں۔ ایک اور روایت قرآن ہی کے حوالے سے ہے کہ جہنم میں سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ملے گا کہ جو حاملِ قرآن ہیں یعنی جن کو قرآن حفظ ہے یا قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن میں غور وفکر و تدبر اور عمل نہیں کرتے ہیں، چونکہ فہم مقدمۂ عمل ہے، جیسے عرض ہوا تھا کہ قرآن منشورِ حیاتِ انسان ہے یعنی حیات کا عملی منشور ہے اور اس پر عمل ہونا چاہئے، عمل کا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن میں فہم ہو، فہم بھی مقصدِ اصلی نہیں ہے کہ اگر ہم نے قرآن کو سمجھ لیا تو حق ادا کر دیا، فہم کے بعد اس منشور کو اپنی زندگی میں عملی بھی کرنا ہے، پس فہم ایک مقدمہ ہے۔

۷) قرآن میں تعقل کی ضرورت

سورۂ زخرف میں بھی قرآن کے نزول کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو عربی الفاظ کے قالب میں کیوں ڈھالا ہے؟

سورۂ مبارکہ زخرف کی ابتداء میں آیہ سوم میں ہے کہ

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ○

بیشک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

یعنی ہم نے اس کو لفظی قالب و لفظی شکل دی ہے اور وہ بھی عربی لفظی شکل دی ہے اور بعض آیات میں ہے کہ ہم نے عربی مبین کی شکل دی ہے،

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ○ (۲۷)

اس کے علاوہ سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۳ میں بھی عربی مبین کا لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن یہ سب کس لئے کیا ہے؟

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ○

تا کہ قرآن میں تعقل کرو، تدبر کرو اور تفکر کرو۔

سورۂ مبارکہ فصلت میں کہ جس کو حم سجدہ بھی کہتے ہیں، اس کے بھی آغاز میں آیہ سوئم میں ہے کہ

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ○

اس کتاب کی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن ہے اس قوم کے لئے جو سمجھنے والی ہو۔

ان تعبیروں کے اندر لطافتیں ہیں، صرف تنزیل ہے نہیں کہا، بعض جگہ پر ہے کہ

تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ○ (۲۸)

یہ خدائے حکیم وحمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعَالَمِیۡنَo(۲۹)

یہ عالمین کے رب کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتَابِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِo(۳۰)

تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِo(۳۱)

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتَابِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِo(۳۲)

لیکن سورۂ مبارکہ زخرف کی آیہ۲ میں خصوصیت کے ساتھ رحمٰن ورحیم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِo

یہ خدائے رحمان ورحیم کی تنزیل ہے۔

یعنی ان صفات، اسماء اور معانی کی تنزیل ہمراہ با رحمتِ رحمانیہ ورحیمیہ ہے۔ یہ تنزیل ہم نے کی ہے یعنی یہ بھی انسان کے اوپر خدا کی ایک رحمت ہے۔ قرآن خود ایک مصداقِ رحمت ہے اور تنزیل رحمتِ دُوُم خداوند تبارک وتعالیٰ ہے یعنی قرآن کو آسان کرنا، قابلِ فہم بنانا بھی ایک لطفِ دیگرِ خدا ہے کہ جو انسان کے لئے مقرر ہوا ہے، سورۂ فصلت کی آیہ سوئم میں ہے کہ

فُصِّلَتۡ آیَاتُہٗ......

اس کی آیات کو ہم نے الگ الگ کر کے، جدا جدا کر کے، ایک ایک کر کے نازل کیا ہے۔

یہ رحمت کا ایک نمونہ ومصداق ہے اور قرآن عربی بنایا ہے یعنی اس کو عربی الفاظ کا قالب دیا ہے اور

اس کی آیات کو ہم نے الگ الگ اور جدا جدا کیا ہے تاکہ تمہیں آسانی ہو،

یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ......

اسے نزول کی تفسیر کہہ لیں یعنی یسرنا القرآن نزولِ قرآن کی تفسیر ہے اور یہ آیت

فُصِّلَتْ آیَاتُہٗ قُرْآنًا عَرَبِیًّا......

یہ یسرنا کی تفسیر ہے یعنی ہم نے قرآن کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ ہر آیت الگ الگ، ہر مطلب جدا جدا اور ہر چیز مفصل کر کے پیش کی ہے، اس کو آپ کے لئے بہت واضح، روشن، زبانِ مبین اور تبیان کی صورت میں بیان کیا ہے تاکہ آپ کو سمجھنے میں مشکل نہ ہو لیکن

بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا فَأَعْرَضَ أَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ٥ (۴۳)

یہ قرآن بشارت دینے والا اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بنا کر نازل کیا گیا ہے لیکن اکثریت نے اس سے اعراض کیا ہے اور وہ کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔

۸) اکثریت فہم کیلئے آمادہ نہیں

قرآن کو تو خداوند تبارک وتعالیٰ نے آمادہ کیا ہے، آسان اور قابلِ فہم بنایا ہے لیکن اِدھر سے مخاطبینِ قرآن کا کام یہ ہے کہ اپنی فہم کو بھی قرآن کے لئے آمادہ کریں، بعض لوگوں نے یہ کام کیا یا نہیں کیا؟

فَأَعْرَضَ أَکْثَرُھُمْ......

اکثر نے نہیں کیا، کیونکہ قرآن کو سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں تھے،

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ٥

سنتے نہیں تھے،

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْ آذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ ٥ (۳۴)

اور کہتے ہیں ہمارے دل جن باتوں کی تم دعوت دے رہے ہوان کی طرف سے پردہ میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے لہٰذا تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم آمادہ نہیں ہیں، جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس چیز میں اور ہمارے درمیان پردے ہیں،

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ أَكِنَّةٍ ......

اکِنہ یا اکنان پردے کو کہتے ہیں، مکنون پردے میں چھپی ہوئی محجوب چیز کو کہتے ہیں یعنی جس چیز کی طرف آپ اور قرآن ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لئے ہمارا دل آمادہ نہیں ہے، تیار نہیں ہے، ان دلوں کے اندر اور اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان وقر اور حجاب ہیں۔ پس خدا نے تو قرآن کو آسان بنایا ہے لیکن اکثریت فہمِ قرآن کیلئے آمادہ نہیں ہے۔

اکثریت فہمِ قرآن کیلئے آمادہ نہیں

۹)قرآن میں تدبر کی تاکید

سورہ ص میں آیہ ۲۹ میں ہے کہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ ......

ہم نے یہ کتاب آپؐ کی طرف نازل کی ہے، یہ کتاب مبارک ہے، مبارک یعنی اس کے اندر برکات ہیں، اس کتاب کے اندر وہ برکات ہیں کہ جو آپ کی زندگی کے لیے ضروری ہیں، برکات یعنی خیر کے ذخیرے، کثیر ذخیروں کو برکات کہتے ہیں، ہم عموماً برکت کا لفظ بہت استعمال کرتے ہیں مثلاً خدا برکت دے، اس میں برکت نہیں ہے، اس میں برکت ہے، گھر میں برکت ہے، مال میں برکت ہے، زندگی میں برکت ہے لیکن متوجہ بہت کم ہوتے ہیں کہ برکت سے مراد کیا ہے؟ اگر کوئی ہم سے پوچھ بیٹھے کہ برکت کس کو کہتے ہیں تو زبان گُنگ ہو جاتی ہے، برکت یعنی خیرِ کثیر، جس کے اندر فراواں خیر ہو، انسان کی زندگی کی ضرورت جس کے اندر فراواں ہو، وافر مقدار میں ہو اور وُفُور کے ساتھ موجود ہو تو اس کو برکت کہتے ہیں لیکن اسی آیہ میں آگے فرمایا کہ

لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ ......

ضرورت اس کی ہے کہ تم اس قرآن میں تدبر کرو، ہمارا کام نازل کرنا تھا، آسان کرنا تھا، قابلِ فہم بنانا تھا لہٰذا بنا دیا لیکن قابلِ فہم چیز کو سمجھنے کے لئے کوئی فہم بھی تو آمادہ ہو، تمہارا کام اس کے اندر تدبر کرنا ہے، پھر فرمایا کہ

وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

اور ہم نے اس کو نازل کیا ہے تا کہ اولی الالباب متذکر ہوں، صاحبانِ لُبّ یعنی صاحبانِ عقل، اولی الالباب یعنی جو صاحبانِ عقل ہیں، نہ یہ کہ ان کا ایسی نوع سے تعلق ہے کہ جس نوع میں شانیتِ عقل موجود ہے، عموماً ہم اپنے آپ کو عاقل اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایسی نوع سے تعلق ہے کہ جس کی صلاحیت یہ ہے کہ اس کے بعض افراد میں عقل موجود ہے یعنی ملکہ بلحاظِ نوع کرتے ہیں، ہم اگر فردی لحاظ سے دیکھیں تو اولی الالباب کم ہیں، یہاں فردی لحاظ سے اولی الالباب مراد ہیں نہ کہ نوعی لحاظ سے، یعنی حیوانوں کی بعض انواع ہیں لیکن وہ نوعِ اولی الالباب میں سے نہیں ہیں، صاحبِ لب اور صاحبِ عقل نہیں ہیں، انسان تنہا نوع ہے کہ جس کے اندر عقل موجود ہے لیکن انسانوں میں بھی آیا سب میں عقل موجود ہے؟ یہ فرد فرد کے لحاظ سے دیکھا جائے گا، خدا نے فرمایا کہ ان میں سے بعض لوگ اولی الالباب ہیں یعنی جو فہم رکھتے ہیں اور اہلِ لُبّ ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کو قرآن سمجھ میں آئے گا، یہ قرآن میں غور کریں گے، فکر کریں گے اور نتائج لیں گے۔

سورہٗ مبارکہ یوسفؑ میں آیہ دوئم اور سوئم میں خود قرآن بتا رہا ہے کہ جس چیز کو ابھی پڑھنے جا رہے ہو، جس کی تلاوت کرنے جا رہے ہو یہ ہے کیا؟

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے کہ شاید تم لوگوں کو عقل آ جائے۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ ......

اس کتابِ مبین کو ہم نے نازل کیا ہے، نزول سے پہلے بھی یہ کتاب مبین تھی لیکن تمہاری

دسترس سے باہر تھی، سورۂ مبارکہ واقعہ کی آیات ۸۰-۷۷ میں فرمایا کہ

اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌo فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍo لَّا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَo

پھر فرمایا کہ اس کو ہم نے نازل کیا یعنی قابلِ فہم بنایا۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَo

اسی طرح سورۂ مبارکہ یوسفؑ آیہ دوم میں فرمایا کہ

اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَo

ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے کہ شاید تم لوگوں کو عقل آجائے پھر آیہ سوم میں ارشاد فرمایا کہ

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَo

یعنی اس میں ہم آپ کیلئے فراواں چیزیں پیش کریں گے، قصص بیان کریں گے، مطالب ذکر کریں گے کہ جو آپ کو پہلے معلوم نہیں تھے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ قرآن جو تعلیمات لے کر آیا ہے تو آیا یہ پہلے سے انسان کو معلوم تھیں یا پہلے یہ آسمانی کتب میں آئیں؟ آیا عقل یہاں تک تنہا پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ اس آیت میں وہ موضوع بھی موجود ہے اور اسی موضوع پر سورۂ مبارکہ نساء کی آیہ ۸۲ میں ہے کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا

كَثِيْرًا ○

یعنی آیا یہ لوگ کہ جو قرآن سے دور ہیں یا قرآن کے بارے میں تشویش کا شکار ہیں یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں؟ اگر قرآن میں غور کیا ہوتا تو انہیں بخوبی معلوم ہو جاتا کہ یہ کلامِ خدا ہے کیونکہ اس کے اندر ذرّہ برابر بھی اختلاف موجود نہیں ہے اور یہ حقیقت تدبر سے واضح و روشن ہوتی ہے کہ آیا قرآن میں کوئی اختلاف موجود ہے یا نہیں ہے،

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ......

کیوں تدبر نہیں کرتے ہیں، یہ ایک قسم کی توبیخ و سرزنش ہے کہ تدبر کیوں نہیں کرتے؟

اس ساری گفتگو کا خلاصہ و ماحصل یہ ہے کہ قرآن کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہ منشورِ حیات تدبر و تفکر کا محتاج ہے اور تدبر کی دعوت خود قرآن نے دی ہے اور تدبر نہ کرنے کی مذمت کی ہے۔ قرآن فہم کا محتاج ہے لیکن اس فہم کے لئے آمادگی چاہیے، ہم آمادہ فہم کے مالک نہیں ہیں، جیسے بہت سارے کاموں کے لئے ہمارا جسم آمادہ نہیں ہے لیکن اگر اس کو آمادہ کریں تو یہ آمادہ ہو جائے گا۔ تھوڑی سی زحمت دیں، تھوڑی سی مشقت دیں، اس کو تھوڑی سی مشق کروائیں تو یہ آمادہ ہو جائے گا۔

۱۰) ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ

ہماری قوتِ فہم، قوتِ عاقلہ اور قوتِ تدبر کہ جو خدا نے عطا کی ہے وہ آمادہ نہیں ہے اور وہ بھی ہماری وجہ سے آمادہ نہیں ہے کہ اس کو ہم نے مشغول کیا ہوا ہے، اس کے مشغلے کثیر ہیں، لہو ولعب

فراواں ہیں، سرگرمیاں ہیں، غفلت ہے اور بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو خود قرآن نے ہی ذکر کی ہیں اور بعض فہم کے لحاظ سے تو قرآن نے کہا ہے کہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُم ......(۳۵)

بعض تو قساوت کا شکار ہیں، بعض فہم یعنی دل، ان کے اندر قساوت ہے، سختی ہے اور ان کے اندر شدت آگئی ہے، وہ بھی اس طرح سے کہ اب کوئی چیز ان پر اثر نہیں کرتی ہے بلکہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُم مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ......

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت......

بعض فہم قرآن کے ادراک سے اور قرآن کے سمجھنے سے اتنے قاصر ہیں کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ قرآن نے پتھر کے تین مرتبے ذکر کیے ہیں کہ پتھر میں گنجائش ہے، پتھر میں پانی نکلتا ہے، پتھر میں نہر جاری کی جاسکتی ہے، پتھر میں چشمہ پھوٹتا ہے اور پتھر خشیتِ خدا سے گر جاتا ہے لیکن ھُبوط کرتا ہے لیکن دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ اس پر کلامِ خدا بھی اثر نہیں کرتا ہے یعنی وہ فطری فہم انسان کی فطرت سے ہٹ کر اور منحرف ہو کر کسی اور نقطے تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کو قرآن نے شقاوت اور قساوت سے تعبیر کیا ہے، اس فہم کو قساوت سے نکال کر قرآن کے لئے آمادہ کریں اور اس کے لئے بہترین موقع ماہِ رمضان ہے کیونکہ قرآن ماہِ رمضان میں نازل ہوا ہے اور نزولِ فہمِ قرآن کے معنیٰ میں ہے لہٰذا فرمایا کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ ......(۳۶)

یعنی ماہِ رمضان قرآن فہمی کا مہینہ ہے، دلوں کو نرم کرنے کے لئے یہ زمانہ انتہائی مناسب ہے، ماہِ رمضان میں قساوتِ قلبی کچھ درجہ خود ہی کم ہو جاتی ہے اور اگر انسان ساتھ میں کچھ کوشش بھی کرے تو مکمل طور پر قساوت کا خاتمہ کر کے خشوع بھی پیدا کر سکتا ہے اور انسان کے دل میں نرمی پیدا ہو سکتی ہے کہ جس کے بعد انسان کو قرآن سمجھ میں آنا شروع ہو جاتا ہے، اس دل کو آمادہ کرنے کے لئے کچھ امور کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، بقول شیخ سعدی

سعدی حجاب نیست تو آیینہ پاک دار
زنگار خوردہ چون بنماید جمالِ دوست......(۳۷)

یعنی اے سعدی پردہ نہیں ہے، محرومیت نہیں ہے بلکہ تیرا آئینہ صاف نہیں ہے اور اس کو زنگ لگا ہوا ہے، جمالِ دوست موجود ہے جبکہ دوسرے آئینوں میں متجلی اور منعکس ہو رہا ہے لیکن تیرے آئینے میں کیوں منعکس نہیں ہوا ہے؟ تیرے سامنے بھی وہ جمال ہے لیکن تیرے اندر اس کا انعکاس نہیں ہے چونکہ تیرے آئینے پہ زنگ چڑھا ہوا ہے، اب گلے اور شکوے نہ کر بلکہ اپنے آئینے کو صاف کر اور متمیز کر۔

۱۱) قرآن فہمی کیلئے آداب کی ضرورت

بعض بزرگ علماء نے قرآن کے آداب کے عنوان سے ان امور کو ذکر کیا ہے مثلاً آدابِ تلاوتِ قرآن ہیں، آدابِ سماعتِ قرآن ہیں۔ کچھ آداب خود قرآن نے ذکر کئے ہیں،

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ٥ (٣٨)

لہٰذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کریں۔

فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ٥ (٣٩)

پھر جب ہم پڑھوا دیں تو آپ اس کی تلاوت کو دہرائیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا٥ (٤٠)

اور قرآن کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ٥ (٤١)

اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو خاموش ہو کر غور سے سنو کہ شاید تم پر رحمت نازل ہو جائے۔

یعنی جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو توجہ سے سنو، ساکت ہو جاؤ اور اس کے مقابلے میں اظہارِ نظر نہ کرو، یہ آدابِ فہمِ قرآن میں سے ہے۔ پہلے ہمیں جاننا ہوگا کہ ادب کسے کہتے ہیں؟ جیسے اشارہ کیا تھا کہ برکت ایک مفہوم ہے کہ جسے کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن ہم اس کے بیان اور وضاحت سے بسا اوقات عاجز و قاصر ہوتے ہیں، شاید اس وجہ سے کہ بہت واضح مفاہیم ہوتے ہیں، جس طرح بہت مبہم مفاہیم کی وضاحت نہیں ہو سکتی ہے اسی طرح بہت واضح مفاہیم کی وضاحت بھی نہیں ہو سکتی ہے، برکت ہی کی طرح کا ایک مفہوم ادب بھی ہے، ابھی ہماری بحث آدابِ فہم قرآن

میں ہے، فہم یعنی سمجھنا، پیغامِ قرآن کو دریافت کرنا، حقیقتِ قرآن تک پہنچنا کہ جو مقصودِ قرآن ہے، لُبِ قرآن ہے لہٰذا اپنی قوتِ فہم کی مدد سے اس تک پہنچنے کو فہمِ قرآن کہتے ہیں یعنی تعقل وتدبر فہمِ قرآن ہے لیکن پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ادب کس کو کہتے ہیں، انشاء اللہ فصلِ تعارفِ ادب میں اس کی وضاحت کی جائے گی۔

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۱۸)

(۲)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ۱۹۰) (سورۂ مبارکہ ص، آیہ ۴۳) (سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۲۱)

(سورۂ مبارکہ غافر، آیہ ۵۴)

(۳)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۰۰)

(۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷،۶)

(۵)......(سورۂ مبارکہ محمدؐ، آیہ ۲۴)

(۶)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۳)

(۷)......(سورۂ مبارکہ حج، آیہ ۵۳)

(۸)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۲۲)

(۹)......(سورۂ مبارکہ حدید، آیہ ۱۶)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۴۳)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۴)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۰) (سورۂ مبارکہ انفال، آیہ ۴۹) (سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۵۲)

(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۲۵) (سورۂ مبارکہ احزاب، آیہ ۶۰، ۱۲) (سورۂ مبارکہ حج، آیہ ۵۳)

(سورۂ مبارکہ محمدؐ، آیہ ۲۹، ۲۰) (سورۂ مبارکہ مدثر، آیہ ۳۱)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ قمر، آیہ ۴۰، ۳۲، ۲۲، ۱۷)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ قدر، آیہ ا)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹، ۷۸، ۷۷)

(۱۷)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۸۰)(سورۂ مبارکہ حاقۃ، آیہ ۴۳)

(۱۸)......(التفسیر و المفسرون)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ مزمل، آیہ ۴)

(۲۰)......(تنبیہ الغافلین و ارشاد الجاهلین عما یقع لهم من الخطأ حال تلاوتهم لکتاب اللّٰہ المبین، باب تنبیهات، الجزء ا، صفحه ۱۱۹)

(۲۱)......(کیف نقرأ القرآن)

(۲۲)......(تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، مقدمة و بحثِ روائی الجزء ۳، صفحه ۴۰)(شرح خطبه البیان امام علیؑ بن ابی طالبؑ) (باطن و تأویل قرآن)

(۲۳)......(تفسیر المیزان-علامه طباطبائیؒ)

(۲۴)......(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ا، صفحه ۵۷)

(میزان الحکمة - الریشهری، الجزء ۸، صفحه ۲۰۷)

(۲۵)......(مستدرک نهج البلاغه)(البیان فی تفسیر القرآن، الجزء ا، صفحه ۳۲۴)(التفسیر الصافی -الفیض الکاشانی، الجزء ۴، صفحه ۳۶۵)

(شرح اصول کافی - مولی محمد صالح المازندرانی، الجزء ۲، صفحه ۱)

(مستمسک العروة-السید محسن الحکیمؒ، الجزء ۲، صفحه ۲۶۳)

(بحار الانوار-علامہ مجلسیؒ، الجزء ۶۷، صفحہ ۲۳۴)

(۲۶)......(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،
الجزء ۱۱، صفحہ ۳۶۵)

(۲۷)......(سورۂ مبارکہ شعراء، آیہ ۱۹۵)

(۲۸)......(سورۂ مبارکہ فصلت، آیہ ۴۲)

(۲۹)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۸۰)(سورۂ مبارکہ حاقۃ، آیہ ۴۳)

(۳۰)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۱)(سورۂ مبارکہ جاثیہ، آیہ ۲)(سورۂ مبارکہ احقاف، آیہ ۲)

(۳۱)......(سورۂ مبارکہ یٰس، آیہ ۵)

(۳۲)......(سورۂ مبارکہ غافر، آیہ ۲)

(۳۳)......(سورۂ مبارکہ فصلت، آیہ ۴)

(۳۴)......(سورۂ مبارکہ فصلت، آیہ ۵)

(۳۵)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۴)

(۳۶)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۵)

(۳۷)......(کلیات سعدی، بر اساس نسخہ محمد علی فروغی، صفحہ ۴۴۹)

(۳۸)......(سورہ مبارکہ نحل، آیہ ۹۸)

(۳۹)......(سورہ مبارکہ القیامہ، آیہ ۱۸)

(۴۰)......(سورۂ مبارکہ مزمل، آیہ ۴)

(۴۱)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۲۰۴)

فصلِ تعارفِ ادب

۱)ادب کی تعریف بلحاظِ لغت

☆قرآن دسترخوانِ خدا ھے

۲)ادب کے لغوی معنیٰ کے دیگر موارد

۳)معنیٔ ادب بزبان علامه طباطبائیؒ

٤)دیگر اھلِ لغت کے نزدیك ادب کا معنیٰ

۵)امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نزدیك افضل ادب

٦)اخلاق اور آداب میں فرق

۷)آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ

☆علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

۸)آداب اور اخلاق میں ربط

۹)آداب کی تعریف اور آدابِ فہمِ قرآن میں ارتباط

اجمالی طور پر وہ اوصاف جن کی مدد سے قرآن سے استفادہ کیلئے فہم کو آمادہ کیا جا سکتا ہے آدابِ فہمِ قرآن کہلاتے ہیں لیکن دقیق معانئ ادب معلوم کرنے کے لئے اس موضوع پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی ''آدابِ فہمِ قرآن''، لہٰذا ادب کے معانی کی شناخت کی ضرورت ہے۔

۱)ادب کی تعریف بلحاظِ لغت

اگر ہمیں کسی جگہ ادب کی تشریح کرنی پڑ جائے تو ادب کی تشریح ادب سے ہی کریں گے کہ ادب، ادب کو کہتے ہیں، عموماً ہم واضح مفاہیم یا مبہم مفاہیم کی تشریح ایسے ہی کرتے ہیں مثلاً آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ ادب کس کو کہتے ہیں؟ شاید بعض کی توجہ بھی پہلی دفعہ ہوگی کہ ادب کی تفسیر کی بھی ضرورت ہے، پہلے سمجھتے تھے کہ ادب واضح مفہوم ہے چونکہ ادب عربی لفظ ہے لہٰذا دوسری زبانوں میں اس کے متبادل الفاظ موجود ہیں لیکن پہلے ہم ادب کو سمجھ لیں پھر اگر کوئی متبادل لفظ ہو تو اس کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

پہلے ادب کا لغوی معنیٰ بیان کرتے ہیں نہ کہ استعمالی معنیٰ، بسا اوقات ادب کے استعمالی معانی ہوتے ہیں یعنی یہ لفظ بہت سارے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک لغوی معنیٰ ہوتا ہے کہ جس کو طلبہ اپنی اصطلاح میں موضوعٌ لہ کہتے ہیں یعنی لغت نے اس کو وضع و مقرر کیا ہے، ادب لغت میں بمعنیٰ جمع کرنا، اکٹھا کرنا ہے، کسی بھی چیز کے جمع کرنے کو ادب کہتے ہیں، چونکہ عرب مہمان نواز تھے،

پتہ نہیں ابھی ہیں یا نہیں ہیں، اب تو نہیں ہیں لیکن کسی زمانے میں مہمان نواز تھے، ان میں بڑی مثبت صفات تھیں چونکہ قبائلی لوگ تھے، یہ خصوصیات عربوں کی نہیں تھیں، ان خصوصیات کو ہم عربی خصوصیات نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ جہاں بھی قبائلی زندگی ہو وہاں کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں، کچھ اقدار، کچھ ویلیوز (Values) ہوتی ہیں۔ ان قبائلی اقدار میں سے ایک مہمان نوازی ہے، قبائلی جہاں بھی ہوں مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اکثر جب یہ لوگ اکٹھے ہوتے تھے تو کھانے پہ اکٹھے ہوتے تھے، کبھی قبائلی مہمان نوازی کی وجہ سے مختلف مناسبتوں سے اپنے گھر میں مہمان بلاتے تھے اور ان میں دسترخوان بچھاتے تھے اور دسترخوان پر اجتماع ہوتا تھا۔

ابھی بھی پاکستان میں جو قبائل ہیں وہ کسی بھی خوشگوار اور ناگوار واقعے پر مل بیٹھتے ہیں لیکن مل کر بیٹھنے کے لئے جو جگہ ہوتی ہے وہ دسترخوان ہوتا ہے۔ ہم نے لفظِ جرگہ سنا ہوا ہے، افغانستان میں آئے دن لوگ جرگہ بلاتے ہیں، جرگہ یعنی وہی اجتماع، قبائلی بزرگوں کا اجتماع کہ جو کسی بھی وجہ سے مل بیٹھیں لیکن کھانا ضرور ہونا چاہئے، کھانا نہیں ہے تو اجتماع موضوعیت نہیں رکھتا ہے، اگر اس نے کھانا آمادہ نہیں کیا ہوا تو ممکن ہے کہ میزبان کو کھا جائیں، اس کے اندر کھانا ضروری ہے لہٰذا ان کا اجتماع کسی بھی وجہ سے ہو یعنی مقصدِ اجتماع کوئی بھی ہو لیکن اجتماع کھانے پر تھا، اس لئے عرب ادب کا لفظ استعمال کرتے تھے، ادب یعنی کھانے پر لوگوں کو اکٹھا کرنا، بلانا، اجتماع کرنا، دعوت کرنا اور بہت ساروں کو بلانا، ایک دو کی دعوت کرنے کو ادب نہیں کہتے تھے بلکہ سب لوگوں کو اپنے دسترخوان پر بلانا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا ادب تھا، پھر جو موضوع اور ایجنڈا (Agenda) ہے وہ الگ ہے اور ادب

سے باہر ہے، ادب یہ ہے کہ دسترخوان پر آ کر بیٹھ جائیں، اسی وجہ سے دسترخوان کو مادبہ کہتے ہیں، بعض نے ماڈُبہ بھی کہا ہے، بعض نے احتیاطاً تینوں حرکتیں اس کے اوپر ڈال دی ہیں، جیسے بھی پڑھو شاید یہ جائز الوجوہ ہو، مادِبہ بھی پڑھتے ہیں، ماڈُبہ بھی اور مادَبہ بھی۔ادب یعنی اجتماع، اکٹھا ہونا اور مادبہ یعنی جائے ادب، جہاں پر اکٹھے ہوئے ہوں۔

☆قرآن دسترخوانِ خدا ہے

قرآن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث بھی مروی ہے کہ

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللّٰهِ......(۱)

یعنی بے شک یہ قرآن دسترخوانِ خدا ہے، چونکہ ماہِ صیام کو کہتے ہیں کہ یہ ماہِ رمضان ضیافۃ اللہ ہے، صوم ضیافۃ اللہ ہے، روایت میں بھی ہے کہ یہ خدا کی مہمانی ہے اور میزبان ذاتِ خدا ہے۔ ہر میزبان ایک دسترخوان پر بلاتا ہے، دسترخوان بچھاتا ہے لیکن خدائے غنی، خدائے رازق، خدائے کریم یعنی کریم ترین ذات کے مہمان کو کہا گیا ہے کہ تم نے کھانا کچھ بھی نہیں ہے۔عجب دعوت ہے کہ دعوت کر کے کہا کہ نہ کھانا ہے، نہ پینا ہے اور تم ہمارے مہمان ہو، اس طرح سے اگر انسان کسی کو مہمان کرے اور کہے کہ آپ ہمارے مہمان ہیں لیکن نہ کچھ کھانا ہے اور نہ کچھ پینا ہے، یہاں یہ نکتہ عرض کرتا چلوں کہ خدا نے اسی لئے اپنی ضیافت میں کھانا پینا ممنوع قرار دیا ہے چونکہ بہترین کریم میزبان اور لئیم میزبان میں فرق ہے، لئیم یعنی خسیس، کنجوس اور بخیل، جو مہمانی پر اکثر نہیں بلاتا ہے

لیکن جب پھنس جاتا ہے یا ناخواستہ کوئی اس کے ہاں چلا جاتا ہے یا یہ کبھی مروت اور رکھ رکھاؤ میں پھنس جاتا ہے، یعنی فرومایہ انسان اور گھٹیا آدمی ہوتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مثلاً اگر پھنس کر کہیں گھر میں مہمان بلا بھی لیا ہے تو یہ دیکھتا ہے کہ کہیں مجلس ہو رہی ہو تو پہلے اسے وہاں لے جائے، زیارت کے بہانے جمکران لے جائے، اِدھر اُدھر لے جائے اور کچھ کھلا پلا کر پھر گھر میں لائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خسیس ہے، بخیل ہے، اپنا کھانا بچانے کے لئے کہیں اور سے پیٹ بھروا کر پھر گھر میں لے کر آنا چاہتا ہے یا مثلاً وہ چیزیں کہ جو بھوک کو ماردیتی ہیں کہ عموماً چائے پینے سے بھوک مرجاتی ہے لہٰذا پہلے ان کو چائے پلا دیتا ہے تا کہ یہ زیادہ کھانا نہ کھا سکیں۔

جیسے کہتے ہیں کہ ایک مولانا کی دوستی کسی آدمی کے ساتھ تھی تو مولانا روز تکلف میں کہہ دیتے تھے کہ ہمارے ہاں آؤ، ایک دن وہ آ گیا، کھانا ان کے ہاں نہیں تھا لہٰذا ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو کھانا تھا تو مولانا صاحب نے کہا کہ آپ بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں کہ شیطان بیچ میں شامل نہ ہو چونکہ نہ پڑھیں تو شیطان بھی ساتھ کھاتا ہے، انہوں نے کھانے کا ادب یہ بیان کیا کہ بسم اللہ سے شروع کریں اور ساتھ وجہ بھی بیان کی کہ بسم اللہ پڑھیں تا کہ شیطان ہمارے ساتھ شامل نہ ہو، کھانا ویسے بھی تھوڑا تھا، بہر کیف ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں نے کھایا، وہ آدمی بھوکا رہ گیا، بعد میں اس نے مولانا کی دعوت کی اور زیادہ آدمیوں کا کھانا پکایا، دو آدمیوں کے لئے دس آدمیوں کا کھانا پکایا اور کہا کہ مولانا آپ بھی کھائیں، آپ کا شیطان بھی کھائے، سارے مل کر کھائیں، کھانا زیادہ ہے۔

لہٰذا خسیس آدمی اگر کسی کی کھانے پر دعوت کرلے تو پہلے کوشش کرتا ہے کہ اس کی بھوک مرجائے لیکن سخی آدمی، کریم آدمی اگر کسی کی دعوت کرے تو پہلے اس کو کھلاتا نہیں ہے تاکہ اس کی بھوک چمکے، کھانا زیادہ اور لذیذ بناتا ہے اور اُدھر سے مہمان کو بھی تیار کرتا ہے یعنی ایک طرف سے کھانا تیار کرتا ہے اور ایک طرف مہمان کو بھی تیار کرتا ہے، مہمان جتنا بھوکا ہو اتنا بہترین مہمان ہے اور کھانا جتنا اچھا اور لذیذ ہو اتنا بہترین کھانا ہے، بہترین میزبان اور بہترین مہمان۔ عموماً الا بلا کھانے سے انسان کی بھوک مرجاتی ہے، ریڑھیوں سے لے کر کھائیں، دکانوں سے لے کر کھائیں، چھابڑی والے سے لے کر کھائیں یا دست فروشوں سے لے کر کھائیں تو بھوک مرجاتی ہے پھر جب اصلی غذا کھانے کا وقت آتا ہے تو بھوک نہیں ہوتی ہے۔

مثلاً ایران میں زائرین آتے ہیں اور ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں، یہاں رواج ہے کہ پہلے پیش غذا پیش کرتے ہیں کہ جس کو کھانا کھانے سے پہلے دیا جاتا ہے مثلاً سوپ دیتے ہیں یا سلاد دیتے ہیں، یہ ایران میں رسم ہے، ہمارے زائرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہی غذا ہے لہٰذا اسی سے پیٹ بھر لیتے ہیں اور جب اصلی غذا آتی ہے تو ان کے یہاں گنجائش ہی نہیں ہوتی ہے لہٰذا وہ چھوڑ دیتے ہیں یا آدھی کھاتے ہیں اور آدھی چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ جو پہلے ان کو دیا تھا وہ بھوک چمکانے کیلئے تھا لیکن اسی کو کہتے ہیں کہ وہ الا بلا تھا، وہ ہماری نظر میں الابلا تھا لیکن ان کے لئے اپیٹائزر (Appetizer) ہے۔ کہتے ہیں کہ الا بلا کھلا کے پیٹ بھر دیا اور جب اصلی غذا کا وقت آیا تو بھوک ہی ختم تھی۔ اسی طرح قرآن مادبہ خدا ہے، دسترخوانِ خدا ہے اور خدا نے اس کے اندر انسان کی

قرآن دسترخوانِ خدا ہے

خوراک وغذا آمادہ کی ہے کہ جو ہدایت ہے لیکن ہدایت کے لئے انسان کے اندر بھوک ہو، کیوں کہا ہے کہ روزہ رکھوالا بلا نہ کھاؤ؟ چونکہ ان چیزوں کو کھانے سے انسان کی بھوک مر جاتی ہے، کھا کھا کر اونگھ جاتے ہیں، اسی لئے کہا کہ نہ کھاؤ، جب قرآن پڑھو تو کھا کے مت آؤ تا کہ آپ کو اونگھ نہ آئے، الا بلا کھاؤ گے تو آپ کی بھوک مٹ جائے گی اور آپ کی فہم کام نہیں کرے گی۔ نہج البلاغہ اور غرر میں امیر المومنین علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ

لَا تَجۡتَمِعُ الۡفِطۡنَةُ وَ الۡبِطۡنَةُ......(۲)

ذہانت اور شکم پُری ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔

بطانت بطن یعنی پیٹ سے ہے، شکم پرست آدمی کبھی بھی ذہین نہیں ہوسکتا ہے، جو دبا کر کھائے، چار ٹائم کا ایک ٹائم کھائے، چونکہ اس کو ہمیشہ نیند، اونگھ اور سستی آئے گی، قرآن مادبۂ خدا ہے، دسترخوانِ خدا ہے، یہ ادب گاہِ خدا ہے اور تمام مہمانوں کو خدا نے قرآن پر جمع کیا ہے۔ سورۂ مبارکہ بقرہ کی آیہ ۱۸۵ میں فرمایا کہ

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡ أُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡآن......

ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے......

پس یہ قرآن مادبۂ خدا ہے اور ماہِ رمضان میں ہم دسترخوان خدا میں ہوتے ہیں اور چونکہ میزبان بہت کریم ہے اور سخی ہے، لئیم نہیں ہے کہ جو کہتا ہے کہ الا بلا کھا کر آنا، جب قرآن پڑھنے آؤ تو الا بلا کھا کر آنا یعنی اونگھتے رہنا، اِدھر سے قرآن پڑھنا اور اُدھر سے اونگھتے رہنا لیکن یہ میزبان چونکہ

سخی ہے لہٰذا کہا کہ الا بلا نہیں کھانا بلکہ روزہ رکھنا، کوئی چیز نہ کھاؤ تاکہ قرآن تمہاری سمجھ میں آئے، بطانت نے تمہاری فطانت ختم کردی ہے، شکم پری نے تمہاری ذہانت کو ختم کردیا ہے اور فہم کو ناقص کر دیا ہے۔ لہٰذا ادب جمع کرنے کے معنیٰ میں ہے، چونکہ وہ دستر خوان پہ جمع ہوتے تھے لہٰذا دستر خوان کو مادبہ کہتے تھے، اس لئے روایتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ

أَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدَبَةُ اللّٰهِ......

بے شک یہ قرآن دسترخوانِ خدا ہے۔ ماہِ رمضان میں ہمیں دسترخوانِ خدا میں مدعو کیا جاتا ہیں، کتنا عظیم اور کریم میزبان ہے اور اب یہاں مہمان کو آمادہ ہوکر جانا ہے لیکن کس طرح سے؟ ادب سے، لیکن ادب تو جمع کرنے کے معنیٰ میں ہے، آدابِ فہم قرآن سے اس کا کیا تناسب ہے یا یہ ادب تو بہت ساری چیزوں کی صفت ہے مثلاً آدابِ اخلاقی، آدابِ معاشرت، آدابِ ملّی و قومی، آدابِ زندگی، آدابِ دوستی، آدابِ جہاد، آدابِ نماز و ملحقات، آدابِ شریعہ، آدابِ ماہ، آدابِ مہمانی، آدابِ زیارت، آدابِ مجلس، آدابِ نفوس، آدابِ کلام، آدابِ دعا، آدابِ لباس، آدابِ سفر، آدابِ تبلیغ اور اسی طرح لفظِ ادب بہت سارے متعلقات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، لفظِ ادب کا استعمالی معنیٰ کہ جو رائج ہے اور جو معنیٰ ہمیں اس بحث میں مقصود ہے یعنی آدابِ فہم قرآن میں تو اس لغوی معنی اور اس میں کیا ارتباط ہے؟ انشاء اللہ اس کی وضاحت کی جائے گی لیکن ابھی ادب کے لغوی معنیٰ کے دیگر موارد پر توجہ کو مرکوز کرتے ہیں۔

۲)ادب کے لغوی معنیٰ کے دیگر موارد

ادب کا لغویٰ معنیٰ اسی مناسبت سے دیگر معانی کے اندر بھی استعمال ہوا ہے یعنی یہ معنیٰ لغوی کے ساتھ ایک طرح کا تناسب رکھتا ہے یعنی اسی اجتماع کا معنیٰ دیگر موارد میں بھی موجود ہے اور ان میں سے لغوی معنی کے ساتھ جس معنی کی مناسبت بنتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے اندر اچھی صفات کو جمع کرنا لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ صفات مثبت ہوں منفی نہ ہوں لہٰذا مثبت صفات کو اپنے اندر جمع کرنا بھی ادب کہلاتا ہے، جس طرح مہمان نواز انسان اپنی سخاوت کی وجہ سے لوگوں کو اپنے دسترخوان پر اکھٹا کرے تو یہ ادب ہے، اسی طرح انسان اچھی صفات کو اپنے نفس کے اندر جمع کرے تو یہ بھی ادب ہے، البتہ اس کی قید ہے یعنی ہر قسم کی صفات کو جمع کرنا ادب نہیں کہلاتا ہے بلکہ اچھی اور مثبت صفات کا جمع کرنا ادب کہلاتا ہے یعنی اچھے خصائل جمع کرنا۔

اب معنیٰ ادب اصطلاح کی طرف زیادہ نزدیک تر ہوا ہے چونکہ جس معنیٰ سے ابھی ہمیں آدابِ فہمِ قرآن میں سروکار ہے وہ آداب کا اصطلاحی معنیٰ ہے لیکن لغوی معنیٰ سے متاثر ہے اور اسی معنیٰ لغوی کی طرف ناظر ہے، انسان کے اندر اچھی صفات کو جمع کرنے کی چند خصوصیات اور چند قیود بھی ہمراہ ہیں، اول یہ کہ وہ صفات ایسی ہوں کہ جن کے اندر صفتِ حسن یا احسان موجود ہو، حسن کے معانی موزونیت کے ہیں، حسن کا معنیٰ زیبائی بھی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے کرتے ہیں چونکہ اس کے اندر موزونیت اور تناسب ہوتا ہے، انسان اسی وجہ سے کسی موزوں چیز کو دیکھے تو ذہنِ انسان یا حسِ انسان کو لذت محسوس ہوتی ہے، جن چیزوں کے اندر توازن ہو، جن امور کے اندر توازن ہو تو

اس توازن کی صفت کو ہی حُسن کہتے ہیں۔

ان صفات کا حسین ہونا ضروری ہے یعنی وہ موصوف کے لئے موزوں صفات ہوں اور دُوم یہ ہے کہ یہی صفات کہ جن کے اجتماع کو ادب کہتے ہیں اس شے کی غرض کے حصول کے لئے مؤثر بھی ہوں یعنی فقط باعثِ زینت نہ ہوں چونکہ ایک موزونیت ایسی ہے کہ جس میں شے کے اندر حسن آجاتا ہے لیکن فقط زینت کی حد تک یعنی جس حِس سے انسان اس شے کو دیکھتا ہے فقط وہ حس لذت محسوس کرتی ہے کہ عموماً زیبائی اور آرائشِ ظاہری اسی حد تک ہوتی ہے اور حسن اس سے زیادہ مؤثر نہیں ہوتا ہے یا موزونیت مؤثر نہیں ہوتی ہے کہ فقط دیکھتے ہوئے انسان کی آنکھ کو اچھی لگے، انسان کے دل کو اچھی لگے، انسان کے ذہن کو پسند آئے، اس کے اندر ملائمت اور سازگاری موجود ہو لیکن بعض اوقات یہی موزونیت سبب بنتی ہے کہ اس شے کی غرض اور غایت بھی انہی صفات کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے یا اس کا حصول آسان ہو جاتا ہے، اگر اس شے کے اندر یہ صفات نہ ہوں تو شے کی غرض سرے سے حاصل ہی نہیں ہوتی۔

پس اچھی صفات کا جمع کرنا ادب ہے لیکن وہ اچھی صفات کہ جن کے اندر حسن ہو اور باعثِ حسنِ موصوف بنیں، وہ صفات فقط صفات نہ ہوں، یعنی نہ منفی ہوں اور نہ ہی حسن سے خالی ہوں بلکہ وہ صفات باعثِ زینتِ موصوف بنیں اور ادب کے اندر دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہم ان صفات کے جمع کرنے کو ادب کہیں گے کہ جن کے ذریعے سے موصوف اپنی غرض و غایت تک پہنچ جائیں یا ان اوصاف کی مدد سے موصوف کے اندر موجود غرض حاصل ہو سکے پس اصطلاح میں ادب

ان صفات کے اجتماع کو کہیں گے۔ آداب اسی کی جمع ہے یعنی ان صفات کا مجموعہ کہ جو موصوف کے اندر حسن و زیبائی و زینت کا باعث بھی بنیں اور اس کے اندر موجود غرض کے حصول کا باعث بھی بنیں۔

ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد

کئی چیزوں کے لئے ادب صفت واقع ہوتا ہے یعنی موصوفِ ادب بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں کہ ان میں سے رائج ترین الفاظ ہیں مثلاً الفاظ کی ابحاث کو، قواعدِ لفظیہ کو ادبیات کہتے ہیں، وہ علوم کہ جو الفاظ سے بحث کرتے ہیں مثلاً نحو کہ جس میں الفاظ کے اعراب و بناء سے بحث کی جاتی ہے یا صرف جس میں اوزانِ الفاظ سے بحث کی جاتی ہے اور اسی طرح معانی و بیان و بدیع کہ جس میں عبارت یا کلام کے حسن و زیبائی سے بحث کی جاتی ہے لہٰذا ایسے قاعدوں اور ضابطوں کے مجموعۂ علوم کو ادبیات کہا جاتا ہے۔

ادبیات یعنی آدابِ الفاظ۔ وہ علوم جو متعلق بہ ادبِ الفاظ ہیں، ان کو آداب کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی وصف کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان قواعد کے ذریعے سے الفاظ کے اندر یہ دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اول یہ کہ اگر یہ قواعد لحاظ نہ کئے جائیں اور یہ ضابطے ملحوظِ خاطر نہ رکھیں جائیں تو پڑھنے اور لکھنے کے دوران ایک تو الفاظ میں حسن اور زینت پیدا نہیں ہوتی ہے، اگر الفاظ کے اندر یہ قواعد اور ضابطے ہٹا کر کوئی گفتگو کرے تو اس کے کلام میں حسن پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ سننے والے پر ایسا کلام بہت گراں اور شاق گزرتا ہے اور دوم یہ کہ الفاظ کے اندر ایک غرض ہے، انسان کسی غرض کے لئے الفاظ بولتا ہے، لکھتا ہے یا حتیٰ بحث کرتا ہے، معانی کے لئے الفاظ کی غرض یہ ہے کہ انسان اپنی مراد کسی

ادب کے لغوی معنی کے دیگر موارد

دوسرے تک پہنچائے اور معنیٰ تفہیم کرے، اس کو ہم اصطلاح میں غرضِ الفاظ کہتے ہیں۔

الفاظ عبث نہیں ہیں، انسان جب بھی کوئی لفظ استعمال کرتا ہے تو غرضِ اصلی یہ ہوتی ہے کہ میرے ضمیر اور ذہن کے اندر جو معنیٰ موجود ہے یا جو مطلب میں دوسرے تک منتقل کرنا چاہتا ہوں وہ ان الفاظ کے ذریعے سے اس تک پہنچاؤں، پس یہ غرضِ الفاظ ہے لیکن یہ غرض بھی ان قواعد کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، اگر یہ قواعد ہٹ جائیں اور فقط الفاظ ہوں تو تنہا الفاظ اپنی غرض پہنچانے میں ناکام ہیں، کوئی انسان ان الفاظ سے غرض نہیں سمجھے گا یا برعکس سمجھے گا مثلاً بولنے والا کچھ اور کہنا چاہے گا اور سننے والا کچھ اور سن رہا ہوگا لہٰذا غرض پوری نہیں ہوگی، پس الفاظ کے ذریعے سے غرض بھی حاصل ہونی چاہیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ کو ان دو چیزوں کے لئے قواعد کی ضرورت ہے۔

الفاظ موصوف ہیں اور صفات، قاعدے وضابطے ان کے اوصاف ہیں، ان اوصاف سے متصف ہو کر الفاظ میں اول یہ کہ زینت پیدا ہوتی ہے، عبارت کے لحاظ سے حسن پیدا ہوتا ہے اور اس کے اندر جمالِ لفظی آتا ہے اور دوم یہ کہ الفاظ اپنے معانی بخوبی ادا کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کی غرض ان قواعد کی مدد سے حاصل ہوتی ہے، اس وجہ سے ان قواعد کے مجموعے کو اصطلاح میں ادب کہا جاتا ہے یا علمِ ادب اور ادبیات کہا جاتا ہے۔ یہ تو الفاظ کی صفت ہے لیکن اس سے پہلے کہ آداب قواعدِ لفظیہ کے لئے استعمال ہوں یعنی ان کو ہم ادبیات کہیں چونکہ از جملہ الفاظ افعالِ انسان ہیں، یہ خود انسان کے آداب ہیں، ایسے اوصاف اور ایسے کمالات کہ جن کی وجہ سے یہ دو چیزیں حاصل ہوں، ایک یہ کہ انسان کے اندر حسن، زیبائی اور جمال پیدا ہو اور دوسرا یہ کہ انسان کو ان ضابطوں کے ذریعے سے

غرض حاصل ہو یعنی انسان ان اوصاف کی مدد سے اپنے مقصدِ خلقت تک پہنچ سکتا ہو، لہٰذا ان اوصاف کو انسان کے آداب کہا جاتا ہے۔

۳)معنیٔ ادب بزبان علامہ طباطبائیؒ

مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے معانیٔ ادب کو زیادہ خوبصورتی سے بیان کیا ہے، تفسیرِ شریف المیزان میں ادب مع اللہ کے ذیل میں بحثِ ادب بھی بہت خوبصورتی سے انجام دی ہے یعنی انسان کے خدا کے ساتھ آداب۔ بارگاہِ خدا میں انسانی آداب کیا ہیں؟ ان آداب کے ذیل میں پہلے ادب کا معنیٰ کیا ہے، اسی کتابِ شریف المیزان سے عبارات ملاحظہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ادب کا کیا معنیٰ کیا ہے؟ جلدِ ششم میں صفحہ ۲۵۶ میں کلام فی معنی الادب کے نام سے ایک بحثِ مفصل ہے، جس طرح المیزان کا اُسلوب ہے کہ پہلے مختلف آیات کے ذیل میں تفسیری بحث ہوتی ہے اور پھر اس آیہ کا جو مرکزی مفہوم ہوتا ہے، جس پیغام کو آیہ پہنچا رہی ہوتی ہے اس کو الگ سے محلِ بحث قرار دیتے ہیں یا اس پر بحثِ فلسفی، بحثِ اجتماعی، بحثِ روائی یا ادبی بحث ہوتی ہے۔ سورۂ مائدہ کی بعض آیات کے ذیل میں انہوں نے ایک پوری فصل کلام فی معنی الادب کے نام سے لکھی ہے، گویا یہ ادب پہ پوری ایک مختصر سی کتاب ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ

نبحث فيه عن الأدب الذى أدب الله به أنبيائه و رسله (عليهم السلام) فى عدة فصول......(۳)

ہم چند آداب سے بحث کریں گے، وہ آداب کہ جن آداب سے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مؤدب فرمایا ہے یعنی آدابِ انبیاءؑ یا آدابِ الٰہی کہ جو خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے مقرر کیے ہیں، اس کے ذیل میں چند فصلیں ہیں، پہلی فصل خود معنیٰ ادب میں ہے کہ ادب کہتے کس کو ہیں؟ فرماتے ہیں کہ

الأدب على ما يتحصل من معناه هو الهيئة الحسنة التي ينبغي أن يقع عليه الفعل المشروع اما في الدين أو عند العقلاء في مجتمعهم كآداب الدعاء وآداب ملاقاة الاصدقاء وان شئت قلت ظرافة الفعل......

یعنی ادب اس حالتِ زیبا، حالتِ حسنہ اور ہیئتِ حسنہ سے عبارت ہے کہ جو انسان کے فعل کے اوپر طاری ہوتی ہے۔ انسان جب بھی کوئی فعل انجام دیتا ہے تو وہ فعل متصف ہوتا ہے یعنی اس کے گونا گوں حالات ہیں، اس کی مختلف ہیئتیں اور شکلیں ہیں، ان مختلف شکلوں میں سے جو شکل فعل کی زیبا شکل ہو، حسین شکل ہو، خوبصورت اور موزوں شکل ہو کہ طبیعتاً جس فعل کو جیسا انجام پانا چاہئے اسی ہیئت کے مطابق اگر فعل انجام پائے تو اس کو اصطلاح میں یعنی اس ہیئتِ حسنۂ فعل کو، اسی صفتِ حسنہ کو یا ہیئتِ جمیلہ کو کہ جو فعل کے اوپر طاری ہوتی ہے ادب کہتے ہیں۔

البتہ ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اس کی شرائط ہیں، ایک یہ کہ ادب ان صفات کو کہتے ہیں جو جائز فعل کی صفات ہوں، وہ فعل مشروع ہو، فعل مشروع ہونا یعنی جائز ہو، نا جائز فعل نہ ہو مثلاً ظلم کے آداب، چوری کے آداب، جھوٹ کے آداب، نا، ان امور کے لئے ادب کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے،

لغتاً ایسے استعمال کرنا سرے سے غلط ہے حتیٰ مجازاً بھی استعمال نہیں کر سکتے ہیں مثلاً کوئی انسان جھوٹ بولے چونکہ جھوٹ بھی فعلِ انسان ہے اور کہے کہ یہ جھوٹ بولنے کے آداب ہیں، نہیں، چونکہ جھوٹ نامشروع فعل ہے، یہ نامشروع یعنی ناجائز فعل کیوں ہے؟ اس وجہ سے کہ کسی فعل کو جواز دو منابع سے حاصل ہوتا ہے یا تو شریعتِ مقدسہ یعنی وحی کے ذریعے سے کسی فعل کا جواز پیدا ہوتا ہے یا عقل کے ذریعے سے جواز پیدا ہوتا ہے، مثلاً ہم سے جتنے بھی اعمال اور افعال سرزد ہوتے ہیں تو یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا یہ جائز افعال ہیں یا ناجائز افعال ہیں ہمیں دو منابع سے استفتاع کی ضرورت ہے، پوچھنے کی ضرورت ہے، ایک شریعت سے کہ میرا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز ہے اور ایک عقل سے۔

جن افعال کو عقل کہے کہ ناجائز ہیں تو شریعت بھی ان افعال کو ناجائز کہتی ہے اور جن افعال کو شریعت کہتی ہے کہ ناجائز ہیں تو وہ عقل کے نزدیک بھی ناجائز ہیں، منتہیٰ بسا اوقات یہ ناجائز ہونا، کسی فعل کا غیر مشروع ہونا ہم روایت کے ذریعے سے سمجھتے ہیں اور بسا اوقات کسی دلیلِ عقلی کی مدد سے کشف کرتے ہیں، پس پہلے یہ طے ہونا چاہئے کہ وہ فعل جو انسان انجام دیتا ہے یا جو انسان سے سرزد ہو رہا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز ہے یعنی اس کے حلال ہونے، مباح ہونے یا جائز ہونے کا فتویٰ عقل و شریعت نے دیا ہے یا نہیں دیا ہے، جن افعال کو عقل و شریعت نے کہا ہے کہ یہ جائز ہیں تو پھر ان کے بارے میں بحث ہوتی ہے کہ ان افعال و اعمال کے آداب ہیں لیکن جن کو پہلے قدم پر ہی عقل و شریعت کہہ دے کہ یہ ناجائز فعل ہیں تو ان کے بارے میں بحثِ آداب وہیں ختم ہو جاتی ہے یعنی ان کے بارے میں اب مزید بحث نہیں کر سکتے ہیں کہ ان کے آداب کیا ہیں، جیسے اشارہ کیا کہ ظلم

ہے، ستم ہے، جھوٹ ہے، سرکشی ہے، غیبت ہے مثلاً غیبت کرنے کے آداب، نا، غیبت کرنے کے کوئی آداب نہیں ہیں، آداب اچھے فعل کے ہوتے ہیں یا جائز فعل کے اور دوسرا یہ ہے کہ یہ فعل اختیاری ہو۔

مرحوم علامہؒ فرماتے ہیں کہ آداب ان افعالِ انسان کے ہیں کہ اول انسان کا فعل عقل اور شریعت کے ذریعے سے جائز فعل ہو اور دوم یہ کہ یہ اختیاری فعل ہو کہ بعض اوقات غیر اختیاری افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اور ان کے اندر انسان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، یعنی انسان کے ارادے، علم اور اختیار کے تحت وہ افعال صادر نہیں ہوتے ہیں بلکہ غیر اختیاری ہیں مثلاً جیسے انسان کی نبض چلتی ہے، انسان کا دل دھڑکتا ہے، انسان کے معدے میں غذا ہضم ہوتی ہے تو یہ فعل انسان کے ہی ہیں اور یہ انسان کے جسمانی افعال ہیں یا انسان کے روحانی افعال ہیں لیکن انسان کے ارادے کو ان میں کوئی شمولیت حاصل نہیں ہے، انسان ارادہ کریں یا نہ کریں یہ افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں، ادب ان افعال کی صفت کہلاتا ہے کہ جو اختیار اور ارادۂ انسان سے صادر ہوں یعنی انسان چاہے تو ان کو انجام دے اور نہ چاہے تو انجام نہ دے، ارادی ہونے کے معانی یہی ہیں کہ اگر انسان چاہے۔

اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَ اِنْ لَمْ یَشَاءُ لَمْ یَفْعَلْ......(۴)

اگر چاہے تو انجام دے اور اگر نہ چاہے تو انجام نہ دے......

ان افعال کی ضمام خود انسان کے اختیار میں ہو، ان افعال کی انجام دہی پر اور ان کے ترک

کرنے پر اور نہ ہی فعل پر وہ مجبور نہ ہو، مثلاً جس طرح سے جسمانی رشد ونشو نما ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد اس کا جسم بڑھنا شروع ہو جاتا ہے تو یہ غیر اختیاری فعل ہے، نہ انسان اس کو روک سکتا ہے، نہ انسان اس کو ترک کر سکتا ہے اور نہ ہی انسان اپنے اختیار سے اس کو انجام دے سکتا ہے، اسی طرح سے بہت ساری چیزیں انسان کے جسم اور روح میں موجود ہیں، اختیاری فعل اس کو کہیں گے کہ مثلاً جو انسان دیکھتا ہے لیکن اگر چاہے تو نہ دیکھے، انسان کھاتا ہے لیکن اگر ارادہ کرے تو نہ کھائے، انسان بولتا ہے لیکن اگر ارادہ کرے تو نہ بولے، یعنی جس فعل کا انجام دینا اور ترک کرنا دونوں مقدورِ انسان ہوں، چاہے تو انجام دے اور چاہے تو انجام نہ دے، پس پہلا یہ ہے کہ جائز فعل ہو دوسرا یہ ہے کہ یہ انسان کا اختیاری فعل ہو، غیر اختیاری نہ ہو۔ ان افعال کے لئے کچھ قواعد وضوابط ہیں اور ان قواعد وضوابط کی خصوصیات پہلے بیان کی ہیں کہ ان میں وہ دو خصوصیتیں ہوں تو پھر ان افعال کی صفات کو آداب کہتے ہیں۔

انسان یہ افعال کچھ صفات اور کچھ ضابطوں کے تحت انجام دیتا ہے، ان افعال کے انجام دینے کے کچھ قاعدے ہیں اور ان قاعدوں کے اندر دو خصوصیتیں ہوں، پس دو خصوصیتیں فعل کے اندر ہیں اور دو خصوصیتیں صفت کے اندر ہیں۔ صفات کے اندر یہ خصوصیات ہوں کہ اول باعثِ حُسن وزینت و جمالِ فعل ہوں، ان صفات کے آنے سے فعلِ انسان زیبا ہو جائے، دوم یہ ہے کہ ان صفات کی وجہ سے فعل اپنی غرض وغایت تک پہنچ سکتا ہو، اس فعل کے اندر جو مقصود وغایت ہے یعنی جس کیلئے انسان یہ فعل انجام دیتا ہے تو وہ مقصود وغایت ان صفات کے ذریعے سے حاصل ہو، اگر یہ

صفات نہ ہوں تو فعل کی غرض حاصل نہیں ہوتی ہے اور جن صفات سے فعل کی غرض حاصل نہیں ہوتی ہوتو وہ صفات ادب کے زمرے میں نہیں آتیں، پس مرحوم علامہؒ نے ادب کا معنیٰ یہ کیا کہ ادب حالتِ زیبا سے، حالتِ حسنہ وموزونہ یعنی موزوں حالت سے عبارت ہے۔ چونکہ ہمارے ذہنوں میں مصادیق بیٹھے ہوئے ہیں لہٰذا جب حُسن کہتے ہیں، تو ذہن میں کوئی پھول آجاتا ہے، کوئی سینری (Scenery) آجاتی ہے، حسن کا مفہوم موزوں چیز ہے، جس کے وجود کے اندر تناسب ہو، جس کے اجزاء واعضاء کے اندر تناسب وموزونیت موجود ہو تو اس کو حسن کہتے ہیں۔

بعض اوقات چیزیں موزوں نہیں ہوتی ہیں بلکہ غیر موزوں ہوتی ہیں مثلاً ایک کلام غیر موزوں ہے یا ایک انسان کہ جس کے اعضاء غیر موزوں ہیں، اس کے ہاتھ، پاؤں غیر موزوں ہیں یا تو حد سے چھوٹے ہیں یا حد سے بڑے ہیں تو یہ غیر موزوں انسان ہے، چہرے کے خد وخال بسا اوقات موزوں ہیں اور بسا اوقات ناموزوں ہیں، اگر موزوں ہوں تو یہ باعثِ حسن ہیں لیکن اگر ناموزوں ہوں تو ان کی وجہ سے حسن پیدا نہیں ہوتا۔

پس حسن اس حالتِ زیبا اور حالتِ حسنہ کو کہتے ہیں کہ جو انسان کے فعل پر طاری ہوتی ہے اور یہ حالتِ حسن وحالتِ حسنہ کچھ صفات اور قواعد وضوابط کے ذریعے سے طاری ہوتی ہیں۔ فعل کے اندر دو صفتیں موصوف کی ہیں اور دو خصوصیتیں صفات کی ہیں لہٰذا ان صفات کو ادب کہیں گے کہ جن کے اندر دو خصوصیات پائی جاتی ہوں، اول یہ کہ باعثِ زینتِ فعل ہوں، دوم باعثِ حصولِ غرضِ فعل ہوں اور دو صفتیں موصوف کے اندر یعنی فعل کے اندر ہوں، اول یہ جائز فعل ہو، ناجائز فعل نہ ہو

اور دوم یہ انسان کا اختیاری فعل ہو۔ ان خصوصیات کے ساتھ اگر انسان سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے اور اس فعل کے اوپر یہ صفات طاری ہوں تو نتیجے میں فعل ایک حالتِ حسنہ و حالتِ موزوں پیدا کر لیتا ہے اسی کو ادب کہتے ہیں۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فعل انسان کا مؤدبانہ فعل ہے یا یہ فاعل انسان مؤدب انسان ہے۔

٤) دیگر اہلِ لغت کے نزدیک ادب کا معنیٰ

بعض بزرگانِ لغت نے یہ کہا ہے کہ آداب ان صفاتِ فعلِ انسان کو کہا جاتا ہے کہ جن کے اوپر انسانوں کا، عقلاء کا اجتماع، اجماع اور اتفاق ہو یعنی جن صفات کے زیبا ہونے اور حسین ہونے پر سب کا اتفاق ہو، سب کہیں کہ یہ اچھی صفات ہیں کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو سب کے سب عقلاء انسان کے لئے صفاتِ موزوں کہتے ہیں یعنی معنیٰ لغوی تو وہی ہے، بنیادی اور اصلِ معنیٰ وہی ہے کہ اجتماع اور جمع کرنا، امور کا اکٹھا کرنا ادب کہلاتا ہے، اس معنیٰ کے لحاظ سے مقصود یہ تھا کہ انسان کے اندر یا انسانی فعل کے اندر ان صفات کو اکٹھا کرنا کہ جن صفات کے نتیجے میں فعل کے اندر حسن و موزونیت پیدا ہو۔ یہ وہی چیزیں ہیں کہ جن کو طلاب منطق میں بھی پڑھتے ہیں، اس اصطلاح سے طلابِ علوم آشنا ہیں شاید غیر طلاب کے لئے اتنی معروف اصطلاح نہ ہو کہ جسے ہم منطقی اصطلاح میں آرائے محمودہ کہتے ہیں، منطقی اصطلاح میں آرائے محمودہ ان اوصاف یا امور کو کہا جاتا ہے کہ جن کے حسین ہونے پر عقلاء کا اتفاق ہو۔

دیگر اہلِ لغت کے نزدیک ادب کا معنیٰ

مثلاً عدالت انہی امور میں سے ہے، عدالت ایک اچھی چیز ہے، اگر معاذ اللہ شریعت نہ بھی کہے یا خدانخواستہ شریعت میں حکمِ عدالت کے بارے میں کوئی حکم نہ ہوتا تو عدالت کے حسن کے لئے عقل کافی ہوتی، عقل خود کہتی ہے کہ عدالت خوب ہے، زیبا ہے اور تمام عقلائے عالم عدالت کو پسند کرتے ہیں پس اس وجہ سے عدالت پر اتفاق ہے، لہٰذا عدالت کی صفت آداب میں سے ہو جائے گی، پس ان ماہرین لغت کے بقول آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جن کے خوب ہونے پر اور اچھا ہونے پر یا جن صفات کے حسنہ ہونے پر اتفاقِ عقلاء ہو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور نتیجتاً مصداق ایک ہی ہو جاتا ہے یعنی وہ صفات کہ جن کے اکٹھا ہونے سے انسان کا فعل حسین ہوتا ہو یا جن صفات کے حسن پر عقلاء کا اتفاق ہو، دونوں لازم وملزوم ہیں، چونکہ وہ صفات کہ جن کی وجہ سے انسان کا فعل حسن سے متصف ہوتا ہے، جمال وزیبائی سے متصف ہوتا ہے تو ان ساری صفات پر عقلائے عالم کا اتفاق بھی ہے یا عقلاء جن صفات کے اچھا ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں تو یہ وہی امور ہیں کہ اگر انسان کے فعل میں آجائیں تو فعل کو حسین وزیبا بنا دیتے ہیں، انسان کے عمل کی زینت بن جاتے ہیں۔

پس یہ دونوں باتیں الگ الگ نہیں ہیں، ہم اس کو تضاد نہیں کہیں گے کہ یہ ادب کا معنیٰ کچھ اور کرتے ہیں اور وہ ادب کا معنیٰ کچھ اور کرتے ہیں مثلاً فرض کر لیں کہ بولنا، گفتگو کرنا یہ فعلِ انسان ہے، عقلاء اتفاق رکھتے ہیں کہ اگر بلاغت اور فصاحت کے ساتھ گفتگو ہو تو یہ کلام کے لئے بہترین اور اچھی صفت ہے، بلاغت اور فصاحت کے حسن پر عقلائے عالم کا اتفاق ہے، اول یہ کہ کلام کے اندر

حسن اور زیبائی پیدا کر دیتی ہے، فعل کو مزین کر دیتی ہے اور گفتگو زیبا ہو جاتی ہے اور دوم یہ کہ فصاحت اور بلاغت سے مقصودِ کلام آسانی سے ادا ہوتا ہے، اس کی غرض حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا دونوں قول لازم وملزوم ہیں، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں فرق ہے۔

۵) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک افضل ادب

بعض اہل لغت نے ادب کیلئے ایک اور معنیٰ استعمالی بھی ذکر کیا ہے اور یہ معنیٰ بھی روایات سے ماخوذ ہے، یہ روایت کئی جگہ نقل ہوئی ہے از جملہ کتابِ شریف غرر میں، غرر الحکم امیر المومنین علیہ السلام کے کلماتِ اختصار کا مجموعہ ہے، مرحوم آمدیؒ نے اس کو جمع کیا ہے، ایک مجموعہ جنابِ سید رضیؒ نے جمع کیا ہے۔ کلامِ امیر المومنین علیہ السلام کے کئی مجموعے ہیں، غرر الحکم ہے، نہج البلاغہ ہے اور ایک مستدرکِ نہج البلاغہ ہے کہ وہ جناب آغائے محمودی نے جمع کی ہے۔ مستدرکِ نہج البلاغہ یعنی تمام کلماتِ امیر المومنین علیہ السلام، خطبات، دعائیں، مناجات اور جو کچھ امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے وہ سارا انہوں نے ایک جگہ پر اکٹھا کیا ہے بنامِ مستدرکِ نہج البلاغہ، اس کا نام نہج السعادہ ہے۔ غرر میں بھی یہ روایت موجود ہے، اگرچہ بعض ماہرین لغت نے ادب کا یہ معنیٰ ذکر کیا ہے لیکن روایت موجود ہے، ہم دونوں طرف سے استناد دے سکتے ہیں، لغت کی طرف بھی اور روایت کی طرف بھی، امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ

اَفْضَلُ الْاَدَبِ اَنْ یَّقِفَ الْاِنْسَانُ عِنْدَ حَدِّهٖ وَلَا یَتَعَدّیٰ قَدْرَہٗ ......(۵)

افضل ادب یہ ہے کہ انسان اس کی حد میں رہے اور اس سے آگے نہیں بڑھے......

یعنی انسان کے لئے جو مقدار معین کی گئی ہے، جو حدود معین کی گئی ہیں ان حدود سے باہر قدم نہ رکھے، یہ انسان کا بہترین ادب ہے۔ ہر شے کی اپنی ایک حد مقرر ہے، انسان کی ایک حد ہے، انسان کے کام کی ایک حد ہے، ہر شے اور دنیا میں جو بھی موجود ہے اس کی ایک حد ہے، بغیر حد کے فقط ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہے، ذات خدا لامحدود ہے، خدا کی کوئی حد نہیں ہے لیکن غیر از خدا ہر چیز کی اپنی ایک حد ہے، اسی حد کے اندر اس شے کے رہنے کو ادب کہتے ہیں۔ اگر ہم دوسرے جہان میں نہ جائیں کہ ہمارا ذہن مُشَوّش نہ ہو جائے اور صرف معنیٰ ادب میں انسان اور انسان کے فعل ہی کے اوپر بحث کو مرکوز رکھیں کہ مثلاً انسان کی حدود ہیں، یہ حدود بھی شریعت نے مقرر کی ہیں، یہ حدود قانونی ہیں یا تکوینی ہیں۔

انسان کے لئے دو قسم کی حدود متعین کی گئی ہیں، بعض تکوینی حدود ہیں کہ جو خلقت میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں، تکوینی حدود یہ ہیں کہ انسان اس خاص ہیئت اور اس خاص شکل میں ہو، اتنے اعضاء ہوں مثلاً اس طرح کی اس کی قامت ہو، اس طرح کا انسان کا پیکر ہو، یہ حدودِ تکوینیٔ انسان ہیں، جیسے مرد ہے تو اس کے جسم میں یہ خصوصیات ہوں، عورت ہے تو اس کے جسم میں یہ خصوصیات ہوں، ظاہر کی یہ خصوصیات ہوں، باطن کی یہ خصوصیات ہوں، یہ حدودِ تکوینیٔ انسان ہیں، اس کے علاوہ کچھ حدودِ قانونیٔ انسان ہیں یعنی انسان کے لئے خلقت کی حدود کے علاوہ کچھ حدودِ قانونی بھی رکھی گئی ہیں، چونکہ انسان موجودِ با اختیار اور آزاد موجود ہے، صاحبِ علم وفراست

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک افضل ادب

ہے، خدا نے اس کو یہ نعمتیں دی ہیں، خوانخواہ اس کے لئے قانون ہیں، شریعت ہے اور قانون کے اندر بھی اس کے لئے حدود مقرر ہیں کہ ان حدود سے آگے اس کا حق نہیں بنتا ہے اور اسے ان حدود سے باہر نہیں جانا چاہئے لہٰذا انہی حدود کے اندر رہنا اور خود کو ان حدود کے اندر رکھنا ادب کہلاتا ہے، مثلاً انسان اپنی حدود کے اندر رہے، انسان حدودِ تشریعی اور حدودِ قانونی کے اندر رہے، حدودِ اخلاقی کے اندر رہے اور حدودِ فقہی کے اندر رہے تو یہ انسان کا ادب ہے، اسی طرح سے فعلِ انسان بھی ہے، جس طرح خود انسان کی حدود ہیں اسی طرح انسان کے فعل کی بھی حدود ہیں مثلاً آپ بولیں، لیکن کتنا بولیں؟ اس کے لئے ایک حد ہے، آپ بے حد نہیں بول سکتے ہیں، لامحدود نہیں بول سکتے ہیں یعنی دونوں لحاظ سے لامحدود مثلاً آپ بولتے رہیں اور کسی کا خیال نہ رکھیں، جس موضوع پہ مرضی ہو بولتے رہیں، آپ یہ خیال بھی نہ کریں کہ یہ گالی ہے، یہ تہمت ہے، یہ بہتان ہے، یہ غیبت ہے، یہ ناسزا ہے، یہ نازیبا الفاظ ہیں اور جو منہ میں آئے کہتے جائیں۔

ایسی گفتگو کرنا انسان کا حق نہیں ہے، گفتگوئے انسان محدود ہے یعنی متعین ہے اور اس بولنے کے کچھ قاعدے اور ضابطے ہیں، انہی قاعدوں وضابطوں کے اندر آپ کو بولنا ہے، انہی قاعدوں اور ضابطوں کا خیال رکھنا یعنی اپنے کلام کو حدود کے اندر رکھنا ادبِ کلام ہے، آپ عبارت استعمال کریں لیکن اس عبارت کے کچھ ضابطے ہیں، کچھ حدود ہیں اور گفتگو ان حدود کے اندر رکھنا عبارت کا ادب ہے لہٰذا ادبیات کو اس معنیٰ میں بھی ادبیات کہتے ہیں کہ الفاظ کے کچھ ضابطے اور کچھ قاعدے ہیں اور یہ ہر زبان کے اندر ہیں، اگر آپ گفتگو کر رہے ہیں اور اس گفتگو کو ان ضابطوں کے

اندر رکھیں اور حدود کے اندر رکھیں تو آپ ادیبانہ گفتگو کر رہے ہیں یعنی آپ مؤدب ہیں اور آپ کے الفاظ آداب سے متصف ہیں۔ حدود وہی ہیں کہ جو شریعت نے یا عقلاء نے مقرر کی ہیں یا یوں کہیں کہ تکوین اور تشریع میں مقرر ہیں، مثلاً آواز حد سے تجاوز کرنے پر قرآن نے مذمت کی ہے،

وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ٥(٦)

اور اپنی آواز کو دھیما رکھنا کہ سب سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

یہ جانوروں کی آوازوں کو نہیں کہا گیا ہے بلکہ انسان کو کہا گیا ہے کہ بدترین آواز جو انسان نکالتا ہے وہ آواز ہے کہ جو گدھے کی شبیہہ ہے، یعنی اس طرح سے چیخ و پکار نہ کرو، خواہ منبر کے نیچے ہو یا منبر کے اوپر ہو، اس طرح سے نہ ہو کہ یہ کلام حدود سے خارج ہو جائے، بالآخر بولنے کی حد ہے مثلاً آواز اتنی دھیمی بھی نہ رکھو کہ حد سے باہر ہو جائے کہ سرگوشی شروع کردو اور کسی کے کان تک آواز ہی نہ جائے اور اتنی کرخت آواز میں بھی نہ چلاؤ، اتنی چیخ پکار کہ پیٹ کا زور، انتڑیوں کا زور اور معدے کا زور بھی لگا دو، ظاہر ہے کہ سارے اعضاء خدا نے اپنے اپنے کام کے لئے بنائے ہیں، معدے کا کام غذا ہضم کرنا ہے، انتڑیوں کا کام اس کو اور جگہ منتقل کرنا ہے، اعصاب کو خدا نے قوت دی ہے لیکن انسان بیٹھ کر اعصاب کی قوت بھی اکٹھی کرے، انتڑیوں کی بھی، معدے کی بھی اور سارا زور لگا کر گفتگو کرے تو پھر اس صورت میں باقی کام رہ جائیں گے، اس کی حد ہے یعنی صوت کے لحاظ سے بھی حد ہے کہ نہ حد سے نیچے بولو نہ اوپر۔

اسی طرح دیکھنے اور نگاہ کرنے کے بھی آداب ہیں، بعض نگاہیں ایسی ہیں کہ جو انسان کو

ناگوار گزرتی ہیں مثلاً گھور کر دیکھنا، جبکہ بعض نگاہیں ایسی ہیں کہ جو اس کو پسند آتی ہیں، مثلاً شفقت بھری نگاہوں سے دیکھنا، چونکہ نگاہیں پڑھی جاسکتی ہیں، جب انسان گھورتا ہے تو یہ بھی ایک نگاہ ہے لیکن حد سے متجاوز ہے، ایسے نگاہ نہیں کرنی چاہئے تھی کہ انسان ڈر جائے، سہم جائے اور خوفزدہ ہو جائے، نگاہ کی حد ہونی چاہئے اسی طرح سننے کی بھی حد ہے پس کسی بھی شے کی حد ہے، وہ حد تکوینی ہو یا قانونی کسی شے کو اسی حد کے اندر رکھنا اس شے کا ادب ہے، اب شمار کریں تو بے شمار افعالِ انسان ہیں لیکن جتنے بھی افعال ہیں ان سارے اعمال اور افعال کی حدود مقرر کی گئی ہیں، انسان اگر انہی حدود کے اندر افعال بجالائے تو یہ آدابِ فعلِ انسان ہیں، آیا یہ ادب کا تیسرا معنیٰ ہے؟ بسا اوقات انسان سمجھتا ہے کہ ادب کہ یہ مختلف معانی کئے گئے ہیں، نہیں، یہ بھی وہی معانی ہیں فقط عبارت تبدیل ہے۔

عبارتنا شتى وحسنک واحد

وكل الى ذاک الجمال يشير......(۷)

یعنی عبارتیں مختلف ہیں لیکن معنیٰ ایک ہے۔ ہم اس کو مختلف تعبیروں سے بیان کر رہے ہیں، ہماری یہ عبارتیں، الفاظ اور جملے مختلف ہیں لیکن حقیقت ایک ہی ہے کہ جس کو ادا کیا جا رہا ہے، پہلے جو دو معانی ذکر کئے گئے ہیں یہ اسی کی بازگشت ہے، محلِ مطلب ایک ہی ہے۔ جیسے کہا تھا کہ دو خصوصیات موصوف کے اندر ہوں اور دو خصوصیات صفات کے اندر ہوں تو اس وقت اس کو ہم ادب کہیں گے، یعنی صفات وہ ہوں کہ جو فعل کے اندر یا موصوف کے اندر حسن پیدا کریں اور دوم یہ

صفات وہ ہوں کہ جن کے ذریعے موصوف کی غرض وغایت کو مقصود حاصل ہوتا ہو اور فعل کی خصوصیات یہ ہوں کہ خود وہ فعلِ موصوف جائز بھی ہو اور اختیاری بھی ہو، یہ مرحوم علاّمہؒ نے ادب کے ذیل میں بیان فرمایا ہے، بعض نے کہا کہ نہیں آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جن پر اتفاقِ عقلاء ہو، ان کے حسن پر اور ان کے نیک اور اچھا ہونے پر اتفاقِ عقلاء ہو تو اس کو ادب کہتے ہیں، دونوں ایک ہی مطلب ہیں، جیسے بیان کیا تھا کہ لازم وملزوم ہیں۔

تیسرا معنیٔ ادب اس شے کو اپنی حدود میں رکھنا ہے، چونکہ شے کے اندر حسن اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی حدود کے اندر رہے، حدود کے اندر رہنے سے دونوں مقصد حاصل ہوتے ہیں، اس کے اندر زینت اور زیبائی بھی پیدا ہوتی ہے، حد سے بڑھ جائے تو زینت اور موزونیت ختم ہو جاتی ہے اور دوم یہ ہے کہ اگر حدود سے باہر آجائے تو اس کی غرض حاصل نہیں ہوتی ہے، مثلاً فرض کر لیں کہ آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن اتنے آرام سے اور دھیمی آواز میں بولے کہ دوسرے تک آواز نہیں پہنچی تو غرضِ کلام حاصل نہیں ہوئی یا اتنا زور سے بولے کہ دوسرا کچھ بھی نہ سمجھ سکا کہ کیا کہہ رہے ہیں، انسان بسا اوقات چیخ رہا ہوتا ہے تو اسے کہتے ہیں کہ آرام سے بولو تا کہ کچھ سمجھ میں آجائے کہ آپ کیا کہہ رہے ہو، آپ اگر اپنے ٹی وی (TV) کی آواز اونچی کر دیں، فل والیم (Full volume) کر دیں تو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ کیا کہہ رہا ہے، اس کو ایک حد میں رکھیں، نہ آواز بہت دھیمی ہو اور نہ بہت اونچی ہو تا کہ آپ کو سمجھ میں آئے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ غرض انہی حدود کے اندر رہنے سے غرض حاصل ہوتی ہے۔

پس بنابراین کسی شے یا موصوف کے اندر حدود ہی باعثِ ایجادِ جمال وزیبائی ہیں اور انہی حدود کے اندر رہنے سے شے یا موصوف کی غرض پوری ہوتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ شے یا وہ فعلِ انسان اختیاری ہو اور دوم یہ کہ وہ فعل جائز اور مشروع فعل ہو، عقل وشریعت نے اس کی اجازت دی ہو تو اس کیلئے لفظ ادب استعمال کیا جاتا ہے۔

٦)اخلاق اور آداب میں فرق

ادب کے بارے میں روایات بھی فراواں ہیں اور بزرگان نے بھی اس کے بارے میں بہت کچھ بیان کیا ہے، مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے اسی ادب کے ذیل میں چند اور خصوصیات بھی ذکر کی ہیں اور بہتر ہے کہ یہ ہمیں آغازِ بحث میں معلوم ہو جائیں تا کہ اثنائے بحث میں کسی مشکل کا شکار نہ ہوں، مرحوم علامہ طباطبائیؒ کے مطابق ایک خصوصیت یہ ہے کہ آداب اخلاق نہیں ہیں بلکہ اخلاق اور آداب میں فرق ہے۔ عام طور پر سنی سنائی باتوں یا مجمل اور مبہم ہونے کی وجہ سے ذہنوں میں یہی بات موجود ہے، جیسے برکت کے لئے کہا کہ مجمل اور مبہم مفہوم ہے یا ادب ایک مجمل اور مبہم مفہوم ہے۔ ہم ان مفاہیم کے اندر کمتر تحلیلی بحث کرتے ہیں اسی لئے بسا اوقات اخلاق کو آداب سمجھتے ہیں اور اسے استعمال بھی کرتے ہیں، لکھ بھی دیتے ہیں اور بیان بھی کر دیتے ہیں، نہیں، بلکہ آداب اور اخلاق میں فرق ہے۔

اخلاق، خُلق کی جمع ہے، خُلق سے مراد مَلَکات، راسخ عادتیں، انسان کے نفس اور وجود

کے اندر اچھی راسخ عادتیں ہیں اور تعریفِ ملکات بھی یہ کرتے ہیں کہ انسان کے اندر ایسی راسخ عادتیں کہ جن کی مدد سے انسان سے کوئی فعل اور عمل سہولت کے ساتھ انجام پاتا ہے انہیں اخلاق کہا جاتا ہے اور صدر المتألہینؒ نے اخلاق کے ذیل میں جو بعض مطالب بیان کئے ہیں وہ بہت ہی عرشی و نورانی ہیں ان میں ایک مطلب خَلق وخُلق کے درمیان فرق ہے۔ انسان دو ہی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ خَلق ہے اور خُلق ہے، خَلق یعنی ہمارے اندر جو کچھ خدا نے بنایا ہے وہ خَلق ہے اور خدا کی بنائی ہوئی اس تصویر کے اندر جو کچھ ہم بناتے ہیں وہ خُلق ہے، ایک پلاٹ (Plot) ہے، ایک بیک گراؤنڈ (Background) ہے کہ جو خدا نے ہمیں بنا کر دیا ہے یہ خَلق ہے اور پھر ہمیں کہا کہ یہ لو قلم اور خود جو مرضی ہے اس کے اندر بناؤ لہٰذا اس کے اندر جو کچھ ہم بنا رہے ہیں یہ ہمارا خُلق ہے، یہ ہمارا اخلاق ہے، پس اخلاق انسان کی اپنی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ اپنے وجود کے اندر، عادتیں، ملکات اور راسخ چیزیں اور ایسے ملکات کہ جن کے ذریعے سے انسان سے فعل بہت آسانی سے انجام پاتا ہے۔

عادتیں غلط اور صحیح دونوں طرح کی ہوتی ہیں اور دونوں ملکات کہلاتے ہیں لہٰذا اخلاق میں بھی بعض اچھی اور بعض بری عادتیں ہیں، مثلاً بعض لوگوں کے لئے جھوٹ بولنا بہت آسان ہے، اتنا ہی آسان ہے کہ جتنا دوسروں کے لئے سچ بولنا آسان ہے، بعض کے لئے سچ بولنا بہت آسان ہے، اگر چہ خطر وضرر ہو، کیوں؟ اس لئے کہ اِن کے اندر صداقت وسچائی مَلکہ ہے اور اُن کے اندر کذب و جھوٹ مَلکہ بن گیا ہے، جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے یا جیسے امانت اور خیانت ہے، ایک شخص کیلئے

امانت رکھنا بہت آسان ہے، امانت کو راز رکھتا ہے، دوسروں کی امانتیں سنبھالتا ہے اور ادا کرتا ہے، کتنی ہی بڑی امانتیں ہوں لیکن ان کو محفوظ بھی رکھتا ہے اور ادا بھی کرتا ہے، کسی کا راز نہیں اگلتا اور ایک انسان ہے کہ جس کے اندر خیانت ملکہ بن گئی ہے یعنی اس کے نزدیک خیانت کرنا بہت آسان ہے، سب کی باتیں سب کو بتائے گا اور اگر اس کو کوئی چیز سونپ دیں تو یا وہ سرے سے ادا ہی نہیں کرے گا یا چیز کو نقصان پہنچا کر ادا کرے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے صحابہ کو، اپنی سپاہ کو یہ فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہمارے بعض خطباء کہتے ہیں کہ یہ قسمتِ امیر المومنین علیہ السلام ہے یا فارسی زبان میں کہتے ہیں کہ یہ مولاؑ کا شانس یعنی قسمت ہے کہ ایسے لوگ میسر آئے ہیں کہ جن کے بارے میں خود امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر میں تمہیں امانت کے طور پر ایک سفالین یعنی مٹی کا پیالہ بھی دوں تو وہ بھی تم مجھے خیانت کر کے لوٹاؤ گے یعنی اس کا بھی کنڈا توڑ کر واپس دو گے، یہی مٹی کا بے قیمت پیالہ بھی تم خیانت کر کے لوٹاؤ گے، کیوں؟ آخر اس میں خیانت کی کیا وجہ ہے؟ اس کنڈے سے کیا تمہیں ملے گا؟ وہ ٹوٹ جانے سے کنڈا بھی بے کار ہو جاتا ہے اور پیالہ بھی بے کار ہو جاتا ہے لیکن جس کی عادت خیانت کرنے کی ہو وہ یہ تو نہیں دیکھتا ہے کہ اس سے مجھے کیا حاصل ہوگا، خیانت اس کی عادت ہے، کسی کے مال میں انگلی مارنا اس کی عادت ہے لہٰذا خیانت کرتا ہے، یہ اس انسان کی عادت بن گئی ہے لہٰذا ملکات اچھے بھی ہیں اور برے بھی ہیں اور یہ اخلاقِ انسان ہیں، اخلاق صفاتِ راسخہ نفس کو کہتے ہیں یعنی نفس کے اندر راسخ صفتیں و خصلتیں، نفس کے اندر اتری ہوئی غیر قابلِ زوال صفات، لہٰذا غیر

قابلِ زوال صفات کو کہ جو انسان کے اندر موجود ہیں ان کو ملکات کہتے ہیں اور یہ اخلاقِ انسان ہیں۔

آداب کن چیزوں کو کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ آداب اخلاق نہیں ہیں، آداب اوصافِ فعلِ انسان ہیں نہ کہ اوصافِ نفسِ انسان ہیں۔ آداب صفاتِ فعل و عملِ انسان ہیں لیکن صفاتِ راسخہ در نفس کو آداب نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ خُلقیاتِ انسان ہیں۔ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے یا کوئی فعل انجام دیتا ہے مثلاً لکھتا ہے تو لکھنے کے آداب ہیں لیکن لکھائی فعلِ انسان ہے، لکھائی فعلِ نفسِ انسان و فعلِ ذاتِ انسان ہے، ذات کی صفات کو آداب نہیں کہیں گے بلکہ خُلقیات کہیں گے لیکن جب یہ انسان ایک فعل انجام دیتا ہے مثلاً لکھتا ہے اور اس لکھائی کے اندر اوصاف ہوں، وہی اوصاف کہ جن کی طرف ابھی اشارہ ہوا ہے یعنی جن کی وجہ سے اس فعل کے اندر حسن و زینت بھی ہو اور اس کی غرض بھی حاصل ہوتی ہو تو اس لکھائی کے فعل کی صفات کو آداب کہیں گے۔

اب آدابِ لکھائی یہ نہیں ہیں کہ مثلاً وہ قرآن کہ جو بہت چھوٹا لکھا جاتا ہیں، مائکرو (Micro) قرآن کہ جو ایک ملی میٹر اور دو ملی میٹر کے طول و عرض میں لکھا ہوتا ہے اور بقول آغائے قرائتی کے کہ اس قرآن کو تو جن بھی نہیں پڑھ سکتا ہے، یہ کس لئے لکھتے ہیں؟ اس کی غرض کیا ہے؟ یہ ادب نہیں ہے یا ایک اور قرآن کہ ابھی خود ایران میں ہی لکھا گیا ہے کہ کہتے ہیں بیس ٹن کا قرآن ہے، جس کا ورق الٹنے کے لئے بھی دس دس بندے جائیں گے کہ اس کا ایک ورق الٹ دیں، یہ کس لئے لکھا ہے؟ یہ تو کوئی دیو ہو کہ جس کے لئے لکھا گیا ہو، یہ آداب کے خلاف لکھنا ہے۔ اگر قرآن لکھنا ہے تو اس طرح لکھیں کہ اس کے اندر دو کام ہوں ایک باعثِ زینت ہو یعنی خطِ قرآن

باعثِ زینت و زیبائیِ قرآن ہو اور دوم یہ کہ مقصودِ قرآن حاصل ہو رہا ہو، یہ بیس ٹن کا میکرو(Macro) قرآن اور ایک ملی میٹر کے مائکرو (Micro) قرآن میں زینت کہاں ہے؟ اور دوسرا یہ کہ ان کا مقصد وغرض کیا ہے؟ آیا اس سے قرآن کا مقصد حاصل ہوتا ہے؟

اسی طرح انسان کوئی اور فعل انجام دیتا ہے مثلاً بسا اوقات ایسا خط لکھتا ہیں کہ جو پڑھا نہیں جا سکتا ہے، اس کے اندر زینت تو ہے لیکن مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے اور اگر مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے تو یہ غیر ادیبانہ کام کیا ہے، غیر مؤدب کام کیا ہے، یہ آداب کے بغیر اور آداب سے خالی لکھائی ہے۔ پس بہت واضح طور پر مرحوم علامہؒ فرماتے ہیں کہ آداب اور اخلاق میں فرق ہے، اخلاق صفاتِ راسخۂ نفس کو کہتے ہیں اور آداب صفاتِ جمیلۂ فعلِ انسان کو کہتے ہیں۔

۷)آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ

مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے ایک نکتۂ دیگر بیان فرمایا ہے کہ آداب چونکہ صفاتِ جمیلۂ فعلِ انسان کو کہتے ہیں اور وہ صفات کہ جن کو ہم آداب کہتے ہیں ان کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں، یہ حفظ کریں اور ان مطالب کو ذہن میں رکھیں، موصوف یعنی فعل کی دو خصوصیتیں ہیں یعنی انسان کا فعل شریعت ووحی اور عقل کے ذریعے سے جائز فعل ہو اور دوم یہ کہ یہ اختیاری فعل ہو اسی طرح ان صفات کی بھی دو خصوصیتیں ہیں، ایک یہ کہ باعثِ زینتِ موصوف ہوں اور دوسری یہ کہ باعثِ حصولِ غرضِ موصوف ہوں یعنی موصوف کی غرض ان سے حاصل ہوتی ہو، لکھائی موصوف ہے اور اس لکھائی کے

اندر وہ خصوصیتیں کہ جن کی وجہ سے لکھائی میں حسن وزیبائی پیدا ہوتی ہو اور وہ خصوصیتیں کہ جن سے لکھائی کی غرض حاصل ہوتی ہو تو یہ خصوصیات وصفات آداب کہلائیں گی اور چونکہ آداب غرض کے حصول میں دخیل ہیں کہ ان کے بغیر غرض حاصل نہیں ہوسکتی لہٰذا اس وجہ سے فرماتے ہیں کہ ہم آداب کے ذریعے سے اغراض کی نشاندہی بھی کرسکتے ہیں۔ آدابِ انسان دلیل بر اغراضِ انسان ہیں یا آدابِ فعلِ انسان دلیل بر اغراضِ فعلِ انسان ہیں۔

اسی طرح مختلف معاشروں، قوموں اور طبقات کے اندر آداب موجود ہیں، یہ آداب بتاتے ہیں کہ ان لوگوں کے پیشِ نظر کیا اغراض ہیں، یہ کیا چاہتے ہیں؟ ان کے مقاصد کیا ہیں؟ انہی آداب سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ دیکھیں کہ کسی شخص نے جوعمل کیا ہے تو وہ کس ادب کے تحت کیا ہے، وہیں سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ وہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے؟ کہاں پہنچنا چاہتا ہے؟ اور اس کا مقصود کیا تھا؟ آداب بتائیں گے کہ آیا اس کی غرض مادی ہے، نفسانی ہے یا اس کی غرض الٰہی ومعنوی ہے، مثلاً فرض کرلیں کہ طالبِ علم مشغولِ تحصیل ہیں، یونیورسٹیوں میں، کالجوں میں، دینی مدرسوں میں اور حوزوں میں بھی مشغولِ تعلیم وتحصیل ہیں۔ یہ تحصیل بھی ایک فعل ہے، تحصیل یعنی علم حاصل کرنا، یہ بھی ایک عمل ہے اور اس عمل کے بھی آداب ہیں، آداب یعنی قاعدے، ضابطے اور صفات، انہی صفات سے اندازہ ہوگا کہ اس انسان کی علم حاصل کرنے کی غرض کیا ہے۔ اس کے جو آداب زمانۂ طالبِ علمی میں ہیں یا طالبِ علمانہ آداب ہیں وہی بتائیں گے اور نشاندہی کریں گے کہ یہ کس مقصد کے لئے علم حاصل کررہا ہے؟ اور کہاں جانا چاہتا

آداب، مقاصد کیلئے نشانِ راہ

ہے؟ آیا اس سے شخصیت بنانا چاہتا ہے؟ عزت وشہرت چاہتا ہے؟ یا مال کمانا چاہتا ہے؟

☆علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

روایات میں تحصیلِ علم کے بہت سارے مقاصد ذکر کئے گئے ہیں اوران کی شدید مذمت بھی کی گئی ہے، اتفاقاً وہ مذموم مقاصد بیشترین مقاصد ہیں کہ جو اس وقت حصول علم کیلئے نظر آتے ہیں۔رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ

لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتَمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَتُجَادِلُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ، وَلِتَصْرِفُوْا وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْكُمْ......(۸)

یعنی علم اسلئے حاصل نہ کروکہ احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرواور علماء کے ساتھ مباحثہ (جدال) کرواور لوگوں کا رخ اپنی طرف کرو......

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِاَرْبَعٍ دَخَلَ النَّارَ : لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، اَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ، اَوْلِيُصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ، اَوْ يَاخُذَبِهِ مِنَ الْاُمَرَاءِ.(۹)

جوعلم کو چار مقاصد کیلئے طلب کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا،علماء پرفخر ومباحات کرنے کیلئے یا احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرنے کیلئے یا لوگوں کا رخ اپنی طرف کرنے کیلئے یا حاکموں سے پیسہ لینے کیلئے......

اسی طرح امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ

☆علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ......(۱۰)

یعنی جو علم حاصل کرتا ہے تا کہ علماء پر فخر و مباحات کرے یا احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرے یا یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو ایسا آدمی اپنے ٹھکانے کو جہنم میں معین کر لے......

مولائے متقین حضرت علی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ

خُذُوا مِنَ الْعِلْمِ مَا بَدَأَ لَكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تَطْلُبُوهُ لِخَصَالٍ اَرْبَعٍ: لِتَبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ، اَوْ تُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ، اَوْ تَرَاؤُوا بِهِ فِي الْمَجَالِسِ، اَوْ تَصْرِفُوا وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْكُمْ......(۱۱)

یعنی علم میں سے جس کو چاہتے ہو حاصل کرو لیکن علم کو چار مقاصد کیلئے حاصل کرنے سے بچو: علماء پر فخر و مباحات کرنے کیلئے یا احمقوں کے ساتھ جھگڑا (بحث) کرنے کیلئے یا اس کے ذریعے اجتماعات میں ریا کرنے کیلئے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کیلئے......

لِتَمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ،

یعنی احمقوں کے ساتھ الجھنے کے لئے، بحث برائے بحث کیلئے، مثلاً میں اس لئے پڑھوں تا کہ کسی محفل میں پیچھے نہ رہ جاؤں تو یہ غرض مذموم ہے یا

لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ،

علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

یعنی علم اس لئے حاصل کرتا ہے تا کہ علماء پر فخر کرے، اترائے کہ میں اتنا بڑا علاّمہ ہوں، میں اتنا زیادہ جانتا ہوں، میں بہت بڑی شخصیتِ علمی ہوں، یہ مذموم غرض ہے یا

یَاخُذَبِهِ مِنَ الْاُمَرَاءِ.

یعنی علم اس لئے حاصل کرے تا کہ اس کو ذریعۂ معیشت قرار دے، یہ بھی مذموم غرض ہے، اور غرض چہارم کہ جس کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

لِيُصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ،

کوئی شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے تا کہ اس علم کی مدد سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچے، مبذول کرائے تو یہ بھی قابلِ مذمت غرض ہے اور ان مقاصد کے لئے علم نہیں ہونا چاہئے اور اس وقت یہی تین چار اغراض نمونہ اور رائج ترین اغراض ہیں مثلاً سارے علمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں دیکھیں کہ لوگ علم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ کیوں مشغولِ علم ہیں؟ اور ان کی غرض کیا ہے؟ تو ان کی اغراض ان چیزوں کے اردا گرد گھومتی نظر آئیں گی۔ علاّمہ اقبالؒ نے شاہین کو ایک ماڈل کے طور پر انسان کے لئے ذکر کیا ہے کہ انسان کو شاہین ہونا چاہئے، بعض نے کلامِ اقبال پر نقد کیا ہے، فکر اقبالؒ پر نہ کہ خود اقبالؒ پر۔ نقد یہ کیا ہے کہ آپ نے شاہین کے طور پر اچھا نمونہ (Model) نہیں دیا ہے۔ درست ہے کہ اس کی پرواز بلند ہے،

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا...... (۱۲)

کہیں فرمایا کہ

☆ علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں......(۱۳)

کہیں لب کشا ہیں کہ

جوانوں کو مری آہِ سحر دے

پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے......(۱۴)

آپ نے شاہین کے عنوان سے اور بھی بہت کچھ کہا ہے یعنی ایک سادہ سا نمونہ لے کر نوجوانوں کو اور اپنے مخاطبین کو بیداری کی طرف متوجہ کیا ہے، چونکہ ایک جہت مقصود ہوتی ہے۔اب یہ الگ بات ہے کہ جس نے فکرِ اقبالؒ پر تنقید کی ہے وہ کتنی درست ہے؟ اور تنقید اپنی جگہ زیبا بھی ہے، تنقید انہوں نے یہ کی ہے کہ شاہین بہت بلند پرواز ہے اور پہاڑوں کی چٹانوں میں بسیرا کرتا ہے، شکاری ہے، جھپٹتا ہے، پلٹتا ہے اور لپکتا ہے، یہ سب کرتا ہے لیکن درعینِ حال اتنی بلند پرواز کر کے بھی اس کی نگاہیں زمین پر ہوتی ہیں اور وہ بھی چوہے پر، بہت اونچی اڑان اڑتا ہے، تند و تیز ہواؤں اور تندیٔ بادِ مخالف سے نہیں ڈرتا، اسکی نگاہیں بھی فوق العادہ نگاہیں ہیں کہ اتنی بلندی سے نیچے چھوٹا سا چوہا دیکھ لیتا ہے اور اس پر آ کر جھپٹتا ہے۔ یہ نمونہ اس لئے درست نہیں ہے کہ اگر کوئی شاہین بن بھی جائے، پرواز کرے اور اتنا پڑھ لکھ کر شاہین بنے کہ ملکوت میں چلا جائے، چونکہ بعض پڑھ کر ایسے پرواز کرتے ہیں کہ دنیا میں ہی نہیں ہوتے ہیں، اصلاً ملکوت میں ہوتے ہیں لیکن اس ملکوت پر پہنچ کر بھی نگاہ کس پہ لگی ہوئی ہے؟ زمین کے اوپر موجود چوہے پر لگی ہوئی ہے۔

حافظ شیرازی کے بقول

واعظان کاین جلوہ در محراب و منبر میکنند

چون بخلوت میروند آن کارِ دیگر میکنند...... (۱۵)

منبر پر بیٹھ کر ملکوت کی باتیں اور فلاں کی باتیں لیکن نگاہ کس پہ لگی ہوئی ہے؟ ان ساری باتوں کے معاوضے پر کہ جس کے متعلق امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کوڑھی کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سور کی انتڑیاں ہیں یعنی دنیا، نگاہ دنیا پہ لگی ہوئی ہے، علمی طور پر انسان آسمانِ علم بن جائے لیکن نگاہ زمین پر لگی ہوئی ہو یعنی مقام پر، پوسٹ (Post) پر، شہرت پر یا معاوضے پر۔

لِيُصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ،

تاکہ لوگ میری طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کریں، میری تقلید زیادہ ہو، میری تقریر میں زیادہ لوگ ہوں، میرے شاگرد زیادہ ہوں، میری کتابیں زیادہ ہوں، میری کیسٹیں زیادہ ہوں، میرے سی ڈیز زیادہ ہوں، میرے فوٹو زیادہ ہوں، یہ کیا ہے؟ یہ شاہین کیا دیکھ رہا ہے؟ چوہا دیکھ رہا ہے، بہت بلند جا کر بھی نیچے بہت پست چیز پہ نگاہ رکھی ہوئی ہے، تنقید زیبا ہے لیکن دفاع کیا جا سکتا ہے کہ اقبالؒ کی مراد شاہین کا یہ پہلو نہیں ہے یعنی شاہین چوہا کھانے کی وجہ سے شاہین نہیں ہے، اس میں صرف پرواز ہی ان کے مدنظر ہے، باقی پرواز سے دیکھنا کس کو ہے، پرواز سے نیچے نہیں دیکھنا ہے یعنی اقبال کا شاہین چوہے تلاش نہیں کرتا ہے بلکہ وہ فرشتے شکار کرتا ہے۔ واقعاً ایسا لکھا ہے کہ تو فرشتے شکار کر تیرا شکار بڑا ہے،

تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں...... (۱۶)

☆علم حاصل کرنے کے مذموم مقاصد

اور کہیں فرمار ہے ہیں

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا......(۱۷)

یعنی پروازِ اقبالؒ وہ نہیں ہے کہ تجھے واپس آنا ہے، تو ایک دفعہ اڑا تو بس اڑا۔ پس تنقید کرنے والے کی جہت مختلف ہے بلکہ خود اقبالؒ کے بقول

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا......(۱۸)

غرض یہ ہے کہ یہ وہ اغراض ہیں جن کی پرزور مذمت کی گئی ہے کہ ان کے لئے علم حاصل نہ کرو، علامہ طباطبائیؒ کے مطابق آداب سے ان اغراض کا پتہ چل جاتا ہے، آداب یعنی وہ ضوابط و قواعد کہ جن کے تحت انسان علم حاصل کر رہا ہے، اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی غرض کیا ہے، اس کی تحصیلِ علم کی صفات سے اور تحصیلِ علم کے انداز سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ شخص کدھر جا رہا ہے؟ اس کی غرض کیا ہے؟ اور اس سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟ پس مرحوم علاّمہؒ فرماتے ہیں کہ بینِ آداب و اخلاق فرق ہے، دوم یہ کہ آداب سے انسان کے اعمال کے اندر اغراض کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ کس غرض کے لئے یہ سب کچھ انجام دیا جا رہا ہے۔

۸) آداب اور اخلاق میں ربط

علامہ طباطبائیؒ نقطۂ سوم یہ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ بینِ آداب اور اخلاق فرق ہے لیکن

اخلاق ہی آداب کی پیدائش کا ذریعہ ہیں، اخلاق سے ہی آداب پیدا ہوتے ہیں، دوسرے لفظوں میں آداب فرزندِ اخلاق اور اولادِ اخلاق ہیں۔ اگر انسان کے اندر اخلاق نہ ہوں یعنی صفاتِ فاضلۂ حسنہ نفس کے اندر موجود نہ ہوں تو صفاتِ حسنہ کے بغیر اس کے فعل کے اندر کبھی بھی ادب پیدا نہیں ہوتا ہے کہ جو فعل کو مزین کرے اور انسان کے فعل کو خوبصورت بنادے مثلاً نماز ایک فعلِ انسان ہے اور اس کیلئے آدابِ نماز ہیں یعنی جو نماز میں حسن و زیبائی پیدا کرتے ہیں اور نماز کی غرض میں مدد دیتے ہیں لیکن اگر انسان کے اندر عبودیت کا ملکہ ہوتو اس صورت میں انسان عابدانہ نماز ادا کرتا ہے اور انسان کی نماز کے اندر حُسن و زیبائی پیدا ہوتی ہے ورنہ یہ نماز بدترین طریقے سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اور پڑھی جاتی ہے، پس اگرچہ آداب و اخلاق الگ الگ ہیں لیکن رشتہ بہت گہرا اور عمیق ہے۔

خلاصتاً یہ کہیں گے کہ آداب سے مراد وہ خصائل اور صفات ہیں کہ جو کسی شے کے لئے بعنوانِ صفت طاری ہوتی ہیں اور اس کے اندر حسن و زینت ایجاد کرتی ہیں اور دوم یہ صفات اس شے کی غرض و غایت کے حصول کا ذریعہ بنتی ہیں، اس شے کو کہیں پہنچنے میں جو مقصود تھا یہ اس کی امید ہوتی ہیں اور اس شے کے لئے خصوصیت یہ ہے کہ اول تو وہ شے جائز امور میں سے ہو، مشروع ہو، جیسے کہ مرحوم علاّمہ طباطبائیؒ نے ادب کی تعریف میں بیان فرمایا ہے یعنی شریعت، وحی اور عقل کی طرف سے جائز اور مشروع ہو۔ نامشروع کام کا ادب نہیں ہوتا ہے، ناجائز کاموں میں آداب نہیں ہوتے ہیں بلکہ آداب ہمیشہ جائز کام کے لئے ہوتے ہیں اور دوم یہ ہے کہ وہ انسان کا اختیاری فعل ہو۔ بعض بزرگان نے کہا کہ آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جن پر اتفاقِ عقلاء ہو، ان کے حسن پر اور

ان کے نیک اور اچھا ہونے پر اتفاقِ عقلاء ہو تو اس کو ادب کہتے ہیں، دونوں ایک ہی مطلب ہیں اور یہ لازم وملزوم ہیں۔ تیسرا معنئ ادب اس شے کو اپنی حدود میں رکھنا ہے۔

مرحوم علامہؒ نے اخلاق اور آداب میں فرق بیان فرمایا ہے کہ اخلاق ان صفات کو کہتے ہیں کہ جو نفسِ انسان میں ہیں اور آداب ان صفات کو کہتے ہیں کہ جو فعلِ انسان کیلئے ہوں۔ جس طرح سے انسان کیلئے اخلاقِ حسنہ ہیں اسی طرح سے افعال کے لئے ہیں آدابِ حسنہ بھی ہیں نیز ہم آداب کے ذریعے سے اغراض کی نشاندہی بھی کر سکتے ہیں۔ آداب نتیجہ اخلاق ہیں اس اعتبار سے کہ انسان کے نفس میں جو خُلقیات اور مَلَکات پیدا ہوتے ہیں تو انہی خلقیات اور ملکات کے ذریعے انسان سے فعل سرزد ہوتا ہے اور وہ فعل بھی آداب سے متصف ہوتا ہے لہٰذا فعل نتیجہ ملکہ وخُلق ہے اور صفاتِ فعل بھی انہی ملکات کا نتیجہ ہیں۔

۹) آداب کی تعریف اور آدابِ فہمِ قرآن میں ارتباط

ادب کی تعریف کی رو سے آداب ان اوصاف کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ جو باعثِ زینتِ فعلِ انسان ہوں اور باعثِ حصولِ غرضِ فعلِ انسان ہوں، اس تعریف کی روشنی میں آدابِ فہم قرآن سے مراد وہ امور اور وہ صفات ہیں کہ جو باعثِ زینتِ فہم قرآن ہوں، باعثِ زینتِ درکِ مطالب و معانئ قرآن ہو، جو فہم ودرکِ انسان کے اندر حُسن وموزونیت ایجاد کریں اور دوسری طرف سے اس فہم کو یعنی فہمِ قرآن کو مقاصدِ قرآنی واغراض وغایاتِ قرآنی تک پہنچانے میں مؤثر ہوں یعنی باعثِ

حصولِ غرضِ فہمِ قرآن ہوں۔ یہ اشارہ پہلے گزرا تھا کہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے اور غیر از کتابِ ہدایت نہیں ہے، باقی استعمالاتِ قرآن غیر مجاز ہیں، برخلافِ ہدایت یا ہدایت سے ہٹ کر جو بھی مصارفِ قرآن ہیں کہ جو ہدایت کے منافی ہیں وہ غرضِ قرآن کے مخالف ہیں اور ہدایت فہم کی محتاج ہے، جب تک انسان سمجھتا نہ ہو، درک نہ کرتا ہو اور تفکر و تدبر نہ کرے تو اس کتابِ ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور فہم یا تدبر اس وقت قرآن سے ہدایت لے سکتا ہے کہ جب فہم آمادہ ہو، فہم تیز ہو اور اس کے سامنے رکاوٹیں نہ ہوں، فہم کے اندر بالفعل آمادگی اس صورت میں آتی ہے کہ جب فہم چند صفات سے متصف ہو یا چند آداب سے مؤدب و متأدب ہو، اُس وقت فہم اس قابل ہو جاتا ہے کہ انسان قرآن سے کچھ نہ کچھ استفادہ کرے۔ آداب کی مزید اہمیت فصلِ اہمیتِ ادب میں بیان کی جائے گی۔

حوالہ جات

(۱)......(وسائل الشیعة، باب وجوب تعلم القرآن، الجزء۶، صفحه۱۶۸)
(مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل، الجزء۴، صفحه ۲۳۲)
(بحار الأنوار-علامه مجلسیؒ،الجزء ۸۹،صفحه ۱۹)(تفسیر الامام العسکریؑ)
(۲)......(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱،صفحه ۲۴۵)
(۳)......(تفسیر المیزان،باب بحث روائی، الجزء ۶، صفحه۱۴۱)
(سنن النبی (ص)- السید الطباطبائیؒ، الجزء ۱، صفحه ۳۳)
(۴)......(بررسی تطبیقی مفهوم وآثار اضطرار در حقوق مدنی، الجزء ۴، صفحه ۲)
(۵)......(میزان الحکمة - الریشهری، باب الادب، الجزء ۱، صفحه ۵۷)
(عیون الحکم والمواعظ - علی بن محمد اللیثی الواسطی، الجزء ۱، صفحه ۱۰۶)
(۶)......(سورۂ مبارکہ لقمان،آیہ۱۹)
(۷)......(حقائق الاصول،الجزء ۱،صفحه۱۰۴) (زهر الأکم فی الأمثال والحکم، الجزء۳،صفحه ۸۱)(البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید،الجزء۴،صفحه ۲۹۴) (دراسات فی علم الاصول،الجزء۲،صفحه ۸)
(۸)......(بحار الانوار-علامه مجلسیؒ،الجزء ۲،صفحه۳۸،حدیث ۲۰)
(۹)......(بحار الانوار-علامه مجلسیؒ،الجزء ۲،صفحه۳۸،حدیث ۲۱)
(۱۰)......(الکافی-الکلینیؒ،الجزء ۱،صفحه۴۷)

(۱۱)......(بحار الانوار - علامہ مجلسیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۱۳۱، حدیث ۱۹)

(۱۲)......(بالِ جبریلؑ، کلام ۴۰، صفحہ ۶۱)

(۱۳)......(بالِ جبریلؑ، عنوان: ایک نوجوان کے نام، صفحہ ۱۲۰)

(۱۴)......(بالِ جبریلؑ، رباعیات، صفحہ ۸۶)

(۱۵)......(دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخۂ تصحیح شدۂ علامہ محمد قزوینی، غزل ۱۹۹، صفحہ ۱۵۶)

(۱۶)......(بالِ جبریلؑ، کلام ۴۰، صفحہ ۶۱)

(۱۷)......(ضربِ کلیم، عنوان: اسرارِ پیدا، صفحہ ۷۲)

(۱۸)......(بالِ جبریلؑ، کلام ۸، صفحہ ۳۲)

فصلِ اہمیتِ ادب

۱)بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ

۲)روایاتِ امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی اہمیت

☆ادب،سونے چاندی سے زیادہ اہم

☆صاحبانِ عقل کیلئے ادب کی اہمیت

☆ذہانت و فطانت، ادب کی رہینِ منت

☆مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا

☆آداب،حجابوں کو چیرنے میں مددگار

۳)مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت

☆بے ادب لطفِ خدا سے محروم

☆بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

☆بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

☆بے ادب، راہ زن و نامرد

☆شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

٤)مولانا روم کے اشعار امیرالمومنین علیہ السلام کے فرامین کی شرح

چونکہ ہم اس بحث کو آدابِ فہمِ قرآن کے عنوان سے کر رہے ہیں لہٰذا ہمارے پیشِ نظر ایک خاص ادب ہے ورنہ آداب کی بحث وسیع ہے، خود یہ موضوعِ آداب مستقل ہے یعنی ادب، متعلقاتِ ادب وموصوفاتِ ادب وغیرہ۔

۱) بے ادبانہ اعمال کا نتیجہ

انسان کے تمام افعال کے لئے ادب ضروری ہے، چھوٹا فعل ہو یا بڑا فعل ہو، انفرادی عمل ہو یا اجتماعی عمل ہو، انسان کے اپنے متعلق ہو یا غیر کے متعلق ہو، چونکہ اعمال آداب کے سائے میں ہی اپنے نتائج تک پہنچتے ہیں لہٰذا ہم اکثر جو عمل کرتے ہیں، کوششیں وزحمتیں کرتے ہیں تو وہ نتیجہ بخش نہیں ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ فقط عمل انجام دیتے ہیں لیکن اس عمل کے آداب کا خیال نہیں رکھتے، آداب کے تحت اس عمل کو نہیں بجالاتے ہیں لہٰذا اثر بھی نہیں ہوتا ہے۔

مثلاً تبلیغ کرتے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکلتا ہے چونکہ آدابِ تبلیغ رعایت نہیں کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی، استجابت نہیں ہوتی ہے چونکہ آدابِ دعا کا خیال نہیں رکھتے ہیں، بے ادبانہ وغیر مؤدبانہ دعا کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی برائیوں سے باز نہیں آتے چونکہ آدابِ نماز کی رعایت نہیں کرتے ہیں اور بغیر ادب کے جو عمل انجام دیا جائے تو ظاہری بات ہے کہ مقصود وغرضِ عمل آداب کے گروہ میں ہے اور آداب ہی کسی عمل کا نتیجہ عطا کرتے ہیں، پس بنا براین ممکن نہیں ہے کہ آداب کو چھوڑ کر ہم کوئی عمل انجام دیں اور وہ عمل کسی نتیجے تک پہنچ پائے، اس لئے ادب خود ایک مستقل موضوع ہے۔ انسان کو تمام اعمال میں اور تمام حالات میں ادب کے ساتھ رہنا

چاہئے مثلاً ہم احکامِ عبادت جانتے ہیں لیکن آدابِ عبادت انجام نہیں دیتے ہیں، عبادتیں بلا ادب اور غیر مؤدبانہ ہیں، احکام کے لحاظ سے بالکل درست ہیں، فقہی لحاظ سے بالکل درست ہیں لیکن آداب کے لحاظ سے بے ادبانہ عبادتیں ہیں، بعض بزرگان کے بقول لوگ اپنے گناہوں پہ توبہ کرتے ہیں لیکن ہمیں اپنی عبادتوں پر خدا سے معذرت و معافی مانگنی چاہئے چونکہ بے ادبانہ عبادتیں ہیں اور عبادتوں کے اندر فراواں بے ادبی کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں لیکن ادبِ روزہ نہیں ہوتا ہے، ذکر کرتے ہیں لیکن ادبِ ذکر نہیں ہوتا ہے، خدا کو پکارتے ہیں لیکن اس کے اندر ادبِ دعا ملحوظ نہیں ہوتا ہے، اسی طرح ہر چیز کے آداب ہیں لیکن اس کتاب میں ہماری بحث فقط آدابِ فہمِ قرآن کے بارے میں ہے۔

۲) روایاتِ امیر المومنین علیہ السلام کی روشنی میں ادب کی اہمیت

آداب کی اہمیت لئے فراواں روایات ذکر کی گئی ہیں، مخصوصاً امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ادب کے بارے میں زیادہ روایات مروی ہیں کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ادب ہے۔

☆ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم

ایک روایت میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

اِنَّکُمْ اِلٰی اِکْتِسَابِ الْاَدَبِ أَحْوَجُ مِنْکُمْ اِلٰی اِکْتِسَابِ الْفِضَّةِ وَالذَّھَبِ......(۱)

تم ادب سیکھنے کے زیادہ محتاج ہو اس بات سے کہ تم چاندی اور سونا کماؤ......

یعنی سونے اور چاندی کی طرف حاجت اور نیاز مندی سے کہیں زیادہ آپ کی ضرورت ادب ہے۔ انہی دنیوی ذخائر کہ جن کی طلب کیلئے انسان روز و شب تگ و دو کر رہا ہے لیکن ان سے کہیں زیادہ انسان کو ادب کی ضرورت ہے۔

☆صاحبانِ عقل کیلئے ادب کی اهمیت

مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ جس کے اندر تشبیہ کے ذریعے سے انسان کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ انسان کو ادب کی کتنی ضرورت ہے؟ فرماتے ہیں کہ

اِنَّ بِذَوِیْ الْعُقُوْلِ مِنَ الْحَاجَةِ اِلٰی الْأَدَبِ کَمَا یَظْمَأُ الزَّرْعُ اِلٰی الْمَطَرِ ......(۲)

بے شک صاحبانِ عقل ادب (سیکھنے) کے ایسے محتاج ہیں جس طرح سے کھیتی (زراعت) بارش کی محتاج ہوتی ہے۔

☆ادب، سونے چاندی سے زیادہ اہم

کھیت میں فصل اگائی جاتی ہے یا بیج بویا جاتا ہے لیکن اگر اسے دوگنا ثمرہ دینا ہے تو پانی اور بارش کی بغیر ناممکن ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر آداب کے بغیر ناممکن ہے کہ وہ اپنے مقاصد تک جا پہنچے اور بغیر ادب کے ثمرہ حاصل ہو۔

☆ذہانت و فطانت، ادب کی رہینِ منت

فہم کیلئے بھی ادب مؤثر ہے، بغیر ادب کے اگر انسان کسی چیز کو سمجھنے کی کوشش کرے تو وہ فہم بھی نتیجہ بخش نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے ہی ایک اور روایت منقول ہے اور یہ بھی کتابِ غرر سے ہے کہ

بِالْأَدَبِ تَشْحَذُ الْفِطَنُ......(۳)

ادب کے ذریعے ذہانت کو تیز کرو......

فطانت فہم کے معنیٰ میں ہے، ادب کے ذریعے انسان کی فہم بڑھتی ہے، فہم کو بھی نتیجے تک ادب ہی پہنچاتا ہے، وَ اِلاّ فہم ابتر اور بے ثمر ہے۔ اگر انسان سالہا سال بھی کسی چیز کو سمجھنے میں مشغول رہے لیکن ادبِ فہم کو ملحوظ نہ رکھے تو اس کا یہ فہم انسان کو کسی نتیجے تک نہیں پہنچاتا ہے، اگر کوئی انسان بغیر ادب کے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے تو فہم بے ثمر ہے، آدابِ قرآن بھی مختلف ہیں مثلاً قرأتِ قرآن کے آداب ہیں، تلاوتِ قرآن کے آداب ہیں، حملِ قرآن کے آداب ہیں، یہ سارے آداب ہیں لیکن ان سب میں ایک فہمِ قرآن ہے، اکثریت فہم کے کسی مرحلے تک آنے کی کوشش ہی نہیں کرتی

ہے بلکہ خود کو فہم سے بے نیاز سمجھتی ہے۔

کثرت سے قرآن پڑھا جاتا ہے لیکن تاثیرِ قرآن نہیں ہے اس لئے کہ ان کے اندر ادب موجود نہیں ہے۔ادب کی تعریف کی روشنی میں ہر چیز کی غرض ادب کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے، اگر ادب نہ ہو تو وہ فعل انجام پا جاتا ہے لیکن نتیجہ نہیں نکلتا ہے اسی طرح فہم کا عمل سرزد ہو جاتا ہے لیکن اس فہم کا نتیجہ نہیں نکلتا ہے۔ادب فہم کے اوپر اثر چھوڑتا ہے، امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ادب فہم کو تیز کر دیتا ہے، تشحیذِ فہم کرتا ہے، تشحیذ یعنی جس طرح چاقو یا چھری کی دھار کو تیز کیا جاتا ہے تا کہ خوب کاٹے اسی طرح ذہن انسان بھی کند ہو جاتا ہے، جس طرح کسی بچے کے ہاتھ میں تیز دھار چاقو یا چھری دے دیں تو وہ اس کی دھار کو لکڑی پر، پتھر پر مار کر اور اِدھر اُدھر مار کر کند کر دیتا ہے، پھر اس چاقو یا چھری سے کہ جو کند ہو جاتی ہے کوئی چیز نہیں کٹتی ہے حتیٰ انسان اس سے فروٹ (Fruit) تک نہیں کاٹ سکتا ہے، اسی طرح ہم نے اپنی ذہنیت اور ذہانت کو بھی پتھروں پہ مار مار کے کند کر دیا ہے، ذہانت کو ہم نے مفادات میں، خواہشات میں، اغراض میں اور ہویٰ و ہوس میں استعمال کیا ہے، ہویٰ و ہوس ایک ایسا پتھر ہے کہ تیز ترین ذہن بھی اسکے اوپر استعمال ہو تو وہ بھی کند ہو جاتا ہے، ذہن کی دھار کند ہو جاتی ہے، فہم کی دھار کند ہو جاتی ہے لہٰذا اس کو تشحیذ کی ضرورت ہے یعنی دوبارہ ذہن کو تیز کرنے کی ضرورت ہے اور تیز ذہن وہ ہے کہ جو مطالب کو سمجھتا ہے، چونکہ ذہانت کا مطلب یہ ہے کہ جو پردے حقائق پہ پڑے ہوئے ہیں ذہانت ان پردوں کو چیر کے ان کے اندر اترے۔

☆مناجاتِ شعبانیہ میں نورِ بصیرت کیلئے دعا

امیر المومنین علیہ السلام مناجاتِ شعبانیہ میں بارگاہِ خداوندِ تبارک وتعالیٰ میں فرماتے ہیں کہ

وَاَنِرْ اَبْصارَ قُلُوبِنا بِضِیَاءِ نَظَرِھَا اِلَیْکَ......

یعنی میری آنکھوں کو یا میری نورِ بصیرت کو اس طرح سے نورانی فرما کہ

حَتّٰی تَخْرِقَ اَبْصارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ......

بصیرت اتنی تیز ہو جائے کہ نورانی پردوں کو بھی چیر دے، نورانی پردوں کو چیر کے ان پردوں کے ماوراء چھپے ہوئے حقائق کو دیکھ لے۔ یہ ذہانت اور فطانت تیز ہو تو پردے چیرتی ہے۔ یہ پردے سخت پردے ہیں کہ جو حقیقتوں کے اوپر پڑے ہوئے ہیں، کچھ انسان کے اپنے ڈالے ہوئے پردے ہیں اور کچھ حقائق بھی پردوں کے اندر لپٹے ہوئے ہیں، حقائق کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور ہے، الفاظ کا ایک پردہ ہے، معانی کا ایک پردہ، مصادیق کا ایک پردہ ہے، پھر افکار کا پردہ ہے، نظریات کا پردہ ہے، خرافات کا پردہ ہے، بدعتوں کا پردہ ہے اسی طرح ہزاروں پردے حقیقت کے اوپر پڑے ہوتے ہیں لہٰذا بہت تیز دھار والی فہم چاہئے کہ جو ان پردوں کو چیر کر اس حقیقت تک پہنچ جائے اور اس لُب تک پہنچ جائے۔

قرآن نے انہی کو اولی الالباب کہا ہے یعنی ایسے تیز ذہن کے مالک لوگ کہ جو لُب تک جا پہنچتے ہیں۔ لُب سے مراد مغز ہے یعنی جو اس مغز تک جا پہنچتے ہیں، اخروٹ یا بادام کے اندر موجود مغز کو لُب کہتے ہیں، لُب یا مغز کے اوپر چھلکے ہوتے ہیں، ان پردوں کے اندر مغز لپٹا ہوا ہے، لُب لپٹا ہوا

ہے اور کچھ لوگ اہلِ لُبّ ہیں یعنی اتنی تیز ذہانت کے مالک ہیں کہ حقائق کہ جو پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں، چھپے ہوئے ہیں وہ لوگ ان تک پہنچ جاتے ہیں، اکثر حقائق واضح وآشکار نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہمیشہ پردوں کے پیچھے پنہاں ہوتے ہیں اوران کو سمجھنے کے لئے تیز ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن عموماً ہم اپنی ذہانت کو کند کئے بیٹھے ہوتے ہیں، ہم نے ذہن کو غیر ضروری چیزوں پر استعمال کر کر کے کند کر دیا ہے، خواہشات اور مفادات کے لئے ذہن استعمال ہوتا ہے، ہویٰ و ہوس کے لئے ذہانت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ کند ذہنیت ہے، کند ذہن انسان اسی کو کہتے ہیں کہ جو پردے ہٹا کر حقیقتوں تک نہ پہنچ سکے۔ مثلاً ایک سادہ سی عبارت ہے لیکن اس عبارت کے معنیٰ تک بھی نہ پہنچ سکے یعنی الفاظ کی حقیقت کو چیر کر معنیٰ کی حد تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو یہ ایک کند ذہن انسان ہے، کند یعنی تیز کی ضد، جس طرح کندی درمقابلِ تندی یا تیزی ہے۔ ایک تند دھار ہوتی ہے اور ایک کند دھار ہوتی ہے، عموماً ہم کہتے بھی ہیں کہ کند ذہن انسان ہے، اسی طرح کند ذہن کے مقابلے میں تیز ذہن انسان ہوتا ہے کہ جس کے ذہن کی دھار یعنی فہم کی دھار کند نہیں ہوئی ہے۔ فہم کی یہ تیز دھار آداب کی مرہونِ منت ہے۔

☆آداب، حجابوں کو چیرنے میں مددگار

آداب کا فائدہ یہی ہے، اگر انسان آدابِ فہم کی رعایت کریں تو ذہانت بڑھ جاتی ہے اور تندی اور تیزی آجاتی ہے اور انسان ان پردوں کو چیر کے، عبور کر کے حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ کسی

ادیب کے بقول خداوند تبارک سے ایسا نورِ بصر چاہئے کہ

دیدہ ای باید سبب سوراخ کن

تا حُجب را بر کَند از بیخ و بُن......(۴)

یعنی خدا سے مجھے اس دید و بصیرت کی طلب وضرورت ہے، کہ جو پردے چیرنے والی دید ہو، جو حجابوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے اور جس سے انسان حجابوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو دیکھ لے۔ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ جو خدا نے اپنے اہل کے لئے رکھی ہوئی ہیں مثلاً اخروٹ کا مغز باہر نہیں بنایا بلکہ اسے مضبوط ہڈی کے اندر رکھا گیا، اوپر چھلکا پھر اس چھلکے کے اندر کھوپڑی، پھر کھوپڑی کے اندر مغز، امرود کی طرح یا سیب کی طرح اخروٹ کا غذائی مادہ بھی باہر ہوسکتا تھا لیکن پھر اس کو کوئی بھی کھا جاتا، بلبل کھا جاتی، کوے کھا جاتے، چڑیا اور دیگر پرندے کھا جاتے اور مغز انسان تک پہنچتا ہی نہیں اور اگر پہنچتا بھی تو داغ والا پہنچتا، اس لئے اس کو سنبھال کے رکھا گیا ہے کہ صرف اہل ہی اس تک پہنچے۔ جو چیزیں قیمتی ہوتی ہیں ان کو ہمیشہ پردوں میں رکھا جاتا ہے تا کہ نا اہل سے محفوظ رہیں اور اہل ہی ان تک پہنچے، اہل لوگ ان تک پہنچ جاتے ہیں، ان پردوں کو عبور کر کے ان کی حقیقتوں کے پس منظر میں اتر جاتے ہیں۔

☆ آداب، حجابوں کو چیرنے میں مددگار

کچھ لوگ ظاہر بین ہوتے ہیں یعنی جو چھلکوں پہ اکتفا کر لیتے ہیں، ان کے لئے یہی کافی ہیں مثلاً ان کو لُبّ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، اہلِ لُبّ کے مقابلے میں اہلِ قِشر ہیں، لُبّ یعنی مغز اور اس کے مقابلے میں قِشر یعنی چھلکا، قرآن نے کہا کہ اولی الالباب لہٰذا ان کے مقابلے میں اولی

الاقشار ہیں یعنی چھلکے کھانے والے، دین میں بھی چھلکے کھانے والے موجود ہیں کہ جو فقط ظواہر پہ اکتفا کرلیتے ہیں اور حقائق تک نہیں پہنچتے ہیں حتیٰ یہ قرآن میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ روایت میں بھی ہے کہ کتابِ خدا چار چیزوں پر مشتمل ہے: عبارت پر، اشارت پر، لطیف نکات پر اور حقائق پر،

فَالْعِبَارَةُ لِلْعَوَامِ وَالْإِشَارَةُ لِلْخَوَاصِ وَاللَّطَائِفُ لِلْأَوْلِيَاءِ وَ الْحَقَائِقُ لِلْأَنْبِيَاءِ......(۵)

عوام کیلئے عبارت ہے، خواص کیلئے اشارت ہے، (اس میں) اولیاء کیلئے لطیف نکات ہیں اور انبیاء کیلئے حقائق ہیں......

قرآن کے اندر بعض لوگ فقط عبارت تک اکتفا کرلیتے ہیں کہ مبتدا و خبر معلوم ہوگئی تو پس قرآن ان کے لئے حل ہوگیا اور یہ ان کی دنیا و آخرت کے لئے کافی ہے لیکن کچھ ایسے ہیں کہ قرآن کی مبتدا و خبر سے آگے بڑھتے ہیں، ان کے لئے خدا نے اس کے اندر لُب رکھا ہوا ہے، یہ اولی الالباب ہیں لیکن یہ اہلِ لُب و اہلِ خرد بعض اوقات کند ذہن ہوجاتے ہیں، ممکن ہے کہ ریاضی (Mathematics) انہیں خوب سمجھ میں آتی ہو، جغرافیہ (Geography) خوب سمجھ میں آتا ہو، تاریخ (History) بھی اچھی سمجھتے ہوں لیکن قرآن نہ سمجھتے ہوں، بعض ایسے ہیں کہ جو فزکس (Physics)، کیمسٹری (Chemistry)، اکنامکس (Economics) اور پیتھالوجی (Pathology) کو بہترین سمجھتے ہیں، بزنس (Business) کی تمام باریکیوں کو سمجھ جاتے ہیں لیکن قرآن نہیں سمجھتے ہیں، یہ کند ذہن لوگ ہیں، یہ خود کو تیز ذہن نہ کہیں، اس لئے کہ انہوں نے ذہن

کی دھار ان چیزوں پہ مار مار کے کند کر دی ہے لہٰذا جب قرآن پڑھتے ہیں تو انہیں یہ چیزیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ ان کے کند ذہنوں کو تیز کرنے کی ضرورت ہے لیکن تیز کس سے ہوتے ہیں؟ ادب سے تیز ہوتے ہیں۔

بِالْأَدَبِ تَشْحَذُ الْفِطَنُ......

ادب کے ذریعے ذہانت کو تیز کرو......

فطانت اور ذہانت ادب کے ذریعے سے تیز ہوتی ہے اور انسان کو خدا سے یہی دعا مانگنی چاہئے، جیسا کہ ملا رومی نے خداوند تبارک وتعالیٰ سے یہی ادب مانگا، جس طرح بیان کیا ہے کہ خود دعا کے بھی آداب ہیں، آدابِ دعا میں سے ایک یہ ہے کہ آپ خدا سے مفاتیح یعنی چابیاں مانگیں، خزانوں کی چابیاں مانگیں چونکہ خدا کے پاس خزانے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ......(۶)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں......

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ......(۷)

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں......

۳)مولانا روم کی نظر میں ادب کی اہمیت

اب مولانا روم کے کلام میں دیکھیں کہ ادب کیا چیز ہوتی ہے؟ اور خدا سے ادب مانگنے کا کیا

نتیجہ نکلتا ہے؟ آغازِ مثنوی میں یہ دعائے مولانا روم موجود ہے، البتہ یہ دعائے انبیاء علیہم السلام ہے، جس طرح ذکر کیا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے خداوند تبارک وتعالیٰ سے ادب بھی نہایت ادب سے مانگا تھا، امیر المومنین علیہ السلام کے اندر نہایتِ اوجِ ادب تھا، انشاء اللہ اثنائے بحث میں بعض کی طرف اشارہ ہوگا۔

☆بے ادب لطفِ خدا سے محروم

جس طرح ادب کے اثرات ہیں اسی طرح بے ادبی کے بھی اثرات ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

از خدا جوییم توفیقِ ادب...... (۸)

یعنی خدا سے دعا میں توفیقِ ادب طلب کریں۔ ماہِ رمضان دعا کا مہینہ ہے از جملہ اس ماہ کے اندر ایک عمل بھی بہت بافضیلت ہے لہٰذا اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے لیکن کس طرح اور کس چیز کی دعا مانگیں؟ ادیبانہ ومؤدبانہ دعا مانگیں، ادب کے حصول کی دعا مانگیں، ابھی ہم ادیب اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو الفاظِ ادبیات پڑھا ہوا ہو یعنی اس کو الفاظ کا ادب معلوم ہو، آدابِ لفظی سے مہم تر آدابِ انسانی اور آدابِ فعل انسانی ہیں، ادیبِ انسانی ادیبِ لفظی سے بہتر ہے، پہلے انسان خود ادیب بنے پھر آدابِ الفاظ سے آشنا ہو، ادیبِ لفظی یعنی جو الفاظ کے آداب کی رعایت کرتا ہے لیکن اپنے آداب کی رعایت نہیں کرتا، ممکن ہے انسان اپنی زندگی میں بے ادب ہو لیکن قواعدِ لفظیہ سے آشنا ہو۔ پس خدا سے جو دعا مانگنی ہے وہ ادب کی توفیق ہے، لیکن توفیقِ ادب کیوں مانگے؟ اسلئے کہ

بی ادب محروم شد از لطفِ رب

بے ادب محروم ہے، چونکہ اغراض ادب کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں، جس چیز کا یہ ادب ہے یا صفت ہے ان امور کی اغراض و غایات آداب کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں، بے ادب خواہ نہ خواہ ان اغراض سے محروم ہے مثلاً اگر ہم آدابِ لفظیہ کو ہی دیکھ لیں کہ الفاظ کے معانی ہیں، الفاظ کی اغراض ہیں، الفاظ کے اندر مرادیں ہیں، جو ادب سے آشنا ہے اور باادب ہے وہ الفاظ کے معانی سمجھتا ہے لیکن جس کو آدابِ لفظیہ کا علم نہیں وہ اغراضِ لفظیہ سے بھی آشنا نہیں ہے بلکہ محروم ہے، پس بے ادبی کا پہلا اثر محرومیت ہے۔

پس لطفِ پروردگار آداب کے ساتھ ہے لہٰذا جہاں آداب ہیں وہیں پر لطفِ پروردگار شاملِ حال ہوتا ہے اور بے ادب انسان محروم ہیں۔

☆بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

بی ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب انسان اتنے مضر ہیں کہ یہ نہ فقط خود لطفِ خداوندِ تعالیٰ سے محروم رہتے ہیں بلکہ پوری دنیا میں جو آگ لگی ہوئی ہے یہ بھی بے ادبوں کی وجہ سے ہے، اگر یہ بے ادب نہ ہوں تو دنیا آسودہ ہو۔اس وقت زمین پر بے ادب ترین انسان بش ہے اور اس کا عملہ بھی گستاخ ہے، اس کی وجہ

سے پوری دنیا آگ میں جل رہی ہے اور پھر چھوٹے چھوٹے بش جو مختلف جگہوں پر موجود ہیں، یہ گستاخ اور بے ادب چھوٹے شیطان اپنی اپنی قلمرو کے اندر موجود ہیں کہ جن کی وجہ سے پوری دنیا آگ اور بے ادبی کے شعلوں میں جل رہی ہے۔ واقعاً دین کے اندر بھی جتنی مشکلات اور جھگڑے ہیں یہ سب بے ادبوں کی وجہ سے ہیں، ساری آفات گستاخوں کی وجہ سے ہیں، ان کے اندر ادبِ انسانی نہیں ہے، ادبِ دینی نہیں ہے، ادبِ الٰہی نہیں ہے، ادبِ معاشرتی نہیں ہے، ادبِ فردی نہیں ہے، ادبِ علمی نہیں ہے، ادبِ عملی نہیں ہے۔ مثلاً جس طرح سے ایک حیوان ہوتا ہے اسی طرح سے بے ادب انسان ہے لیکن مقامِ انسانی سے گر کے بے ادبِ محض بن گیا ہے بلکہ جانور سے بھی پست ہو گیا ہے۔ مولانا روم نے ایک قرآنی مثال منتخب کی ہے کہ بے ادبی انسان کے ساتھ کیا کرتی ہے۔ ایک بے ادب پوری قوم اور ملک کو تباہ و ویران کر سکتا ہے۔

☆ بے ادب کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

مایدہ از آسمان در می رسید

من وسلویٰ قرآنی مثال ہے،

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (۹)

اور ہم نے تمہارے سروں پر ابر کا سایہ کیا، تم پر من وسلویٰ نازل کیا کہ پاکیزہ رزق اطمینان سے کھاؤ، ان لوگوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ خود اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا

وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ o (۱۰)

اوران پرمن وسلویٰ جیسی نعمت نازل کی کہ ہمارے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق کو کھاؤ اوران لوگوں نے مخالفت کر کے ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ اپنے ہی نفس پر ظلم کررہے تھے۔

يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى o (۱۱)

اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دلائی ہے اور طور کی داہنی طرف سے توریت دینے کا وعدہ کیا ہے اور من وسلویٰ بھی نازل کیا ہے۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ یاد کرو کہ ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا ہے یعنی تیار کھانا اور وہ بھی بہترین کھانا، یہ پوری قوم کو نصیب ہوتا تھا، مائدہ یعنی دسترخوانِ غذا،

مایدہ از آسمان در می رسید
بی صداع و بی فروخت و بی خرید

یہ غذا انہیں بغیر کسی کوشش وزحمت کے اور بغیر خرید وفروخت کے ملتی تھی، نہ ہی پیسے دینے پڑتے تھے اور نہ ہی خریدنی پڑتی تھی۔ من وسلویٰ ایسی غذا تھی کہ یہ لوگ رات کو سوکر جب صبح اٹھتے تھے تو یہ خوراک ان کیلئے آمادہ ہوتی تھی، جیسے بعض نے ذکر کیا ہے کہ درختوں پر من وسلویٰ آویزاں و مہیا ہوتا تھا اور آمادہ مل جاتا تھا، مثلاً ہم صبح اٹھیں تو ناشتہ میں درخت کے اوپر حلوا پوری رکھی ہوئی ہو،

☆ بے ادبی کی وجہ سے دنیا آگ کی لپیٹ میں

مکھن رکھا ہوا ہو یا ایرانی کے لئے پنیر چونکہ ان کے لئے تو مکھن سے زیادہ اچھی چیز پنیر ہے اور اس کے ساتھ بالائی ہو یا جیسا جس کا ذوق ہے مثلاً ہر ایک اپنے ذائقے کے مطابق کھائے، انڈا فرائی تیار اور آمادہ ہو، چائے بنی ہوئی ہو اور یہ سب غذا آپ کو درخت کے اوپر لٹکی ہوئی مل جائے، یہ من وسلویٰ ہے، طلبہ کو جو ملتا ہے یہی ملتا ہے، خود تو کوئی زحمت نہیں کرتے ہیں، صبح اٹھتے ہیں تو ہر چیز آگے تیار رکھی ہوتی ہے لیکن خیال رہے یہ من وسلویٰ بند ہو جاتا ہے۔ یہ خوب صورت داستان ہے، ان کو نہ زحمت تھی، نہ رنج تھا، نہ پیسہ لگتا تھا، نہ خرید وفروخت تھی، نہ دکان پہ جانا تھا، کچھ بھی نہیں کرنا تھا بلکہ ان کو گھر میں بیٹھے بیٹھے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

درمیانِ قومِ موسی چند کس
بے ادب گفتند کو سیر و عدس

یہ ایک لحاظ سے شخصی تجربہ بھی ہے یعنی بے ادب کی وجہ سے سب محروم ہو جاتے ہیں، یہ مثال طلبہ کے لئے عبرت آمیز ہے، استادِ بزرگوار کہ خدا انہیں اپنی حفظ وامان میں رکھے اور سلامتی دے، حضرت آیت اللہ حسن زادہ آملی دام ظلہ العالی، آپ اہلِ علم کیلئے خوب شناختہ شدہ شخصیت ہیں، توفیق نصیب تھی کہ ان کے پاس مدتِ مدید تک تلمّذ کی اور ان کے پاس فلسفہ اور دوسرے موضوعات پر دروس پڑھتے رہے لیکن نہایتاً ایک بے ادب کی وجہ سے وہ سارے دروس تعطل کا شکار ہو گئے، صرف

ایک بے ادب انسان کی وجہ سے، ایک ایسا بے ادب درس کے اندر حاضر ہوا اور اس نے بس ایک سوالِ بے ادبانہ کیا، اس کی وجہ سے پورا حوزہ اس اُستادِ ارجمند کے فیوضات سے محروم ہوگیا، درس معطل ہوگئے، خصوصی وعمومی سب معطل کر دیئے گئے باایںکہ پہلے خود مقید تھے، ان کے درسوں میں عام آدمی کو جانے کی اجازت نہیں تھی جیسے بعض حوزے کے خصوصی دروس ہوتے ہیں کہ جس میں منتخب لوگوں کو لیا جاتا ہے، اسی وجہ سے لیا جاتا ہے کہ اس کے اندر مؤدب لوگ آئیں لیکن اس ماحول میں بھی بعض اوقات لبادہ اوڑھ کر بے ادب گھس جاتے ہیں یعنی اس کی بے ادبی کا خمیازہ پورا حوزہ بھگت رہا ہے کہ ہمیں ابھی تک ان دروس کی معطل ہونے کا افسوس ہے، ایک بے ادب انسان کی وجہ سے وہ سارا سلسلہ تعطل کا شکار ہوگیا۔

یہ پہلے بھی ہوا ہے یعنی بے ادبوں کی وجہ سے بہت سارے بزرگوار استاد کہ جن میں ہر ایک اپنی جگہ ایک عظیم شخصیت تھی لیکن ان بے ادبوں کے ہاتھوں وہ حوزوں سے چلے گئے، جن میں مرحوم حکیم الٰہی قم، مترجم قرآن، جنہوں نے فارسی میں قرآن کا بہترین ترجمہ کیا ہے، یہ استادِ حوزۂ علمیہ قم تھے، آیت اللہ تھے، بعض لوگوں نے ان کے ساتھ بے ادبی کی لہٰذا یہاں سے تہران چلے گئے اور وہاں جا کر دانش گاہ میں پڑھانا شروع کر دیا، اسی طرح سے ایسی اور بہت ساری مثالیں موجود ہیں کہ جن کے ساتھ نہایت بے ادبی کی گئی اور اِن بے ادبی کی وجہ سے وہ منتقل ہو کر چلے گئے، بسا اوقات ایک بے ادب پوری قوم کو محروم کر دیتا ہے، یہی مطلب مولانا مثنوی میں بیان فرما رہے ہیں،

درمیانِ قومِ موسیٰؑ چند کس

☆ بے ادب پوری قوم کی محرومیت کا سبب

بے ادب گفتند کو سیر و عدس

موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں چند کس یعنی چند افراد بے ادب تھے، ان کے اوپر مائدہ یعنی آسمانی من وسلویٰ اتر تا تھا لیکن ان بے ادبوں نے کہا کہ ہمیں من وسلویٰ اچھا نہیں لگتا بلکہ ہمارے لئے سِیر وعَدَس آنے چاہئیں، سیر یعنی لہسن اور عدس یعنی دال ہونی چاہئے۔ اس کے بارے میں آیہ قرآن ہے کہ

وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ......(۱۲)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی قسم کے طعام پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے......

اصلاً تعبیر دیکھیں کہ کتنی گستاخانہ ہے،

يَا مُوسٰى......

ان کو پتہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رسولِ خدا ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے بھی دیکھ چکے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کے ذریعے انہوں نے نجات بھی پائی تھی لیکن کبھی بھی بنی اسرائیل نے انہیں یارسول اللہ نہیں کہا ہے، قرآن میں سب سے زیادہ تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور بہت ساری جگہوں پر بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مُخَاطَب قرار دیئے گئے ہیں اور قرآن نے وہ آیات بیان کی ہیں لیکن کسی ایک جگہ پر بھی قرآن نے ان کی زبان سے یا نبی، یارسولِ خدا، یا رسول اللہ یا اس طرح کی تعبیر ذکر نہیں کی کہ بلکہ جہاں بھی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

ہے تو کہا یا موسیٰ علیہ السلام، ان کی تعبیر بے ادبانہ و گستاخانہ ہے۔

درحالیکہ مسلمانوں کے اندر یہ ادب تھا باوجود اینکہ یہ ان کو اُمّی کہتے تھے، کچھ لوگ مسلمانوں کے اندر بھی تھے کہ جو بے ادب تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے باہر آ کر اونچی آواز سے جیسے ایک دوسرے کو بلاتے تھے آواز دیتے تھے کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن نے ان کی سرزنش و مذمت کی اور کہا کہ یہ بلانے کا بے ادبانہ طریقہ ہے، اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ بلاؤ، اس طرح نہ بلاؤ کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بلکہ ادب سے بلاؤ، کہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اے ہادیٔ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لہٰذا اس کے بعد مسلمانوں کی جتنی تعبیریں ہیں وہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اسی طرح ائمہ علیہم السلام کو کتنے ادب سے پکارتے تھے، کہتے تھے یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، معاصرینِ ائمہؑ حتیٰ مخالفینِ ائمہؑ بھی جب ائمہ علیہم السلام کو بلاتے تھے تو ادب سے بلاتے تھے اور کہتے تھے یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اے فرزندِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ کتنی خوبصورت تعبیریں ہیں لیکن وہ لوگ یا موسیٰ کہتے تھے، یہ بے ادب تھے، گستاخ تھے اور اس سے بے ادب تر بات یہ ہے کہ خدا سے کہو کہ ہم ایک کھانا پسند نہیں کرتے ہیں، ہم اکتا گئے ہیں، انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں وہ ہمارا خدا پیدا کرے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یا مُوسٰی......

یا موسیٰ کہنا پہلی بے ادبی ہے،

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ......

یہ خود دوسری بے ادبی ہے کہ ہم ایک کھانا نہیں کھا سکتے ہیں،

فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ......

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فَادْعُ لَنَا رَبَّنَا یعنی ہمارے پروردگار سے کہو بلکہ کہا کہ ربّک یعنی جا کر اپنے خدا سے کہو کہ ہم سے یہ کھانا نہیں کھایا جاتا ہے،

یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا......

ہمارے لئے زمین سے اُگنے والی چیزیں فراہم کرے جیسے ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز......

یعنی ہمیں وہ چیزیں چاہئیں جو زمین سے اُگتی ہیں، ان کے اندر تنوع ہو، فقط لذت کے لئے، جیسے بعض روزہ رکھتے ہیں صرف پکوڑوں اور سموسوں کے لئے چونکہ لذیذ چیزیں ہوتی ہیں، افطار لذیذ چیزوں سے ہوتی ہے، روزہ رکھتے ہیں چونکہ افطار میں بہت لذت آتی ہے، وہ بھی یہی چاہتے تھے، اسی طرح کے چٹخارے لینے کے لئے اور فقط لذت اٹھانے کے لئے یہ چیزیں منگواتے تھے، یہ نہایت بے ادبی ہے، یعنی قومِ موسیٰ علیہ السلام میں چند بے وقوف اور بے ادب لوگ تھے، انہوں نے کہا کہ یہ سبزیاں وغیرہ کہاں ہیں؟

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

منقطع شدنان و خوان آسمان

مانند رنجِ زرع و بیل و داسمان

اس گستاخی کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ تمثیل ہے، بے ادبی کا اثر بتا رہے ہیں، میں نے اس لئے وہ نمونہ پہلے بیان کیا تھا کہ بے ادب بسا اوقات پورے حوزے کو محروم کر دیتا ہے، ایک بے ادب پورے حوزے کو بے ادب کرتا ہے۔ یہاں ایک اور نمونہ ہے، یہ تمثیلی واقعہ ہے، یہ بے ادبی خدا کو اچھی نہیں لگی اور وہ آسمانی کھانا، دستر خوانِ من وسلویٰ ختم ہو گیا،

اب پیچھے کیا رہ گیا؟ اب کھیتی، پھاوڑا، زحمت، رنج اور کوششیں رہ گئیں یعنی بے ادبی کی وجہ سے آمادہ کھانا ختم ہو گیا اور اب اس کے بعد یہ چیزیں انہیں خود کاشت کرنی تھیں، یہ ساری زحمت بے ادبوں کی وجہ سے ہوئی اور وہ رحمت چلی گئی، چالیس سال تک بنی اسرائیل سرگرداں گھومتے رہے، جسے تیہ کا زمانہ کہتے ہیں، چالیس سال تک بنی اسرائیل حیران و سرگرداں تھے کہ نہ کوئی رہبر، نہ کوئی راہنما، نہ کوئی سرپرست، نہ کوئی راہ دکھانے والا بلکہ یہاں تک موجود ہے کہ ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ یہ اپنے ہی گرد گھومتے رہتے تھے، دن کی گرمی میں ٹیلوں کی پناہ لیتے تھے، نہ کھانے کے لئے کچھ تھا، نہ پینے کے لئے کچھ تھا اور پھر رات کو سفر کرتے تھے، سفر بھی ستاروں کو دیکھ کر کرتے تھے اور ان کے ساتھ جو اتفاق رونما ہوتا تھا وہ یہ تھا کہ رات بھر چلتے رہتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم صحرا سے باہر جا چکے ہیں لیکن جب دیکھتے تھے تو وہیں ہوتے تھے کہ جہاں سے رات کو چلے تھے، یہ اپنے گرد چالیس سال تک گھومتے رہے ہیں، یہ کس وجہ سے ہوا؟ یہ سب کچھ بے ادبی کی وجہ سے ہوا، حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان بے ادبوں نے گستاخی کی،

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

باز عیسیٰ چون شفاعت کرد حق

خوان و رستاد و غنیمت بر طبق

پھر خدا نے ایک لطفِ دیگر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے شفاعت کی اور کہا کہ اے پروردگار! مائدۂ آسمانی ان کے اوپر نازل فرما، خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کی خاطر چونکہ عیسیٰ علیہ السلام نہایت باادب نبی ہیں لہٰذا خدا نے ایک ادیب نبی کی وجہ سے پوری امت پر پھر سے اپنی نعمتیں اور برکتیں نازل کرنا شروع کر دیں،

باز گستاخان ادب بگذاشتند

چون گدایان زلها برداشتند

پھر بعض گستاخوں نے دوبارہ ادب ترک کر دیا، بے ادب ہر جگہ ہیں، جس طرح ایک حوزوی بے ادب کو آپ نے سنا، حضرت استاد سے جب بعض لوگوں نے کہا کہ ایک بے ادب نے اگر بے ادبی کی ہے تو آپ اس بے ادب کو چھوڑ کر باقیوں کو درس دیتے رہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا دلیل ہے کہ کل ایک اور بے ادب پیدا نہیں ہوگا؟ بے ادب کی نسل تو منقطع نہیں ہوئی ہے، بے ادب سے بے ادب ہی پیدا ہوتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ یہ گدا بن گئے، بے ادب اور گستاخ گداؤں کی طرح انہوں نے جو حرکتیں شروع کیں وہ یہ تھیں کہ غذا کھاتے تھے اور کھانے کے بعد جو غذا بچ جاتی تھی وہ بچی کچی غذا ان بے ادبوں نے چرانا شروع کر دی،

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

لا بہ کردہ عیسیٰ ایشانرا کہ این
دایمست و کم نگردد از زمین

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بچی ہوئی غذا کیوں چراتے ہو؟ مثلاً چند آدمی کھاتے تھے اور باقی دیگ اٹھا کر لے جاتے تھے، اپنی کل کے لئے حریص تھے، جیسے بعض ہوتے ہیں کہ کھانا ہو تو زیادہ لے لیتے ہیں اور فرج (Fridge) میں لے جا کر رکھ دیتے ہیں اور وہ فرج میں ہی سوکھتا رہتا ہے چونکہ اگلے ٹائم پھر پک جاتا ہے، یہ حرص کی وجہ سے لے جاتے ہیں اور جا کر ضائع کر دیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ غذا تو ختم ہونے والی نہیں ہے، یہ تو آپ کو ہر وقت ملے گی، بالآخر تم خدائے کریم، خدائے رازق کے مہمان ہو اور خدا نے تمہیں یہ لطف ہمیشہ کے لئے دیا ہے،

بد گمانی کردن و حرص آورے
کفر باشد پیشِ خوانِ مہترے

جس کے دسترخوان پر تم بیٹھے ہوئے ہو وہ ایسا میزبان ہے کہ جو کریم، سخی، صاحبِ جود ہے، جس کے خزانے نہ ختم ہونے والے ہیں اور جس کی جود نہ ختم ہونے والی ہے، اس کے دسترخوان پر جب بخیل بیٹھتا ہے تو گستاخانہ کام کرتا ہے، اتنا کھاتا نہیں ہے کہ جتنا اپنے ساتھ باندھتا ہے، چراتا ہے، یہ توہین ہے، یہ بدگمانی ہے، حرص کے ساتھ بیٹھنا کفر ہے، خدا کے دسترخوان پر بیٹھ کر بھی بدگمانی کہ اگلے وقت کون دے گا؟ یہ واقعاً کفر ہے، جس خدا نے ابھی دیا ہے وہ دوسرے وقت کا کھانا بھی دے گا۔

زآن گدا رویان نادیدہ زآز
آن در رحمت بر ایشان شد فراز

یہ گدائے نادیدہ یعنی جن کی آنکھیں بھوکی تھیں، نادیدہ ان لوگوں اور گداؤں کو کہتے ہیں کہ جن کی آنکھ بھوکی ہوتی ہے، ان کا پیٹ بھر جاتا ہے لیکن آنکھ نہیں بھرتی ہے، فرماتے ہیں کہ ان لالچی نادیدہ گداؤں پر درِ رحمت کھل گیا،

ابر برنا آید پی منعِ زکات
وز زنا افتد وبا اندر جہات

اب انہوں نے کلام سے کلام نکالا ہے، کلام یجر الکلام، مطلب سے مطلب، یہ مولانا کی خصوصیت ہے کہ جولانئ ذہنی بہت زیادہ ہے البتہ مربوط مطلب ہے لیکن ہم اس کی تشریح سے دور ہو جائیں گے،

ہر چہ بر تو آید از ظلمات وغم
آن زبی باکی و گستاخیست هم

یہ جتنے مصائب ہیں بے ادبی کی وجہ سے ہیں۔ آج ہم اس صدی میں بیٹھ کر طاغوتی اور استکباری طاقتوں کے مظالم پوری دنیا میں مشاہدہ کر رہے ہیں، مولانا روم نے آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے یہ مطالب ذکر کئے ہیں۔ جن مشکلات، مصائب، سختیوں، غم، رنج واندوہ اور ظلمات کا آپ کو سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ کہاں سے ہوتا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

کہ یہ بے ادبوں کی وجہ سے ہے، یہ گستاخوں کی وجہ سے ہے، جیسے امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ

تمام بد بختی هائی مسلمین از دست آمریکه است

طے کرلیں کہ اگر ایک جوانِ مُسلِم بے روزگار ہے تو وہ امریکہ کی وجہ سے ہے، اگر ایک اَن پڑھ ہے تو وہ امریکہ کی وجہ سے ہے، اگر کسی کا علاج نہیں ہو رہا ہے تو یہ امریکہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے لیکن یہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ کون کس طرح سے محصور ہے۔ یہ گستاخوں اور بے ادبوں کی وجہ سے ہے۔ جتنی مشکلات اور مصائب تیرے اوپر ٹوٹتے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی ذمہ دار ضرور ہے؟ اور وہ بے ادب اور گستاخ لوگ ہیں۔

بعض اوقات لطفِ پروردگار آمادہ ہوتا ہے کہ جیسے پہلے کسی مناسبت سے دعا کی بحث میں عرض کیا تھا کہ دعا خدا کی رحمت کے تار کو چھیڑنا ہے، بحرِ جودِ خدا کہ جو آرام وسکون میں ہوتا ہے لیکن ایک بندہ اپنی مناجات کے ذریعے، اپنے چند جملوں کے ذریعے اس بحر میں تلاطم پیدا کردیتا ہے، یعنی بحرِ جودِ خدا احساسات کی مانند ہے، جیسے ہمارے احساسات ابھی سکون میں ہیں لیکن اگر کوئی آدمی اُٹھ کر احساساتی باتیں کرنا شروع کردے تو ان احساسات میں ایک دم تلاطم آجائے گا، ان احساسات کے اندر عشق جاری ہوگا، آنسو جاری ہوں گے۔ احساسات بھی مانندِ تار ہیں، جس طرح نغموں میں ساز اور سازوں کے اوپر تاریں ہیں اور ان تاروں کو چھیڑنے سے نغمہ نکلتا ہے، وہ تار سکون میں ہیں، وہ نغمہ یا وہ ساز وسوز سکون میں ہے، اس کو چھیڑنے والا کوئی نہیں ہے، بس ذرا سا کوئی چھیڑ دے، علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

☆ بے ادب، پوری قوم کی محرومیت کا سبب

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے......(۱۳)

جو دِخدا تشبیہ و تمثیل ہے، جودو بخششِ خدا شاملِ حال ہونے کیلئے بے تاب ہے لیکن کوئی چھیڑتا نہیں ہے لہٰذا کوئی آکر اس کو چھیڑ دے۔ دعا اس بحرِ جودِ خدا کو چھیڑنا ہے، اس میں تلاطم و موج ایجاد کرنا ہے اور ایک باادب شخص مناجات کے ذریعے، ایک دعا کے ذریعے اور ایک ذکر کے ذریعے رحمتِ خدا کا رخ کسی قوم کی طرف موڑ دیتا ہے لیکن ایک بے ادب اور گستاخ اس رحمت کا رخ اس قوم سے موڑ کر محروم کر دیتا ہے۔

☆بے ادب، راہ زن و نامرد

ھر کہ بی باکی کند در راہِ دوست

رہ زنِ مردان شد و نامرد اوست

جو بھی دوست کی راہ میں، خدا کی راہ میں بے ادب ہو گیا اور بے باک یعنی گستاخ ہو گیا تو ایسا شخص راہزن اور نامرد ہے چونکہ سب سے زیادہ بے ادبی بارگاہِ خدا میں انجام پاتی ہے، وہ انسان جو الفاظ کے ادیب ہیں، جو دوسروں کے سامنے آداب کا خیال رکھتے ہیں لیکن خدا کے سامنے آداب

کا خیال نہیں رکھتے ہیں، مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے ادب کے بارے میں بہت خوبصورت اور زیبا وعظ کیا ہے کہ بارگاہِ خدا میں ادیب ترین انسان روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام اور معصومین علیہم السلام تھے کہ جو بارگاہِ خدا میں آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے اور اسی لئے کسی چیز سے بھی محروم نہیں تھے چونکہ با ادب تھے، شیطان بے ادب تھا لہٰذا لطفِ رب سے محروم رہ گیا۔

یہ ایک غلط محاورہ ہے کہ عموماً اہل علم میں زیادہ مُدْخَل ہے، شاید آپ نے سنا ہوگا کہ

بَیْنَ الْأَحْبَابِ تَسْقَطُ الْآدَابُ...... (۱۴)

دوست احباب کے درمیان آداب ختم ہو جاتے ہیں......

اس کی مثال لاہوری دوستی ہے، لاہوری دوستی معلوم نہیں کہ آپ نے دیکھی یا سنی ہوئی ہے یا نہیں؟ لاہوریوں سے معذرت کے ساتھ کہ لاہور میں اپنائیت کی دلیل یہ ہے کہ گالی دے کر بات کرتے ہیں۔ جس کو گالی دے سمجھو بہت قریبی دوست ہے اور جتنی گندی گالی دے، غلیظ تر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں انسیت اور زیادہ ہے، اگر گالی نہ دے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ تکلف سے کام لے رہے ہیں، ہمیں دوست نہیں سمجھتے ہیں، ہمیں اپنا بھائی نہیں سمجھتے ہیں، اس میں معیار گالی ہے کہ یہ لاہوری دوستی صرف لاہور میں نہیں ہے بلکہ ہر جگہ ہے، اہلِ علم میں یہ مشہور ہے کہ

بَیْنَ الْأَحْبَابِ تَسْقَطُ الْآدَابُ......

یعنی دوستوں کے درمیان آداب نہیں ہوتے ہیں، نہیں، بلکہ اتفاقاً جتنی دوستی عمیق تر ہوا تنا ہی ادب بیشتر ہوتا ہے، انسان دوست کے ساتھ ہی سب سے زیادہ با ادب رہتا ہے، ممکن ہے اجنبی

اور بیگانے کے ساتھ آداب نہ ہوں لیکن جس کے ساتھ ضرورت ہے، جس کے ساتھ زیادہ دوستی ہونی چاہئے لہٰذا وہاں ادب ہے اور سب سے بہترین دوست اصطلاحِ عرفانی میں خداوند تبارک وتعالیٰ ہے، عرفان میں جہاں بھی دوست مراد ہو وہاں پہ ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ مراد ہے، جیسے امام خمینیؒ کے کلام میں ہے کہ

من بخال لبت ای دوست گرفتار شُدم
چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شُدم ...... (۱۵)

پاکستان میں کسی سے پوچھا کہ یہ کیسا شعر ہے تو کہا کہ یہ طالب علمی سے پہلے کی بات ہے یعنی اس وقت طالب علم نہیں تھے حالانکہ اتفاقاً آخرِ عمر کی غزل ہے، امامؒ کی رحلت سے پہلے جو آخری سال تھا اس سال کی ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثِ ثقلین، خطبۂ شعبانیہ اور خطبۂ غدیر یہ سب آخری سال کی باتیں ہیں، اسی طرح یہ امام خمینیؒ کے آخری سال کی غزل ہے، چشمِ بیمار اصطلاحِ عرفانی ہے، جس طرح ادبیات کی اصطلاح مثلاً فاعل ہے، یہ اصطلاحِ ادبیات ہے، مبتدا و خبر ہے، اس پر تو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا ہے کہ آپ اس کو مبتدا کیوں کہتے ہیں؟ آپ اس کو خبر کیوں کہتے ہیں؟ خبر تو وہ ہوتی ہے کہ جو ٹی وی میں نشر ہوتی ہے، اس کو آپ خبر کیوں کہتے ہیں؟ کوئی آپ کے ساتھ الجھ سکتا ہے، آپ جب کہتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے اور یہ خبر ہے تو ایک اناڑی آدمی کہ جس نے فقط ٹی وی پہ خبریں سنی ہیں وہ کہے گا کہ یہ کیا کہتے ہو، یہ خبر ہے یا وہ خبر ہے جو بی بی سی اور سی این این دیتا ہے، یہ جو آپ کہہ رہے ہو کہ یہ لفظ خبر ہے تو یہ کہاں کی خبر ہے؟ آپ اس کے ساتھ نہیں الجھیں، یہ

ایک اصطلاح ہے، اس کا حق بنتا ہے کہ جو یہ کہے، دوست یعنی خدا کی ذات۔ اہل اللہ اور مقربینِ خدا، خداوندِ تبارک وتعالیٰ کو حضرتِ دوست تعبیر کرتے ہیں۔

مولانا روم فرمارہے ہیں کہ یہ مردوں کا راہزن ہے، یہ بے ادب مانندِ ڈاکو ہے، یہ نامرد انسان ہے، نامرد سے مراد عورتیں نہیں ہیں، قرآن نے بھی کہا ہے کہ نامرد موجود ہیں،

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (۱۶)

مومنین میں ایسے بھی مردِ میدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔

اس آیہ کا لب ولہجہ اور لحن دیکھیں،

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ ......

یہ نہیں ہے کہ مومنین میں سے کچھ رجال ہیں اور کچھ نساء ہیں یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ رِجَالٌ، بلکہ مومنین آیا ہے مومنات نہیں ہے، مِنَ الْمُؤْمِنِين ،مومنین خود صیغۂ مذکر ہے۔ لوگوں میں سے کچھ مومنین ہیں اور کچھ غیر مومنین ہیں لیکن مومنین میں سے بھی کچھ رجال ہیں یعنی مرد ہیں کہ جن کے اندر مردانگی ہے، اس رجال کے مقابل میں کیا ہے؟ وہ نہج البلاغہ میں ہے کہ

يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالَ...... (۱۷)

باب ادب، راہ وزن و نامرد ☆

اے مردوں سے شباہت رکھنے والوں جو کہ مرد نہیں ہو......

یعنی اس مردانگی کے مقابلے میں یہ جملہ ہے کہ اے مردوں جیسی شکل والے نامردوں۔

☆شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

از ادب پر نور گشتست این فلک

وز ادب معصوم و پاک آمد مَلک

فلک میں جو نورانیت ہے وہ ادب کے ذریعے سے ہے، دنیا ادب کی وجہ سے روشن ہے۔ ستارے کتنے باادب ہیں کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چھپ جاتے ہیں، یہ ایک شاعرانہ تمثیل ہے، سائنسی تحقیق نہیں ہے، بسا اوقات ہم جو دیکھتے ہیں اسے بیان کر رہے ہوتے ہیں نہ کہ اسے کہ جو واقعاً ہے۔ ہم ظاہراً یہ دیکھتے ہیں کہ جب سورج نکلتا ہے تو ستارے ہوتے ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتے، یہ سورج کے سامنے ان کا ادب ہے لیکن یہاں بے ادب کون ہے؟ بے ادب ستارہ و سیارہ بھی نہیں ہے، ایک شمع، لیمپ و بلب بھی نہیں ہے، مثلاً جگنو ہے کہ جس کی دم میں الیکٹرک کرنٹ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے نکلتا رہتا ہے، وہ بھی اس کے اضطراب کی وجہ سے نکلتا ہے، مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جگنو روشنی کا ذریعہ ہے، چونکہ دم بھی تو مشکلات پیدا کرتی ہے، مولانا روم کا ہی ایک شعر ہے کہ

ہر کہ اوبی سر بجنبد دُم بود

جنبشش چون جنبش کژدم بود ......(۱۸)

یعنی جو بھی سر کے بغیر گھومتا ہے تو سمجھو وہ بچھو ہے، بچھو ایک دم ہے چونکہ بچھو کا سارا ناز اس کی دم پر ہے، دم میں اس کی ڈنک ہے، یہ کژدم ہے۔ اگر فلک روشن ہے تو ادب کی وجہ سے روشن ہے اور ادب کی وجہ سے اس کے اندر نورانیت آئی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ فرشتہ کیوں معصوم ہے؟ چونکہ با ادب ہے۔ شیطان کیوں رجیم ہے؟ چونکہ بے ادب ہے، شیطان مردود اور بے ادب کو خدا نے بارگاہ سے نکال دیا ہے لیکن فرشتے کو پاک کر دیا اور معصوم بنایا، انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں اور یہ ادب کا نتیجہ ہے،

بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب

شد عزازیلی ز جرأت ردِّ باب

بے ادبی کی وجہ سے سورج کو کُسوف یعنی گرہن ہے چونکہ زمین اور سورج کے بیچ میں آنا بے ادبی ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ہم ان چیزوں کا خیال نہیں رکھتے ہیں، مثلاً پشت نہ کرنا، پشت نہیں کریں البتہ اگر درس یا مجلس ہو تو اور بات ہوتی ہے، ادبِ مجلس الگ ہے، ادبِ درس الگ ہے، ادبِ نشست الگ ہے لیکن اگر ایک عام مجلس و محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں تو کسی کی طرف پشت نہ کریں، ایران میں اس چیز کو بہت معیوب سمجھتے ہیں کہ آپ کسی سے بات کر رہے ہیں اور دوسرے کی طرف پشت کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، ہندوستان اور پاکستان میں یہ نہایتِ ادب ہے کہ پیٹھ کر کے کسی کی طرف نہ بیٹھیں، لہٰذا اگر چاند، سورج اور زمین کے درمیان آ گیا ہے تو اس لئے کُسوف ہوا ہے کہ

☆ شیطان بے ادبی کی وجہ سے شیطان بنا

یہ سورج کیلئے بے ادبی ہے، بے ادبی کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا ہے۔

اسی طرح شیطان کا کتنا بڑا مقام تھا؟ جن ہوتے ہوئے یہ ملائکہ کی صف میں موجود تھا لیکن بے ادبی کی وجہ سے ردِ باب ہوا، دھتکار دیا گیا اور بارگاہِ خدا سے نکال دیا گیا، شیطان کا اصلی نام عزازیل ہے، ابلیس نہیں ہے، ابلیس صفت ہے اور شیطنت بھی صفت ہے یہ اس کے نام نہیں بلکہ عہدے ہیں، اس کا نام عزازیل ہے، ابلیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ تلبیس اور التباس کی وجہ سے شک میں ڈالتا ہے، درہم برہم کر دیتا ہے، حق و باطل ملا دیتا ہے، وہ لباسِ حق کو لباسِ باطل اور لباسِ باطل کو لباسِ حق پہناتا ہے اور اسی کام کو التباس کہتے ہیں، تلبیس یعنی کسی اور چیز کو کوئی اور لباس پہنا دینا، عورت کو مرد کا لباس اور مرد کو عورت کا لباس پہنا دینا، تلبیسِ ابلیس لباس پہنانا اور الٹے لباس پہنانا ہے۔ شیطنت بھی اس کا فعل ہے یا اس کی صفت ہے لیکن اس کا اصل نام عزازیل ہے۔ بے ادبی کی وجہ سے یہ راندۂ درگاہ کر دیا گیا،

فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ...... (۱۹)

یعنی ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے۔

۴) مولانا روم کے اشعار امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین کی شرح

غرضیکہ مثنوی کے یہ اشعار امیر المومنین علیہ السلام کی ان روایات کی شرح ہیں،

اِنَّكُمْ اِلٰی اِكْتِسَابِ الْاَدَبِ أَحْوَجُ مِنْكُمْ اِلٰی اِكْتِسَابِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ......

تم ادب سیکھنے کے زیادہ محتاج ہو اس بات سے کہ تم چاندی اور سونا کماؤ......

اِنَّ بِذَوِي الْعُقُوْلِ مِنَ الْحَاجَةِ اِلَی الْأَدَبِ كَمَا يَظْمَأُ الزَّرْعُ اِلَی الْمَطَرِ......

بے شک صاحبانِ عقل ادب (سیکھنے) کے ایسے محتاج ہیں جس طرح سے کھیتی (زراعت) بارش کی محتاج ہوتی ہے۔

ادب کے بغیر انسان محروم ہے، مثنوی کی یہ پوری نظم جو آپ کی خدمت میں ذکر کی گئی یہ وہی چیز ہے۔

بِالْأَدَبِ تَشْحَذُ الْفِطَنُ......

ادب کے ذریعے ذہانت کو تیز کرو......

پس ادب کے ذریعے سے فہم تیز ہوتی ہیں لہٰذا ادب فہمِ قرآن ایک خصوصی فہم ہے اور عام فہم سے ذرا ہٹ کر ہے، ویسے تو فہم کلی ہے لیکن اس فہم کلی میں ایک خاص فہم فہمِ قرآن ہے، اول اس فہم کی بھی حدود و قیود ہیں اور اس فہم کے بھی آداب ہیں، اگر وہ آداب ہوں تو یہ فہم تیز ہو جاتی ہے، یہ قرآن کو سمجھنے کے لئے تیز ہوتی ہے اور اسی انسان کو قرآن نے متقی کہا ہے یعنی جو قرآن کو سمجھنے کے لئے آمادہ ہے، جس نے اپنے آپ کو آمادہ کیا ہے، فہم پیدائشی طور پر آمادہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ آمادگی اپنے اندر لانا پڑتی ہے۔

اب ہمیں تھوڑا اندازہ ہو گیا کہ آداب کیا ہوتے ہیں اور ان کی کیا اہمیت ہے لہٰذا آئندہ

فصلوں میں جب آدابِ فہمِ قرآن کی بحث کریں گے تو اندازہ رہے گا کہ آداب سے کونسی چیزیں مراد ہیں یا دقیقاً کس چیز سے بحث کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے اندر یہ آمادگی آئے گی کہ ہم ان آداب میں وارد ہوں کہ جو بطورِ رسمی صدر المتألهینؒ نے اپنی کتاب مفاتیح الغیب میں نقل کیے ہیں۔

حوالہ جات

(۱)......(عیون الحکم والمواعظ - علی بن محمد اللیثی الواسطی، الجزء ۱، صفحہ ۱۵۰)

(۲)......(میزان الحکمۃ - الریشھری، باب الادب، الجزء ۱، صفحہ ۵۳)
(غرر الحکم ودرر الکلم)

(۳)......(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحہ ۱۶۳)(میزان الحکمۃ- الریشھری، باب الادب، الجزء ۱، صفحہ ۵۶)

(۴)......(مثنوی معنوی، بہ تصحیح :رینولد ا.نیکلسون، دفتر پنجم، صفحہ ۷۸۹)

(۵)......(التفسیر الصافی -الفیض کاشانی، الجزء ۱، صفحہ ۳۲)(تسنیم تفسیر قرآن کریم-آیت اللّٰہ جودی آملی، الجزء ۲، صفحہ ۲۴)(سیرۃ الامام جعفر صادقؑ، الجزء ۱، صفحہ ۲)(تفسیر جوامع الجامع- الشیخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۴) (میزان الحکمۃ-الریشھری، الجزء ۸، صفحہ ۲۱۴)

(۶)......(سورۂ مبارکہ حجر، آیہ ۲۱)

(۷)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۵۹)

(۸)......(مثنوی معنوی، بہ تصحیح :رینولد ا.نیکلسون، دفتر اول، صفحہ ۸)

(۹)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۵۷)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۶۰)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ طہٰ، آیہ ۸۰)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۶۱)

(۱۳)......(کلیاتِ اقبال، بانگِ درا، حصہ سوم، عنوان: شکوہ، صفحہ ۱۶۹)

(۱۴)......(أسطورة العبوسة، الجزء ۳، صفحه ۱۱)

(۱۵)......(دیوانِ امام خمینیؒ، عنوان: چشم بیمار، صفحه ۱۴۲)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ احزاب، آیہ ۲۳)

(۱۷)......(نهج السعادة، الجزء ۲، صفحه ۲۲۶)(میزان الحکمة - الریشهری، باب الناس، الجزء ۱۰، صفحه ۵۳۷)

(۱۸)......(مثنوی معنوی، به تصحیح :رینولد ا.نیکلسون، دفتر چهارم، صفحه ۲۱۳)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ حجر، آیہ ۳۴)(سورۂ مبارکہ ص، آیہ ۷۷)

فصلِ ادبِ اوّل

﴿درکِ عظمتِ قرآن﴾

۱)تعارفِ مفاتیح الغیب

۲)درکِ عظمتِ کلام

۳)قرآن ذو مراتب حقیقت

٤)قرآن،ایک محجوب حقیقت

٥)قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ

٦)احترام بمناسبت عظمتِ مقام

۷)اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے

۸)معرفت اوراجارے کی نمازمیں فرق

۹)اللہ کو پانا ہے

۱۰)قرآن حبلِ خدا ہے

۱۱)مستور قرآن لطفِ خدا ہے

۱۲)قرآن کی حکمت اور عبارت کا تعلق

۱۳)قرآن، نورِ حکمت

۱٤)قرآن، مشروبِ حیات

۱)تعارفِ مفاتیح الغیب

صدر المتألھینؒ کی کتاب کا نام ''مفاتیح الغیب'' ہے یعنی غیبی، اوجھل و پنہاں خزانوں کی چابیاں، مفاتیح الغیب یعنی اللہ کے خزانوں کی کنجیاں، یہی چابیاں آداب ہیں اور ان آداب ہی کے ذریعے سے انسان الٰہی خزانوں تک پہنچتا ہے لہٰذا اہلِ خرد وفہم چابی مانگ لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ خزانے کے اندر ان کی رسائی ہو جاتی ہے، خزانوں سے جتنی ضرورت ہے، جتنی بھوک و پیاس ہے اس حد تک حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا سے ادب مانگنا یعنی چابی لے لینا۔ مفاتیح الغیب میں سے ایک مفتاح یعنی ایک چابی و کنجی ادب ہے کہ انسان مؤدب ہو، غیر مؤدب انسان گستاخ انسان ہے۔

''مفاتیح الغیب'' قرآنی علوم کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔ صدر المتألھینؒ کو عام لوگ بنامِ ملّا صدرا پہچانتے ہیں، یہ حکیمِ الٰہی اور فیلسوفِ ربانی یعنی ذوالفنون ہیں، فلسفے میں شہرت ہے لیکن ان کی کتابِ تفسیر بھی ہے، دیگر علومِ قرآن کی کتابیں بھی ہیں، حدیث کی کتاب بھی ہے اور مختلف علوم میں کتابیں لکھی ہیں۔ اس کتابِ مفاتیح الغیب میں بحثِ ''آدابِ فہمِ قرآن'' موجود ہے، البتہ انہوں نے اصل بحث غزالی سے اخذ کی ہے کہ جو معروف بہ ابو حامد غزالی ہیں، ان کی ایک معروف کتاب بنامِ احیاء العلوم ہے، اس کے اندر انہوں نے بحثِ قرآن کے ذیل میں آدابِ قرآن ذکر کئے ہیں، کچھ تصرف کے ساتھ مرحوم صدر المتالھینؒ نے اس بحث کو احیاء العلوم سے اقتباس و تلخیص کیا ہے اور نئے سرے سے تحریر بھی کیا ہے، بعض مطالب اس کے ترک کئے ہیں کہ جو موزوں

نہیں تھے یا یہ کہ نظروں میں مناسب نہیں تھے اوراس کے اندر بعض مطالب اپنی طرف سے اضافہ کیئے ہیں، اس کتاب سے ہو بہو نقل نہیں کیا ہے۔

صدرالمتألھینؒ نے عبارتوں کے اندر بہت ہی عمدہ لطائف بیان کیئے ہیں۔ وہ عبارتیں بہت زیبا ہیں اور خود نفسِ عبارت بہت جالب ہوتی ہے اوراس کے اندر ایک دنیائے معرفت موجود ہوتی ہے، ہم انشاء اللہ اجمالاً بعض عبارتیں تحریر کریں گے تا کہ ہمیں ان تعبیروں کی لطافت کا احساس ہو جائے اور یہ عبارتیں سب کے لئے حل بھی ہوں۔

صدرالمتألھینؒ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم قرآن کے اندر غور وفکر کرنے والوں کے آداب ذکر کریں گے، لیکن جنہیں فقط حفظ کرنا ہے، جنہیں فقط ختم قرآن کرنا ہے، جنہیں فقط دہرانا ہے، تلاوت کرنا ہے، ان کے آداب الگ ہیں، وہ بھی اسی کتاب میں ذکر کیئے گئے ہیں لیکن یہ فصل مخصوصاً ان لوگوں کے لئے ہے کہ جنہیں قرآن میں تدبر، غور اور فکر کرنا ہے، اب ایک ایک کر کے ان آداب میں وارد ہوتے ہیں کہ جو مرحوم صدرالمتألھینؒ نے کتابِ شریفِ مفاتیح الغیب میں ذکر فرمائے ہیں، کتابِ مفاتیح الغیب کے صفحہ نمبر (۵۸) پر **الفاتحة الثانية** کے نام سے ایک باب ہے، فاتحہ اس کیلئے عنوانِ فصل ہے چونکہ ہم اس کتاب کا ایک باب پڑھ رہے ہیں لہٰذا اس کے متعلق بحث نہیں کرتے ہیں کہ فاتحہ ثانیہ کیا ہے؟ فقط اپنے موضوع پہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں چونکہ کتاب کا پہلا اور بعد والا حصہ ابھی ہماری غرض میں نہیں ہے، آپؒ اس میں فرماتے ہیں کہ

☆**فی الاشارة الی آداب الناظرین فی علم القرآن......**

فاتحۂ دوم یا فصلِ دومِ کتاب ان آداب کے متعلق ہے کہ جو قرآن کے اندر غور وفکر کرتے ہیں کچھ لوگ فقط قرأتِ قرآن کرتے ہیں، کچھ فقط تلاوتِ قرآن کرتے ہیں، کچھ صرف سماعتِ قرآن کرتے ہیں، کچھ قرآن پر محض نگاہ کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ غور وفکر کرتے ہیں، یہاں نظر بمعنیٰ فکر ہے اور فکر کے بھی آداب ہونے چاہئیں تا کہ درست فکر کریں اور اس فکر کا درست نتیجہ بھی نکلے۔

☆المتدبرين فی آيات الله تعالىٰ......

ہم ان کے آداب ذکر کرتے ہیں کہ جو لوگ آیاتِ خدا میں اہلِ تدبر ہیں، اہلِ غور وفکر ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن نے انسان کو دعوتِ تدبر دی ہے، جو لوگ عالمِ خلقت میں بھی اور آیاتِ قرآن مجید میں بھی یعنی آیاتِ عینیۂ خداوند تبارک وتعالیٰ میں اور آیاتِ تدوینیۂ خداوند تبارک وتعالیٰ میں تدبر کرتے ہیں۔

☆وهی عشرة:......

اور وہ دس ادب ہیں، یہاں پر ذکر فرماتے ہیں کہ بعض ترتیبِ احیاء العلوم سے مختلف ہیں کہ اثنائے بحث میں اشارہ ہوگا۔

۲) درکِ عظمتِ کلام

☆الاول: فهم عظمة الكلام......

فہمِ قرآن اور درکِ معانی ومقصودِ قرآن کیلئے پہلا ادب درکِ عظمتِ قرآن ہے، جو شخص

قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ عظمتِ کلام کو درک کرے، البتہ اس سے پہلے آدابِ دیگر بھی موجود ہیں کہ جو ہم نے تحریر نہیں کئے ہیں، آپ خود مفاتیح الغیب سے پڑھ کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض قرأتِ قرآن کے آداب ہیں، بعض سماعتِ قرآن کے آداب ہیں اور بعض تلاوتِ قرآن کے آداب ہیں چونکہ ہماری بحث تدبرِ قرآن میں ہے لہٰذا اس فصل کے متن کو بحث کے لئے منتخب کیا ہے۔ پس اس پہلے ادب کے مطابق اس کلام کا وصفِ عظمت یعنی مقام ومنزلت اور علو و درجۂ عالی اسے معلوم ہونا چاہئے کہ میں کس بارگاہ میں ہوں؟ یہ نہ کہے کہ یہ بھی دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے کہ یہ رکھ کر وہ اٹھالی اور وہ رکھ کر یہ اٹھالی کہ جس طرح ہم عموماً کرتے ہیں، ایک کتاب رکھ کر دوسری اٹھالیتے ہیں، وہ رکھ کر تیسری اٹھالیتے ہیں پھر اسے رکھ کر قرآن پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، نہیں، اس طرح سے نہ ہو، پہلے معلوم ہو کہ کس بارگاہ میں ہوں؟ کس کے کلام کی بارگاہ میں ہوں؟

قرآن کلامِ الٰہی ہے لہٰذا پہلے انسان اس کلامِ الٰہی کی عظمت کو درک کرے اور پھر قرآن میں فکر اور تدبر کرے، اس کے بعد انسان کو قرآن مجید سے کچھ حاصل ہوگا۔ اگر انسان عظمتِ کلامِ الٰہی کو سمجھے بغیر، تصدیق کئے بغیر، یقین پر پہنچے اور ایمان لائے بغیر قرآن کے اندر وارد ہو جائے تو اس کے اندر گشت تو کرے گا لیکن حاصل کچھ نہیں ہوگا چاہے وہ کثرت سے تلاوت و قرأتِ قرآن کرے۔ اگر انسان کے اندر حالتِ قرأتِ قرآن میں اور حالتِ فہمِ قرآن میں احساسِ عظمتِ کلام نہ ہو یعنی علم نہ ہو یا عظمتِ کلامِ الٰہی کی طرف توجہ نہ ہو تو انسان کو مقصودِ قرآن حاصل نہیں ہوگا اور چونکہ

قرآن کلامِ خداوندِ تبارک وتعالیٰ ہے لہٰذا عظمتِ کلام رہینِ عظمتِ متکلم ہے یعنی جتنی عظمت متکلم کے اندر موجود ہوگی اتنی ہی عظمت کلام کے اندر موجود ہوگی۔ دوسری کتابوں میں بھی ایسے ہی ہے، فرض کریں کہ آپ کو ایک نامعلوم مؤلف کی کتاب ملی اور آپ کو پتہ نہیں ہے کہ اس کا مؤلف کون ہے؟ آپ اس کا مطالعہ کرنا شروع کردیتے ہیں، اول سے آخر تک کتاب کو سمجھتے ہیں اور جب آپ کو اسی کتاب کا مؤلف معلوم ہو جائے اور وہ مؤلف بھی بہت گرانقدر انسان ہو، بہت ہی عظیم شخصیت کا مالک ہو مثلاً وہ عربی تحریر ہے اور ہم نے اس کو لے کر پڑھا اور اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خطبہ امیر المومنین علیہ السلام کا ہے لہٰذا اب ہم دوبارہ پڑھتے ہیں اور اب ہمیں یہ کتاب کچھ اور طرح سے سمجھ میں آتی ہے، فرق صرف یہ پڑا ہے کہ پہلے عبارت ہمارے سامنے تھی لیکن اس عبارت کی عظمت کا احساس نہیں تھا اور عظمت کا احساس اس وجہ سے نہیں تھا کہ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کس کی کتاب ہے؟ یہ کس کا کلام ہے؟ یہ کس کا جملہ ہے؟

عظمتِ کلام رہینِ عظمتِ متکلم ہے، یہ نکتہ نہ صرف فہم قرآن میں مؤثر ہے بلکہ عبادتِ انسان میں بھی مؤثر ہے اور اگر خدانخواستہ انسان کا دل قساوت کا شکار ہو جائے، سخت ہو جائے تو اس دل کو نرم کیسے کیا جائے؟ یہ اہم نکتہ ہے چونکہ دل کو قسی وسخت کرنے والی بہت ساری چیزیں ہیں، نرم کرنے والی چیز کونسی ہے؟ خشوعِ قلب کے لئے بھی یہ نکتہ مہم ہے اور حضور در عبادت میں بھی، غالباً ہم عبادت میں غیر حاضر رہتے ہیں، غیر حاضر عبادتیں کرتے ہیں چاہے نماز میں ہوں یا روزے میں ہوں چونکہ روزہ بھی ایک عبادتِ خدا ہے، اس روزہ میں انسان کو کاملاً بارگاہِ خدا میں ہونا چاہئے، نیتِ

درکِ عظمتِ کلام

روزہ سے افطار تک، روزہ یعنی حضور در بارگاہِ خدا، قطعِ تعلق ماسوا اللہ، یہ ہے روزۂ انسان یعنی روحِ روزہ ہو نہ کہ فقط حکمِ فقہی پر روزہ رکھیں، روحِ روزہ یعنی جس کی وجہ سے انسان پر روزے کا اثر پڑتا ہے اور روزے کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ وہ چیز ہے کہ انسان بارگاہِ خدا میں ہو نہ کہ صرف منہ بند کیا ہوا ہو، امیر المومنین علیہ السلام کا فرمانا ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جن کو روزے سے فقط فاقہ نصیب ہوتا ہے، جو فقط بھوک کاٹتے ہیں باقی روزہ نہیں ہوتا ہے، فاقہ اور روزہ میں فرق ہے، فاقہ نہ کھانے کو کہتے ہیں لیکن صیام غیر از فاقہ ہے۔

صیام بارگاہِ خدا میں حضوری کا نام ہے، عبادتوں کی ساری روح حضور ہے، بارگاہِ خدا میں حضورِ بندگانہ، حضورِ عبودانہ اور حضورِ عبیدانہ روحِ عباداتِ انسان ہے، نماز میں بھی یہی ہے، نماز میں ہماری توجہ کیوں نہیں ہوتی ہے؟ کیوں حضورِ قلب نہیں ہوتا؟ کیوں خضوع وخشوع نہیں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ ہم عبادت کو ایک رسم کے طور پر، ایک عبادت کے طور پر اور ایک عادت کے طور پر بجالاتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کہ جس کی بارگاہ میں ہم حاضر ہیں اس کی عظمت کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے، اس لحظے ہم عظمتِ خدا کو درک نہیں کر رہے ہوتے ہیں، ہمارا ذہن ودل اس عظمت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب تک انسان کو ذاتِ خدا، کبریائی خدا، بزرگیٔ خدا، قدرتِ خدا اور قہاریتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کا اندازہ نہ ہو تو اسے معلوم نہیں ہوگا کہ میں کس کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اگر انسان احساس کرلے تو یہ معرفت خود انسان کو مؤدب بنادیتی ہے۔

اگر ناشناختہ طور پر ہم کسی بزرگ شخصیت کے سامنے کھڑے ہوں کہ جسے نہیں جانتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ سفر میں اس کے ہمراہ ہوں، حضر میں اس کے ہمراہ ہوں لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کون ہیں؟ فرض کریں کہ آپ کے اپنے ہی مرجع تقلید ہوں اور اپنے اس عالمانہ لباس میں نہ ہوں، اگر عبا، قبا اور عمامہ کے بغیر کسی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہوں تو ہم انہیں نہیں پہچانیں گے چونکہ ہم نے انہیں جب بھی دیکھا ہے عبا، قبا اور عمامے میں دیکھا ہے لہٰذا ہم ان کے ساتھ جو رویہ اور سلوک اختیار کریں گے وہ معمولی سا ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ گستاخانہ ہو یا انہیں نظرانداز کریں گے، ان سے چشم پوشی کریں گے، ان کی طرف توجہ نہیں کریں گے اور اگر کوئی ہمیں متوجہ کردے کہ یہ کون ہیں؟ یہ وہ شخصیت ہیں کہ جس کے آپ مقلد ہیں، یہ وہ شخصیت ہیں کہ جس کے آپ پیروکار ہیں تو ناگہاں انسان اپنے آپ کو سمیٹ لیتا ہے یعنی فوری طور پر اور غیر ارادی طور پر سمٹ جاتا ہے، انسان کے عمل اور سلوک کے اوپر آگاہی اور معرفت کا اتنا اثر پڑتا ہے، توجہ نہ ہو تو انسان کا سلوک الگ طرح کا ہوتا ہے مگر توجہ ہوتے ہی انسان فوراً سمٹ جاتا ہے، اپنے آپ کو مؤدب بنا دیتا ہے، دوزانوں ہو جاتا ہے، پہلے چہچہا رہا تھا، اب بولتا نہیں ہے، پہلے کسی انداز میں تھا اور سبک حرکتیں کرتا تھا لیکن اب بالکل سنگین ہوگیا ہے چونکہ اس بارگاہ کی طرف توجہ آئی ہے اور اس محضر کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

پس یہ پہلا قدم اور پہلا ادب ہے کہ اسے اندازہ ہو کہ کس کی بارگاہ میں ہوں؟ کس کلام کی بارگاہ میں ہوں؟ کس حقیقت کی بارگاہ میں ہوں؟ عربیت سے اور الفاظ سے دھوکہ نہ کھاجائے کہ یہ فقط جملے ہیں اور میں مبتدا و خبر کی بارگاہ میں ہوں بلکہ انسان یہ نسبت درک کرے کہ میں کلامِ خدا اور

نورِ خدا کی بارگاہ میں ہوں، امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن ایک حقیقتِ زندہ ہے۔ یہ جامد، ساکت اور بے شعور عبارت نہیں ہے، قرآن ایک باشعور زندہ ہے،

ذٰلِکَ الْقُرْآنُ فَاسْتَنْطِقُوْهُ......(۱)

یعنی قرآن سے بات کرو، قرآن سے گفتگو کرو، فَاسْتَنْطِقُوْهُ یعنی اس کو گفتگو پر اُکساؤ، جب سوال کرو گے تو وہ جواب دے گا، بسا اوقات انسان بڑی جرأت کرتا ہے خصوصاً ہم مسلمان قرآن کا جو حشر کرتے ہیں یہ عظمتِ قرآن کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے، ہر بات پر استخارہ نکالتے ہیں، ہر بات پر قرآن دیکھنا کہ یہ خوب ہے، یہ بد ہے، یہ میانہ ہے، ہمیں یہ نہیں پتہ کہ کس کے ساتھ یہ سب کچھ کر رہے ہیں؟ یہ کیا چیز ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ کلامِ خدا کے ساتھ ہم کیا سلوک کر رہے ہیں؟ آیاتِ خدا کے ساتھ کیا رویہ اختیار کر رہے ہیں؟ ہمیں عظمت کا ادراک نہیں ہے اس لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں اور اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ یہ کیا حقیقت ہے تو اس کے ساتھ ہمارا رویہ اور سلوک دوسری طرح کا ہوتا۔

اس مطلب کی وضاحت کیلئے اہلبیت علیہم السلام کے کئی واقعات ہیں کہ جو ہم سب نے سنے ہوئے ہیں کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام کئی دفعہ حج پر گئے، ایک گمنام شخص کے طور پر گئے یعنی ایسے کاروان میں شامل ہو گئے کہ جو کہیں اور سے آیا تھا مثلاً شام یا دوسرے علاقوں سے، ان لوگوں نے امام علیہ السلام کا نام تو سنا ہوا تھا لیکن شخصاً اور چہرے سے نہیں جانتے تھے، راستے میں کاروان کے سارے لوگوں کے ساتھ جو رویہ وسلوک ہوتا ہے وہی ان کے ساتھ بھی کرتے تھے مثلاً کہیں کام کرواتے تھے، راستے میں

عام لوگوں کے ساتھ جو اندازِ تخاطب ہوتا ہے اسی طرح امام علیہ السلام سے مخاطب ہوتے تھے اور امام علیہ السلام بھی اسی لئے شامل ہوئے تھے کہ ان کے ساتھ کام کرتے رہیں، جہاں کچھ اٹھانا ہوتا تو اٹھاتے، کچھ پکانا ہوتا تو پکاتے، ان کو کھانا دیتے، کسی کی خدمت کرنا ہوتی تو کرتے، کسی جگہ جا کر ایسا اتفاق رونما ہوا کہ امام علیہ السلام کا کوئی آشنا مل گیا، اس نے ادب سے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دی تو اسے دیکھ کر اہلِ کاروان متعجب ہوئے کہ یہ کون شخصیت ہے کہ جس کے سامنے یہ احترام اور اس طرح کا خشوع و خضوع انجام دے رہا ہے؟ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ امام زین العابدین علیہ السلام ہیں۔

آپ توجہ کریں کہ کئی دن پیدل سفر تھا، لوگ کئی دن تک امام علیہ السلام کے ساتھ رہے لیکن حجاب تھا، یہ نہیں معلوم تھا کہ کون شخصیت ہے لہٰذا جب نہیں معلوم تھا تو سلوک بھی الگ تھا، غیر محترمانہ سلوک تھا اور جوں ہی امام علیہ السلام کا اور امامت کی عظمت کا ادراک ہوا تو ناگہاں رویہ بدل گیا، اسی طرح اگر ہمیں عظمتِ قرآن کا اندازہ ہو جائے تو ناگہاں قرآن کے بارے میں آج سے ہی ہمارا رویہ تبدیل ہو جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اسے طرح کی عربی عبارت ہے کہ جس طرح سے دوسری عربی ہے، اس میں اخلاقی تذکرات ہیں، واقعات ہیں، اچھی اور بہترین کتاب ہے اور اس کے اندر کوئی ایسی غلط بات نہیں ہے، اگر بچوں کو پڑھائی جائے تو بچے خراب نہیں ہوں گے، بوڑھوں کو پڑھائیں گے کہ جب وہ چلے جائیں گے، حقیقتاً ہمیں عظمتِ قرآن کا ادراک نہیں ہے۔

۳)قرآن ذو مراتب حقیقت

صدرالمتألھینؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں جس مرحلۂ قرآن سے سروکار ہے وہ مرحلہ تنزل یافتہ ہے، قرآن نازل ہوا ہے یعنی بصورتِ الفاظ، بصورتِ عبارات ہماری سطح تک اترا ہے اور ہمیں اسی مرتبے سے سروکار ہے، ہم اسی سے مانوس ہیں اور جب بھی ایسی حقیقت کہ جس کے کئی مرتبے ہوں، ذومراتب حقیقت ہو یعنی اسی حقیقت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ اس کا ایک مرتبہ بالا ہے، عالی مرتبہ ہے اور ایک مرتبہ تنزیل یافتہ ہے۔

بہت سارے حقائق ایسے ہیں کہ جن کے کئی مراتب ہیں، ذومراتب امور ہیں، ان ذومراتب امور میں اگر ہمیں سب سے ادنیٰ مرتبے سے انس ہو اور اس سے بالاتر مراتب سے آگاہی نہ ہو اور ہم یہ سمجھتے ہوں کہ اس شے کی تمام حقیقت یہی ادنیٰ مرتبہ ہے، یہی مرتبہ کہ جس سے ہمیں سروکار ہے، مثلاً قرآن مجید لوحِ محفوظ میں ہے، قرآن مجید لوحِ محفوظ سے بھی پہلے صقعِ ربوبی میں ہے، صقعِ ربوبی یعنی ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ، جس کو مرتبہ الوہیت کہتے ہیں، یہ پہلا مرتبۂ قرآن ہے یعنی مرتبۂ ذات، وہاں سے قرآن نے تنزل پیدا کیا، ذات سے مرتبۂ لوحِ محفوظ میں آیا، لوحِ محفوظ علمِ الٰہی کا ایک مرتبہ ہے، یہ دوسرا مرتبۂ قرآن ہے، مرتبۂ دیگرِ قرآن بصورتِ کتابِ مکنون ہے، ایک اور مرتبۂ قرآن یہ ہے کہ اس کلامِ الٰہی نے وحی کی شکل اختیار کی اور پھر قرآن مرتبۂ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام میں آیا، مرتبۂ دیگرِ قرآن وہ ہے کہ جو قلبِ نورانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترا اور پھر ایک اور مرتبۂ قرآن یہی ہے کہ جو آج ہمارے پاس ہے، عبارتوں کی شکل میں، الفاظ کی شکل میں اور ایک

کاغذ کے اوپر لکھی ہوئی تعبیر کی شکل میں ہے، یہ مرتبۂ عربی یا مرتبۂ لفظی قرآن ہے۔ اتنے سارے مراتبِ قرآن ہیں۔ لیکن قرآن کی حقیقت ایک ہے نہ کہ کئی قرآن ہیں، قرآن ایک ہی ہے لیکن اس کے کئی مراتب ہیں۔

اس مطلب کو سادہ سی مثال کے ساتھ واضح کرتے ہیں تا کہ ایک حقیقت کو ذو مراتب کرنے کی حقیقت معلوم ہو جائے، فرض کریں کہ آپ کے ذہن میں ایک مطلب ہے اور یہی مطلب کہ جو آپ کے ذہن میں ہے اس کو آپ نے کمپیوٹر (Computer) پر لکھ بھی لیا ہے لہٰذا اب یہ مطلب کمپیوٹر پر بھی آ گیا ہے، آپ کے ذہن میں بھی یہی بات ہے اور آپ کے ذہن میں ہوتے ہوئے کمپیوٹر پر یہی بات ہے، وہ بھی یہی بات ہے اور یہ بھی وہی بات ہے، دو چیزیں نہیں ہیں، حقیقت ایک ہے لیکن جگہیں دو ہیں یعنی ایک اس کا کمپیوٹر پر لفظی وجود ہے اور ایک اس کا آپ کے ذہن میں تصوری و علمی وجود ہے، جب آپ کمپیوٹر میں لکھتے ہیں تو آپ کے ذہن میں بات پھر بھی وہی رہتی ہے، یوں تو نہیں ہے کہ کمپیوٹر میں لکھنے سے ذہن میں حذف ہو گئی ہے یا فقط کمپیوٹر میں ہے، پس ایک ہی حقیقت دو مرتبوں میں ہے، اگر اسی حقیقت کو کسی اور جگہ پھیلائیں مثلاً اس کا پرنٹ (Print) بھی نکال لیں تو وہی حقیقت کسی اور مقام پر بھی منتقل ہو جائے گی، کسی اور مرتبے میں بھی موجود ہو گی۔

پس قرآن ایک حقیقتِ ذو مراتب ہے، قرآن کے درجات ہیں، ہمارا سروکار اس کے سب سے آخری تنزل یافتہ درجے سے ہے یعنی عبارتی قرآن، عربی قرآن اور الفاظ والے قرآن سے

ہمارا تعلق ہے اور ہم یہ سمجھے کہ قرآن بس یہی ہے، چونکہ بالا مراتب سے ہمارا کوئی سروکار نہیں تھا اس لئے قرآن کو اس کے اندر منحصر سمجھتے ہیں کہ بس یہ عبارتیں ہی قرآن ہے۔عربی عبارتیں قرآن کے علاوہ اور جگہ بھی فراواں موجود ہیں مثلاً احادیث بھی عربی عبارتیں ہیں،عربی اشعار بھی عربی عبارتیں ہیں،عربی دعائیں بھی عربی عبارتیں ہیں، عام بول چال بھی عربی عبارتیں ہیں،اگر عربی عبارتوں کو یکجا لکھ لیں تو کیا ساری عباراتِ عربی قرآن بن جائیں گی؟ یہ پہلا حجاب بنتا ہے یا باعث بنتا ہے کہ انسان یہ درک نہ کر سکے کہ اس کلام کی عظمت کیا ہے؟ چونکہ سب سے آخری تنزل یافتہ مرتبے سے ہمارا سروکار ہے، اس نازل شدہ مرتبے سے سروکار ہونا باعث بنتا ہے کہ ہم اس کی عظمت بھول جاتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم حقیقت ہے کہ جو میرے سامنے بصورتِ کتاب موجود ہے۔

قرآن ذو مراتب حقیقت

اس مطلب کو مزید واضح کرتے ہیں اور یہ مطلب حضرت استاد محمد تقی جعفریؒ نے نقل کیا ہے کہ جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے،ان کی کتاب شرحِ نہج البلاغہ اور شرحِ مثنوی بہت معروف ہے، یہ شناختہ شدہ اور بہت معروف شخصیت ہیں،آپؒ حکیم وفیلسوف تھے،یہ جب نجف میں پڑھتے تھے، آپؒ اپنے استاد کے بارے میں فرماتے تھے کہ جن کا نام طالقانیؒ تھا اور وہ دن میں کئی درس پڑھایا کرتے تھے۔استاد جعفریؒ مرحوم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم ان کے پاس درس پڑھتے تھے اور وہ ہمیں اسفار یعنی فلسفے کی سب سے عالی کتاب کہ جو انہی صدر المتالہینؒ کی فلسفۂ حکمتِ مطالعہ کی سب سے بڑی اور عالی کتاب ہے پڑھاتے تھے پھر اس کے بعد کفایہ پڑھاتے تھے پھر اس کے بعد مختلف سطوحۂ عالیہ کے دروس پڑھاتے تھے اور آخری درس کے قریب صمدیہ پڑھاتے تھے،صمدیہ

ادبیات کی کتاب ہے، یعنی کلاسیں بدلتی رہتی تھی نہ کہ ان اسفار والوں کو صمدیہ پڑھاتے تھے یعنی پہلے فُضلا آتے تھے کہ جو اسفار پڑھتے تھے اور پھر وہ چلے جاتے تھے، اس کے بعد دوسرے آتے تھے تو ان کو کفایہ پڑھاتے تھے، اس کے بعد دوسرے طلاب آتے تھے تو یہ انہیں کتابِ مکاسب پڑھاتے تھے، اسی طرح ان کی آخری کلاس کتابِ صمدیہ پر تھی کہ جو ادبیات میں ابتدائی کتاب ہے، یہ کتاب پہلی یا دوسری نوبت میں پڑھی جاتی ہے۔

اب توجہ کریں کہ ایک ایسے بزرگوار کہ جو اسفار بھی اسی تسلط کے ساتھ پڑھاتے تھے کہ جس تسلط کے ساتھ صمدیہ پڑھاتے تھے یعنی ان کیلئے فرق نہیں تھا کہ صمدیہ پڑھانا آسان تھا اور اسفار پڑھانا دشوار تھا یعنی ایک جیسا تسلط تھا بلکہ کیا خبر کہ اسفار زیادہ بہتر طریقے سے پڑھاتے تھے، جیسے ہوتا ہے کہ عموماً زائرین دلچسپی لیتے ہیں اور بسا اوقات طلبہ کے قریب آ کر بیٹھ جاتے ہیں، درس ہو رہا ہوتا ہے تو بیٹھ کر دیکھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا پڑھ رہے ہیں؟ اگر چند زائرین آئیں اور انہیں صمدیہ پڑھاتے ہوئے دیکھیں اور پھر اس کے بعد چلے جائیں تو ان کے ذہنوں میں کیا آئے گا؟ یہی کہ یہ ادبیات کا بہت ہی ابتدائی اور معمولی استاد ہے چونکہ انہوں نے دوسری کلاسیں لیتے ہوئے تو نہیں دیکھا، فقط یہی دیکھا کہ یہ صمدیہ پڑھاتے ہیں لہٰذا جس نے فقط یہی دیکھا تو ان کے نزدیک ان کا فضل و علم روشن نہیں ہے اور وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ ادبیات کا ایک ابتدائی استاد ہے چونکہ ادبیات کی بڑی کتابیں دوسرے فاضل تر افراد پڑھاتے ہیں اور یہ بہت ہی ابتدائی کتاب پڑھاتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک اس شخصیت کا تصور کیا پیدا ہوا؟ آیا کوئی عظمتِ علمی ذہن میں آتی ہے کہ جس شخصیت

کوصمدیہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے یا اس سے بھی چھوٹی کتاب الامثلہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

اگران لوگوں کے سامنے آپ سے پوچھا جائے کہ اس حوزے میں سب سے بہترین استاد کون ہے؟ اور آپ کہیں کہ فلاں ہے اور انہوں نے دیکھا ہوا تھا کہ یہ توصمدیہ یا امثلہ یعنی ادبیات کی پہلی کتاب پڑھا رہے ہوتے ہیں تو وہ لوگ کہ جو دینی مدارس کے بارے میں سرے سے آشنا نہیں ہیں وہ ہنسیں گے، مثلاً فرض کرلیں کہ کوئی پروفیسر (Professor) ہے جو یونیورسٹی میں بھی پڑھا رہا ہے، ڈائرکٹریٹ (Directorate) کی کلاس کو بھی پڑھاتا ہے مثلاً فلسفہ کا درس دیتا ہے پھر دوسروں کو فزکس، کیمسٹری، الجبرا پڑھاتا ہے اور پھر بہت اعلیٰ سطح کی کلاسوں کو بھی پڑھاتا ہے لیکن یہی پرفیسر بعد میں کسی فارغ وقت میں کسی چھوٹے سے بچے کو اردو کی پہلی کتاب بھی پڑھاتا ہے، اب کسی نے اس کو فقط اردو کی پہلی کتاب یا انگریزی کی اے بی سی پڑھاتے ہوئے دیکھا ہوا اور وہ آپ سے پوچھے کہ ہمیں ایک اچھا استاد، اچھا پروفیسر، اچھا سکالر معرفی کریں اور بتائیں کہ کون ہے؟ اگر آپ اسی کا نام لیں گے تو وہ ہنسے گا کہ یہ کیسے ہے؟ یہ تو اے بی سی پڑھاتا ہے، میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ کوئی اچھا فاضل، کوئی بزرگوار آدمی معرفی کریں اور آپ نے مجھے ایک ایسا بندہ دکھایا جو اے بی سی پڑھاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس نے یہی کلاس دیکھی ہے دوسری کلاسیں نہیں دیکھی ہیں لیکن جس نے اس کو پی ایچ ڈی کی کلاس کو فلسفہ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کے لئے اس شخصیت کی عظمت کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، کوئی تعجب خیز اور حیرت کی بات نہیں ہے۔

جس انسان نے اس کا وہ مرتبۂ بالا دیکھا ہوا ہے تو اس کے لئے درک کرنا آسان ہے لیکن

جس نے اسے فقط اے بی سی پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے اور الف ب پ پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس کی عظمت کو درک کر سکے، چونکہ اس نے وہ مراحل اور وہ مراتبِ بالاتر مشاہدہ نہیں کیے ہیں، اگر کہا جائے کہ بہترین استادوں میں سے یہ ایک استاد ہے تو جنہیں نہیں معلوم یا جنہوں نے پہلی کتاب پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے وہ ہنسیں گے، کہیں گے اس میں کیا رکھا ہے، ہم تو ان کے پاس جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ اے بی سی پڑھا رہے ہوتے ہیں، یہ تو میں بھی پڑھا سکتا ہوں، اسی کو قرآن سمجھنے کے لئے مثال قرار دیں۔

قرآن ذومراتبِ حقیقت

قرآن مجید ایک حقیقتِ ذومراتب ہے یعنی جس کا ایک مرتبہ صقعِ ربوبی، ایک مرتبہ لوحِ محفوظ اور ایک مرتبہ لفظی ہے اور درمیان میں کئی اور مراتب بھی ہیں، قرآن کے کئی درجے ہیں، ان میں سے ہمارا سروکار فقط عربی اور لفظی قرآن سے ہے، لفظی قرآن کو دیکھ کر عظمتِ کلام کا احساس نہیں ہوتا ہے کہ یہ کونسا کلام ہے جو میرے سامنے ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس لئے انسان متاثر بھی نہیں ہوتا ہے۔ جب ذکر کیا جاتا ہے کہ فلاں قرآن پڑھتا تھا تو یوں اثر ہوتا تھا تو انسان حیران ہوتا ہے کہ مجھ پر کیوں نہیں ہوتا ہے؟ میں نے بارہا قرآن دیکھا اور سنا ہے، مجھ پر کیوں ایسا اثر کیوں نہیں ہوتا؟

ایک حدیث کے مطابق حقیقتِ توحید کو سمجھنے کے لئے آئینہ کافی ہے۔ یہی آئینہ جو ہم روز مرہ دیکھتے ہیں، یہ حدیث کسی درس میں ذکر کی تو ایک بزرگوار درس میں شریک تھے، درس کے بعد وہ گئے اور انہوں نے آئینہ دیکھا پھر دوسرے روز واپس آئے اور کہا کہ کل آپ نے بحث میں یہ کہا تھا

کہ حقیقتِ توحید کو سمجھنے کے لئے آئینہ کافی ہے لیکن میں تو صبح تک آئینے کے سامنے کھڑا رہا مجھے تو کوئی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، صرف اپنی داڑھی ہی نظر آئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حقیقتِ آئینہ ہے، انسان کس طرح آئینہ دیکھے؟ اور آئینے سے کیا مراد ہے؟ فوراً جا کر گھر میں جو آئینہ ہے وہ بھی جو واش روم میں ہے، عموماً آئینہ واش روم میں لٹکا ہوتا ہے، وہاں جا کر دیکھا تو ایک انسان کو کیا سمجھ میں آئے گا؟ کیا حقیقت سمجھ آئے گی؟ اسی طرح عظمتِ قرآن کو درک کرنے کے لئے ایک عام انسان جب عربی الفاظ دیکھتا ہے تو اس کی عظمت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اکثر کو تو عربی آتی بھی نہیں ہے، اکثر مسلمان عربی سے بے بہرہ ہیں لہٰذا ایک عام آدمی یہی کہے گا کہ اس کے اندر عظمت کہاں ہے؟ ایک عربی شعر میں اور اس عربی عبارت میں کیا فرق ہے؟ ایک عربی حدیث میں اور عربی آیت میں کیا فرق ہے؟ کونسی چیز اس کو دوسری عربی عبارتوں سے ممتاز کرتی ہے؟ یہاں اس نکتے کی طرف توجہ کریں کہ یہ عربی قرآن لطفِ خدا ہے، جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا تھا کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ...... (۲)

ہم نے قرآن آسان کیا ہے، ہم نے اس کو آپ کے لئے قابلِ فہم بنایا ہے، ان مراتبِ بالا سے اس کو آپ کی دسترس میں قرار دیا ہے۔

۴) قرآن، ایک محجوب حقیقت

انسان جب تک کسی شے کے مقام و منزلت کو نہ سمجھتا ہو اور اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس

شے کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور اس سے فائدہ بھی نہیں لے سکتا ہے حتیٰ اس حقیقت کے مقابلے میں مناسب عمل بھی انجام نہیں دے سکتا ہے۔ قرآن مجید کی مہجوریت کا ایک بڑا سبب یہی نکتہ ہے یعنی عظمتِ قرآن و عظمتِ کلامِ خد ہمارے لئے روشن اور واضح نہیں ہے، چونکہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو عربی الفاظ اور عبارتوں کی شکل میں اپنے لطف وعنایتِ خاص کے ذریعے سے انسان کی سطحِ فہم تک اسکی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے، اس تنزل یافتہ قرآن سے ہمارا سروکار رہے اور یہی باعث بنا ہے کہ اس تنزل کی بنا پر عظمتِ قرآن انسان سے مخفی و پنہاں رہ جائے، اس لئے کہ نزول کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو فراواں حجابوں میں لپیٹا ہے یعنی جس طرح نورِ شدید ہو، نورِ قوی ہو اور اس نورِ قوی کو عام انسان کی معمولی آنکھ کے لئے نازل کیا جائے یعنی قابلِ رویئت بنایا جائے، دیکھنے کے قابل بنایا جائے تو اس نور کو کئی پردوں کے اندر چھپانا پڑتا ہے۔

انسان اس حقیقت کی طرف متوجہ رہے کہ یہ کلامِ الٰہی جو اس وقت میرے سامنے ہے اس کے ماوراء اس کی حقیقت موجود ہے، قرآن مجید کو اس مرتبے پر اتارنے کے لئے، لفظی لباس پہنانے کے لئے، اس کے اوپر کئی حجاب ڈالنے پڑے تب جا کر قرآن نازل ہوا یعنی نازل ہونے سے مراد اب اترنا نہیں ہے، نازل ہونے سے مراد قابلِ فہم ہونا ہے، بہت سارے حجاب اس کے اوپر ڈالے گئے تب جا کر قرآن ہمارے لئے قابلِ فہم ہوا، ظاہر ہے کہ ایک حقیقتِ نورانی، ایک حقیقتِ عظیمہ پر جب حجاب ڈالے جائیں تو خوانخواہ کچھ چیز پنہاں ہوتی ہے، اس کی کچھ نورانیت چھپتی ہے، حجاب کا کام یہی ہے۔

مثلاً سورج جو منبعِ نور ہے اور نور بھی نورِ شدید ہے، اگر اس پر ہم نگاہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے ہیں، تجربہ کرلیں، سورج پر نگاہ نہیں کر سکتے ہیں مگر یہ کہ بادلوں کے پیچھے ہو، آگے حجاب ہو اور مدھم سی روشنی بادلوں سے چھٹ چھٹ کے نکل رہی ہو اور ہم اس شعاع کی مدد سے اندازہ لگائیں، جیسا کہ عموماً غروب کے وقت افقِ غربی میں بادل ہوتے ہیں اور ان بادلوں کے پیچھے سورج کی سرخ رنگ کی ٹکیا ہوتی ہے تو پھر ہم اس شعاع کی مدد سے اس کو دیکھنے پر قادر ہیں، سورج کے سامنے اگر اتنے حجاب نہ ڈالے جائیں تو انسان نگاہ نہیں کر سکتا ہے، شدتِ نورانیت کی وجہ سے انسان ایک لحظے کے لئے بھی سورج پر نگاہ نہیں کر سکتا ہے لیکن سورج کو اگر قابلِ نگاہ بنایا جائے یعنی قابلِ دید بنا دیا جائے تا کہ ہم اپنی آنکھوں سے سورج کو دیکھ سکیں تو یا اس کو گرہن لگے کہ گرہن لگنا بھی ایک حجاب و پردہ ہے، سورج گرہن یعنی سورج اور زمین کے بیچ میں چاند آجاتا ہے اور اس پردے کی وجہ سے سورج بجھ جاتا ہے، جیسے چاند گرہن میں سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے، یہ پردہ آتا ہے۔

عموماً چاند گرہن کو بھی کہتے ہیں کہ اگر دیکھنا ہو تو ایکسرے (X-Ray) کے فوٹو سے چاند کو دیکھیں یعنی تاریک اور سیاہ پردہ لے کر اس کے پیچھے سے دیکھیں یا کالی عینک لگائیں، یہ ایک تجرباتی چیز ہے کہ انسانی آنکھ کی رسائی اور حدِ دید بہت کم اور کمزور ہے یعنی اس کے اندر فقط اتنی طاقت موجود ہے کہ ایک معین حد تک نور کو دیکھ سکتی ہے، اس سے آگے اگر نور بڑھ جائے تو آنکھوں کے لئے اور دید کے لئے نقصان دہ ہے، اسی طرح نورِ حقیقی بھی ہے، نورِ قرآن بھی ہے، نورِ الٰہی بھی ہے کہ قرآن کلامِ

خدا ہے، ذاتِ خدا نور ہے اور کلامِ خدا بھی نور ہے، یہ نور انسان کی فہم کی حد تک لانے کے لئے اسے نازل کرنا پڑا اور نزول کے لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ اس کو بہت سارے حجابوں کے اندر لپیٹا گیا ہے، پھر ان پردوں کے اندر چھپا ہوا نور انسان کی حد تک آیا ہے تا کہ انسان کے لئے مضر نہ ہو اور انسان اس نورانیت کو برداشت و تحمل کر سکے۔

مثالِ دیگر یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو ویلڈ نگ (Welding) کرتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ ایک شیشہ اپنے سامنے رکھتے ہیں جو بالکل سیاہ ہوتا ہے، اگر وہ شیشہ اٹھا کر دیکھیں، بعض لوگوں نے دیکھا بھی ہوگا، کچھ لوگوں کا تجربہ ہوگا کہ اس سے کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے، مطلقاً تاریک ہے، چونکہ جب مشین کے ذریعے سے برقی رو دوڑتی ہے تو شدید قسم کا نور پیدا ہوتا ہے، حرارت کی وجہ سے وہ نور اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس سے آنکھیں اندھی ہو سکتی ہیں اس لئے وہ کور (Cover) اور تاریک شیشہ رکھتے ہیں کہ اس تاریک شیشے سے ایک ہلکی مدہم سی روشنی ہمیں اس کے اس طرف نظر آتی ہے کہ جہاں پر جوڑ لگ رہا ہے، جہاں ویلڈ نگ ہو رہی ہے یعنی نورِ شدید جہاں پر موجود ہو تو اس کو دیکھنے کیلئے، قابلِ دید بنانے کے لئے سامنے پردہ ڈالا جاتا ہے یا تو اس نور پر پردہ ڈالا جاتا ہے یا آنکھ کے سامنے پردہ حائل کیا جاتا ہے جیسے عینک ہے تا کہ ہم اس نورِ شدید کو دیکھ سکیں۔

اس لئے خداوند تبارک وتعالٰی نے قرآن مجید کو بہت سارے پردوں میں لپیٹا ہے، ایک پردے میں لپیٹا تو دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، ایک پردے میں لپیٹا تو دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، مزید پردوں میں لپیٹا تو دیکھا کہ

قرآن ایک محجوب حقیقت

اولیاءِ خدا علیہم السلام کے علاوہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، معمولی لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، اسی طرح پردوں پہ پردے ڈالتا رہا تا اینکہ اس کے اوپر آخری پردہ حجابِ الفاظ اور حجابِ عبارت کا ڈال دیا۔ اس عالمِ طبیعت میں، اس عالم مادہ میں قرآن کو اتار کر اس کے اوپر یہ پردہ طاری کیا گیا ہے، اب ہم اس پردے کے پیچھے سے قرآن کو دیکھیں نہ کہ پردے کو دیکھیں، سورج کو جب دیکھنا ہو تو ہم نگاہ پر پردے ڈالتے ہیں اس لئے کہ پردے کے پیچھے جو نورِ شدید موجود ہے وہ ہمارے لئے مضر ہے، ہماری آنکھیں اس نور کو تحمل نہیں کر سکتی ہیں، اسی طرح ہماری روح ہے، ہمارے قلوب اور نفوس ہیں کہ جو ہماری آنکھ سے کہیں زیادہ ضعیف تر اور نازک تر ہیں، یہ نور ان کو ایک لحظے میں جلا کر راکھ کر سکتا ہے۔

قرآن ہی میں ذکر ہے کہ خداوند تبارک تعالیٰ نے جب طور پر تجلی کی تو نہ پہاڑ تحمل کر سکا، نہ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی تحمل کر سکے اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام سے وہ نورِ عیاں تحمل ہو سکا، پہاڑ دکاً دکاً ہوا، موسیٰؑ مدہوش ہوئے اور معمولی لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے وہ اصلاً اس دنیا سے ہی گزر گئے، حالانکہ وہ نور بھی کاملاً بغیر حجاب کے نہیں تھا بلکہ بہت سارے حجابوں میں تھا لیکن یہی حجاب کہ جس میں کلامِ خدا پوشیدہ ہے وہ ان حجابوں میں نہیں تھا بلکہ ان سے تھوڑا واضح تر تھا، اس نور کی تجلی بیشتر تھی لہٰذا تحمل نہیں ہو سکا، لیکن انسان کے دل پر یا انسان کے فہم کے لئے یہ نور قابلِ تحمل اس وجہ سے ہے کہ بہت سارے پردوں میں ہے اور پردے جو سہولت کے لئے اور یسر کے لئے، آسانی کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام کے لئے ایجاد کئے ہیں یہی باعث بنے ہیں کہ عظمت ان پردوں

کے پیچھے پنہاں ومخفی رہ جائے تا کہ انسان کلام کی طرف رجوع کر سکے لیکن ہم عظمت کلام کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ حقیقتاً آنکھ کے سامنے پردے ہیں، فہم کے سامنے حجاب ہیں اور پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی فہم عظمت کو درک نہیں کر سکتی ہے، ظاہر ہے کہ جب مقام ومنزلت وعظمت کو درک نہ کرے اوراس کی حقیقت تک نہ پہنچے تو ممکن نہیں ہے کہ انسان قرآن سے اس طرح سے استفادہ کر سکے کہ جس طرح حقِ استفادہ ہے، جس طرح بارگاہِ قرآن میں حقِ حضور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ لوگوں نے تقاضا کیا کہ

يَا مُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً...... (۳)

یعنی اے موسیٰ ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں......

ہم خدا کو جہراً اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ مشکل ہے، اس میں دو مشکلیں ہیں، ایک یہ ہے کہ خدا کی ذات وجودِ حسی نہیں ہے کہ آپ آنکھ سے دیکھ سکیں اوراس سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تمہارے آنکھ وہ نہیں ہیں کہ جو خدا کو دیکھ سکے، خدا آنکھ سے دیکھنے والی حقیقت نہیں ہے اور تمہاری آنکھ بھی خدا بین آنکھ نہیں ہے۔ تم یہ درخت دیکھو، ستارے دیکھو، کھانے دیکھو، چارہ دیکھو، سبزہ دیکھو، باغ اور بہار دیکھو یہ چیزیں تم دیکھ سکتے ہو، خدا بین آنکھ اور آنکھ ہے وہ تمہارے اندر موجود نہیں ہے۔ مولانا روم کا یہ شعر روزے ہی کی بھوک پر تطبیق ہوسکتا ہے نا کہ انسان کے دو منہ ہیں، ایک منہ یہی ہے کہ جس سے ہم بولتے ہیں، کھاتے ہیں، پکوڑے اور سموسے کھاتے ہیں اور جب تک یہ منہ کھلا رہتا ہے تو ایک اور منہ بھی ہے وہ اس وقت بند رہتا ہے،

این دہان بستی دہانی باز شد

کاو خورندهٔ لقمه هائی راز شد...... (۴)

یہ منہ بند کروتا کہ وہ دوسرا منہ کھلے، جب تک یہ منہ کھلا ہوا ہے وہ منہ نہیں کھلتا ہے، اسی طرح سے یہ آنکھ بند کرو کہ انسان کی ایک اور آنکھ کھلے یعنی چشمِ خدا، یہ آنکھ کہ جس سے ہم سب کچھ دیکھ سکتے ہیں اس سے تو خدا نہیں دکھتا ہے بلکہ وہ ایک دوسری آنکھ ہے، جیسے امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ مجھے اپنی طرح سمجھتے ہو؟ کہ تم نے سنا سنایا خدا دیکھا ہے، یعنی سنتے ہو کہ خدا ہے، سنا ہوا ہے،

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَآمَنَّا...... (۵)

پروردگار ہم نے اس منادی کو سنا جو ایمان کی آواز لگا رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے......

بلکہ مولائے متقیان علیہ السلام نے فرمایا کہ

لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبّاً لَمْ أَرَهُ...... (۶)

مین نے ایسے خدا کی عبادت نہیں کی ہے جسے میں نے دیکھا نہ ہو......

مَا كُنْتُ لِأَعْبُدُ رَبّاً لَمْ أَرَهُ...... (۷)

یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا کہ جسے دیکھا نہ ہو، خدا کو دیکھا ہے لیکن اس ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا، حقیقتاً انسان کی دوسری آنکھ بھی ہے لیکن وہ عضو کے بغیر دیکھتی ہے اور اس کو

بصیرت کہتے ہیں، ان لوگوں نے تقاضا کیا کہ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً......

ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں......

خداوند نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ تقاضا پورا نہیں ہوسکتا ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ایک ہی ماجرے میں یہ اتفاق رونما ہوا ہے، بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ دو الگ الگ ماجرے ہیں، ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ یہ اتفاق الگ الگ رونما ہوا یا ایک ہی واقعے میں یہ دونوں ماجرے ہوئے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند سے تقاضا کیا کہ اے پروردگار مجھے مہلت دے تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں تو خداوند نے فرمایا کہ

لَنْ تَرَانِیْ......(۸)

تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو......

پھر دوسری دفعہ جب ان لوگوں نے تقاضا کیا کہ

أَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً......(۹)

ہمیں اللہ کو علی الاعلان دکھلا دیجئے......

اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ تقاضا بارگاہِ خدا تک پہنچایا تو خدا نے فرمایا کہ آپ پہاڑ پر نگاہ کرو، اس پر خدا کی تجلی ہوگی، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر باقی رہا تو آپ بھی خدا کو دیکھ سکو گے اور اگر یہ پہاڑ باقی نہ رہا تو آپ کے لئے خدا کو دیکھنا ناممکن ہے، مقصود یہ بتانا تھا کہ جب تجلیٔ خدا ہوگی، جلوۂ خدا

ہوگا، ظہورِ خدا ہوگا اور نورِ خدا تمہارے سامنے آئے گا تو تمہارے وجود کے اندر اتنی استعداد نہیں ہے کہ اس نور کو تحمل و برداشت کرسکو، پہاڑ کو دیکھو کہ یہ استعداد پہاڑ میں بھی نہیں ہے، باوجود اس پرشکوہ عظمت و استقامت کے بھی پہاڑ کے اندر یہ صلاحیت و طاقت نہیں ہے کہ جلوۂ خدا کو تحمل کرسکے اور پھر قرآن نے بھی فرمایا کہ اگر یہ قرآن ہم پہاڑ پر نازل کرتے،

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ......
(۱۰)

ہم اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کردیتے تو تم دیکھتے کہ پہاڑ خوفِ خدا سے لرزاں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوا جارہا ہے......

اور یہی اتفاق رونما ہوا کہ جب خداوند تبارک وتعالیٰ نے تجلی ڈالی،

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا......(۱۱)

اس کے بعد جب پہاڑ پر پروردگار کی تجلّی ہوئی تو پہاڑ چور چور ہوگیا......

تحمل نہیں کرسکا، البتہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے بہتر نکلے،

وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا......

اور موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑے......

کیونکہ موسیٰ علیہ السلام دکاً دکّا نہیں ہوئے، موسیٰ علیہ السلام ریزہ ریزہ نہیں ہوئے لیکن مدہوش ہوگئے، یعنی اتنی نورانیت موسیٰ علیہ السلام میں بھی نہیں تھی، لیکن پہاڑ میں تو سرے سے نہیں تھی، پہاڑ بالکل ریزہ

ریزہ ہو گیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام ایک تو انسان ہیں اور پھر انسان کامل ہیں، پہاڑ انسان نہیں ہے چہ جائیکہ انسانِ کامل ہو۔ لہٰذا اگر اس نور کو دیکھنا ہی ہے اور اس نور تک پہنچنا ہی ہے تو آپ ان حجابوں سے متاثر ہو کر یہ نہ کہو کہ وہ تمام حقیقت یہی ہے کہ جو حجابوں میں لپٹی ہوئی ہے، جس طرح سے ایکسرے فوٹو کے ذریعے سے آپ سورج دیکھ رہے ہیں اور اس فوٹو کے پیچھے ایک مدہم سی روشنی، ایک مدہم سی روشن سرخ رنگ کی ٹکیا نظر آتی ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ تمام حقیقتِ سورج یہی ہے۔ بیچ میں پردہ ہے اور اس پردے نے تمہاری آنکھ کو سلامت رکھا ہوا ہے یعنی یہ حجاب تمہاری آنکھ کی سلامتی کا ضامن ہے، اگر یہ حجاب ہٹ جائے اور وہ نور تمہاری آنکھ میں آپڑے تو،

جَعَلَهُ دَكًّا......

نظر ختم ہو جائے گی، آنکھ ریزہ ریزہ ہو جائے گی، پس خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام کو یعنی اپنے نور کو کئی پردوں میں لپیٹا، کلامِ خدا نورِ خدا ہے، اس حقیقت کو ان پردوں میں لپیٹ کر ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے ہم اس کو تحمل کر سکتے ہیں لیکن یہ پردے باعث نہ بنیں کہ ہم فقط اس کو عربی عبارت سمجھیں کہ یہ عربی جملے ہیں اور عربی جملوں کے عنوان سے اس کی مبتدا و خبر تلاش کریں، اس کے مثلاً تمیز و حال تلاش کریں اور اس کا فاعل و قضایا ادوات گننے بیٹھ جائیں یعنی اس میں کتنی دفعہ الف استعمال ہوا ہے، کتنی دفعہ ب استعمال ہوا، کتنی دفعہ ش استعمال ہوا، کتنی بار ج استعمال ہوا۔ اگر ہم فقط قرآن کی ضمیروں اور الفاظ کی حد تک رہے تو گویا ہم فقط حجاب میں ہیں، یہ حجاب اس لئے تھا تاکہ تمہارے نفوس چندھیا نہ جائیں، دکاً دکّا نہ ہو جائیں اور اگر حقیقتِ قرآن روشن تجلی کرتی کہ جس طرح

پہاڑ پر تجلی ہوئی تھی تو پہاڑ کی طرح تمہارے نفوس بھی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہتے۔

٥) قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ

اس حقیقت کو قرآن نے مختلف اشاروں سے بیان کیا ہے مثلاً

اِنَّا اَنۡزَلۡنَاہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ٥ (١٢)

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔

یا

اِنَّا اَنۡزَلۡنَاہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ...... (١٣)

ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے......

ہم نے اس قرآن کو رمضان میں نازل کیا اور رمضان میں بھی لیلۃ القدر میں نازل کیا، لیل میں کیوں نازل کیا؟ نہار میں کیوں نازل نہیں کیا؟ دن کا وقت تو بہتر ہے، آیا اس وجہ سے دن میں نازل نہیں کیا کہ دن میں رش ہوتا ہے، لوگ آ جا رہے ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معاذ اللہ خطا کر جائے کہ قرآن کس کو دوں؟ جیسے عموماً وہ ذاکرین پڑھتے ہیں کہ وحی لے کر آئے اور آ کر کہا کہ یہ کس کو دوں؟ یہ تو سارے محمدؐ ہیں۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ رات کو ساری پبلک (Public) سوئی ہوئی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا جاگ رہے ہیں تا کہ رات کو اشتباہ نہ ہو جائے یا اس وجہ سے کہ کوئی چھین نہ لے مثلاً ابولہب اور ابوجہل حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے قرآن کو چھین نہ لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو

ہم پر اترا ہے، رات کو اترنا خفیہ ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے نہیں تھا۔ یہ رات وہ رات نہیں ہے کہ جو سورج غروب ہونے کے نتیجے میں ہوتی ہے، یہ لیلۃ المبارکہ جو

خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ (۱۴)

ہے۔ لیلۃ سے مراد پردہ یعنی حجاب ہے، یہ دن کو نہیں اتر سکتا تھا، دن کو تو

جَعَلَهُ دَكًّا......

پھر اس کو تحمل کون کرتا؟ ہم دن کو بھی اتار سکتے تھے، دن کو اتارنا یعنی بغیر پردے کے اتارنا، روشنی میں اتارنا یعنی بغیر حجاب کے اتارنا، لہٰذا ہم نے اس قرآن کو رات میں اتارا ہے یعنی پردے کے اندر لپیٹ کر اتارا ہے، چونکہ آپ اسے رات کو ہی تحمل کر سکتے ہو، دن کو تحمل نہیں کر سکتے۔

مولانا روم نے مثنوی میں بہت خوبصورت واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے مویشی پالے ہوئے تھے، گائے، بھینس، بھیڑ، بکریاں وغیرہ، ایک دفعہ رات کی تاریکی میں اس کو اپنے ریوڑ کے اندر کوئی ہلچل محسوس ہوئی گویا کسی حیوان کی رسی کھل گئی ہے اور وہ آزاد ہو گیا ہے، یہ نیند میں اٹھا اور دیکھا کہ ایک جانور پھر رہا ہے، اس نے اس کے گلے میں دوبارہ رسی باندھ کر پھر درخت سے باندھ دیا اور پھر اسکی پیٹھ پر اس نے ہاتھ پھیرا اور اسے اپنی زبان میں حدیثِ نفس کے طور پر کہا کہ یہ رات ہے اور اس طرح سے تیرا آزاد ہونا مناسب نہیں ہے، بہر کیف اسے باندھ کے جب جانے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ بھوکا شیر تھا کہ جو جانور کھانے آیا تھا، رات کی تاریکی میں یہ شیر کے اوپر ہاتھ پھیر رہا تھا، اس کو گائے کا بچہ سمجھ رہا تھا، یہ اپنے ساتھ حدیثِ نفس کر رہا ہے یعنی اپنے دل میں اپنے آپ

سے مخاطب تھا کہ تو میرا بہت ہی قیمتی جانور ہے، تیرا رات کو اس طرح کھل جانا مناسب نہیں ہے، یہاں درندے ہیں، بھیڑیئے ہیں اور تو کسی کا شکار ہو سکتا ہے، تجھے یہاں سے دور نہیں ہونا چاہئے اور شیر اپنے ساتھ ہم کلام ہے اور کہتا ہے کہ تو رات کا شکریہ ادا کر کہ جو میرے قریب کھڑا ہے اور میرے اوپر ہاتھ پھیر رہا ہے، اگر دن ہوتا اور تو میرے قریب آتا اور میری پشت پہ ہاتھ لگاتا تو پھر میں دیکھتا کہ تو کتنا بڑا مرد ہے؟ یعنی تو رات کا شکر گزار ہو کہ اس رات کے پردے نے تجھے شیر جیسی حقیقت کے قریب کر دیا ہے اور شیر کے اوپر ہاتھ پھیرنے کے قابل بنا دیا، تجھے اتنا شجاع اور دلیر بنا دیا ہے، یہ سب کچھ رات کی وجہ سے ہوا ہے، اگر دن ہوتا تو شیر کے نام سے تیرے اندر وحشت و دہشت طاری ہوتی، تیری روح نکل جاتی چونکہ شیر کے اندر بھی ایک عظمت ہے، انسان کے اوپر شیر کی ایک دہشت ہے، اگر چہ وہ درندگی اور جان کے خوف سے ہے۔

قرآن رات میں نازل ہونے کی وجہ

انسان رات کا شکر گزار ہو کہ رات ہمارے لئے بہت ساری عظمتیں معتدل کر دیتی ہے، راتوں نے ہمارے لئے بہت سارے امور سہل کر دیئے ہیں۔ از جملہ یہ نورِ قرآن رات میں نازل ہوا ہے یعنی پردے میں نازل ہوا ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ہاتھ بھی لگاتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں، وَ اِلاَّ اگر دن ہوتا اور یہ قرآن ہوتا، طور ہوتا اور موسیٰ علیہ السلام ہوتا اور فقط ایک آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تجلی کرتی یعنی اگر یہ بسم اللہ رات کے پردے میں لپٹی ہوئی نہ ہوتی تو بسم اللہ سے طور بھی جل جاتا، موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہوتے اور موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی بھی جل جاتے، مسجد بھی جل جاتی، قاری بھی جل جاتا اور سننے والے بھی جل جاتے، پس انسان اس حقیقت کو دیکھے کہ میں کس کی بارگاہ میں

ہوں؟ کس کے کلام کے حضور میں ہوں؟ کس کے محضر میں ہوں؟ یعنی انسان اس کی عظمت کی طرف متوجہ ہو، جب اس ذہنیت کے ساتھ قرآن کی خدمت میں جائے تو فہمِ قرآن کے قابل ہوسکتا ہے۔

۶)احترام بمناسبت عظمتِ مقام

ہم اگر اپنے روز مرہ امور میں، معاملات میں اور آمد و رفت میں غور وفکر اور دقت کریں کہ جن مقامات کی عظمت کا ہمیں احساس ہوتا ہے وہاں ہم کسی اور طرح سے حاضر ہوتے ہیں اور جن مقامات میں وہ عظمت نہ ہو یا عظمت ہو لیکن ہمیں علم نہ ہو تو وہاں پر ہماری آمد و رفت کا انداز کچھ اور ہوتا ہے۔

مثلاً ہم دکان پر بھی جاتے ہیں لیکن وہاں پر کوئی آداب نہیں بجالاتے لیکن جب حرم میں جاتے ہیں تو وہاں ایک اور انداز سے داخل ہوتے ہیں، ایک اور انداز سے حرکت کرتے ہیں مثلاً وہاں وضو کر کے جاتے ہیں، با طہارت جاتے ہیں، توجہ کے ساتھ جاتے ہیں، وہاں سُبک حرکات انجام نہیں دیتے ہیں، کیوں انجام نہیں دیتے ہیں؟ حالانکہ حرم بھی ایک مکان ہے، زمین ہے اور دکان بھی ایک مکان ہے اور زمین ہے، اس وجہ سے کہ حرم کے اندر، مسجد کے اندر یا کعبہ کے اندر جب ہم داخل ہوتے ہیں تو ہمیں اس مقام کی عظمت کا علم ہوتا ہے لہٰذا متوجہ ہوتے ہیں کہ یہ ایک مقامِ عظیم ہے اگر چہ یہ بھی اینٹیں اور پتھر ہیں، کعبہ بھی پتھر ہے، مسجد بھی اینٹیں اور پتھر ہیں لیکن یہ اینٹیں اور پتھر حجاب ہیں اور ان حجابوں کے پیچھے ایک عظمت موجود ہے، ان پتھروں کے پس منظر میں ایک حقیقت

کارفرما ہے، درحقیقت وہ عظمت انسان پر اثر انداز ہوتی ہے لہٰذا انسان خضوع وخشوع کرتا ہے، ان عظیم مقامات پر پتھروں کے لئے خضوع وخشوع نہیں کرتا ہے چونکہ پتھروں کے اندر کوئی عظمت نہیں ہے، پتھر حجاب ہیں۔ ان حجابوں کے پیچھے ایک عظمت کارفرما ہے لہٰذا جسے علم وآگاہی نہ ہو، جو مسلمان ومومن نہ ہو، اس کے لئے یہ فقط تعمیرات کا نمونہ ہیں لہٰذا وہ خضوع نہیں کرتا ہے، وہاں اس کے اندر تعظیم کی حالت ایجاد نہیں ہوتی ہے، اس مقام کی تکریم نہیں کرتا ہے، وہ وہاں ایسے ہی داخل ہوتا ہے کہ جیسے ایک دکان میں داخل ہوتے ہیں یا جیسے آثارِ قدیمہ کی کسی خاص عمارت داخل ہوتے ہیں اور فقط معمار کی نگاہ کرتا ہے۔

احترام بسبب عظمت مقام

مثلاً حرم کے اندر جائیں تو ٹائلیں اور یہی خوبصورت نقش ونگار انسان کو متاثر نہیں کرتے ہیں، عظمتِ حرم ان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خالی بھی ہو، سادہ بھی ہو تو اس کے باوجود بھی عظمت ہے جیسے کعبہ ہے، سادہ ترین حرم خانۂ کعبہ ہے، کوئی زینت نہیں ہے، بالکل معمولی پتھروں سے بنا ہوا ہے لیکن انسان جتنا خضوع کعبہ کے سامنے کرتا ہے اتنا خضوع ان ٹائلوں کے سامنے نہیں کرتا ہے، اتنا خضوع اس نقش ونگار کے سامنے نہیں کرتا ہے چونکہ ان پتھروں کے پیچھے جو حقیقت کارفرما ہے عظمت درحقیقت اس کے اندر ہے اور انسان متوجہ ہے کہ یہ کعبہ کیا ہے؟ کس چیز کی علامت ونشانی ہے؟ یا جیسے انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں جاتا ہے، کربلا جاتا ہے یا دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی بارگاہ میں مشرف ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ میں جن کے سامنے خضوع کر رہا ہوں وہ یہ ضریح نہیں ہے یا چاندی، سونا، لکڑی اور پتھر نہیں ہیں بلکہ درحقیقت یہ ایک ولیٔ خدا کا، ایک خلیفۂ خدا کا، ایک انسانِ

کامل کا اور ایک معصوم کا مدفن ہے اور عظمت اس وجود کے اندر اور اس نام کے اندر ہے کہ جس کے نام سے یہ سب کچھ منسوب ہے لہٰذا انسان کے دل میں ایک حالتِ دیگر طاری ہو جاتی ہے۔

پس ہم اپنے معمولات میں غور کریں تو بخوبی ہم اس حالت کو محسوس کرتے ہیں کہ جہاں پر ہمیں مکان کی عظمت کا علم ہو تو وہاں پر ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے لیکن جس مکان میں جائیں اور اس مکان کی عظمت کا علم نہ ہو یا اس میں عظمت ہی نہ ہو تو وہاں ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے، خیابان میں ہم بالکل معمول کے مطابق آتے ہیں، ہم اچھی اچھی خوبصورت جگہوں پر بھی جاتے ہیں لیکن وہ احساس جو دل میں حرم کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ ہرگز بڑے بڑے شاندار محلوں میں پیدا نہیں ہوتا ہے، ممکن ہے کہ بہت بڑی باشکوہ عالیشان عمارتیں ہوں، مثلاً آپ تاج محل میں جائیں، تاج محل دنیا میں بنا ہوا ایک شاہکار ہے اور انسانی ہاتھ کا بنا ہوا ہے لیکن انسان کے دل میں وہ احترام و خضوع پیدا نہیں ہوتا ہے کہ جو کعبہ میں ہوتا ہے۔

کعبہ اور تاج محل کو اگر فنِ تعمیر کے لحاظ سے دیکھیں تو قابلِ قیاس نہیں ہیں، تاج محل شاہکار ہے اور کعبہ سادہ سی ایک بلڈنگ ہے لیکن انسان کے اندر جتنا خضوع کعبہ میں پیدا ہوتا ہے وہ تاج محل میں پیدا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اصلاً سرے سے تاج محل میں پیدا ہی نہیں ہوتا، کیوں پیدا نہیں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ تاج محل فقط ایک عمارت ہے، اس کے پیچھے کوئی عظمت کارفرما نہیں ہے، اگر ہے بھی تو بقول ایک ادیب اور اردو شاعر کے کہ ایک شہوت کارفرما ہے، ایک سلطان کی ثروت کارفرما ہے، مثلاً ایک دولت مند کی دولت کارفرما ہے لہٰذا اس کے پیچھے عظمت نہیں ہے درحالیکہ کعبہ کے پیچھے

احترام بمناسبت عظمت مقام

عظمت متجلی ہے کہ جو انسان کو معلوم ہے لہٰذا اس وجہ سے انسان کی کیفیت مختلف ہو جاتی ہے اور بدل جاتی ہے۔

امام رضاؑ سے عظمتِ مقام

یہی حال قرآن کا بھی ہے، قرآن اگر چہ عربی عبارت ہے، دیگر عربی عبارتوں کی طرح یہ بھی ایک عبارت ہے لیکن اگر انسان کو معلوم ہو کہ اس عبارت کے پیچھے کیا عظمت کارفرما ہے یا یہ عبارت ایک حجاب ہے اور ہماری سہولت کے لئے بنائی گئی ہے تا کہ ہم نورِ قرآن کو تحمل کر سکیں، نورِ قرآن کو برداشت کر سکیں ورنہ اگر یہ عبارت نہ ہوتی، یہ الفاظ نہ ہوتے تو جس طرح سے تجلیٔ خدا نے طور کو جلا دیا تھا اور جس طرح تجلیٔ خدا نے اس کو دکاً دکّا کر دیا تھا، اسی طرح سے یہ بھی تجلیٔ خدا ہے لیکن حجابوں میں ہے ورنہ خود قرآن مجید کے بقول اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ خشیتِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، چونکہ قرآن کی عظمت کا راز اس میں ہے کہ یہ کلامِ خدا ہے لیکن اس نے نزول کیا ہے، تنزل کیا ہے اور ان حجابوں کے اندر چھپا کر ہم تک پہنچایا گیا ہے، یہ حجاب باعث بنے کہ ہم اس کی عظمت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس کو فقط ایک لفظی عبارت سمجھ کر گزر جاتے ہیں یا حفظ بھی کر لیں، پڑھ بھی لیں تو بہت سادگی سے گزر جاتے ہیں اور وہ خشیت و کیفیت طاری نہیں ہوتی ہے۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت امام رضا علیہ السلام کو جب خراسان لایا گیا، مدینہ سے طوس لایا گیا تو راستے میں امام علیہ السلام نے کثرت سے جو عمل انجام دیا وہ تلاوتِ قرآن تھی، کثرت سے یہ کام کیا حالانکہ دوسری عبادتیں بھی امام علیہ السلام نے انجام دیں، راستے میں گفتگو بھی کی، احادیث بھی بیان

فرمائیں اور کئی تاریخی واقعات اس سفر کے اندر رونما ہوئے لیکن کثرت سے اس سفر کے دوران جو عمل اس مہمل میں بیٹھے ہوئے، اس سواری پر امام علیہ السلام نے انجام دیا وہ تلاوتِ قرآن تھی اور وہ بھی کس طرح کی تلاوتِ قرآن؟ کئی مقامات پر نقل کیا گیا ہے کہ ان مقامات میں امام علیہ السلام کی تلاوتِ قرآن کے وقت کیا کیفیت تھی؟ جس طرح سے ایک انسان بہت عظیم بارگاہ کے اندر موجود ہو اور حضرت علیہ السلام کے وجود پر کپکپی طاری تھی، لرزہ طاری تھا اور بارگاہِ خداوند تبارک وتعالیٰ میں گریہ و بکا طاری تھا اور ہر آیت کے پڑھنے سے حضرت علیہ السلام کے چہرے کے اثرات اور آثار بدل جاتے تھے یعنی اسی آیت کے مضمون کے مطابق تاثیر حاصل ہوتی تھی، قرآن پڑھتے ہوئے امام علیہ السلام کی یہ حالت کیوں تھی؟ درحالیکہ ہم بھی یہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن ہم پر یہ حالت طاری نہیں ہوتی، اس لئے کہ امام علیہ السلام کو توجہ تھی کہ میں کس کے کلام کی بارگاہ میں ہوں یعنی کس بارگاہ میں ہوں، قرآن کلامِ خدا ہے، کلامِ خدا فعلِ خدا ہے، فعلِ خدا صفاتِ خدا سے متجلی ہوا ہے۔

۷) اللہ اپنے کلام میں متجلی ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ خود قرآن میں متجلی ہیں، عظمتِ قرآن عظمتِ متکلم سے ہے،

لَقَدْ تَجَلَّی اللّٰهُ لِخَلْقِهِ بِكَلَامِهِ...... (۱۵)

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے خدا نے تجلی کی اسی طرح خدا نے مخلوق کے لئے

قرآن میں تجلی کی ہے لیکن کس طرح سے تجلی کی ہے؟ فرمایا کہ

وَلٰكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ......

لیکن عوام یا عام انسان اس تجلی کو درک نہیں کر پاتے،

وَاللهِ لَقَدْ تَجَلَّى اللهُ لِخَلْقِهِ فِيْ كَلَامِهِ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ......(۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اپنی مخلوق کے لئے ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں ہیں ......یعنی ان کے اندر بصیرت نہیں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ سکیں یا امیر المومنین علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں خطبہ ۱۴۷ میں یہ موجود ہے کہ

فَتَجَلّٰى لَهُمْ سُبْحَانَهُ فِيْ كِتَابِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّكُوْنُوْا رَأَوْهُ......(۱۷)

ان کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ظاہر ہوتا ہے، اس کے بغیر کہ وہ اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھیں......

لیکن دیکھ سکتے ہیں جیسے نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے بھی استفادہ ہوتا ہے کہ خدا کو دیکھا جا سکتا ہے لیکن نہ کہ بصر سے بلکہ بصیرتِ ایمانی سے دیکھا جا سکتا ہے، یہ امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ میں صراحت سے بیان فرمایا کہ

لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ......(۱۸)

میں نے ایسے خدا کی عبادت نہیں کی ہے جسے میں نے دیکھا نہ ہو......

پس ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ قابلِ رویئت ہے، خدا کی ذات قابلِ وجدان ہے، انسان

کو خدا نے قوتیں عطا کی ہیں، انسان فہم اور درک و بصارت کی قوتوں سے خدا کو پا سکتا ہے، درک کر سکتا ہے لیکن کلامِ خدا میں، فعلِ خدا میں خدا کی ذات متجلی ہے۔ اسی طرح دوسری عبادتیں بھی ہیں اگر انسان بارگاہِ خدا کی عظمت کی طرف متوجہ ہو تو اس کا انداز بدل جاتا ہے، روایت میں معصومین علیہم السلام کی نمازیں منقول ہیں کہ مختلف ائمہؑ کی نماز میں کیا حالت ہوتی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم تھا کہ ہم کس کی بارگاہ میں ہیں، عظمتِ خدا کی طرف توجہ تھی چونکہ انسان کے اندر درکِ عظمتِ خدا کے بعد خشوع پیدا ہوتا ہے، جب انسان عظمت کا احساس کرتا ہے تو تب اس کے بعد جھکتا ہے، انسان کے اندر یہ فطری عمل ہے کہ ہر کمال کے سامنے خضوع کرتا ہے، یہ انسان کے بس میں نہیں ہے، کیسا بھی انسان ہو اگر کسی جگہ کمال نظر آئے تو انسان اس کے سامنے ناخواستہ جھک جاتا ہے۔ چاہے وہ کمال عالمِ مادہ اور طبیعت میں نظر آئے، عالمِ معنیٰ میں نظر آئے، انسانی دنیا میں نظر آئے، طبعی دنیا میں نظر آئے، جہاں بھی نظر آئے، انسان کی زبان سے کمال کی نسبت سے بے ساختہ تکریم و ثنا ادا ہوتی ہے۔

۸) معرفت اور اجارے کی نماز میں فرق

جب انسان عظمتِ خدا کے سامنے واقع ہوتا ہے تو وہاں پر اس کی زبان سے بے ساختہ حمد و ثنا، کلماتِ تعریف اور کلماتِ عبیدانہ جاری ہوتے ہیں، اسی کو نماز کہتے ہیں۔ نمازِ حقیقی وہی ہے کہ جو انسان کی معرفت کا نتیجہ ہو نہ کہ انسان کی عادت کا نتیجہ ہو، چونکہ کہا گیا ہے کہ یہ کام کرنے سے انسان

جنت جاتا ہے لہٰذا یہ کام کرکے آرزو معاوضے میں پنہاں ہوتی ہے مثلاً اُجرت پہ نماز پڑھنا۔

فقہ میں ایک بحث اجارے کی نماز کے متعلق ہے۔ اگر ایک شخص اپنی زندگی میں نمازیں نہیں پڑھتا تھا اور وہ مرگیا تو اسکے ورثاء اس کے مادی اور معنوی حقوق ادا کریں، ان حقوق میں سے یہ ہے کہ اس کے واجبات ادا کریں، اس کی ترک شدہ یا قضا شدہ نمازیں ادا کروائیں اور یہ ہوتا بھی ہے عموماً اہل علم کو یا متدیّنین کو مُردوں کی نمازوں کے لئے اجیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک مولانا کو کسی مُردے کی نمازیں اجارے پہ دی گئیں، مردے کے وارث کے ساتھ قرارداد باندھی گئی لیکن انہوں نے آکر قرارداد کو پھاڑ کر پھینک دیا، جو شخص ضامن بنا تھا اس نے کہا کہ یہ تو آپ کی ذمہ داری ہے، آپ کو پڑھنا چاہیئے تو انہوں نے کہا کہ اتنا ہی نیک ہوتا تو پڑھ کر مرتا، میرے لئے کیوں چھوڑ کر گیا ہے کہ میں آؤں اور پیسوں کے لئے اس کی نمازیں پڑھوں؟ غرض یہ ہے کہ اجارے کی نمازیں رائج چیز ہے، اس سے کیا ملے گا؟ اجیر کو کیا ملے گا؟ اور جس کی نمازیں ہیں اس کو کیا ملے گا؟ اجارے کی نمازیں کو خدا ہی جانتا ہے چونکہ بعض تو شک بھی کرتے ہیں اور اس کے اجزاء میں تردید بھی کرتے ہیں کہ آیا اجارے کی نمازیں درست بھی ہیں یا نہیں ہیں؟ البتہ فتویٰ کہ حد تک مشہور یہ ہے کہ پڑھ سکتے ہیں یعنی حق ادا ہوجاتا ہے لیکن یہ تو قیامت میں جاکر پتہ چلے گا اور مشخص ہوجائے گا کہ اجارے کی نمازوں کا مستاجر کو کیا ملا؟ اور اس مُردے کو کیا ملا؟ اب مردے کو کچھ ملے یا نہ ملے بہرکیف اس بچارے کو تو کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعض کام آبدار ہوتے ہیں اور بعض کام نا ندار ہوتے ہیں یعنی بعض کام ایسے

ہیں کہ جن میں پانی ہوتا ہے اور بعض میں نان ہوتا ہے اور یہ شاہ عباس کے زمانے سے کہاوت بھی بنی ہے، صفوی بادشاہ کو وزیروں نے مشورہ دیا کہ ملک کی آبادی کے لئے نہریں کھدوائی جائیں، ایران میں چونکہ نہری نظام نہیں ہے لہٰذا دریا بھی کم ہیں بارانی پانی کے لئے وہاں کنویں کھودے گئے تھے، جن کو قناتیں یا کاریز کہتے ہیں یعنی زیرِ زمین نہریں بنانا، مختلف علاقوں میں نہریں کھودنا شروع کردی گئیں، کسی صحرا کے اندر مزدور لگائے ہوئے تھے، انہوں نے نہر کھودنا شروع کی، کھودتے گئے اور دوسو، تین سو میٹر نیچے چلے گئے لیکن کوئی پانی نہیں تھا، رطوبت بھی نہیں تھی، وزیر دورے پہ گیا تو مزدوروں نے اسے کہا کہ آپ خواہ مخواہ یہاں پیسہ ضائع کررہے ہیں، یہاں سے کوئی پانی نہیں نکلے گا تو وزیر نے انہیں جواب دیا کہ ہمارے لئے پانی نہیں نکلے گا لیکن آپ کے لئے روٹی تو نکل رہی ہے، آپ کو کیا تکلیف ہے، آپ کھودتے رہو یعنی اس کنویں سے پانی نہیں نکلے گا لیکن روٹی تو نکل رہی ہے۔ لہٰذا اجارے کی نمازوں سے پانی نہیں نکلے گا لیکن روٹی تو نکل جائے گی، مردے کو کچھ ملے یا نہ ملے اس کو تو کچھ مل رہا ہے۔

اجارے کی نمازیں یعنی معاوضہ لے کر جو نمازیں پڑھی جاتی ہیں، حقیقتِ نماز ہونی چاہئے یعنی جو نماز انسان معرفت سے پڑھتا ہے، عارفانہ نمازیں نہ کہ اجارے کی نمازیں، حقیقت میں ہم اپنی نمازیں بھی اجارے کی ہی پڑھتے ہیں چونکہ اجارے کی نمازیں معاوضے والی نمازوں کو کہتے ہیں، اجارے کی نمازوں میں انسان کیسے نماز پڑھتا ہے؟ اسی لئے ضمانت لیتے ہیں کہ یہ صحیح پڑھے گا یا نہیں؟ شرائط رکھتے ہیں کہ کن کن آداب و مستحبات کے ساتھ پڑھے گا چونکہ اپنی تو نہیں ہیں بلکہ کسی کی

ہیں، میں نے تو کسی طرح پیسہ حلال کرنا ہے۔ اپنی نمازیں بھی جب انسان اجارے پہ پڑھے، حور کے لئے پڑھے، جنت کے لئے پڑھے، دودھ کے لئے اور شہد کے لئے پڑھے تو یہ بھی اجارے کی نمازیں ہیں، یہ نمازیں بھی انسان اسی طرح پڑھتا ہے کہ جیسے کرائے کے کام کرتا ہے، اس میں فٹیگ (Fatigue) نہیں ہوتی ہے؟ فٹیگ اس کو کہتے ہیں کہ کسی اور کا کام میری گردن پہ آپڑے، اجارے کی نمازوں میں تو رقت طاری نہیں ہوتی ہے، اجارے کی نمازوں میں تو انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا نہیں ہوتا ہے، اجارے کی نمازوں میں خشوع وخضوع کہاں ہوتا ہے؟ اجارے کی نمازوں میں تو ساری نظر اجرت پہ ہوتی ہے یعنی فی رکعت اتنے روپے بنتے ہیں، اس کا میٹر چل رہا ہوتا ہے کہ فی رکعت کے لحاظ سے کتنے روپے بن گئے، اس کا ٹائم ہوتا ہے کہ ایک منٹ میں اس نے ایک دن کی نماز پڑھنی ہے یا ایک وقت کی نماز کو ختم کرنا ہے، جیسے لیلۃ القدر آتی ہے تو لوگ قضائے عمری پڑھتے ہیں اور ایک گھنٹے میں سو رکعت نمازیں ختم کرنی ہوتی ہیں، اس وقت کوئی ایسا میٹر (Meter) گاڑی کا بھی نہیں ہوتا ہے جتنا پیش نماز کا ہوتا ہے۔

یہ نماز کے ساتھ تمسخر ہوتا ہے، اجارے کی نمازوں میں قطعاً خضوع پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ معرفت کی نمازوں میں خضوع پیدا ہوتا ہے، جب انسان عارفانہ طور پر نماز پڑھتا ہے تو اس نماز میں انسان کے اندر خضوع وخشوع پیدا ہوتا ہے، دل نرم ہوتا ہے اور حالتِ خوف پیدا ہوتی ہے، جب انسان کو پتہ ہو کہ میں اپنے معبود، اپنے مولا، اپنے مالک کی بارگاہ میں ہوں، میں اس کی بارگاہ میں ہوں کہ جس کے اوصاف آپ دعائے سحر میں پڑھتے ہیں، دعائے سحر سراپا نور ہے، ماہِ رمضان میں

دعائے سحر کے لئے فرصت ہے، جمالِ خدا، جلالِ خدا، کمالِ خدا یعنی وہ نورانیت، وہ عظمت جو دعائے شریف سحر میں بیان کی گئی ہے، امام خمینیؒ کی اپنی سب سے پہلی کتاب بھی شرحِ دعائے سحر ہے، اس دعا سے انسان کو اندازہ ہوتا ہے کہ میں کس کی بارگاہ میں ہوں؟ خود ہی خود انسان کے اندر یہ احساسِ عبودیت پیدا ہوتا ہے یعنی یہ طریقۂ عبودیت درباریوں سے سیکھیں۔

درباری آج کل تو نہیں ہیں، یہ نمونے آج کل دیکھنے کو نہیں ملتے ہیں لیکن سلاطین و پادشاہوں نے درباری رکھے ہوتے تھے، ثناخوان، شاعر، علماء اور ہر طبقہ۔ درباری اخلاق مخصوص اخلاق ہوتا ہے، یہ شاہوں کے سامنے جب حاضر ہوتے تھے تو حاضر ہونے سے پہلے جس لباس میں سوئے ہوئے تھے اسی لباس میں اٹھ کر دربار میں نہیں آتے تھے، ایک خلعتِ مخصوص ان کو دربار کے لئے ملی ہوتی تھی کہ جب بھی شہنشاہ کے سامنے حاضر ہونا ہو تو یہ خلعت پہن کر جائیں، پھر یہ دیکھتے تھے کہ شہنشاہ کو خوشبو کونسی پسند ہے؟ وہی خوشبو لگا کر شہنشاہ کے سامنے جاتے تھے تاکہ اس کی توجہ ہماری طرف ہو، پھر یہ دیکھتے تھے کہ شہنشاہ کو کونسے کلمات پسند ہیں، انہی کلمات کے ساتھ انہی القابات کے ساتھ شاہ کو یاد کرتے تھے، اظہارِ عقیدت کرتے تھے اور شاہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے تھے، غرض کہ ہر وہ کام کرتے تھے جو شاہ کو پسند ہے، وہ کام نہیں کرتے تھے جو خود انہیں پسند ہو چونکہ اگر اپنی پسند کے کام دربار میں کریں تو دربار سے خارج کر دیئے جاتے تھے، نکال دیئے جاتے تھے، یہ درباری لوگ ہیں، مفاداتِ دنیوی کے لئے مخلوق کے سامنے یہ حرکتیں انجام دیتے تھے کہ جو شایانِ شانِ مخلوق نہیں ہیں یعنی انسان کسی مخلوق کے لئے یہ کام نہ کرے، درحقیقت تمام وہ کام

جو خدا کی بارگاہ میں ان کو کرنے چاہئیں یہ جا کر شہنشاہ کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔

انسان جب بارگاہِ خدا میں جائے تو اس طرح نہ جائے کہ جس لباس میں سوتا ہے اسی لباس میں اٹھ کر چلا جائے، بسا اوقات احکامِ فقہ پڑھاتے ہوئے حضرات توجہ نہیں دلاتے تھے کہ ان احکام کی حقیقت و فلسفہ و حکمت کیا ہے؟ یہ کس کے لئے ہیں؟ حد سے حد احکام کی حدود بتا دیتے ہیں مثلاً بسا اوقات بتا دیتے ہیں کہ مرد کے لئے تو کافی ہے کہ مثلاً اس کی شرم گاہ چھپی ہوئی ہو باقی بدن بے شک عریاں ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے اور پڑھتے ہیں، کئی جگہ لوگ انڈر وئیر میں نماز پڑھتے ہیں، کیوں؟ مولانا نے کہا ہے کہ مرد کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ حیا کہاں ہے؟ ادب کہاں ہیں؟ کیا فقط حکمِ فقہ نماز کے لئے کافی ہے؟ یہ فقہ فقہِ اصغر ہے، یہ شریعت کے احکام فقہِ اصغر ہیں، نماز کیلئے فقہِ اوسط بھی چاہئے اور فقہِ اکبر بھی چاہئے، فقہِ اصغر یہ ہے کہ یہ لباس کافی ہے یا نہیں ہے، یہ غصبی نہ ہو، یہ حلال ہو، یہ فقہِ اصغر ہے لیکن فقہِ اوسط کہتی ہے کہ آپ کے ساتھ حیا بھی ہو اور فقہِ اکبر کہتی ہے کہ ساتھ میں معرفت بھی ہو، احترام بھی ساتھ ہو اور آپ کے اندر خضوع و خشوع بھی ہو۔

نماز کے بارے میں چند کتابیں لے کر پڑھیں تو پھر جا کر نماز کا باب تکمیل ہوتا ہے، احکامِ نماز، آدابِ نماز اور اسرارِ نماز۔ امام خمینیؒ نے تینوں کتابیں تالیف کی ہیں، تحریر الوسیلہ میں احکامِ نماز ہیں، دوسری کتاب میں آداب الصلوٰۃ ہیں، تیسری کتاب میں اسرار الصلوٰۃ ہیں، پھر جا کر انسان نماز کے قابل ہوتا ہے، فقط تحریر الوسیلہ پڑھ کر حقِ نماز ادا نہیں ہوتا ہے، وہ اجارے کی نماز ہو جاتی ہے لیکن عارفانہ نماز اور ہوتی ہے، ایسی نماز کہ جس میں نمازی کو لذت بھی محسوس ہو، جس میں نمازی کو لطف

بھی محسوس ہو پس کس طرح سے بارگاہِ مولا میں جائیں؟ وہ خلعت پہن کر جاؤ جو مولا کو پسند ہے، اس انداز سے جاؤ جو انداز مولا کو پسند ہے، اس طریقے سے جاؤ جو طریقہ مولا کو پسند ہے، ہر وہ طریقہ استعمال کرو جو مولا کو پسند ہے، اگر انسان عظمتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو تو انسان کی یہ نماز معراج بن جاتی ہے، قرآن بھی بارگاہِ خدا ہے، چونکہ کلامِ خدا ہے، ہم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ عربی عبارت ہے، ادبیات میں لکھی ہوئی ایک ادبی عبارت ہے یا یہاں ہمارا عربی سے سروکار ہے، یہ ایک حجاب ہے۔

۹) اللہ کو پانا ہے

ہمیں قرآن کی عظمت کا احساس اس لئے نہیں ہے چونکہ متکلم کی عظمت کا ادراک نہیں ہے یعنی خود ذاتِ خدا کی عظمت کا ادراک نہیں ہے، جب خداوند تبارک وتعالیٰ کا تصور آتا ہے تو ہمارے ذہن میں کیا چیز آتی ہے؟ ہمارے ذہن میں کیا حاصل ہوتا ہے؟ بنامِ خدا کیا حقیقت آتی ہے؟ آنکھوں کے سامنے، ذہن کے سامنے اور دل میں کیا تصور واحساس پیدا ہوتا ہے؟ جب لفظِ خدا سنتے ہیں تو یعنی چہ؟ یا تو بالکل ایک مُبہم اور مدہم سا خاکہ یعنی ذہن میں کچھ بھی نہیں آتا ہے، صرف نام آتا ہے اور کچھ بھی حقیقت ذہن میں نہیں ہے، ہم نے خدا کو ثابت کیا ہے، دلیلوں سے خدا کو ثابت کیا ہے، ہم نے خدا کو پڑھا ہے، ہم نے خدا کو سمجھا ہے، درحالیکہ معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ خدا سمجھنے کی چیز ہے، نہ پڑھنے کی چیز ہے، نہ کہنے کی چیز ہے بلکہ خدا پانے کی چیز ہے، خدا کو پائیں۔ جو خدا کو پاتا

ہے وہ عظمت کو درک کرسکتا ہے، جس نے پایا نہیں ہے اور فقط سنا ہوا اور پڑھا ہوا ہے تو اسے کیا معلوم کہ کس حقیقت سے میرا سروکار ہے؟ قرآن نے بھی ہمیں اسی طرف متوجہ کیا ہے کہ آپ خدا کو اثبات نہ کرو، ہم دلیلیں دے کر کیا کرتے ہیں؟ خدا کو ثابت کرتے ہیں حالانکہ خدا کو پانا ہے۔اس مطلب کی مزید وضاحت انشاءاللہ فصلِ ادبِ ہشتم کے حصۂ اول میں کی جائے گی۔

ابھی اجمالی طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ حقیقت اس وقت پائی جاتی ہے کہ جب انسان اس حقیقت کی طرف جاتا ہے، اس حقیقت کی قربت اور جوار میں جاتا ہے۔ہم خدا کو پائیں، اپنے دائیں بائیں دیکھیں، سب سے پہلے اپنے اندر پائیں، خدا نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے پانا ہے تو میں کہاں ہوں؟

اَنَا عِندَ الْمُنكَسِرَةِ قُلُوبُهُم......(۱۹)

میں ٹوٹے دل والوں کے پاس ہوں۔میں تمہارے دلوں کے اندر ہوں،

وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِo(۲۰)

اور ہم اس سے رگِ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔

أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ......(۲۱)

اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے......

وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُونَo(۲۲)

اور ہم تمہاری نسبت مرنے والے سے قریب ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے ہو۔

خدا فرماتا ہے کہ میں تمہارے دلوں میں ہوں۔ خدا تمہارے اندر ہے، اپنے اندر ہی خدا کو پاسکتے ہو، اگر اندر نہیں پاسکتے ہو تو خدا کو آفاق میں پاؤ لیکن اللہ کو پانا ہے، اس وقت انسان کو عظمت کا ادراک ہوتا ہے، البتہ ہمیشہ اپنی حد تک پاؤ، نہ اس حد تک کہ جتنی عظمت ہے کیونکہ کسی غیرِ خدا کے لئے ممکن نہیں ہے کہ عظمتِ خدا کو اس طرح سے پائے کہ جیسا اس کا حق ہے بلکہ انسان اپنی ظرفیت، اپنی طاقت اور اپنی توانائی کی حد تک خدا کی عظمت کو پاسکتا ہے، عظمتِ کلامِ خدا بھی ایسے ہی ہے یعنی اپنی طاقت اور توانائی کی حد تک انسان عظمتِ کلامِ خدا کو درک کرسکتا ہے نہ کہ اتنی جتنی عظمتِ کلام ہے، یہ ممکن نہیں ہے، انسان کو خضوع اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب کلامِ خدا کے سامنے اس کی عظمت کا ادراک ہو۔

۱۰) قرآن حبلِ خدا ہے

صدر المتالھینؒ فرماتے ہیں کہ جو اہلِ تفکر و اہلِ تامل و تدبر ہیں وہ اس فصل میں نگاہ کریں، یہ بھی مفید ہے، درکِ عظمتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کے لئے انسان کو جو چیز چاہئے وہ یہ ہے کہ

☆ **فلینظر المتأمل فی فضل اللّٰہ و رحمته، کیف لطف بخلقه فی ایصال کلامه الی افهامهم و اذواقهم؟......**

پہلا نکتہ انہیں یہ غور کرنا چاہئے کہ انسانوں کے اوپر خداوند تبارک وتعالیٰ نے کتنا عظیم لطف فرمایا ہے کہ اپنا کلام جو عالی ترین الطافِ الٰہیہ میں سے ہے اسے کس لطیف اور نفیس طریقے سے

انسانوں کے ذہن اور فہم کی حدتک پہنچایا ہے؟

☆ و کیف جزبھم اللّٰہ بحبل القرآن العظیم فی طی اصوات و حروف ھی من صفات البشر......

ایک عظیم معجزہ واتفاق رونما ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ کلامِ خدا جو مادی وجسمانی نہیں ہے، جو لفظ ومفہوم نہیں ہے اس کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کی حبل کی صورت میں، اصوات اور حروف کی شکل میں کہ جو بشری چیزیں ہیں، بشری امور ہیں یعنی بشری حالاتِ انسانی کی صورت میں انسان کے لئے پیش کیا ہے، قرآن کے بارے میں روایات میں بھی ہے کہ یہ حبلِ خدا ہے، جیسے پہلے بیان کیا تھا کہ یہ ذومراتب ہے، قرآن کے درجات ہیں، ایک درجۂ بالا ہے کہ جسے اہلِ علم واہلِ معرفت صقعِ ربوبی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بارگاہِ خدا، ذاتِ خدا میں قرآن کا ایک مرتبہ ہے اور ایک مرتبہ ابھی ہمارے سامنے عربی زبان میں موجود ہے اور اس کے درمیان قرآن کے مراتبِ فراواں ہیں، ہرایک اپنی توفیق کی حدتک ان مراتب سے سروکار رکھتا ہے۔

قرآن کے بارے میں ایک تعبیر استعمال ہوئی ہے کہ قرآن حبل ہے، یہ حبل اللہ ہے، حبل یعنی رسی اور وہ بھی حبلِ نجاتِ انسان ہے کہ جس کے ذریعے انسان کو ہلاکت سے بچانا ہے، ایسی رسی کہ جس سے نجات دی جاتی ہو، رسی میں دو سرے ہوتے ہیں، ایک سرا بچانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور ایک سرا ہلاک ہونے والے کے پاس ہوتا ہے یعنی ایک سرے کو وہ تھامتا ہے کہ جو معرضِ ہلاکت میں ہے اور دوسرے سرے کو نجات دینے والا تھامتا ہے، وَالّا اگر وہ رسی ساری کی ساری نیچے

قرآن حبلِ خدا ہے

پھینک دی جائے تو ایسی رسی تو نجات نہیں دے سکتی ہے۔ کنویں میں اگر کوئی گرا ہوا انسان ہو اور کہے کہ رسی پھینکو ہے اور آپ رسی کا بنڈل بنا کر نیچے پھینک دیں، بعض سادہ لوح اسی طرح پھینکتے ہیں، اگر مدد مانگیں تو وہ اسی طرح پھینکتے ہیں، اس رسی کا وہ کیا کریں؟ رسی پھینکنے کے معانی یہ ہیں کہ اس کا ایک سرا اپنے پاس رکھو اور ایک سرا درخت کے ساتھ باندھ دو یا خود پکڑو تو وہ رسی انسان کو نجات دیتی ہے۔

خدا نے بھی اپنی حبل انسان کو آویزاں کی ہے، پھینکی نہیں ہے کہ ساری رسی جمع کر کے، رول بنا کر انسان کی طرف پھینک دی ہو کہ یہ لو یہ میری رسی ہے، ایسی رسی کا ہم کیا کریں؟ ہمیں وہ رسی چاہیئے کہ جس کا ایک سرا خود خدا کے ہاتھ میں ہو اور ایک سرا انسان کے پاس ہوتا کہ جب ہم اس رسی سے تمسک کریں تو وہ ہمیں اپنی طرف کھینچ لے، یہ حبلِ خدا ہے، پس قرآن کا ابھی ایک سرا ہمارے ہاتھ میں ہے، عربی سرا ہمارے ہاتھ میں ہے اور غیر عربی سرا خدا کے ہاتھ میں ہے، جب ہم اس سرے سے تمسک کریں گے تو یہ سرا ہمیں اُس سرے تک پہنچائے گا اور انسان کے لیے باعثِ حصولِ تقربِ خدا بنے گا۔

۱۱) مستور قرآن لطفِ خدا ھے

☆ ولولا انه استتر كنه جمال كلامه بكسوة الحروف والالفاظ، لما ثبت لسماع كلامه عرش و لافرش......

اگر خدا نے پوشیدہ کر کے، مستور کر کے، حجابوں کے اندر، پردوں کے اندر چھپا کے اور پنہاں کر کے اپنا کلام نہ اتارا ہوتا تو نہ عرش کے اندر صلاحیتِ تحمل تھی اور نہ فرش کے اندر یعنی نہ زمین، نہ آسمان، نہ کوئی پست مخلوق اور نہ کوئی عالی مخلوق، نہ طور اور نہ موسیٰ علیہ السلام، اس کو کوئی تحمل نہ کر سکتا۔ اگر یہ کلامِ خدا مستور نہ ہوتا، پردوں کے اندر چھپا ہوا نہ ہوتا، عبارتوں کے اندر لپٹا ہوا نہ ہوتا تو قابلِ تحمل نہیں تھا،

☆ و لتلاشی......

تلاشیٰ مصدر ہے لاشیٰ سے، یہ تلاش سے نہیں بلکہ لاشیٰ سے ہے، نیست ہو جانے کے معنیٰ میں ہے، تلاشیٰ یعنی لاشیٰ ہو جانا، نابود ہو جانا،

☆ و لتلاشی ما بینهما من سبحات نوره و عظمة برهانه......

نورِ خدا و کلامِ خدا کے اندر اس کی روشنی اور درخشندگی بہت شدید ہے کہ جیسے سورج کی روشنی اور درخشندگی اتنی شدید ہے کہ اگر اسے چھپا کر، مستور کر کے نہ دیکھا جائے تو انسان نگاہ نہیں کر سکتا ہے، آنکھ نابود ہو جائے گی، لاشیٰ ہو جائے گی، نیست ہو جائے گی، انسان کی بینائی نابود ہو جائے گی، اسی طرح سے اگر خداوند نے اپنا کلام ان پردوں کے اندر پنہاں نہ کیا ہوتا، مستور نہ کیا ہوتا، تو شدتِ نورانیت اور درخشندگی کے نتیجے میں ہر شے لاشیٰ ہو جاتی۔ پھر آپ سورۂ مبارکہ شوریٰ کی آیہ (۱۹) کے مفہوم کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ

☆ فالله لطيف بعباده......

مستورِ قرآن لطفِ خدا ہے

پس خدا کتنا کریم ہے؟ کتنا لطیف ہے؟لطفِ خدا شاملِ حالِ عباد ہے،سورج کے نور کو خدا نے کتنے پردوں کے پیچھے ابھی بھی چھپایا ہوا ہے، زمین کے اردگرد کتنی ایسی نامرئی چیزیں ہیں کہ جن سے چھٹ کرسورج کا نورزمین کی طرف آتا ہےاوروہ نور جوچھن کےاورچھٹ کے آتا ہےوہ بھی ہم سے برداشت نہیں ہوسکتا ہے، ورنہ اگر یہ سارے فلٹرز (Filters) ہٹادیئے جائیں،ایک فلٹر یعنی ایک حجاب سے تو ہم سب آشنا ہیں، ماحولیات والوں نے سب کو آشنا کیا ہے اور وہ اوزون تہہ (O-Zone layer) کے نام سے ہے، اوزون ایک فلٹر ہے جوسورج کی شعاعوں کو چھانتا ہے اور اس میں چھننے کے بعد شعاع کا جو مفید حصہ ہے وہ زمین کی طرف آتا ہے، مضر حصے کو وہ وہاں پرروک لیتا ہے، خداوندتبارک وتعالیٰ نے زمین کومحفوظ رکھنے کے لئے زمین کے اردگردتہہ بنا دی ہے تاکہ سورج کا نوراس سے گزرکرآئے ورنہ ہرشے لاشئی ہوجاتی یعنی یہی اوزون ہے کہ جس کی وجہ سے سبزہ اُگتا ہے، بارش ہوتی ہے،موسم معتدل ہوتا ہے، سب کچھ ہوتا ہےاوراگر یہ نہ ہوتا تو گرمی ہی گرمی ہوتی اورکرۂ ارض گلوبل وارمنگ (Global warming) کی وجہ سے اتنا گرم ہوتا کہ اس کے اوپر رہنا ممکن ہی نہیں ہوتا، ابھی انسان نے اس کوتھوڑا متاثر کیا ہے،خودانسان نے خلقتِ خدا کے اندرمداخلت کی ہے تبھی اس کا نتیجہ بھی بھگت رہا ہے لہٰذا ماحولیات کے خراب آثار پیدا ہورہے ہیں اوراس طرح کی فراواں چیزیں ہیں جوزمین کومحفوظ رکھنے کے لئے ہیں کہ جوحجاب ہیں، سورج کا نوران حجابوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے،اس کے باوجودآنکھ سے دیکھا نہیں جا تا ہے،اسی طرح سے نورِالٰہی ہے یعنی کلامِ خدااگر پردوں کے اندرچھپا ہوا نہ ہوتا توانسان کا وجود چندھیا جا تا،انسان

کا وجود لاشئی ونیست ہو جاتا، پس

☆حیث انزل علیهم نور کلامه فی لیالی الاکوان الطبیعیة و حجب الصفات البشریة......

خداوند نے لیالی یعنی راتوں میں یہ کام کیا ہے، لیالی جمعِ لیلہ ہے، کن راتوں میں؟ فراواں راتوں میں یہ کام ہوا ہے، عالمِ مادہ خود ایک رات ہے، عالمِ طبیعت خود ایک رات ہے چونکہ یہ حجاب ہے، پھر لفظ ایک اور رات ہے، خداوند نے لیلہ میں نازل نہیں کیا بلکہ لیالی میں قرآن کو نازل کیا ہے، کئی پردوں میں لپیٹا ہے، ایک لیلہ میں تو اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اس نور کو مدّھم کر سکے، اس نور کو متعدل و ملائم بنا سکے، اسے انسان کی فہم کے لئے عالمِ مادہ میں نازل کیا، الفاظ کی صورت میں نازل کیا، مفاہیم کی صورت میں نازل کیا، یہ سب لیالی ہیں یعنی ان لیالی سے انسان کے لئے اس کی نورانیت تھوڑی معتدل ہوئی۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنا یہ کلام انسانی صفات کے حجابوں کے اندر نازل کیا ہے،

☆ ولولا ان ثبت الله موسی سلام الله علی نبینا و علیه، لما اطاق سماع کلامه............

اگر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو خود نہ بچایا ہوتا، ثبات عطا نہ کیا ہوتا تو وہ ہستی موسیٰ علیہ السلام بھی لاشئی ہو جاتی، یعنی جس طرح

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا......

مستورِ قرآن لطفِ خدا ہے

یعنی اگر خدا نے نہ بچایا ہوتا تو جس طرح سے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوا موسیٰ علیہ السلام بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے، موسیٰ علیہ السلام پردوں کے بغیر تجلیٔ الٰہی کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، یہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ممکن نہیں تھا،

☆ **کما لم یطق الجبل مبادی تجلیه......**

موسیٰ علیہ السلام نے تو پوری کتاب برداشت کر لی لیکن جبل نے آغاز میں ایک جھلک بھی برداشت نہیں کی،

☆ **حیث سار دکاً دکاً......**

کہ وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا،

☆ **ثم العجب ان هذا الکلام مع نزوله......**

ایک طرف سے یہ دیکھیں کہ ابھی جس کلام سے ہمیں سروکار ہے وہ بہت سارے پردوں کے اندر لپٹا ہوا ہے، بہت سارے حجابوں میں مستور ہے، کلامِ نازل یعنی کلامِ مستور، ستر ہے اور ستر کے اوپر ستر ہے اور اس کلام سے ہمیں سروکار ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ یہ کلام باوجود اس کے کہ اتنا نازل ہوا اور اتنا اسے پردوں میں پنہاں کیا گیا تا کہ انسان سمجھ سکے،

☆ **فی طی هذه الحجب الجسمانیة، واحتجابه بسواد هذه الارقام الظلمانیة......**

ان جسمانی پردوں کے پیچھے اور ان ظلمانی یعنی تاریک اور سیاہ پردوں کے پیچھے، چونکہ حجب

کی دو قسمیں ہیں نورانی اور ظلمانی جیسے سورج کے سامنے دو حجاب ہیں، دیواریں اور خود نورانیتِ خورشید، ہم دیوار کے پیچھے سے بھی سورج کو نہیں دیکھ سکتے ہیں اور سورج کی نورانیت کی وجہ سے بھی سورج کو نہیں دیکھ سکتے ہیں، دونوں حجاب ہیں لیکن ایک حجاب نورانی ہے اور ایک ظلمانی ہے، اگر یہ حُجبِ جسمانی وسیاہی نہ ہوتے تو ان تاریک پردوں کے باوجود،

☆ لم يمنع عن مشاهدة انوار الحكمة......

اس نزول کے باوجود پھر بھی انوارِ حکمت پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ ان پردوں کے پیچھے سے حکمت پھر بھی نمایاں ہے، حکمت پھر بھی متجلی ہے، حکمت پھر بھی انسان کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے،

☆ ولمعات جمال الاحدية......

اور خداوند تبارک وتعالیٰ کے جمال کی شعاعیں پھر بھی ان پردوں کے پیچھے سے قرآن کے اندر عیاں ہیں،

☆ بل تنورت الحروف والاصوات بنور المتكلم......

بلکہ انسان اگر غور سے دیکھے تو یہ پردے بھی اس نور سے نورانی ہو گئے ہیں، یہ پردے، یہ تاریکیاں، یہ راتیں کہ جن کے اندر یہ نور لپیٹ کر نازل کیا گیا ہے، اس نور کی نورانیت سے یہ حجاب بھی نورانی ہو گئے ہیں، یہ حروف بھی نورانی ہیں، یہ صوت بھی نورانی ہے،

☆ و تشرفت الكتابة والارقام بشرفه......

مستورِ قرآن لطفِ خدا ہے

اور وہ مقام و منزلت و شرف کہ جو متکلم کا تھا، جو اس ذات کا تھا اس کی وجہ سے عبارت میں بھی وہی نور آ گیا ہے اور کتابت میں بھی وہی نور آ گیا ہے۔

۱۲)قرآن کی حکمت اور عبارت کا تعلق

☆ فكان الصوت للحكمة جسدا و مسكنا......

فکان کے معنی میں بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فکان صار کے معنیٰ میں پڑھیں گے یعنی

فصارت الصوت للحكمة جسدا و مسكنا......

حکمت اصل نورِ خدا ہے اور عبارت و کتابتِ قرآن اس کے لئے پیکر، جسم اور مسکن بن گئی ہے، یہ مطلب بتانے کے لئے کہ قرآن کی حکمت اور عبارت کا آپس میں تعلق روح اور جسد کا ہے یہ ایک خوبصورت تمثیل و تشبیہ ہے۔ یہ حقیقت ہمیں تمام عبادات کے متعلق ذہن میں رکھنی چاہئے، جیسے روزہ ہے چونکہ ماہِ رمضان میں روزہ مقدم ہو جاتا ہے اور نماز ثانوی ہو جاتی ہے، حج کے دنوں میں نماز کے بجائے حج مقدم ہو جاتا ہے، یعنی اپنے تئیں موسمی عبادتیں سمجھ کر، نا، نمازِ علیٰ اپنی حال یعنی ہر صورت میں مقدم ہے، نماز ماہِ رمضان میں بھی روزے پر مقدم ہے، جو مقام نماز کا ہے وہ روزے کا نہیں ہے باوجود اس تمام تر عظمت کے کہ جو روزے کو حاصل ہے لیکن ساری عبادتوں میں ہر عبادت کیلئے یہ حکم ہے کہ عبادت کا ایک جسد ہے، جسم ہے اور روح ہے، قرآن کا جسد ہے اور روح ہے یعنی انسان کا جسد ہے اور روح ہے، اس کائنات کا ایک جسد ہے اور ایک روح ہے، بعض روایات میں

ہے کہ یہ کل عالم جسد ہے اور امام حجتِ خدا، انسانِ کامل اس کی روح ہے، امام بمنزلہ روحِ عالم ہے، جس طرح انسان کے لئے روح ہے، اس جسم کے اندر روح ہے اور روح اساس و بنیاد ہے، جسم کی حیات روح کی وجہ سے ہے، اگر روح نہ ہو تو جسم مردہ ہے، بیکار ہے اسی طرح عبادتوں کے اندر اگر جسم ہو مثلاً روزے میں بھوکا رہنا، یعنی فاقہ جسمِ روزہ ہے اور روحِ روزہ حقیقتِ دیگر ہے۔

اسی طرح عباراتِ قرآن جسمِ قرآن ہے اور حکمت روحِ قرآن ہے، احکامِ عبادات جسمِ عبادات ہیں، طہارت، وضو، پاک لباس، قبلہ رو ہونا، تکبیرۃ الاحرام، فاتحہ، عربی پڑھنا جسمِ عبادت ہے اور اس عبادت کے اندر ایک روح موجود ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی حیات ہے، جو اجارے میں صرف جسم پڑھتے ہیں روح نہیں پڑھتی ہے۔ چونکہ جنت کا آسرا آ گیا ہے کہ اسی جسم سے جنت مل جاتی ہے، ہمیں بھی جنت جانا ہے، خدا تک تو نہیں جانا ہے، اس وجہ سے روح کی عبادت کو ضرورت نہیں سمجھتے ہیں، نا، زندہ عبادت اور حیاتِ عبادت روح کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں حکمت روح ہے اور باقی یہ ظواہر الفاظ، صوت، یہ سب اس کا جسد ہے،

☆ **و نور الحکمة للصوت نفساً و روحاً......**

قرآن کی عبارتیں، الفاظ جسم ہیں اور قرآن کے اندر ان کی روح حکمت ہے،

☆ **فکما ان اجساد البشر تکرم بکرامة الروح......**

جس طرح سے انسانی جسم کی کرامت، انسانی جسم کا احترام اس کی روح کی وجہ سے ہے، ورنہ اگر روح نہ ہو تو اس کا کوئی احترام نہیں ہے، حتیٰ مرنے کے بعد بھی جو اس کا احترام کرتے ہیں وہ

بھی روح کی وجہ سے کرتے ہیں کہ کل تک اس میں روح تھی ورنہ روح ختم ہوتے ہی وہ غیرِ محترم ہوگیا، جماد بن گیا، جب تک ایک جسم جمادی ہے وہ جسم غیرِ محترم ہے، جب تک روح کے ساتھ ہے تو جسم کی قیمت ہے، جب اس کا تعلق روح سے ہٹ گیا، ختم ہوگیا تو یہ بے قیمت ہے، لیکن پھر بھی کیوں احترام ہے؟ پھر اس کے بارے میں اتنے احکام کیوں ہیں؟ یہ اس وجہ سے ہیں کہ کل تک اس کا تعلق روح سے تھا یعنی سابقہ کسی چیز کا احترام ہے۔

جیسے طالب علموں کی اصطلاح ہے کہ جو مدرسوں کے مختلف علوم میں پڑھتے ہیں کہ وصف بلحاظ متعلقِ موصوف یعنی یہ صفت موصوف کی اپنی نہیں ہے، یہ موصوف کے کسی پڑوسی کی صفت ہے، پڑوس میں ہونے کی وجہ سے ہم یہ صفت موصوف کی طرف نسبت دے رہے ہیں، عموماً ہم بہت ساری چیزوں کا احترام اسی وجہ سے کرتے ہیں، ان کا احترام نہیں ہے کہ جن کے پاس یہ چیزیں ہیں بلکہ کسی اور کی وجہ سے احترام کرتے ہیں مثلاً آپ ایک مہمان کا احترام کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں؟ چونکہ اس کا میزبان محترم ہے، چونکہ یہ ان کا مہمان ہے اس وجہ سے میں اس کا احترام کرتا ہوں یا آپ فلاں آدمی کا احترام کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ میرے دوست کا دوست ہے، جاننے والا ہے، اس کے علاقے سے ہے، اس وجہ سے اس کا احترام کرتا ہوں۔

ایک استادِ بزرگوار اکثر یہ مثال دیا کرتے تھے کہ جیسے یہ نالائق آقا زادے ہیں یعنی علماء کی اولاد، ان کا احترام لوگ بہت کرتے ہیں، بیٹے عموماً نالائق ہوتے ہیں، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ان کی سب سے بڑی نالائقی یہ ہے کہ یہ باپ کی کتابیں اٹھا کر بیچ دیتے ہیں، یہ فٹپاتھوں

(Footpaths) پہ جو بڑی قیمتی کتابیں بکھری ہوتی ہیں انہیں یہی آقازادے اٹھا کر بیچ دیتے ہیں، ان کا لوگ بہت احترام کرتے ہیں کہ یہ فلاں آقا کا بیٹا ہے، یہ احترام کس کا ہے؟ یہ آقا کا احترام ہے، آقا کی وجہ سے ہے، یہ احترام حقیقت میں اس آقازادے کا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آقا سے ہے لہٰذا ان کی وجہ سے ہم اس کا احترام کرتے ہیں، اس کو ہم مجازی احترام کہتے ہیں، یہ حقیقی احترام نہیں ہے، البتہ اس زمانے میں آقا کا احترام آقازادے کی وجہ سے کرتے ہیں چونکہ سارے اختیارات آقازادے کے پاس ہوتے ہیں اس وجہ سے آقا کی اہمیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

غرض اگر جسم محترم ہیں تو روح کی وجہ سے محترم ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جسمِ مومن کا احترام کرو یا حتیٰ جسمِ انسان کا احترام کرو، اس کا کیوں احترام کرو؟ چونکہ کل تک روحِ انسانی اس کے ساتھ تھی، روح جسم کے پڑوس میں ہے، اس پڑوسی کا احترام ہے کہ جو اس کو حاصل ہوگیا ہے نہ کہ اس کا اپنا احترام ہے، اسی طرح قرآن کی عربی عبارت کا احترام کرو، اس میں کرامت ہے واقعاً اس کو تقدس حاصل ہے، یہ عربی الفاظ کا، عربی کتابت کا، عربی حروف کا تقدس کہاں سے ہوا؟ اس حکمت کی وجہ سے کہ جو ان کی روح ہے اور ان الفاظ کے اندر پنہاں ہے۔

☆ فکذلک اصوات الکلام تکرم و تشرف بشرف الحکمة التی فیھا......

اسی طرح اس حکمت کی وجہ سے اس کلام کی کرامت اور شرف بھی ہے،

☆ اولا تری انه رفیع المنزلة نافذالحکم فی القلوب و البواطن......

کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قرآن کس قدر دلوں کے اندر اثر کرتا ہے، دلوں کے اندر عربی عبارت تو اثر نہیں کرتی ہے بلکہ وہ حکمت ہے کہ جو دلوں کے اندر اثر کرتی ہے، الفاظ صرف الفاظ ہیں، الفاظ علم نہیں ہیں لیکن انڈیا و پاکستان میں الفاظ علم ہیں، انگریزی زبان نہیں ہے بلکہ علم ہے، عربی بھی ایسے ہی ہے چونکہ وہ انگلش پڑھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور یہ عربی پڑھ کر عالم ہو جاتے ہیں، ادبیات ختم کی اور حجۃ الاسلام ہو گئے، اسلام ابھی شروع نہیں کیا ہے، صرف ابھی سیوطی ختم کی ہے اور حجۃ الاسلام ہو گیا یعنی جیسے دینی مدرسوں میں عربی علم ہے اسی طرح دنیوی مدرسوں میں انگریزی علم ہے، جو انگریزی جانتا ہے وہ بہت بڑا علامہ بن جاتا ہے لیکن انگریزوں کے ہاں انگریزی علم نہیں ہے بلکہ وہ اس کو زبان ہی سمجھتے ہیں۔

پوری دنیا میں انگریزی زبان ہے، عربی بھی زبان ہے لیکن پاکستان اور ہندوستان کے مدارس میں عربی اور انگریزی دونوں علم ہیں۔ حالانکہ یہ صرف زبانیں ہیں، الفاظ ہیں، الفاظ کی حد تک ہیں، ان الفاظ کا تقدس اور ان الفاظ کی کرامت ان کے اندر موجود حکمت کی وجہ سے ہے چونکہ ان الفاظ کے اندر حکمت ہے یا یہ الفاظ حکمت پر دلالت کرتے ہیں یا ان الفاظ کے پردوں کے پیچھے حکمت موجود ہے لہٰذا اس حکمت کے نور نے الفاظ کو مقدس بنا دیا ہے ورنہ الفاظ کا تقدس اپنا نہیں ہے۔

۱۳)قرآن، نورِ حکمت

☆ فكيف على الابدان و الظواهر؟......

یعنی جس طرح سے اس کا اثر دلوں کے اندر ہوتا ہے اسی طرح سے ابدان اور ظواہر پر بھی ہوتا ہے۔

☆ حيث لا طاقة للباطل ان يقوم بين يدى شعاع الحكمة......

حکمت کے نور کے سامنے ظلمت ٹک نہیں سکتی ہے، جس طرح سے سورج کی شعاع کے سامنے ظلمت ٹک نہیں سکتی ہے۔ بشرطیکہ حکمت ہو، نورِ حکمت ہو، باطل ظلمت ہے، جب نورِ حکمت تجلی کرتا ہے، شمسِ حکمت طلوع ہوتا ہے تو شبِ ظلمت ختم ہو جاتی ہے، جس طرح سے یہ شمس صبح طلوع ہوگا تو ساری تاریکی ختم ہو جائے گی، کس کی وجہ سے؟ شمس کی وجہ سے، اس کی شعاعِ نورانی کی وجہ سے یہ ساری تاریکی بھاگ جائے گی، ختم اور نابود ہو جائے گی۔ زمانے میں، انسانوں کے ذہنوں میں، اعتقادات میں اور انسانی معاشرے کے اندر باطل کیوں موجود ہے؟ اس لئے کہ شمسِ حکمتِ قرآن طلوع نہیں ہوا ہے، وہ ابھی بھی پردوں کے پیچھے، الفاظ کے بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے، ابھی افق سے طلوع نہیں ہوا ہے، افق سے کہاں طلوع ہوگا؟ کسی عالم کے دل پر، کسی مومن کے دل پر طلوع ہوگا، اگر یہ دل آمادہ ہو اور اس کے اندر شمسِ حکمتِ قرآن طلوع ہو تو اس دل سے باطل اور ظلمت ختم ہو جائے گی یعنی ممکن نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے ہاں سورج طلوع ہو گیا ہے لیکن ابھی رات ختم نہیں ہوئی ہے، لوگ اسے دیوانہ کہیں گے کہ بھلا یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ سورج طلوع ہو گیا

قرآن، نورِ حکمت

ہو لیکن ابھی رات ختم نہیں ہوئی ہو؟ اور رات کی جرأت کہاں ہے کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد باقی رہے؟

اگر کسی کے دل میں قرآن کا نور طلوع ہو جائے اور پھر اس کے دل کے اندر باطل آ جائے، نجاست، پلیدی اور رجس آ جائے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی کہے کہ میں قرآن پڑھ کر ابھی بھی مشکل میں ہوں، باطل پھر بھی ذہن میں آتا ہے، وسوسہ پھر بھی ذہن میں آتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی طلوع نہیں ہوا ہے، ابھی خواب دیکھ رہے ہو، جس طرح روزے میں کھانے کا خواب آتا ہے۔ روزے کی حالت میں آدمی سوئے تو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ کچھ نہ کچھ کھا رہا ہے مگر کھا کر پھر بھی بھوکا ہی ہے، اسی طرح بعض اوقات انسان خواب دیکھتا ہے کہ میرے اندر نورِ حکمت طلوع ہو گیا ہے، یہ خواب ہے اگر نورِ حکمت طلوع ہوتا تو انسان کے اندر باطل موجود نہ ہوتا،

☆ **كما لا يستطيع الظلمة ان يقوم قدام شعاع الشمس، و كما لا طاقة لضعفاء الابصار ان ينفذوا بابصارهم ضوء عين الشمس......**

جس طرح سے کمزور آنکھوں والوں کی طاقت نہیں ہے کہ وہ آنکھ بھر کر سورج کو دیکھ سکیں، سورج کے اوپر نظر جما سکیں،

☆ **ولكن ينالون به على قدر ما يجيىء به ابصارهم......**

دیکھتے ہیں مگر سورج کی طرف مستقیم نگاہ نہیں کرتے ہیں، ڈائریکٹ (Direct) نگاہ نہیں کرتے ہیں،

☆ ویتسببون به الی حوایجهم، ویهتدون الی معایشهم......

سورج کی پھیلی ہوئی روشنی میں اپنی حوائج اور ضروریات پوری کر لیتے ہیں، اسی طرح سے ہم سورج کو دیکھے بغیر کھیتوں میں سورج کی روشنی کے اثر سے جو فصل پکتی ہے اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں، جو پھل پکتے ہیں اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور سورج کی روشنی سے ہمیں جو جو فائدے حاصل کر سکتے ہیں وہ کر لیتے ہیں لیکن سورج کی روشنی کی طرف نگاہ نہیں کرتے ہیں، اسی طرح جو ضعفاء و کمزور لوگ ہیں وہ قرآن کی روشنی میں اپنی معاش پوری کر لیتے ہیں، جس طرح سورج کی روشنی میں فقط معیشت کے چکر میں ہیں لیکن سورج کے نور کی طرف نگاہ نہیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ قرآن کی نورانیت کے سائے میں فقط اپنی معیشت کے حصول کے چکر میں ہیں لیکن قرآن کے نور کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں،

☆ فکذلک لاطاقة لضعفاء العقول والبصائر......

اسی طرح جن کی بصیرت اور عقل ضعیف ہے ان کے اندر بھی طاقت نہیں ہے،

☆ ان ینفذوا ببصائرهم نور عین الحکمة القرآنية......

وہ بھی حکمتِ قرآنیہ کو تحمل نہیں کر سکتے ہیں،

☆ ولکن ینالون منه علی قدر ما یستدلون به علی صحة الاعتقاد الذی به حیوة العباد یوم المعاد......

فقط اس حد تک کہ قرآن کی ایک آیت لے کر اپنے عقیدے پر استدلال کر لیتے ہیں، کسی

مطلب سے اپنا مسلکِ دینی حل کر لیتے، اپنا مدعا ثابت کر لیتے ہیں،

☆ و یھتدون بہ الی مصالح دینھم و دنیاھم......

اس حدتک قرآن سے تمسک کرتے ہیں،

☆ و احکام اولاھم و اخراھم......

کبھی کوئی (Case) کیس بن جائے تو کسی آیتِ قرآنی کا سہارا لے لیتے ہیں، کبھی جھگڑا ہو تو کسی آیت کی پناہ میں چلے جاتے ہیں، کبھی کوئی مفاد پھنس جائے تو آیتِ قرآن کے ذریعے سے اپنا مفادِ دنیوی یا دینی حاصل کر لیتے ہیں لیکن بارگاہِ قرآن میں حاضر نہیں ہوتے ہیں، ضرورت کے وقت کوئی ایک آیت پکڑ کر اس سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں،

☆ فالقرآن کالملک المحجوب......

قرآن اس بادشاہ کی طرح ہے کہ جو پردوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا ہے،

☆ الغائب وجھہ......

جس کا چہرہ نظر نہیں آتا ہے،

☆ والظاھر امرہ و حکمہ......

لیکن اسکے فرامین ساری مملکت میں چل رہے ہوتے ہیں، لوگ اس کے فرامین سے اپنی ضرورتیں پوری کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس بادشاہ وشہنشاہ کی ضرورت انسانوں کو نہیں ہوتی ہے،

☆ وقد یھتدی الیہ و بہ من یقف علی سرہ......

لیکن جس کو سلطان کی حقیقت پتہ چل جائے وہ پھر اس کے فرمان کے ذریعے سے اس کی حقیقت تک پہنچتا ہے، خود اس تک رسائی پیدا کرتا ہے،

☆ فهو مفتاح خزائن الملک والملکوت......

اس کے فرامین اور اس کی ہدایات چابیاں بن جاتی ہیں، خود صاحبِ حکم کی طرف جانے کے لئے اس کی آیات دروازے بن جاتی ہیں۔

۱۴) قرآن، مشروبِ حیات

☆ وشراب الحیوة الذی من شرب منه لم یمت ابداً......

قرآن کے اندر وہ مشروب ہے کہ انسان کو ایک گھونٹ مل جائے تو کبھی بھی موت نہیں آئے گی، یہ آیات اس مشروب کے لئے، اس شراب کے لئے درحقیقت مفاتیح بن جاتی ہیں، زیادہ پریشان نہ ہوں شراب اصطلاحِ قرآن ہے، آیتِ قرآن ہے کہ

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ......(۲۳)

اور انہیں ان کا پروردگار پاکیزہ شراب سے سیراب کرے گا۔

پہلے بھی مثال دی تھی کہ ایک بے ادب کی وجہ سے سارے درس معطل ہو گئے تھے، اسی بے ادب ہی کی ایک گفتگو یہ بھی تھی کہ اس نے کہا کہ آپ لوگ یہ کیا جملے استعمال کرتے ہو؟ مثلاً شراب، مے اور میخانہ وفلاں وفلاں، یہ کیوں اپنی کتابوں میں لکھتے ہو اور اپنی باتوں میں کہتے ہو؟ استاد نے

جواب دیا کہ یہ قرآن میں ہے، شراب کا تذکرہ قرآن میں ہے، کہا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ تو انہوں نے آیت پڑھ کر سنائی،

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا......

تو اس نے کہا کہ آپ کی گستاخی کی حد یہ ہوگئی ہے کہ قرآن میں بھی آیتیں جال کر کے ڈالتے ہو؟ یعنی اس انسان نے عمر بھر میں قرآن ہی نہیں پڑھا تھا، اس کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ آیتِ قرآن ہے۔

☆ ودواء اسقام الجهالات......

قرآن دوا ہے، شفاء ہے،

☆ وشفا امراض ذمائم الصفات التی من سقی منه شربة لم یسقم اصلا......

اور اگر انسان اس دوا کا ایک گھونٹ پی لے تو عمر بھر بلکہ ابد تک کبھی بیمار نہیں ہوگا، بشرطیکہ اجارہ چھوڑ دے، اس نور و حکمت تک پہنچے، پردوں کے پیچھے سے قرآن کی حقیقت تک پہنچے، روایت میں بھی ہے کہ اگر انسان ایک آیتِ قرآن کو درک کر لے تو نجات یافتہ ہے، چونکہ وہ ایک آیتِ قرآن درحقیقت کلِ قرآن کے ساتھ مربوط ہے، قرآنی آیات کٹے ہوئے جزیرے نہیں ہیں بلکہ معرفت اور ہدایت کا ایک مربوط مجموعہ ہے، ایک آیت انسان کو پورے نظام سے وابستہ کر دیتی ہے، جس طرح ایک نبی سے رابطہ کل انبیاء علیہم السلام سے رابطہ ہے۔

نــام احــمــدؐ نــام جـمـلـه انبیـاسـت

چون که صد آمد نود هم پیش ماست......(۲۴)

آپ ایک احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرلو، احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ تو گویا سارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لے آئے۔

پس فقط ایک آیتِ قرآن انسان کو کلِ قرآن سے مربوط کر دیتی ہے بشرطیکہ انسان اس کو درک کرے، اس کی عظمت کو درک کرے، اس کے نور کو سمجھے کہ میں کس کی بارگاہ میں موجود ہوں۔لہٰذا یہ ادب قرآن فہمی میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے اور اگر انسان اس ادب پر عمل کرلے تو انسان کیلئے معرفت کا دوسرا در خود کھل جاتا ہے۔ادبِ دوم انشاءاللہ اگلی فصل میں درج کیا جائے گا۔

حوالہ جات

(۱)......(الانسان الکامل فی نہج البلاغة،الجزء ۲،صفحه ۱)(بھج الصباغة فی شرح نھج البلاغة)(پیام امام امیر المؤمنینؑ)(ترجمہ نہج البلاغہ - انصاریان) (قرآن در نہج البلاغہ)(قرآن در آیینہ نہج البلاغہ) (مھدیؑ منتظر در نہج البلاغہ)(شرح نھج البلاغة- ابن ابی الحدید)

(۲)......(سورۂ مبارکہ قمر،آیہ ۴۰،۳۲،۲۲،۱۷)

(۳)......(سورۂ مبارکہ بقرہ،آیہ ۵۵)

(۴)......(مثنوی معنوی،بہ تصحیح :رینولد ا.نیکلسون،دفتر سوم،صفحه ۱۰۵)

(۵)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران،آیہ ۱۹۳)

(۶)......(ارشاد القلوب،الجزء ۴۶،صفحه ۲)(متشابه القرآن،الجزء ۱، صفحه ۱۱۶)(مختصر بصائر الدرجات- الحسن بن سلیمان الحلی، الجزء ۱،صفحه ۱۶۷)(مستدرک سفینة البحار - العلامة آیة اللّٰه الشیخ علی النمازی،الجزء ۳،صفحه ۴۴۰)

(۷)......(أهل البیت فی تفاسیر أهل السنة)

(۸)......(سورۂ مبارکہ اعراف،آیہ ۱۴۳)

(۹)......(سورۂ مبارکہ نساء،آیہ ۱۵۳)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ حشر،آیہ ۲۱)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ اعراف،آیہ ۱۴۳)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ قدر، آیہ ۱)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ دخان، آیہ ۳)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ قدر، آیہ ۳)

(۱۵)......(فی رحاب القرآن)(الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰہِ المُنزَل -الشَیخ نَاصِر مَکارم الشِیزازی مدظلہ، الجزء۸، صفحہ ۳۲۴)(النظام القرآنی)(التفسیر و المفسرون)(فی رحاب القرآن)(التفسیر الصافی - الفیض الکاشانیؒ، الجزء۱، صفحہ۷۷)(بحار الأنوار، الجزء۸۹، صفحہ۱۰۷)(مستدرک سفینة البحار، الجزء۲، صفحہ ۸۳)

(۱۶)......(التحفة السنية)

(۱۷)......(الکافی - الکلینیؒ، الجزء۸، صفحہ۳۲۷)(میزان الحکمة- الریشهری، الجزء۸، صفحہ۱۸۶)(الوجیز فی أصول العقائدوأحکام التقلید و البلوغ، الجزء۱، صفحہ۲۱)

(۱۸)......(ارشاد القلوب، الجزء۴۶، صفحہ ۲)(متشابه القرآن، الجزء۱، صفحہ ۱۱۶)(مختصر بصائر الدرجات - الحسن بن سلیمان الحلیؒ، الجزء۱، صفحہ۱۶۷)(مستدرک سفینة البحار -آیة اللّٰہ الشیخ علی النمازی، الجزء۳، صفحہ۴۴۰)

(۱۹)......(اثنا عشر رسالة - المحقق الدامادؒ، الجزء۸، صفحہ ۱۱)(اسرارِ نماز)(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی- شهاب الدین محمود بن عبد اللّٰہ الحسینی الألوسی، المتوفی: ۱۲۷۰ھ، الجزء۱، صفحہ ۴۱۴)

(۲۰)......(سورۂ مبارکہ ق، آیہ ۱۶)

(۲۱)......(سورۂ مبارکہ انفال، آیہ ۲۴)

(۲۲)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۸۵)

(۲۳)......(سورۂ مبارکہ انسان، آیہ ۲۱)

(۲۴)......(مثنوی معنوی، بہ تصحیح :رینولد ا.نیکلسون، دفتر اول، صفحہ ۵۳)

فصلِ ادبِ دوم

طہارتِ قلب

(حصّہ اوّل)

۱)طہارتِ قلب کی ضرورت

۲)قلب سے مراد

۳)قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں؟

٤)قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام

٥)حقیقی دل اور اعزازی دل

٦)خود فراموشی،خدا فراموشی کا نتیجہ

۷)قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

۸)قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام

۹)قرآن ظرفِ نورانی پر اترتا ہے

۱۰)طہارتِ ظاہری و طہارتِ باطنی

۱۱)طہارت کے درجے

۱) طہارتِ قلب کی ضرورت

آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ دُوم طہارتِ قلب ہے چونکہ ظرفِ نزولِ قرآن دل ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو قلبِ نورانیٔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے اور نزول سے مراد فہمِ قرآن ہے، نزولِ قرآن بر قلب بھی فہم سے ہی مناسبت رکھتا ہے۔ قرآن مسلسل حالتِ نزول میں ہے، قرآن کا ایک نزولِ مسلسل و مستمر ہے یعنی ہر وہ شخص کہ جس تک قرآن پہنچ رہا ہے یہ درحقیقت نزولِ قرآن ہے، قرآن کا لوحِ محفوظ سے قلبِ نورانیٔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آنا بھی نزول ہے اور یہ بھی اسی مطلب پر ایک دلیل ہے کہ نزول سے مراد قابلِ فہم بنانا ہے، خداوند تعالیٰ نے قرآن کو نازل قرار دیا ہے یعنی عام معمولی انسانوں کے لئے قابلِ فہم قرار دیا ہے، ان کی سطحِ ذہنی اور سطحِ فہم تک قرآن کو نازل کیا ہے، اس نور کو مختلف حجابوں میں مستور کر کے انسان کی دسترس میں قرار دیا ہے اور محلِ نزول کاغذ نہیں ہے، جلد نہیں ہے اور کوئی صفحہ نہیں ہے بلکہ خود قلبِ انسان ہے۔

قلب پر نازل ہونے کے معانی بھی یہی ہیں کہ نزول کا تعلق فہم سے ہے، یہ نزول بر فہم ہے اور قرآن کا قلبِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلوبِ مومنین تک آنا اور دسترسِ انسان میں آنا بھی نزول ہے یعنی یہ بھی فہمِ قرآن ہے لیکن جب تک یہ دل تیار نہ ہو، آمادہ نہ ہو اور قرآن سے اس کی مناسبت نہ بن جائے تو ہرگز قرآن دل میں نہیں اترتا ہے چونکہ قرآن نور ہے اور نور رفقط ظرفِ نورانی میں اترتا ہے، پس محلِ نزولِ قرآن قلبِ انسان ہے لہٰذا پہلے انسان اپنے دل کی تطہیر کریں، تزکیہ کریں اور پھر اس کے بعد اس کو نزولِ قرآن کے لئے آمادہ کریں، شہرِ رمضان محلِ ظرفِ نزولِ قرآن ہے، ظرفِ زمانی

ہے اور خداوند تبارک وتعالیٰ نے ماہِ رمضان میں صیام واجب قرار دیا اور صوم کی حکمت تقویٰ رکھی ہے یعنی تزکیہ دل رکھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ (١)

اے صاحبانِ ایمان تمہارے اوپر روزے اسی طرح لکھ دیئے گئے ہیں جس طرح تمہارے پہلے والوں پر لکھے گئے تھے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ۔

یعنی روزے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تمہارا دل متقی ہو جائے، پاک وصاف ہو جائے اور جب یہ دل پاک ہوگا تو اس کے اندر قرآن نازل ہوگا پس روزہ درحقیقت انسان کے دل کو قرآن کی فہم کے لئے آمادہ کرتا ہے اور تطہیرِ قلب کا کام کرتا ہے۔

۲) قلب سے مراد

قلب مرکزِ فہمِ انسان ہے۔ دل سے مراد یہ دل نہیں ہے کہ جو انسان کے سینے میں دھڑکتا ہے، قلبِ مافی الصدر سے مراد بھی کہ جسے قرآن نے استعمال کیا ہے وہ دل نہیں ہے، اس کا کام فقط خون پہنچانا ہے، یہ ایک جسمانی چیز ہے اور اس کا عمل بھی جسمانی ہے اگرچہ اس کا قلبِ حقیقی سے تعلق ہے چونکہ انسان روح ہے اور روح وجسم کا آپس میں ناتا اور رابطہ ہے، جیسے آنکھ کھلتی ہے تو روح دیکھنے کے قابل ہوتی ہے یا زبان چلتی ہے تو روح بولتی ہے، انسان کا جسم تو نہیں بولتا ہے بلکہ نفسِ

قلب سے مراد

انسان تکلم کرتا ہے، روحِ انسان متکلمِ حقیقی ہے لیکن اگر زبان نہ چلے تو روح تکلم نہیں کرتی ہے یا تکلمِ روح ظاہر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح آواز کان میں پڑے تو روح سنتی ہے، حقیقتاً سامنے روحِ انسان ہے، نفسِ انسان ہے، اسی طرح فہم بھی روح کا کام ہے، نفس کا کام ہے اور قلب اسی مرکزِ فہم کو کہتے ہیں۔

کبھی قرآن کا مطالعہ موضوعِ قلب کے عنوان سے کریں، سات دن میں قرآن کا ایک دورہ کریں، موضوع کے لحاظ سے دیکھیں کہ قلب کا تذکرہ قرآن نے کہاں کہاں کیا ہے؟ اور کس مناسبت سے ہے؟ پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھیں البتہ سہولت بھی موجود ہے، معجم دیکھ کر جن آیات میں قلب کا تذکرہ ہے اس کو تلاش کر سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ دل کا تذکرہ دل کے نام سے ہی ہو، قلب کا تذکرہ قلب کے عنوان سے ہی ہو، ممکن ہے مادہ قلب استعمال نہیں ہوا ہو بلکہ کسی اور صدر کے ذریعے سے مثلاً فہم کے ذریعے سے، تعقل کے ذریعے سے اور بہت سارے عناوین سے قرآن نے قلب کا ذکر کیا ہو، معجم سے بھی کام لے سکتے ہیں لیکن بہتر ہے کہ اول سے یعنی بسم اللہ سے لے کر والناس تک ایک دفعہ دیکھیں کہ دل اور دل کے مترادف، ہم معنیٰ اور قریب المعنیٰ الفاظ قرآن نے کس لئے استعمال کئے ہیں؟ پھر ہمیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ دل کیا چیز ہے؟ دل سے متعلق قرآنی اصطلاحات واستعمالات کا محصول وماحصل یہ ہے کہ دل مرکزِ فہمِ انسان ہے۔

صدرالمتالہینؒ نے ایک شعر نقل کیا ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیشہ جگہوں کے نام، مقامات کے نام ان چیزوں کی وجہ سے پڑتے ہیں کہ جو چیزیں ان کے اندر موجود ہیں، مثلاً جہاں پر

قلب سے مراد

جانور باندھے جائیں اس کو کیا کہیں گے؟ باڑہ، طویلہ یعنی جہاں ریوڑ باندھا جائے اور جہاں گاڑیاں کھڑی کی جائیں اس کو گیرج (Garage) کہیں گے، جہاں پر غلہ انبار کیا جائے اس کو گودام (Godown) یا اسٹور (Store) کہیں گے اور وہیں سے غلے کی بوریاں اٹھا کر گھوڑے باندھیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ اصطبل، جہاں صنعتی اشیاء رکھی جاتی ہیں اسے ویئر ہاؤس (Warehouse) کہیں گے یعنی جگہ کا نام چیز کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے اندر پڑی ہوئی ہے، ظرف کا نام مظروف کی وجہ سے ہے، مثلاً آپ نے ایک شیڈ (Shed) بنایا کہ جو خالی شیڈ ہے، اس کو کچھ بھی نہیں کہیں گے، نہ گودام کہیں گے اور نہ ہی اصطبل کہیں گے، پہلے انتظار کریں گے کہ اس میں کچھ رکھا جائے تا کہ پتہ چلے کہ یہ کیا ہے؟ اگر آپ نے اس میں گاڑیاں کھڑی کرنی شروع کر دیں تو اسی کو گیرج کہیں گے، اگر آپ نے اسی میں گھوڑے باندھ دیئے اسی کو اصطبل کہیں گے، اگر آپ نے اسی میں بوریاں رکھی ہیں تو اس کو گودام کہیں گے، اگر ان اشیاء کی وجہ سے نام پڑتا ہے تو پھر دل کس کو کہتے ہیں؟ دل اس کو کہتے ہیں کہ جس میں یادِ خدا ہو۔ امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

اَلْقَلْبُ حَرَمُ اللّٰهِ......(۲)

دل اللہ کا حرم ہے......

قلب اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں یادِ خدا ہو، جس میں یادِ خدا نہ ہو تو اس کو دل نہیں کہتے ہیں صدر المتالھین فرماتے ہیں کہ بعض نے اس کو دل غلط کہا ہے، پہلے ان کے اندر جا کر دیکھو کہ کیا ہے؟ مثلاً جہاں حبِ مال ہو، صبح و شام مال کی فکر میں ہو تو اس کو آپ کیا کہیں گے؟ اس کو دل تو نہیں کہہ سکتے

ہو بلکہ اس کو بینک کہیں گے، بعض ایسے ہیں کہ جن کو غلوں سے زیادہ رغبت ہے، غذاؤں سے زیادہ رغبت ہے تو یہ تو گودام ہے دل نہیں ہے، بعض ایسے ہیں کہ جن کو گاڑیوں کی محبت ہے تو یہ تو گیرج ہے دل نہیں ہے لہٰذا اکثر دل کہ جن کو ہم دل کہتے ہیں اگر ان کا دروازہ کھول کر دیکھیں تو یا گودام ہوں گے یا اصطبل ہوں گے اور اصطبل و گودام میں خدا نہیں ہے اور نہ پاکی و تطہیر ہے۔

۳) قلب کو قلب کیوں کہتے ہیں؟

دل کو دل کس وجہ سے کہتے ہیں؟ قلب کو قلب کس وجہ سے کہتے ہیں؟ تقلب کی وجہ سے اسے قلب کہتے ہیں یعنی دائماً ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتا رہتا ہے اور چونکہ یہ دل بھی کہ جو سینے میں ہے، جو پمپ کا کام کرتا ہے یہ بھی دائماً حالت بدلتا رہتا ہے، ایک حال سے دوسرے حال میں جاتا رہتا ہے اس وجہ سے اس کو بھی دل کہتے ہیں، قلبِ حقیقیِ انسان بھی اسی طرح سے ہے، دائماً ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

٤) قرآن کے مطابق قلب کی مختلف حالتیں اور اقسام

قرآن مجید نے بطورِ مفصل قلبِ انسان کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے مختلف حالات اور اقسام ذکر کی ہیں۔ مثبت حالات، منفی حالات اور مناسب و نامناسب حالات دونوں ذکر کئے ہیں، ذیل میں ان کی فہرست درج کی جارہی ہے۔

۱)**قلبِ غلیظ:** (سورۂ آلِ عمران ۳، آیہ ۱۵۹)

۲)**قلبِ سلیم:** (سورۂ شعراء ۲۶، آیہ ۸۹)(سورۂ صافات ۳۷، آیہ ۸۴)

۳)**قلبِ متکبر و جبار:** (سورۂ غافر ۴۰، آیہ ۳۵)

٤)**قلبِ منیب:** (سورۂ ق ۵۰، آیہ ۳۳)

٥)**قلبِ اثیم:** (سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۲۸۳)

٦)**قلبِ مطمئن:** (سورۂ نحل ۱۶، آیہ ۱۰۶)(سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۲۶۰)(سورۂ رعد ۱۳، آیہ ۲۸)

(سورۂ انفال ۸، آیہ ۱۰)

۷)**قلبِ غافل:** (سورۂ کھف ۱۸، آیہ ۲۸)

۸)**قلبِ مریض:** (سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۶۰ & ۳۲، ۱۲)(سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۱۰&۷)

(سورۂ مائدہ ۵، آیہ ۵۲)(سورۂ انفال ۸، آیہ ۴۹)(سورۂ توبہ ۹، آیہ ۱۲۵)

(سورہ نور ۲۴، آیہ ۵۰)(سورۂ محمدؐ ۴۷، آیہ ۲۹ & ۲۰)(سورۂ مدثر ۷۴، آیہ ۳۱)

۹)**قلبِ مختوم:** (سورۂ جاثیہ ۴۵، آیہ ۲۳)(سورۂ انعام ٦، آیہ ۴٦)

۱۰)**قلبِ واحد:** (سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۴)

۱۱)**قلبِ مرعوب:** (سورۂ آلِ عمران ۳، آیہ ۱۵۱)(سورۂ انفال ۸، آیہ ۱۲)

(سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۲۶) (سورۂ حشر ۵۹، آیہ ۲)

۱۲)قلبِ مطبوع: (سورۂ اعراف ۷، آیہ ۱۰۱) (سورۂ یونس ۱۰، آیہ ۷۴)

(سورۂ روم ۳۰، آیہ ۵۹) (سورۂ اعراف ۷، آیہ ۱۰۰) (سورۂ توبہ ۹، آیہ ۹۳&۸۷) (سورۂ نحل ۱۶، آیہ ۱۰۸) (سورۂ محمد ۴۷، آیہ ۱۶)

(سورۂ منافقون ۶۳، آیہ ۳)

۱۳)قلبِ نافہم: (سورۂ اعراف ۷، آیہ ۱۷۹)

۱۴)قلبِ مزیغ: (سورۂ توبہ ۹، آیہ ۱۱۷) (سورۂ آلِ عمران ۳، آیہ ۸)

(سورۂ صف ۶۱، آیہ ۵)

۱۵)قلبِ متقی: (سورۂ حج ۲۲، آیہ ۳۲)

۱۶)قلبِ عاقل: (سورۂ حج ۲۲، آیہ ۴۶)

۱۷)قلبِ اعمٰی: (سورۂ حج ۲۲، آیہ ۴۶)

۱۸)قلبِ متقلب: (سورۂ نور ۲۴، آیہ ۳۷)

۱۹)قلبِ مشمئز: (سورۂ زمر ۳۹، آیہ ۴۵)

۲۰)قلوب در حناجر: (سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۱۰) (سورۂ غافر ۴۰، آیہ ۱۸)

۲۱)قلبِ مقفل: (سورۂ محمدؐ ۴۷، آیہ ۲۴)

٢٢)قلب با سکینه:(سورۂ فتح ۴۸، آیہ ۱۸&۴)

٢٣)قلبِ رؤوف،قلبِ رحیم،قلبِ راهب:(سورۂ حدید ۵۷، آیہ ۲۷)

٢٤)قلبِ واجف:(سورۂ نازعات ۷۹، آیہ ۸)

٢٥)قلبِ صایغ:(سورۂ تحریم ٦٦، آیہ ۴)(سورۂ انعام ٦، آیہ ۱۱۴)

٢٦)قلبِ قاسیه:(سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۷۴)(سورۂ مائدہ ۵، آیہ ۱۳)(سورۂ حج ۲۲، آیہ ۵۳)(سورۂ زمر ۳۹، آیہ ۲۲)(سورۂ حدید ۵۷، آیہ ۱٦)

٢٧)قلبِ مألوف:(سورۂ آلِ عمران ۳، آیہ ۱۰۳)(سورۂ انفال ۸، آیہ ٦۳)
(سورۂ توبہ ۹، آیہ ٦۰)

٢٩)قلبِ عامد:(سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۵)

٣٠)قلبِ مطهر:(سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۵۳)

٣١)قلبِ معلوم:(سورۂ احزاب ۳۳، آیہ ۵۱)

٣٢)قلبِ مزیّن:(سورۂ فتح ۴۸، آیہ ۱۲)(سورۂ حجرات ۴۹، آیہ ۷)

٣٣)قلبِ مغلوف:(سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۸۸)(سورۂ نساء ۴، آیہ ۱۵۵)

٣٤)قلبِ بے ایمان:(سورۂ حجرات ۴۹، آیہ ۱۴)

۳۵)قلبِ مکنون (محجوب): (سورۂ فصلت ۴۱، آیہ ۵)

(سورۂ انعام ۶، آیہ ۲۵)

(سورۂ اسراء ۱۷، آیہ ۴۶)

(سورۂ کھف ۱۸، آیہ ۵۷)

۳۶)قلب با غِل: (سورۂ حشر ۵۹، آیہ ۱۰)

۳۷)قلبِ مشرّب: (سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۹۳)

۳۸)قلوبِ متشابہ: (سورۂ بقرہ ۲، آیہ ۱۱۸)

۳۹)قلب با حسرت: (سورۂ آلِ عمران ۳، آیہ ۱۵۶)

۴۰)قلبِ منافق: (سورۂ آلِ عمران ۳، آیہ ۱۶۷) (سورۂ مائدہ ۵، آیہ ۴۱)

(سورۂ توبہ ۹، آیہ ۷۷) (سورۂ ھود ۱۱، آیہ ۴۸)

۴۱)قلبِ مطہر و نجس: (سورۂ مائدہ ۵، آیہ ۴۱)

۴۲)قلبِ واجل: (سورۂ انفال ۸، آیہ ۲) (سورۂ حج ۲۲، آیہ ۳۵)

(سورۂ مومنون ۲۳، آیہ ۶۰)

۴۳)قلبِ آبی (مائع): (سورۂ توبہ ۹، آیہ ۸)

۴۴)قلب با غیظ: (سورۂ توبہ ۹، آیہ ۱۵)

٤٥)قلبِ مرتاب:(سورۂ توبہ۹، آیہ۴۵&۱۱۰)(سورۂ نور۲۴، آیہ۵۰)

٤٦)قلبِ منصرف:(سورۂ توبہ۹، آیہ۱۲۷)

٤٧)قلبِ مشدّد:(سورۂ یونس۱۰، آیہ۸۸)

٤٨)قلبِ منکر:(سورۂ نحل۱۶، آیہ۲۲)

٤٩)قلبِ مربوط:(سورۂ کہف ۱۸، آیہ۱۴)

٥٠)قلبِ لاھی:(سورۂ انبیاء۲۱، آیہ۳)

٥١)قلبِ محبت:(سورۂ حج ۲۲، آیہ۵۴)

٥٢)قلبِ غامر:(سورۂ مؤمنون۲۳، آیہ۶۳)

٥٣)قلبِ مفزع:(سورۂ سبا۳۴، آیہ۲۳)

٥٤)قلبِ لین:(سورۂ زمر۳۹، آیہ۲۳)

٥٥)قلبِ متعصب:(سورۂ فتح۴۸، آیہ۲۶)

٥٦)قلبِ ممتحن:(سورۂ حجرات۴۹، آیہ۳)

٥٧)قلبِ خاشع:(سورۂ حدید۵۷، آیہ۱۶)

۵۸)قلبِ مؤمن: (سورۂ مجادلہ ۵۸، آیہ ۲۲)

۵۹)قلوبِ متفرقہ: (سورۂ حشر ۵۹، آیہ ۱۴)

۶۰)قلبِ مرین: (سورۂ مطففین ۸۳، آیہ ۱۴)

الغرض یہ قلب کبھی اپنی بہترین حالت پر ہوتا ہے، بہترین قلب یعنی ایسا قلب جو پاک وصاف ہو، باطہارت ہو اور نا مناسب قلب یعنی جس کی حالت مناسب نہ ہو، جو بیمار دل ہو۔ انشاء اللہ اس فصل کے حصۂ دوم میں دل کی کچھ بیماریوں کی طرف مختصراً اشارہ کیا جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ آدابِ قرآن کی اس بحث کو پڑھ لینے سے انسان مؤدب بہ آداب نہیں ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف آداب کی نشاندہی ہو رہی ہے یعنی شناخت و آگاہی پیدا کر رہے ہیں لیکن یہ آداب ایجاد کرنے کی اور ان کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے، ان میں سے ہر ادب تک پہنچنے کے لئے انسان کو محنت و زحمت اور عملی کوشش کی ضرورت ہے اور اس کوشش کے بغیر انسان کسی ایک ادب سے بھی متصف نہیں ہو سکتا ہے مثلاً فہمِ عظمتِ قرآن میں صرف اشارہ دینا اور توجہ دلانا مقصود تھا کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے عظمتِ کلامِ الٰہی کی طرف توجہ ضروری ہے نہ یہ کہ اب جبکہ ہم نے یہاں پر پڑھ لیا ہے کہ آدابِ فہم قرآن میں سے ایک توجہ درِ عظمتِ قرآن ہے تو پس ایک ادب ہمارے اندر پیدا ہو گیا ہے، نہیں بلکہ ایک ادب کی طرف ہماری توجہ ہوئی ہے، ابھی اس ادب تک پہنچنا اور اس سے متادب ہونا باقی ہے، اس ادب سے اپنی فہم کو متصف کرنا ہنوز باقی ہے۔ اسی طرح ادبِ دوم طہارتِ قلب ہے یعنی دلِ انسان پاک ہو، انسان اپنے دل کو پاک کرے۔ ناپاک

دل کبھی بھی قرآن نہیں سمجھ سکتا ہے، ابھی اشارہ ہوگا کہ دل کی تطہیر سے کیا مراد ہے، پس ان آداب کو پڑھ لینے کے بعد اور توجہ ہو جانے کے بعد پھر عملاً کوشش کریں کہ یہ آداب ہمارے اندر پیدا ہو جائیں، ان آداب سے ہمارا نفس، ہمارا دل اور ہمارا وجود متصف و مزین ہو جائے، یہ صفات عملی طور پر ہمارے عمل کے اندر اور ہماری فہم کے اندر رونما ہو جائیں۔

٥) حقیقی دل اور اعزازی دل

چونکہ قرآن دل پہ نازل ہوا ہے پس دل کا تعلق فہم سے ہے اور دل سے مراد بھی روح کا دل، نفس کا دل ہے کہ جو حقیقی دلِ انسان ہے۔ سینے کے اندر موجود دل کو مجازاً، اعزازی طور پر دل کہتے ہیں جیسے ہم اعزازی طور پر کسی کو بہت سارے عناوین دے دیتے ہیں درحالیکہ حقیقتاً وہ اس مصداق کے اور اس عنوان کے قابل نہیں ہوتا ہے، اعزازی طور پر یعنی عزت بخشی کے لئے، عزت افزائی کے لئے کوئی نہ کوئی لقب دے دیتے ہیں، مثلاً علمی ڈگریاں ہیں کہ اعزازی طور پر حکمرانوں کو یا کسی ایسی شخصیت کو کہ جس نے کوئی کارنامہ کیا ہے اسے دے دیتے، جیسے چھوٹے چھوٹے بچوں کو قرآن سنانے پر ڈاکٹریٹ (Doctorate) کی ڈگری دے دیتے ہیں، یہ اعزازی ڈگریاں ہیں نہ کہ وہ واقعاً ڈاکٹر ہو گیا ہے یا پی ایچ ڈی کر لی ہے، یہ عزت افزائی کے لئے ہے چونکہ اس نے قرآن سیکھا ہے، پڑھا ہے اور لوگوں کو محظوظ کرتا ہے۔

یہ اعزاز دینا دین میں بھی ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ نے بھی بعض کو اعزازی ڈگریاں دی

ہیں جیسے اعزازی شہداء ہیں، شہیدِ حقیقی وہ ہے جو معرکۂ حق و باطل میں قتل ہو جائے یعنی میدان میں، مقتل میں خود جائے اور اپنی موت کو اور شہادت کو خود چنے وانتخاب کرے یعنی جو زندگی پر موت کو ترجیح دے اور موت کو اپنے لئے انتخاب کرے تو یہ شہیدِ حقیقی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا...... (۳)

اور خبر دار راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا......

وہ جو چل کے جاتا ہے، موت اور حیات میں موت کو اپنے لئے منتخب کرتا ہے وہ حقیقی شہید ہے لیکن کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جو اچھے اعمال انجام دیتے ہیں، جن کے اندر اچھی اچھی صفات موجود ہیں اور جن کے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں تو ان کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور ان کو بھی یہ عزت دی گئی ہے کہ انہیں بھی شہداء کا درجہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان یہ کام کرتے ہوئے مر جائے تو وہ بھی شہید ہے حتیٰ

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... (۴)

جو اپنے مال سے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے......

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... (۵)

جو اپنے اہل خانہ کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے......

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... (۶)

جو اپنے خون (جان) کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے......

حقیقی دل اور اعزازی دل

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَظْلَمَتِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ......(۷)

جو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے......

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِيَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ......(۸)

جو اپنے عیال کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے......

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ نَفْسِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ......(۹)

جو اپنے نفس کو بچاتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے......

اسی طرح وارد ہوا ہے کہ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ،یعنی اگر کوئی اپنی عزت کو بچاتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔حتیٰ اگر انسان اپنے حق کا دفاع کرتا ہے اور مرنا بھی نہیں چاہتا ہے لیکن کسی نے مار دیا تو وہ بھی شہید ہے، یہ اعزاز ہے جو خداوند تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے۔اسی طرح ایک دلِ حقیقی ہے یعنی جو انسان کی روح کا دل ہے، نفس کا دل ہے، دلِ غیر جسمانی ہے لیکن عزت واعزاز کے لئے جو دل بدن میں خون پہنچاتا ہے یہ بھی بدن اور جسم کے اندر ایک اہمیت رکھتا ہے اور حیاتِ بدن اس کی رہینِ منت ہے اس وجہ سے اس کو بھی دل کہتے ہیں۔

۶)خود فراموشی،خدا فراموشی کا نتیجہ

اگر ہم مختصر یا آسان لفظوں میں دل کی معرفت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہ وہ چیزیں ہے کہ جو ہمارے اندر ہیں لیکن ہم ان کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے ہیں، انسان خود اپنی شناخت نہیں رکھتا ہے۔

انسان، انسان کے لئے منکشف نہیں ہے، اس لئے یہ چیزیں معلوم نہیں ہوتیں کہ روح کیا ہے؟ باوجودیکہ خود روح ہے، یہی جو سوال اٹھا رہی ہے کہ روح کیا ہے؟ یہ خود روح ہے، یہ سوال کہ نفس کیا ہے؟ یہ خود نفس ہے۔ نفس، نفس کی طرف متوجہ نہیں ہے، قرآن نے بھی فرمایا ہے کہ

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ (۱۰)

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو بھی بھلا دیا اور وہ سب واقعی فاسق و بدکار ہیں۔

یعنی خدا کو نہ بھولنا ورنہ خود کو بھی بھول جاؤ گے، یہ خود فراموشی ہے کہ انسان سوال کرے کہ نفس کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ یعنی یہ پوچھے کہ میں کیا ہوں، دوسرے لفظوں میں بازار میں جا کر کسی کو روک کر پوچھیں کہ آغا میں کون ہوں؟ تو وہ انسان تعجب کرے گا کہ یہ کیا سوال ہے؟ میرے بارے میں تو پوچھ سکتے ہو کہ آپ کون ہو؟ لیکن خود اپنے بارے میں پوچھتے ہو کہ میں کون ہوں؟ جب ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ روح کیا ہے؟ جب ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نفس کیا ہے؟ تو دوسرے لفظوں میں ہم یہ پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ میں کیا ہوں؟ دوسروں کو کیا معلوم کہ میں کیا ہوں؟ خود مجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں کیا ہوں، مجھے یہ حق ہے کہ میں یہ پوچھوں کہ زمین کیا ہے؟ آسمان کیا ہے؟ پانی کیا ہے؟ آگ کیا ہے؟ یہ چیزیں تو پوچھ سکتا ہوں چونکہ میرے علاوہ ہیں، مجھ سے باہر ہیں لیکن میں خود اپنے آپ سے اتنا دور ہوں، اتنا حقیقت ناشناس ہوں، اتنا غافل ہوں کہ حتیٰ اپنی پہچان بھی نہیں رکھتا ہوں، یہ سوال کہ میں کیا ہوں؟ دوسرے لفظوں میں یہی پوچھنا ہے، اور یہ مشکل سب کے ساتھ نسیان

کی وجہ سے ہے، اس نکتے کے بارے میں نہی کی گئی ہے، متنبہ، ہوشیار اور خبردار کیا گیا ہے کہ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ......

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو بھی بھلا دیا......

یہ خدا فراموشی کا نتیجہ ہے، خدا سے دوری کا نتیجہ ہے کہ انسان خود سے بھی دور ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ سوال کرتا ہے کہ دل کیا ہے؟ کوئی باہر کی چیز تو نہیں ہے، اپنے علاوہ کسی کے بارے میں تو سوال نہیں کررہے ہیں، خود اپنی ہی ایک حقیقت پوچھ رہے ہیں کہ دل کیا ہے؟ ذہن کیا ہے؟ عقل کیا ہے؟ خیال کیا ہے؟ حس کیا ہے؟ یہ ساری چیزیں یعنی میں خود ہوں اور اپنے بارے میں ہی سوال کررہا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں اپنے لئے ناشناختہ ہوں، یہ خدا فراموشی اور خدا سے دوری کا نتیجہ ہے کہ خود اپنی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے۔ معرفتِ دل، معرفتِ قلب بہت ضروری ہے چونکہ سارا دارومدار اس پر ہے اور اسی سے لاتعلقی اور دوری ہے۔

۷) قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

اسلام کی تعلیمات کے مطابق مطالعۂ قرآن تدبر کے ساتھ کرنا چاہئے، روایات میں بھی ہے کہ کم از کم سات دن میں قرآن کا ایک دورہ ہونا چاہئے، اس سے متعلق چند روایات بھی ہیں، ایک روایت خود ذاتِ گرامی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے آکر پوچھا

کہ میں کتنے دنوں میں قرآن کا پورا دورہ کروں؟ جسے ابھی ہم ختمِ قرآن کہتے ہیں، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک مہینے میں، کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ کم مدت میں ختم کر سکتا ہوں، حضرت ﷺ نے فرمایا تین ہفتوں میں پھر اس نے مثلاً کہا کہ اس سے بھی زیادہ جلدی پڑھ سکتا ہوں، پھر آخر میں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہفتے میں، سات دن سے کم نہیں، سات دن سے کم قرآن جو پڑھا جائے گا وہ مطلوب نہیں ہے۔ جیسے سات منٹ میں سپارہ پڑھنا، فرمایا کہ نہیں، چونکہ قرآن سمجھنے کے لئے ہے، قرآن کرتب دکھانے کے لئے تو نہیں ہے، ابھی جو حشر قرآن کا ہو رہا ہے وہ شاید کسی اور زمانے میں نہیں تھا، کسی زمانے میں شیعوں کا رجحان قرآن پڑھنے کی طرف کم تھا لیکن اب جب کہ پڑھنا شروع کیا ہے تو الٹا پڑھنا شروع کیا ہے، قرآن کے آداب میں سے ہے کہ قرآن کو درست پڑھے، فہم کے ساتھ پڑھے، تدبر کے ساتھ پڑھے۔ قرآن کرتب دکھانے کے لئے تو نہیں ہے، ابھی آہستہ آہستہ جو حالت بنتی جا رہی ہے وہ معاذ اللہ ایک طرح سے استخفاءِ قرآن ہے، یہ قرآن کا تمسخر ہے کہ اپنا بچہ متعارف کروانا ہے تو اس کو قرآن سکھا کر، قرآنی کرتب سکھا کر معرکے میں لے آئیں اور لوگوں کو جمع کر کے کچھ ایسی حرکتیں کریں۔ لوگ قرآن سے خوش نہیں ہوتے ہیں بلکہ بچے سے خوش ہوتے ہیں کہ یہ عجیب بچہ ہے، یہ عموماً ہوتا ہے کہ جب چھوٹا بچہ ہو تو لوگ زیادہ محظوظ ہوتے ہیں، ایک دن ٹی وی میں ایک بچے کے بارے میں بتا رہے تھے کہ اس کو پوری دنیا کی فٹبال ٹیموں کے نام معلوم تھے، کھلاڑیوں کے نام بھی معلوم تھے، دو تین سال کا چھوٹا سا بچہ تھا، بچوں سے ایسی چیزیں دیکھ کر انسان واقعاً محظوظ ہوتا ہے، لوگ قرآن سے نہیں بلکہ بچوں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ قرآن تدبر و فہم

قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

کیلئے ہے اور منشورِ حیات ہے،

محرم کے تبلیغی سفر میں ایک جگہ جانا ہوا تو وہاں انہوں نے چاہا کہ اولاد کی تربیت کے بارے میں کچھ گفتگو ہو، بچوں کا ہر جگہ یہ ایک مسئلہ ہے، بہت ساری باتیں ہوئیں لیکن ان میں سے ایک بات یہ ہوئی کہ بچوں کی تربیت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بچوں کے اندر موجود صلاحیتیں کہ جو خدا نے دی ہیں ان کو ابھارنا۔ سرکس (Circus) کا جانور بنانا تربیت نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت جو غلط کام بنامِ تربیت ہو رہا ہے وہ یہی ہے، جانور کو سرکس کے لئے کرتب سکھائے جاتے ہیں اور پھر لاکر لوگوں کو متاثر کیا جاتا ہے مثلاً ہاتھی کیا کیا کام کرتا ہے، متاثر کرتا ہے اور تالیاں بجتی ہیں اس کو تربیت نہیں کہتے ہیں، یہ آفتِ تربیت ہے اور انحرافِ راہِ تربیت ہے، سرکس کا حیوان نہ بنائیں، مثلاً انہوں نے گھوڑے کو کیا کیا کرتب سکھائے ہوتے ہیں حتیٰ درندے یا شیر کو انہوں نے کیا سکھایا ہوتا ہے؟ گول دائرے میں آگ جل رہی ہوتی ہے اور وہاں سے شیر چھلانگ لگاتا ہے، اس شیر کو شرم بھی نہیں آتی ہے، اس کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ میں شیر ہوں، مجھے خدا نے ان کاموں کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، بلی بھی یہ کام نہیں کرتی ہے کہ جو شیر سرکس کے مظاہرے میں جا کر کرتا ہے لیکن وہ اس لئے کرتا ہے کیونکہ اس کے اوپر مربیوں نے یہ کام کیا ہے، مربی بچوں کو سرکس کا حیوان نہ بنائیں کہ چند کرتب سکھائیں اور پھر اس کے بعد معرکہ لگائیں اور لوگ آکر اسی طرح تالیاں بجائیں کہ جس طرح سرکس کے اس منظر میں خوش ہوتے ہیں، محظوظ ہوتے ہیں اور محظوظ ہو کر واپس چلے جاتے ہیں، بچہ بھی اپنے آپ کو پھر اسی طرح سمجھتا ہے۔

قرآن کو کرتب کیلئے استعمال نہ کریں

یہ تربیت نہیں ہے کہ جس طرح گنیز بک میں درج ہے کہ مونچھوں کے مقابلے میں ایک آدمی نے سونے کا تمغہ جیتا، اس کا نام اس کتاب میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ سب سے بڑا مونچھ باز آدمی ہے، اس نے مونچھ کی پرورش کی ہے، اسی طرح داڑھی کے مقابلے ہوتے ہیں، اب ان کے اپنے معیار ہوتے ہیں کہ کس طرح کی داڑھی پہلے نمبر پر آئے گی، بعض داڑھی کا تمغہ جیت لیتے ہیں، اس طرح کے مختلف مقابلے ہوتے ہیں مثلاً کھانے کا بھی مقابلہ ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنے وزن کے برابر کھانا کھا لے۔ خدا نے انسان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں، تربیت کا مطلب ان صلاحیتوں کو ابھارنا ہے، پہلے پہچانو کہ تمہارے بچے کے اندر خدا نے کیا کیا رکھا ہے؟ پھر اس کی ان صلاحیتوں کو پروان چڑھاؤ، اس کو انسان بناؤ نہ کہ لوگوں کو محظوظ کرنے کا ایک ذریعہ۔

۸)قرآن کے مطابق دل کے امور کی اقسام

خدا نے انسان کے وجود کے اندر جو قوت سمجھنے کے لئے دی ہے اس کو دل کہتے ہیں، دوم یہ مرکزِ احساساتِ انسان ہے کہ جہاں پر انسانی احساسات متمکن ہیں، چونکہ فہم کے ساتھ ساتھ انسان کے کچھ احساسات بھی ہیں یعنی رجحانات و عواطف، جیسے محبت ہے، نفرت ہے، تمایل ہے، یہ احساسات ہیں فہم نہیں ہیں، یہاں انسان کے اندر شہوت ابھرتی ہے، جیسے ہمیں کوئی چیز اچھی لگتی ہے یا کسی چیز کی طرف جی کر رہا ہوتا ہے تو کہتے ہیں مثلاً اس وقت جی کرتا ہے کہ سو جاؤں، یہ جی کرنا یعنی وہیں دل میں ہے یعنی ایک احساس انسان کے منبعِ دل سے اٹھا ہے اور کسی شے کی طرف اٹھا ہے،

چونکہ دل کے اندر رغبتیں موجود ہیں اور سوم یہ مرکزِ تحرکات ہے، انسان کے اندر تحریکات پیدا ہوتی ہیں یعنی انسان کو حرکات، افعال اور اعمال پر اکسانے والی قوت بھی دل ہے، ہمارے اندر جب کوئی بھی ایسا جوش پیدا ہوتا ہے، ولولہ پیدا ہوتا ہے، کچھ کرنے کو جی کرتا ہے تو یہ بھی دل ہی ہے اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ کچھ کرنے کو جی نہیں کرتا ہے، مثلاً جی نہیں کرتا ہے کہ اٹھوں، جی نہیں کرتا ہے کہ پڑھوں، جی نہیں کرتا ہے کہ سنوں یعنی تحریک کے قابل نہیں ہے، دل مر گیا ہے، تحریک کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ زندہ دل ہو، چست ہو، جب دل سست ہو جاتا ہے تو سست دل نہ خود کچھ کرتا ہے اور نہ کچھ کرنے کے لئے کسی کو اکساتا ہے۔ یہ تین چیزیں قرآن نے دل سے منسوب کی ہیں، فہم دل کا کام ہے، احساسات دل کا کام ہے اور اس کے بعد تحریکات یا اکسانا بھی دل کا کام ہے اور قرآن چونکہ فہم سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا محل نزولِ قرآن دل ہے، جسم کے کسی اور حصے پر یعنی اس عالم میں بھی قرآن کسی اور چیز پر نازل نہیں ہوا ہے، قرآن صفحوں پر، جلدوں پر یا زبانوں پر نازل نہیں ہوا ہے بلکہ قرآن دل پر نازل ہوا ہے، دل کا کام سمجھنا ہے، دل پر نزول ہی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن فہم کے لئے آیا ہے، تدبر اور تعقل کے لئے آیا ہے، البتہ جب تک یہ محلِ نزولِ قرآن آمادہ نہ ہو، تیار نہ ہو تو اس کے اندر قرآن نہیں اترتا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے،

خلوتِ دل نیست جایِ صحبتِ اضداد

دیو چو بیرون رود فرشتہ در آید...... (۱۱)

دیو کنایہ ہے، شعری زبان میں اور ادیبوں کی زبان میں ناپاک چیز، غلط چیز، منحوس چیز اور

مضر چیز کو دیو کہتے ہیں، اسے تلفظِ فارسی میں دِیُو کہتے ہیں چونکہ اصل لفظ فارسی کا ہے لیکن اردو میں اس کو دیُو کہتے ہیں، اصل دِیُو ہے کہ جو درست ہے یعنی ہمارے وجود سے یہ دیو نکلے تو فرشتہ داخل ہوگا، دِیو یعنی بھوت، جب تک انسان کے اندر بھوت بیٹھا ہوا ہو تو وہاں فرشتہ داخل نہیں ہوتا، پہلے انسان کا دل پاک وصاف ہو، انسان کے تکامل کے لئے، فہم کے لئے بھی، عمل کے لئے بھی، تربیت کے لئے بھی اور تعلیم وتادیب کے لئے تطہیرِ قلب اساسی ترین ادب ہے۔

۹) قرآن ظرفِ نورانی پر اترتا ھے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

اَلْعِلْمُ نُوْرٌ یَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِیْ قَلْبِ مَنْ یَّشَاءُ...... (۱۲)

علم نور ہے اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے اسے ڈال دیتا ہے......

قرآن نے بھی علم کو نور کہا ہے، ظاہر ہے کہ نور جس محل کے اندر جائے گا وہ محل بھی نورانی ہونا چاہئے لہٰذا عبارتیں از بر کر کے یا اصطلاحیں رٹ کے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں عالم ہوگیا ہوں، اس کو عالم نہیں کہتے ہیں بلکہ علم نور ہے اور نور نورانی ظرف کے اندر آتا ہے، اگر دل نورانی نہ ہو، وجود نورانی نہ ہو تو یہ نور اس کے اندر جاتا ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض چلا جائے تو یہ نور خود بھی ظلمت میں بدل جاتا ہے، طہارت اور نجاست کا قانون یہ ہے کہ جب بھی طہارت ونجاست کو آپس میں ملائیں تو جو پاک چیز ہے وہ بھی نجس ہو جاتی ہے، ایک ناپاک اور پاک کو ملائیں تو مجموعہ ناپاکی ہے، ایک اچھے دوست

اور ایک غلط دوست کی دوستی کا نتیجہ غلط ہے چونکہ ان دونوں میں سے ایک غلط ہے، اہلِ منطق کہتے ہیں کہ نتیجہ ہمیشہ ادنیٰ مقدمے کے تابع ہوتا ہے، جو گھٹیا مقدمہ ہو نتیجہ ہمیشہ اس کا ہوتا ہے اعلیٰ کا نتیجہ نہیں ہوتا ہے۔

اگر ایک متدین اور ایک غیر متدین آدمی مل کر ایک کام کریں تو اس کا مجموعہ عدمِ تدین ہے، اس کا نتیجہ کبھی بھی دین داری نہیں نکلے گا، ایک فاسق اور ایک مومن آپس میں مل جائیں تو اس کا مجموعہ یا نتیجہ فسق ہے، عملی اور علمی طور پر بھی یہی ہے یعنی علمی نتیجے بھی گھٹیا عضو و جزو کے تحت ہوتے ہیں اور عملی نتیجے بھی گھٹیا عضو و جزو کے تحت ہوتے ہیں۔

اگر پوری جماعت پاک ہو لیکن اس میں چند افراد ناپاک ہوں تو یہ پوری جماعت ناپاک ہو جاتی ہے۔ اگر علم نور ہے تو نور کا محل بھی نورانی ہونا چاہیئے، ہدایتِ قرآن بھی نور ہے اور یہ نور اس دل میں جائے گا کہ جو دل پاک ہو، نورانی ہو، البتہ ہر چیز کی پاکی اور طہارت الگ الگ ہے، اگر دل پاک نہ ہو تو علم کبھی بھی اس دل میں نہیں اترتا ہے۔ الفاظ آجاتے ہیں، اصطلاحیں آجاتی ہیں لیکن نورانیت نہیں آتی ہے۔

قرآن نور ہے ناپاک دل پر نہیں اترتا ہے

قرآن بھی نور ہے لیکن اس وقت کمپیوٹر کی مدد سے ایک کام یہ ہو رہا ہے کہ قرآن میں کتنے الف ہیں مثلاً بعض لوگوں کو معلوم ہے کہ قرآن میں کتنے الف ہیں، کتنے ب ہیں، کتنے نقطے ہیں، کتنے زیر و زبر ہیں، یہ علم نہیں ہے بلکہ ذہنی مہارتیں ہیں، یہ گنیز بک کے لئے ٹھیک ہیں لیکن ہدایت کے لئے مفید نہیں ہیں، ہدایت کے لئے آپ کسی روایت میں نہیں پڑھیں گے کہ قرآن میں

اتنے الف استعمال ہوئے ہیں، اتنے ن استعمال ہوئے ہیں اور اتنے د استعمال ہوئے ہیں، اگر یہ علم ہوتا اور ضروری ہوتا تو یقیناً ائمہ ہدیٰ علیہم السلام بیان فرما دیتے یا اشارہ کر دیتے کہ خبردار یہ خیال رکھنا کہ آپ کو قرآن میں استعمال ہونے والے الف کی تعداد معلوم ہونی چاہئے، یہ علم نہیں ہے، یہ ہدایت نہیں ہے بلکہ انحراف ہے، یہ قرآن کے نام پر قرآن سے دوری ہے، انہی کاموں سے قرآن مہجور رہ جاتا ہے، قرآن دل پر نازل ہوا ہے اور دل کو آمادہ کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا خداوند تبارک وتعالیٰ نے بھی یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (۱۳)

پس خدا جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار گزار بنا دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلّط کر دیتا ہے۔

ہم ہدایت دینے سے پہلے ظرفِ ہدایت کو درست کرتے ہیں، پہلے شرحِ صدر دیتے ہیں پھر اس کے اندر ہدایت دیتے ہیں، اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل کرنے سے پہلے سینۂ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمادہ کیا گیا، سینے سے مراد جسمانی سینہ نہیں ہے، صدر سے مراد وجود کا صدر ہے، روح کا صدر ہے، نفس کا صدر ہے، اس کو خداوند نے تیار کیا،

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○(۱۴)

کہ کیا ہم نے آپ کا ظرف آمادہ نہیں کیا؟ اور اسی سے ساری مشکلیں حل ہوئیں،

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ○(۱۵)

ہم نے وزرک ختم کر دیا ہے لہٰذا قولِ ثقیل آیا اور آسانی سے تحمل ہوگیا، جس کو زمین اور آسمان برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ قلبِ نورانیٔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت کرلیا، کیوں؟ اس لئے کہ قلب پاک تھا، دل مطہر تھا، یہ وزرک کیسے ختم ہوگیا؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ اس فرصتِ شب سے استفادہ کریں،

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ......(۱۶)

رات کے عالم سے فائدہ اٹھائیں، کیوں فائدہ اٹھائیں؟ چونکہ عنقریب

اِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ○(۱۷)

ایک بہت گراں چیز، ثقیل چیز کہ جس کو پہاڑ برداشت نہیں کر سکتا ہے، طور برداشت نہیں کر سکتا ہے، وہ آپؐ کے قلب پر نازل کرنے والے ہیں لہٰذا اپنے قلب کو آمادہ کریں۔ پاک دل پر قرآن اترتا بھی ہے اور پھر سمجھ بھی آتا ہے۔ عام مومن کے لئے، عام انسان کے لئے قانون یہ ہے کہ پہلے دل کو آمادہ اور پاک کرے۔

۱۰)طہارتِ ظاہری و طہارتِ باطنی

چونکہ قرآن کو اپنے دل میں اتارنے اور حاملِ قرآن بننے کیلئے طہارتِ قلب ضروری ہے لہٰذا طہارت بہت اہم موضوع ہے، طہارتِ ظاہری پر تو کم وبیش توجہ ہوتی ہے، کم از کم متدینین کی اس طرف توجہ ہے لیکن یہ سمبولک طہارت (Symbolic cleanliness) ہے یعنی یہ علامتی طہارت ہے، یہ ایک حقیقی طہارت کے لئے علامت ہے، بہت سارے کام ہم سے علامتی کروائے جاتے ہیں، علامتی کام ان کو کہتے ہیں کہ جنہیں انسان سے انجام دلوایا جاتا ہے تاکہ بعد میں انسان کوئی حقیقی کام کر سکے، علامتی کام سمجھنے کے لئے ہوتے ہیں مثلاً جنگی مشقیں دیکھیں کہ جو ایک فوج خود کرتی ہے، فوج دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، ایک حصہ دشمن بن جاتا ہے اور ایک حصہ ملک کا حامی بن جاتا ہے، فوج کا ایک حصہ حملہ کرتا ہے اور دوسرا حصہ دفاع کرتا ہے اور جنگی مشقوں میں حقیقی اسلحہ استعمال نہیں کرتے ہیں، اس میں جو گولیاں چلتی ہیں یا توپ اور ٹینک کے گولے استعمال ہوتے ہیں وہ بھی اصلی نہیں ہوتے بلکہ صرف آواز اور دھواں ہوتا ہے، ان کے اندر کوئی بارود موجود نہیں ہوتا جو جا کر نقصان کرے، اس لئے کہ علامتی جنگ ہے، کیا فائدہ ہے علامتی جنگ کروانے کا کہ جب گولی صحیح نہیں ہے اور اس کا مقصود مارنا بھی نہیں ہے؟ یہ علامتی جنگ ایک حقیقی جنگ کا مقدمہ ہے، چونکہ ایک حقیقی جنگ ہے اور حقیقی جنگ کے لئے تیاری علامتی جنگ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ کل کسی حقیقی دشمن سے واسطہ پڑے گا، آج علامتی دشمن ہے تو کل سامنے حقیقی دشمن ہوگا۔

حاجیوں کو مکہ بلایا جاتا ہے اور علامتی سیمنٹ کے ستونوں کو سنگ باران کروایا جاتا ہے، ہم

یہ سمجھتے ہیں کہ یہی ہمارا اول و آخر فریضہ تھا، علامتی گولی کو کہ جس کے اندر مرمی نہ ہو، بارود نہ ہو بلکہ فقط آواز ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ خول، کھوکھلی، کھوکھا اور فارسی میں اس کو پوچ یعنی خالی کہتے ہیں، اگر آپ ایک سیمنٹ کے پتھر کو جا کر کنکریاں مارتے ہیں تو یہ خالی گولی ہے، کھوکھلا فائر ہے، یہ آپ سے کیوں کروایا گیا تھا؟ یہ کنکریاں کیوں پھنکوائی گئیں تھیں؟ بڑا شیطان، چھوٹا شیطان اور درمیانہ شیطان، شیطانوں کو لائن میں کھڑے کر کے تین ستون کہ جواب تین دیواریں بن گئی ہیں ان کو کیوں سنگسار کروایا گیا تھا؟ تا کہ ان کو مار کر ہم جنت میں چلے جائیں؟ عجب بات ہے، ایسی کھوکھلی گولیوں سے آپ جنت چلے جائیں گے؟ پوچ فائر کر کے بہشت چلے جائیں گے؟ پھر تو وہ جنت بھی کھوکھلی ہوگی، جیسا فائر کیا ہے ویسی ہی جنت بھی ہوگی۔

یہ کھوکھلی گولی اس لئے چلوائی گئی ہے، یہ کنکری اس لئے پھنکوائی گئی ہے، یہ علامتی حملہ اس لئے کروایا گیا ہے تا کہ کل جو آپ کا ایک حقیقی دشمن ہے، بڑا شیطان ہے، درمیانہ شیطان ہے اور چھوٹا شیطان ہے اس حقیقی شیطان پر اصلی گولی چلانی ہے، وہاں تو کھوکھلی گولی کام نہیں کرے گی، جنت حقیقی ہے، جنت کی نعمتیں حقیقی ہیں اور یہ حقیقی نعمتیں کھوکھلی گولیوں سے حاصل نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ حقیقی گولیوں سے حاصل ہوتی ہیں، پوچ کام سے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے، پوچ فارسی میں اس چیز کے لئے کہتے ہیں کہ جو اندر سے خالی ہو لیکن اس کا ظاہر بہت اچھا ہو۔

بعض کام ہم سے علامتی کروائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک علامتی کام طہارت ہے، ہم علاماتی عبادتیں انجام دے کر یہی سمجھتے ہیں کہ پاک ہوگئے ہیں حالانکہ ابھی تو آپ نے علامتی

طہارت کی ہے، مثلاً بعض جگہ کچھ لوگ بچوں سے یہ کام کراتے ہیں، معلوم نہیں کہ کس غرض سے کراتے ہیں؟ شاید اچھی نیت سے کراتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو طہارت سکھاتے ہیں، چونکہ ہماری فقہ اور توضیح المسائل اس طرح سے لکھی گئی ہے کہ سب سے پہلا باب طہارت ہے اور طہارت کا آغاز بھی نجاست سے ہوتا ہے، پہلے طہارت کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں، پہلے نجاسات کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعد میں طہارات ہیں لیکن ہم نے نجاسات کا نام بھی طہارات رکھا ہوا ہے، مثلاً بچوں کو نجاسات سکھا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم طہارت پڑھ رہے ہو، حالانکہ نجاست پڑھا رہے ہیں۔ مثلاً وضو، تیمّم اور غسل ایک طہارت ہے، بچوں کے لئے تو غسل نہیں ہے، بچوں کو وضو سمجھ میں آتا ہے، تیمّم سمجھ میں آتا ہے لیکن غسل انہیں سمجھ میں نہیں آتا ہے چونکہ غسل اس وقت سمجھ میں آتا ہے کہ جب موجباتِ غسل سمجھ میں آتے ہیں، آپ دو ڈھائی سال کے بچے کو بیٹھ کر غسلِ واجب سمجھا رہے ہیں، اس کو کیا پتہ کہ آپ کیا سکھا رہے ہیں لہٰذا وہ آپ پر شک کرنے لگتا ہے چونکہ وہ اس میں مبتلا ہی نہیں ہے، اس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ موجباتِ غسل یعنی چہ؟ آپ اس بچے سے غسل کروائیں لیکن حقیقی غسل نہیں کرانا ہے، آپ اس سے علامتی غسل کروائیں، اسے بتائیں کہ پہلے نیت کرو، پھر سر دھوؤ، پھر دایاں حصہ دھوؤ اور پھر بایاں حصہ دھوؤ، وہ پریشان رہتا ہے کہ یہ علامتی غسل کیا ہے؟ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ اصلی کام نہیں ہے، اصلی کام کوئی اور ہے کہ جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

ظاہرِ عبادت کے لئے بدنی طہارات علامتی ہیں۔ علامتی سے کیا مراد ہے؟ یعنی یہ طہارات

علامت ہیں کہ ہمیں کچھ حقیقی طہارات بھی انجام دینی ہیں، میں کیوں بار بار اصرار کر رہا ہوں کہ یہ علامتی طہارات ہیں، اس لئے کہ وضو اور غسل میں تو پانی استعمال کرتے ہیں لیکن تیمّم میں مٹی استعمال ہوتی ہے، اسی لئے عوام الناس عموماً نماز چھوڑ دیتے ہیں، تیمّم نہیں کرتے ہیں، ان کی غیرتِ دینی برداشت نہیں کرتی ہے کہ یہ کیسی طہارت ہے کہ منہ پہ مٹی مل کر نماز پڑھو، ابھی ساری نجاست تو موجود ہے، وہ تیمّم نہیں کرتے ہیں اور نماز چھوڑ دیتے ہیں، پانی ملے گا، نہائیں گے اور پھر اس کے بعد نماز ادا کریں گے چونکہ اس نکتے کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ خداوند نے پانی کو بھی طہور بنایا ہے اور مٹی کو بھی طہور بنایا ہے، جس طرح پانی استعمال کرنا ایک حقیقی طہارت کے لئے علامت ہے اسی طرح مٹی استعمال کرنا بھی ایک حقیقی طہارت کے لئے اشارہ ہے اور حقیقی طہارت جو انسان کے وجود سے مربوط ہے اس کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔

۱۱) طہارت کے درجے

بعض بزرگان نے طہارت کے مراتب ذکر کئے ہیں، بعض نے مختصر، مجمل اور بعض نے ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں چونکہ یہ بہت اہم موضوع ہے لہٰذا اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ جب آداب سے متصف ہونے کا عمل شروع کریں تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کرنا کیا ہے۔ بعض نے طہارت کے چار درجے بیان کئے ہیں، بعض بزرگان نے کہا کہ ایک طہارتِ ظاہری ہے لیکن ہم کس چیز کی وجہ سے طہارت کریں؟ خبث سے اور حدث سے، یہ سب طہاراتِ ظاہر یہ ہیں، حدث اس

نجاست کو کہتے ہیں کہ جوانسان کے وجود سے قائم ہے، بدن سے قائم ہے اور جو غسل اور وضو سے دور ہوتی ہے اور خبث یعنی بیرونی نجاست، جب باہر سے کوئی آلودہ چیز انسان کو لگ جائے تو اس کو خبث کہتے ہیں، حدث ایک حالتِ ناپاکی ہے، اس میں فزیکلی (Physically) کچھ نہیں ہوتا ہے، مثلاً انسان جب سوتا ہے تو فزیکلی تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے، کوئی آلودگی پیدا نہیں ہوئی ہے لیکن وہ سو گیا ہے یعنی سونے سے نفس کے اندر حالتِ غیر طہارتی حاصل ہوگئی ہے، خبث یہ ہے کہ اس حالت کے ساتھ ساتھ فزیکلی بھی کوئی چیز موجود ہوتی ہے کہ جوانسان کے جسم کے ساتھ لگ جاتی ہے کہ جس کو ختم کرنا پڑتا ہے، ان کے لئے طہارتِ ظاہری ہے۔

طہارت کے درجے

اس کے بعد طہارتِ اعضاء و جوارح ہے، خدا نے ہمیں مختلف اعضاء و جوارح دیئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں ہے انہیں نجاسات سے پاک کرنا ہے، اعضاء و جوارح کو کس سے پاک رکھیں؟ گناہ سے، معصیت سے، جرم سے، آنکھ سے جرم نہ کریں، زبان سے جرم نہ کریں، کان سے جرم نہ کریں، ہاتھ سے جرم نہ کریں بلکہ ان کو پاک رکھیں اور تیسرا مرتبۂ طہارت، طہارتِ دل ہے، طہارتِ دل کے لئے کس سے دل کو پاک کریں؟ اخلاق سیئہ سے، بدعتوں سے، غلط عادتوں سے، صفاتِ رذیلہ وصفاتِ قبیحہ سے، پست اور گھٹیا صفات سے اپنے دل کو پاک کریں، یہ دل کی نجاسات ہیں اور چوتھا مرتبہ طہارتِ سر ہے، طہارتِ سر کس چیز سے کریں؟ طہارتِ سر یہ ہے کہ انسان غیرِ خدا سے پاک ہو جائے یعنی فقط خدا سے ربط ہو۔ پہلے حدث سے پاک ہوا، پھر خبث سے پاک ہوا، پھر گناہ سے پاک ہوا، پھر اس کے بعد اخلاقِ قبیحہ سے پاک ہوا اور اب غیر خدا سے پاک

ہو گیا، بعض نے اسی ترتیب سے طہارات کو ذکر کیا ہے۔

بعض بزرگان نے انہی چار مرتبوں کو، درجات کو ذرا مزید تفصیل کے ساتھ چودہ مرتبوں میں ذکر کیا ہے، البتہ ان چودہ سے بھی بڑھ کر زیادہ ہو سکتے ہیں، مراتبِ طہارت میں سے سے پہلا طہارتِ لباسِ انسان ہے، جو انسان سے الگ ایک چیز ہے لیکن یہ لباس بھی جزو ماحولِ انسان ہے، ماحولیات کا حصہ ہے، طہارتِ ماحول طہارتِ لباس ہے، دوم طہارتِ بدن ہے کہ جو وہی حدث اور خبث سے ہے، سوم طہارتِ اعضاء ہے اور چہارم طہارتِ حواس ہے، اعضاء اور چیز ہیں اور حواس اور چیز ہیں مثلاً آنکھ عضو ہے بصارت حس ہے، کان عضو ہے سماعت حس ہے، ناک عضو ہے شامہ حس ہے، ہاتھ عضو ہے لامسہ حس ہے۔ ہمارے انہی اعضاء کے اندر خداوند تبارک وتعالیٰ نے کچھ قوتیں رکھی ہوئی ہیں، کچھ صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں ان کا نام حواس ہے، عضو فقط یہ کام کرتے ہے کہ اس حس کو اٹھائے ہوئے ہیں، عضو اس حس کا ظرف بنا ہوا ہے، خود ناک کچھ نہیں سونگھتی ہے ورنہ مردے کو کچھ بھی سنگھائیں وہ نہیں سونگھتا ہے، کافور سنگھائیں یا جو کچھ بھی سنگھائیں کچھ نہیں سونگھتا، مُردے کے اندر حس ختم ہو گئی ہے، انسان کی پانچ حسِ ظاہر یہ بیان کی گئی ہیں،

طہارت کے درجے

وہ پانچ حسیں سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ ہیں لہٰذا اتنی ہی طہارت کی اقسام بھی بن جائیں گی، اعضاء میں پھر مختلف اعضاء کی تطہیر ہے کہ یہ اقسامِ طہارت مختلف لفظوں کے ساتھ روایات میں بھی ذکر ہوئی ہیں، مثلاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ

اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرآنِ فَطَيِّبُوْهَا بِالسِّوَاكِ...... (۱۸)

بے شک تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں، ان کو مسواک کے ذریعے معطر کرو......

امیر المومنین علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ

اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَهِّرُوْهَا بِالسِّوَاكِ...... (۱۹)

بے شک تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں، ان کو مسواک کے ذریعے پاک (مطہر) کرو......

قرآن کا طرق یعنی وہ راستہ کہ جہاں سے قرآن کا گزر ہوتا ہے، اس راستے کو پاک و صاف رکھو، کسی نے پوچھا کہ طریقِ قرآن کیا ہیں؟ فرمایا کہ تمہارے منہ ہیں، ان کو پاک رکھو، کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کس چیز سے پاک کریں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک سے پاک رکھو، البتہ یہ طہارتِ ظاہر کا حصہ ہے، بعض روایات میں ہے کہ اپنی زبان کو پاک رکھو، زبان عضو ہے، زبان کو کس چیز سے پاک رکھو؟ ہر وہ چیز جو آلودگیٔ زبان کا باعث بنتی ہے اس سے پاک رکھو یعنی اس کو جھوٹ سے، تہمت سے، بہتان سے، غیبت سے، چغلی سے اور لغوبات سے پاک رکھو، بے ہودہ بات سے اس کو پاک رکھو، گناہ سے اس کو پاک رکھو، بہتان سے اس کو پاک رکھو، یہ سب زبان کی آلودگیاں ہیں۔

کیا انسان اتنی آلودہ زبان سے قرآن پڑھے؟ قرآن نور ہے اور انسان جس عضو سے تلفظ کر رہا ہے وہ پاک نہیں ہے اور وہ نور کو آلودہ عضو کے ذریعے سے دہرا رہا ہے لہٰذا انسان پہلے عضو پاک کرے، یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولا علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ منہ پاک کرو۔ مسواک کرو کہ

طہارت کے درجے

اس حد تک بھی آلودگی نہ ہو، ظاہر ہے کہ انسان کے منہ میں نجاست تو نہیں ہوتی ہے، مسواک طہارت ازنجاست نہیں ہے، منہ ناپاک تو نہیں ہوتا ہے کہ مسواک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے، طہارتِ فقہی شرعی کے لحاظ سے منہ پاک ہوتا ہے لیکن پھر بھی نجاست ہے، پھر بھی اس کو پاک کرو، کیوں؟ کیونکہ یہ بدبو جو منہ سے آتی ہے یہ بھی ناپاکی ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ انسان نامناسب کھانے کھاتا ہے تو معدے کی خرابی کی وجہ سے منہ سے بو آنا شروع ہو جاتی ہے، انسان رمضان میں زیادہ مبتلا ہوتا ہے چونکہ معدے کی بو منہ میں آجاتی ہے، اگر معدہ چلتا رہے اور اس میں کچھ نہ کچھ پانی و مائعات وغیرہ پڑتے رہیں تو وہ بو اندر ہی رہتی ہے لیکن جب معدہ خالی ہوتا ہے، دن بھر کچھ بھی نہیں ڈالتے ہیں تو آہستہ آہستہ وہ بدبو باہر آجاتی ہے، اس لئے مسواک کرو کہ یہ ناپاکی ہے یعنی اس حد تک فرما رہے ہیں کہ دہن اور منہ جو طریقِ قرآن ہے، راہِ قرآن ہے اس کو پاک کرو، ناپاک منہ سے قرآن نہ پڑھو۔

نماز کے متعلقات اور آدابِ نماز میں سے ایک یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے مسواک کریں، مسواک کیوں کریں؟ چونکہ اسی منہ سے ہم نے خدا کے ساتھ ہم کلام ہونا ہے، یہ علامتی چیزیں ہیں تاکہ ہمیں متوجہ کریں کہ اس کے پیچھے ایک حقیقی طہارت بھی ہے، انسان کا دہنِ دیگر بھی ہے وہ بھی پاک ہونا چاہئے اور وہ دل ہے لہٰذا آپ اس کو بھی پاک کریں، آنکھ کو پاک کریں کہ جس آنکھ سے قرآن پر نگاہ کرنی ہے، بعض بزرگان نے لکھا بھی ہے کہ آنکھ سے انسان کتنے جرم و گناہ کرتا ہے، اسی طرح زبان کی طہارت کا خیال رکھیں کیونکہ انسان اسی زبان سے بے پناہ گناہ انجام دیتا ہے۔

اسی طرح صوم میں حواس کا بھی روزہ ہے، جس طرح طہارت کے درجات ہیں اسی طرح

طہارت کے درجے

روزے کے بھی درجات ہیں۔ روزہ میں حواس کا بھی روزہ ہو، اعضاء کا بھی روزہ ہو اور پورے وجودِ انسان کا روزہ ہو، فقط منہ بند کر لینا فاقہ ہے، انسان کے پورے مجموعے کا روزہ ہونا چاہئے، خیال پاک ہو، لیکن وضو کر کے بھی انسان کا خیال پاک نہیں ہوتا ہے، خیال سے مراد قوتِ تخیل ہے۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا ہمارا خیال پاک ہے یا نہیں ہے اس کیلئے ایک پیمانہ خواب ہے، اب کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود ہی انسان توجہ کرے کہ رات کو کیا خواب دیکھتا ہے؟ یہیں سے پتہ چل جائے گا کہ خیال پاک ہے یا ناپاک ہے چونکہ یہ رات کی ساری کاروائی خیال کی ہوتی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری روح کہیں سیر سپاٹے کے لئے نکل گئی ہے یا باہر سے کچھ چیزیں ہم سے ملنے آئی ہیں، نہیں، کچھ بھی نہیں ہے، نہ باہر سے کوئی آیا ہے اور نہ آپ باہر گئے ہیں، یہیں لحاف کے نیچے سب کاروائی ہو رہی ہے اور وہ بھی سب قوتِ خیال میں ہے، یہ سارے مناظر خیالی ہیں یعنی خیال کے نام سے ایک نقاش ہے، مصور ہے کہ جو تصویریں بنا بنا کے، فلمیں بنا بنا کے آپ کو دکھا رہا، چونکہ آپ کے حواس تو بند ہیں، حواس کی چھٹی ہے اور باقی سارے حصوں کی بھی تعطیل ہے، اس کو موقع مل گیا ہے کہ اب آپ کو اپنی ساری کاروائی بتائے اور وہ اپنے آپ کچھ نہیں بناتا ہے بلکہ وہ وہی بناتا ہے جو ہم نے ذخیرہ کیا ہوتا ہے، وہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ آپ نے کیا کیا ذخیرہ کیا ہوا ہے؟ اسی کی تصویر بنا کر دکھاتا ہے مثلاً ہماری آرزوئیں، ہماری توقعات، ہماری امیدیں، ہماری خواہشات انہی کی تصویریں بنا بنا کر ہمیں دکھاتا رہتا ہے کہ آپ یہ چاہتے ہو، یہ آرزوئیں آپ کی ہیں، یہ خواہشات آپ کی ہیں، یہ ناپاک خیالات آپ کے ہیں۔

پھر اسی خیال سے صبح اٹھ کر پوچھتے ہیں کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ لیکن اولِ شب کے خواب خیال کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ معدے کے ہوتے ہیں، جب انسان دبا کے کھاتا ہے، پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو معدے کے اندر جا کر غذا تبخیر ہوتی ہے، معدے کے اندر حرارت ہے، غذا کو ہضم کرنے کے لئے حرارت کی ضرورت ہے، معدہ بھٹی کی طرح ہے، اس غذا کے اندر موجود رطوبت بخارات میں تبدیل ہوتی ہے، تبخیر ہوتی ہے، جس طرح پانی کے اوپر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس سے تبخیر کا عمل ہوتا ہے، جیسے چولہے پر دیگچہ چڑھا ہوتا ہے تو اس سے بخارات اٹھ رہے ہوتے ہیں اسی طرح سے معدے سے بھی بخارات اٹھ رہے ہوتے ہیں اور یہ بخارات سیدھے مغز میں چڑھ جاتے ہیں لہٰذا انسان عجیب وغریب قسم کے خواب دیکھتا ہے۔ اولِ شب میں سوتے ہی جو فلم شروع ہوتی ہے وہ ساری معدے کی کاروائی ہے اگر انسان اول شب میں خواب دیکھ کر اُٹھے اور اٹھ کر پوچھے کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ کم کھایا کرو، کھانے میں اور سونے میں تھوڑا وقفہ کرو، لیکن دوسری من گھڑت تصویریں تخیل بناتا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟

اس کی تعبیر یہ ہے کہ خیال کو پاک کرو، اپنے خیال کی تطہیر کرو۔ یعنی طہارتِ ذہن، طہارتِ عقل، طہارتِ قلب، طہارتِ نفس، طہارتِ روح، طہارتِ حقیقتِ انسان، طہارتِ سر جو پہلے مرتبے میں بھی ذکر ہوا ہے وطہارتِ مخصوصِ انسانی، یہ فہرست بعض اہل معرفت نے ذکر کی ہے، از جملہ جنابِ ابن فناری نے ذکر کی ہے یہ بزرگان اہل معرفت میں سے ہیں یعنی عرفاء میں سے ہیں، چار درجاتِ طہارت کہ جو آپ کی خدمت میں پہلے ذکر کئے ہیں وہ جنابِ غزالی سے ہیں،

طہارت کے درجے

انہوں نے طہارت کے چار مرتبے ذکر کیے ہیں اور ابن فناری نے انہی چار مرتبوں کی تفصیل کی ہے اور عرض کیا تھا کہ چودہ مرتبے ہیں، ان چودہ کی بھی مزید تفصیل ہے، جس طرح سے کہا تھا کہ طہارتِ حواس کی مزید پانچ حصوں کے لحاظ سے تقسیم کر کے پھر ہر حصے کے لئے طہارت کے درجات ذکر کر سکتے ہیں، حاصلِ مطلب یہ ہے کہ فہمِ قرآن کے لئے ادبِ دوم تطہیر قلب ہے، لیکن پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ طہارت کہتے کس کو ہیں؟ اور دل کو کیسے پاک کریں؟ اصلاً دل کس چیز سے آلودہ ہے کہ اس کو پاک کریں؟ کجی سے دل کیا مراد ہے؟ تب ہمیں اس کی طہارت سمجھ میں آئے گی۔

انشاء اللہ اس فصل کے حصۂ دوم میں درج کیا جائے گا کہ دل کی ظرفیت کس وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دل کو کون کون سی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں کہ جن سے قلب کو پاک کرنا ہے۔

طہارت کے درجے

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۸۳)

(۲)......(الانسان الکامل فی نہج البلاغة، الجزء ۱، صفحه ۲)(فضائل و سیره چهارده معصوم (ع) در آثار استاد علامه حسن زاده آملی مدظله، الجزء ۱۳، صفحه ۱)

(۳)......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۶۹)

(۴)......(من لا یحضره الفقیه - للشیخ الجلیل الاقدم الصدوق أبی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه القمیؒ، الجزء ۴، صفحه ۹۵)(میزان الحکمة - الریشهری، الجزء ۵، صفحه ۱۲۱)(الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰهِ المُنزَل - الشَیخ نَاصِر مَکارم الشِیرازی مدظله، الجزء ۱۶، صفحه ۳۳۰)(تفسیر نور الثقلین)(أحکام القرآن-القاضی محمد بن عبد اللّٰه أبو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی، الجزء ۱، صفحه ۳۰۶)

(۵)......(أحکام القرآن -أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص الحنفی، الجزء ۲، صفحه ۵۰۳)

(۶)......(أحکام القرآن -أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص الحنفی، الجزء ۲، صفحه ۵۰۳)

(۷)......(الکافی- الکلینیؒ، الجزء ۴، صفحه ۷۹)(تهذیب الاحکام فی شرح المقنعة للشیخ المفید رضوان اللّٰه علیه - الشیخ الطوسیؒ، الجزء ۶، صفحه ۱۶۷)(وسائل الشیعة- الفقیه المُحدِّثِ الشیخ مُحمّدُ بن الحسن الحُر

العامليؒ،الجزء ۱۵،صفحہ ۱۲۱)

(۸)......(تهذيب الاحكام فى شرح المقنعة للشيخ المفيد رضوان اللّٰه عليه-الشيخ الطوسيؒ،الجزء۶،صفحہ۱۵۷)(وسائل الشيعة-الفقيه المُحَدّثِ الشيخ مُحمّدُ بن الحسن الحُر العامليؒ،الجزء۱۵،صفحہ۱۲۰)

(۹)......(احكام القرآن،الجزء۴،صفحہ ۴۵)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ حشر،آیہ۱۹)

(۱۱)......(دیوان حافظ شیرازی،از روی نسخۂ تصحیح شدۂ علامہ محمد قزوینی،غزل ۲۳۲،صفحہ۱۸۲)

(۱۲)......(امثال القرآن)(انسان و قرآن،الجزء۲،صفحہ۱۲)(بحار الأنوار،الجزء ۱،صفحہ۲۲۵)(مصباح الشريعة المنسوب للصادق عليه السلام، الجزء ۱،صفحہ۵)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ انعام،آیہ۱۲۵)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ شرح،آیہ۱)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ شرح،آیہ۲)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ اسراء،آیہ۷۹)

(۱۷)......(سورۂ مبارکہ مزمل،آیہ۵)

(۱۸)......(النظرية الاجتماعية فى القرآن الكريم،الجزء۷،صفحہ۱۲۵)(قرآن در آیینہ احکام)(مَصَاعِدُ النَّظَرِ للاشْرَافِ عَلَى مَقَاصِدِ السِّوَرِ،الجزء ۱،۲۴۷)

(أعلام الدين فی صفات المؤمنين)(بحار الأنوار - العلم العلامة الحجة فخر الامة المولی الشيخ محمد باقر المجلسیؒ،الجزء۷۷،صفحه ۳۴۴)
(ميزان الحكمة - الريشهری،الجزء۸،صفحه ۲۰۵)

(۱۹)......(من لا يحضره الفقيه - للشيخ الجليل الاقدم الصدوق أبی جعفر محمد بن علی بن الحسين بن بابويه القمیؒ،الجزء ۱ ،صفحه ۵۳)(الحدائق الناضرة - المحقق البحرانیؒ،الجزء۸،صفحه۱۰۸)(تذكرة الفقهاء، الجزء ۱ ،صفحه۲۰۲)(وسائل الشيعة- الفقيه المُحَدِّث الشيخ مُحمّد بن الحسن الحُر العاملیؒ،الجزء۲ ،صفحه۲۳)(اثنا عشر رسالة - المحقق الداماد،ؒالجزء۲ ،صفحه۹۷)(ذخيرة المعاد- المحقق السبزواریؒ، الجزء ۱ ،صفحه۱۷۴)كتاب الطهارة - الشيخ الأنصاریؒ، الجزء۲ ،صفحه۳۱۴)(مشارق الشموس - المحقق الخوانساریؒ، الجزء ۱ ،صفحه ۲۱۴)(منتهی المطلب - العلامة الحلیؒ،الجزء ۱ ،صفحه۳۶۴)

فصلِ ادبِ دوم

﴿طھارتِ قلب﴾

(حصّہ دوم)

۱)دل مانندِ ظرف ھے

۲)دل کی ظرفیت کا کم اورزیادہ ھونا

۳)دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطھیر کی ضرورت

٤)مبلغین پھلے اپنے مُخَاطَبْ تیار کریں

٥)انبیاءعلیہم السلام کا طریقۂ تبلیغ

٦)قرآن ھر دل میں داخل نھیں ھوتا

۷)خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ھیں

۸)پاك دل موردِ نگاہِ خدا

۹)تطھیرِ قلب اعضاء و جوارح سے ظاھر ھوتی ھے

۱۰)اللّٰہ کو پاکیزہ لوگ پسند ھیں

۱۱)قرآن کے مطابق دل کی بیماریاں

- 1) غِلْظَتْ
- 2)غرور و تکبر
- 3)گناہ

- 4)غفلت
- 5)ضعف
- 6)مختوم دل
- 7)مطبوع دل
- 8) غیر متفقہ دل
- 9)زیغ شدہ دل
- 10)اندھے دل
- 11)بیزار دل
- 12)مقفل دل
- 13)قسی دل
- 14)مغلوف دل
- 15)پردوں سے ڈھکے ہوئے قلوب
- 16)غل رکھنے والے دل
- 17)مُشَرَّب دل
- 18)نفاق رکھنے والے دل
- 19)غیظ والے دل
- 20)شک والے دل
- 21)لھوی دل
- 22)زنگ آلود قلوب

۱)دل مانندِ ظرف ہے

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے دل کو ظرف قرار دیا ہے، نہج البلاغہ کے حصہ سوم میں کلماتِ قصار کے اندر حکمت نمبر ۱۴۷ میں وَصَایا ہیں جو امیر المومنین علیہ السلام نے کمیلؓ ابن زیاد نجفی کو کہ جو شاگردِ معروف اور مشہور صحابئ امیر المومنین علیہ السلام ہیں بیان فرمائیں اور کمیلؓ نے اس کا شانِ نزول بھی اس طرح سے ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شب میرا ہاتھ سے پکڑا اور نخلستان میں لے گئے اور وہاں خلوت میں جا کر حضرت علیہ السلام نے مجھے نصیحتیں بیان فرمانا شروع کیں اور آغاز ان جملوں سے کیا کہ

یَا كُمَيْلُ بْنِ زِيَادٍ، اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ أَوْعِيَةٌ، فَخَيْرُهَا أَوْعَاهَا......(۱)

اے کمیلؓ ابن زیاد! بے شک یہ دل ظروف ہیں پس ان میں بہترین ظرف وہ ہے جو زیادہ وسعت رکھتا ہو......

اوعیہ، وعا کی جمع ہے وعا ظرف کو کہتے ہیں، بہترین ظرف وہ ہے کہ جس کی ظرفیت سب سے زیادہ ہو، پھر اس کے بعد حضرت علیہ السلام نے کمیلؓ کو مختلف تعلیمات دیں اور وَصَایا ذکر کیں اور ان سے فرمایا کہ

النَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ، وَمُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِيلِ نَجَاةٍ، وَهَمَجٌ رَعَاعٌ......(۲)

لوگ تین قسم کے ہیں: ایک عالم ربانی اور دوسرے نجات کے راستے پر چلنے والا طالبِ علم اور تیسرے رذیل لوگ......

۲)دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا

پس دلِ انسان درحقیقت ظرف ہے اور بہترین دل وہ ہے کہ جس کی ظرفیت سب سے زیادہ ہو، دل کی ظرفیت کبھی کم بھی ہو جاتی ہے اور بڑھ بھی جاتی ہے، خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو دل عطا کیا ہے اور ظرفیتِ دل کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن خود اپنے اعمال کے ذریعے سے بعض انسان اس ظرفیت کو بڑھا لیتے ہیں اور بعض اس ظرفیت میں کمی کر دیتے ہیں، اگر دل کی تطہیر ساتھ ساتھ ہوتی رہے چونکہ دل کے مختلف امراض ہیں مثلاً دل کے اوپر میل چڑھ جاتا ہے، کدورت آجاتی ہے، بہت سارے پردے آجاتے ہیں اور دل کے اوپر بہت ساری چیزوں کی تہہ بیٹھ جاتی ہے، اگر اس تہہ کو صاف نہ کیا جائے اور یہ جمتی رہے تو دل کی ظرفیت میں کمی آجاتی ہے۔

اس مطلب کو ہم بہت سادہ سی مثال سے سمجھ سکتے ہیں، روزمرہ کے برتن جو گھر میں استعمال ہوتے ہیں اگر انہیں دھویا نہ جائے مثلاً وہ دیگچہ یا پتیلا کہ جس کے اندر کھانا پکتا ہے اسے ہر کھانے کے بعد دھویا جاتا ہے، اگر نہ دھوئیں تو اس کے اوپر ایک تہہ جم جاتی ہے، اگر اسی میں اور پکائیں اور دوسری نوبت میں بھی نہ دھوئیں تو اس کے اوپر ایک اور تہہ جم جاتی ہے، اسی طرح کرتے کرتے اس کے اندر تہہ بہ تہہ میل جم جاتا ہے اور جوں جوں اس کے اندر یہ تہہ بڑھتی جاتی ہے اس کی ظرفیت بھی کم ہوتی جاتی ہے، اگر پہلے اس کے اندر آپ دو کلو جنس پکا سکتے تھے تو اب ڈیڑھ کلو پکا سکتے ہیں، اگر پہلے ڈیڑھ کلو پکتا تھا تو اب ایک کلو پکے گا، اگر آپ اسے نہ دھوئیں اور اس کی تطہیر نہ کریں تو خوانخواہ اس کی ظرفیت میں کمی آجاتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کی ظرفیت بالکل بھر جاتی ہے۔

ایک اور سادہ تر مثال یہ ہے کہ آپ نے بعض علاقوں میں شاید دیکھا بھی ہو یا کم از کم سنا ضرور ہوگا کہ دریاؤں کے رخ پہ، دھارے پہ بسا اوقات ڈیم (Dam) بنائے جاتے ہیں، کسی علاقے کی ضرورت کے تحت کھیتی باڑی کے لئے پانی جمع کیا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ بند دریا کے سامنے باندھا گیا ہے لہٰذا جب دریا کا پانی آتا ہے تو اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کے لے آتا ہے، ریت بہا کر لاتا ہے، مٹی بہا کر لاتا ہے، ٹوٹے ہوئے پتھر بہا کر لاتا ہے، مرے ہوئے جانور بہا کر لاتا ہے، کوڑا اور کچرہ بھی بارش کے پانی کے ساتھ بہہ کر اسی ڈیم کے اندر آ جاتا ہے اور تدریجاً اس کو بھرتا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ڈیم کہ جس کے اندر ایک بہت بڑی ظرفیت تھی وہ ایک دن بھر جاتا ہے، ریت سے بھر جاتا ہے، غلاظت سے بھر جاتا ہے، مٹی سے بھر جاتا ہے اور کچرے سے بھر جاتا ہے نتیجتاً پانی کی مقدار اس میں کم ہو جاتی ہے حالانکہ پہلے ایک مقدارِ عظیم اسی کے اندر ذخیرہ ہو جاتی تھی لیکن چونکہ اس کی ظرفیت بھر گئی ہے لہٰذا پانی کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

یہ تجرباتی باتیں ہیں، ہم اپنی روزمرہ کی ضرورت کی چیزوں میں اس کو تجربہ کر سکتے ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو روز آلودہ ہوتی ہیں، مثلاً جب ہم کھلی ہوا میں آتے ہیں تو اس میں آلودگی زیادہ ہے، دھوئیں کی آلودگی ہے، مٹی کی آلودگی ہے اور انواع و اقسام کی آلودگیاں فضا کے اندر موجود ہیں، گرمی سے انسان کو پسینہ آتا ہے تو بدن آلودہ ہو جاتا ہے، یہ بدن روز آلودہ ہوتا ہے اور ہر روز اس کو دھونے کی ضرورت ہے، ہر وہ چیز جو روز آلودہ ہوتی ہے، روز گندی ہوتی ہے، اس کو روزانہ دھونے کی ضرورت ہے، اگر آلودگی روزانہ ہو اور طہارت سالانہ ہو تو اس صورت میں انسان خود نتیجہ دیکھ لے

دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا

گا، لہٰذا آلودگیاں ظرفیت کو بھر دیتی ہیں نتیجتاً اس کے اندر وہ متعلقہ چیز کہ جس کا یہ ظرف تھا اب اس کے اندر نہیں سما سکتی یا کم از کم اس کی ظرفیت کم ہو جاتی ہے۔

دل کی ظرفیت کا کم اور زیادہ ہونا

یہی حال دل کا بھی ہے، دل اگرچہ جسم نہیں ہے، انسان کا دل فہم کا مرکز ہے، انسان کی عقل ہے یعنی چونکہ یہ سارے امور دل کے متعلقات میں سے ہیں، سمجھنا، احساس کرنا اور تحرک پیدا کرنا اور دل روزمرہ آلودگیوں، نجاستوں اور غلاظتوں کے معرض میں ہے کہ جیسے ہمارا جسم معرضِ آلودگی میں ہے لہٰذا دل بھی روز آلودہ ہوتا ہے، نگاہیں کرنے سے آلودہ ہوتا ہے، سننے سے آلودہ ہوتا ہے اور بولنے سے آلودہ ہوتا ہے، سوچنے سے آلودہ ہوتا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو بھی لایعنی بات کریں یعنی جو منہ میں آئے کہتے جائیں، بے ربط بات کہتے جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، زیادہ سے زیادہ سننے والا بور ہوتا ہے، نہیں، بلکہ سننے والے سے زیادہ انسان کے خود اپنے اندر مشکل کھڑی ہو جاتی ہے، لغو باتیں کرنے سے، لغویات سننے سے، لغویات دیکھنے سے اور لغویات سوچنے سے انسان کے دل پر اثر پڑتا ہے، یہ دل کی آلودگی کے دریچے ہیں، مسلسل دل آلودہ ہو رہا ہے، نظروں سے، سماعت سے، زبان سے اور مختلف حواس کے ذریعے سے آلودہ ہو رہا ہے۔

یہ دل روز آلودہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو روز پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو روز تطہیر کی ضرورت ہے تاکہ آمادہ رہے، بعض لوگ آلودگیوں سے دل کو بچا لیتے ہیں اور دل کی یہ خوبی ہے کہ اگر اس کے اندر میل کچیل آئے تو اس کی ظرفیت بھر جاتی ہے لیکن اگر اس کے اندر نورانیت آئے، نور

آئے، حکمت آئے اور معرفت آئے تو اسکی ظرفیت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔

انسان کے دل کو عام بول چال کی زبان میں کہتے ہیں کہ یہ فلکسبل (Flexible) ہے یعنی اس کی گنجائش بڑھتی ہے، آپ یوں سمجھ لیں کہ ایک ربڑ کی طرح ہے کہ اگر اس کے اندر آلودگی ڈالتے جائیں تو ظرفیت بھر جاتی ہے لیکن اگر اس کے اندر کوئی وزنی چیز ڈالیں تو اس کی ظرفیت بڑھ جاتی ہے، اگر پہلے ایک کلو کے قابل تھا تو اس ایک کلو کے ڈالنے سے دو کلو ظرفیت بڑھ گئی ہے، دو کلو ڈالا تو چار کلو ظرفیت بڑھ جاتی ہے، علم سے ظرفیت بھرتی نہیں ہے بلکہ بڑھتی ہے لیکن آلودگی سے ظرفیت بھر جاتی ہے۔

۳) دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

بعض لوگ تطہیرِ دل میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے دل کو آلودہ نہیں ہونے دیتے ہیں لہٰذا ان کے دل کی ظرفیت بڑھ جاتی ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کے دل تدریجاً بند ہو جاتے ہیں، قرآن نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ سے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جنہوں نے اپنے دل کی ظرفیت کو بھر دیا ہے اور اب ان کے اندر مزید گنجائش نہیں ہے،

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۳)

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر گویا مہر لگا دی ہے کہ نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں، ان کے واسطے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

یعنی ان کے دل بھر چکے ہیں، ان کے دل کی ظرفیت ختم ہو چکی ہے، ان کو بتانا یا نہ بتانا برابر ہے، ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، ان کو موعظہ کرنا یا نہ کرنا برابر ہے، یعنی جیسے کوئی بھری ہوئی چیز ہو مثلاً پتھر ہے کہ جو پُر ہے اور اندر جگہ نہیں ہے، خلا نہیں ہے، جوف نہیں ہے، اس طرح سے کبھی دل بھی بھر جاتا ہے اور پتھر کی طرح ہو جاتا ہے،

ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِنۡ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالۡحِجَارَةِ...... (۴)

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر......

جس طرح پتھر کے اندر سرے سے ایک قطرے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے تو اسی طرح دل کے اندر بھی گنجائش نہیں ہوتی ہے بلکہ ختم ہو جاتی ہے اور قساوت آجاتی ہے۔ پس اگر دل محلِ نزولِ قرآن ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دل جس طرح محلِ نور ہے اسی طرح معرضِ آلودگی، معرضِ نجاست اور معرضِ خطر میں بھی موجود ہے، اس دل کو زنگ لگ جاتا ہے، روایات میں خود لفظِ زنگ استعمال ہوا ہے کہ جس طرح سے لوہے کو زنگ لگتا ہے اس طرح سے دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ زنگ خوردہ دل اپنے اندر نور نہیں سما سکتا، نور اس کے اندر نہیں جا سکتا ہے۔

تطہیرِ قلب سے متعلق معصومین علیہم السلام سے فراواں روایات منقول ہیں، غرر الحکم جو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے کلمات کا مجموعہ ہے اس میں حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

طَهِّرُوا قُلُوبَكُم ......

اپنے دلوں کو پاک کرو، اپنے دلوں کی تطہیر کرو، کس چیز سے تطہیر کرو؟

مِنْ دَرَنِ السَّيِّئاتِ......

گناہوں کی ناپاکی سے، درن میل کو کہتے ہیں، گناہوں کے میل سے اپنے دلوں کو پاک کرو، کیا نتیجہ ہوگا؟

تُضاعَفُ لَكُمُ الحَسَناتُ......

تمہیں کئی گنا حسنات حاصل ہوں گے،

اس طرح امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

طَهِّرُوا قُلُوبَكُم مِنَ الحَسَدِ فَإِنَّهُ مُكْمِدٌ مُضْنِي......(۵)

یعنی اپنے قلوب کو حسد سے پاک کرو بیشک یہ دل کی تنگی، افسردگی اور لاعلاج بیماری کا سبب ہے......

ایک اور حدیثِ مبارک میں ہے کہ

طَهِّرُوا قُلُوبَكُم مِنَ الحِقْدِ، فَإِنَّهُ داءٌ مُوبِيءٌ......(٦)

یعنی اپنے قلوب کو کینہ سے پاک کرو بیشک یہ وبا کی بیماری کی طرح ہے۔

گناہوں کی آلودگیاں ظرفِ دل کو تنگ کر دیتی ہیں لہٰذا جب انسان بارگاہِ خدا میں اپنا چھوٹا ظرف لے کر جاتا ہے تو وہ جلدی بھر جاتا ہے، جیسے سورۂ مبارکہ رعد میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے

فرمایا کہ اگر محروم ہو تو اس محرومی کا گلہ خدا سے نہ کرو، خدا نے تو تمہیں کم نہیں دیا ہے بلکہ تم نے خود کم لیا ہے، اگر معلم یکساں طور پر سب شاگردوں کے لئے ایک درس بیان کرتا ہے اور یہ کسی کو سمجھ میں آتا ہے اور کسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، کوئی سنتا ہے اور کوئی نہیں سنتا ہے تو بعد میں اٹھ کر گلہ نہ کرے کہ مجھے کم سمجھایا اس کو زیادہ سمجھایا ہے، سمجھایا تو یکساں ہے لیکن کسی نے کم سمجھا ہے اور کسی نے زیادہ سمجھا ہے، زیادہ کون سمجھا ہے؟ جس کا ذہن آمادہ تھا، جس کی فہم آمادہ تھی، کم کون سمجھا؟ جس کے اندر غفلت تھی، جو آمادہ نہیں تھا، خداوند کا فرمانا ہے کہ

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا...... (۷)

اس نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیوں میں بقدرِ ظرف بہنے لگا......

خداوند نے آسمان سے یکساں پانی اتارا ہے لیکن ندیاں، نالے، وادیاں اپنی اپنی مقدار میں بہنے کے لئے ہیں یعنی ان کے اندر جتنی گنجائش تھی اتنا ہی پانی ان کے اندر بہا ہے، اس سے زیادہ نہیں بہہ سکتا ہے، یہ بات خداوند کے قانون کے خلاف ہے کہ ظرفیت سے زیادہ کسی جگہ کچھ ڈال دے چونکہ خود ظرف نابود ہو جائے گا۔ یہ وادیاں، یہ ندیاں رحمتِ خدا کو لینے کے لئے چھوٹی بڑی کیوں ہیں؟ یہ چھوٹی بڑی خدا نے نہیں بنائی ہیں، یہ چھوٹی بڑی ہم نے کر لی ہیں، خدا نے ایک جیسے دل دیئے تھے، لیکن بعض لوگوں نے ان دلوں کی ظرفیت کو بڑھا لیا،

جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے......

جو دوائے دل بیچتے تھے ان کا کاروبار چمک گیا لیکن جو دوائے شہوات بیچتے تھے ان کا دل

بند ہو گیا،

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ......

بعض ایسے تھے کہ جن کی توجہ اپنے دل پر تھی اور انہوں نے اپنے دل کی ظرفیت خوب بڑھالی لہٰذا اب جب رحمتِ خدا اترتی ہے تو ان کے دلوں میں ایک سمندر کی طرح پانی بہہ نکلتا ہے لیکن بعض ایسے ہیں کہ جن کے دل میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکتا ہے کیونکہ انسان کا دل جب اتنا سخت ہو جاتا ہے تو قرآن نے یہ کہا ہے کہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَۃً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْھَارُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ٥

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت کہ پتھروں میں سے تو بعض سے نہریں بھی جاری ہو جاتی ہیں اور بعض شگافتہ ہو جاتے ہیں تو ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض خوفِ خدا سے گر پڑتے ہیں لیکن اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

کچھ پتھر ایسے بھی ہیں کہ جن سے پانی پھوٹتا ہے لیکن کچھ دل ایسے ہیں کہ ان سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک سکتا، ان کے اندر ایک قطرہ تک نہیں اتر سکتا ہے، کچھ دل ایسے ہیں کہ جن سے پانی نکلتا ہے، چشمے پھوٹتے ہیں لیکن علم و حکمت کے بارے میں ایک رطوبت تک ان کے دلوں میں اثر نہیں کرتی ہے، پس یہ وہ انسان ہیں کہ جنہوں نے خود اپنے دل کو میل سے پاک نہیں کیا ہے چونکہ دل و

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

نفس روز معرضِ آلودگی میں ہے، روز کا کام روز کرنا چاہئے، ایسا تو نہیں ہے کہ پسینہ ہمیں روز آئے اور نہائیں ہم مہینے کے بعد، چھ مہینے کے بعد یا سال کے بعد۔

دل کی ظرفیت بڑھانے کیلئے تطہیر کی ضرورت

بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا گینز بک کے اندر ریکارڈ ہے کہ چھ سال کے بعد ایک دفعہ نہایا ہے اور وہ بھی کسی نے زبردستی نہلا دیا ہے، بعض کو تو صرف مردہ شو نہلائے گا یعنی اس لئے نہیں نہاتے ہیں کہ وہ پیسے جو اس کو دیں گے وہ مفت میں نہ کھائے بالآخر اس کو بھی زحمت کرنی پڑے، ایسا نہ کریں بلکہ روز نہائیں اور روز جسم پاک کریں، جس طرح جسم کے بارے صفائی کا خیال کرتے ہیں اسی طرح دل کی صفائی کا بھی خیال کریں، دل زیادہ معرض خطر ہے، جسم کو آپ نے کپڑوں میں لپیٹا ہوا ہے لہٰذا پھر بھی آلودگیوں سے بچ جاتا ہے لیکن دل عریاں ہے، دل کے دروازے سب پر کھلے ہوئے ہیں، اس کے دریچے ہر چیز پر کھلے ہوئے ہیں، آلودگی ہر طرف سے دل کے اندر آرہی ہے خصوصاً اس زمانے میں ٹی وی دیکھو تو آلودگی دل میں آرہی ہے، ٹیلیفون سنو تو آلودگی دل میں آرہی ہے، آنکھ کھول کر بازار میں جاؤ تو آلودگی دل میں آرہی ہے، کسی کی بات سنو تو آلودگی دل میں آرہی ہے۔

آپ یہ دیکھیں کہ چوبیس گھنٹوں میں کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جو ہم سے حکمت کی باتیں کرتے ہیں اور کتنے ہیں جو ہم سے لغویات تبادلہ کرتے ہیں یعنی جس کو ہم تبادلۂ افکار کہتے ہیں حقیقتاً ان کا نام تبادلۂ لغویات ہے، ایک لغو بات میں کرتا ہوں، ایک لغو بات وہ کرتا ہے اور اس طرح لغویات کا تبادلہ ہو رہا ہوتا ہے، میں اس کا دل آلودہ کر رہا ہوں اور وہ میرا دل آلودہ کر رہا ہے البتہ جب میں بات کرتا ہوں تو میری بات سے اس کا دل بھی آلودہ ہوتا ہے اور میرا اپنا دل بھی آلودہ ہوتا

ہے، یہ نہیں ہے کہ فقط اس کا دل آلودہ ہوتا ہے بلکہ ہر دو کا دل آلودہ ہوتا ہے، پس اس دل کو روز تطہیر کی ضرورت ہے، درنِ سیئات یعنی ان گناہوں کے میل سے دل کو پاک کرو۔

٤) مبلغین پہلے اپنے مُخَاطَبْ تیار کریں

قرآن کا بھی دستور ہے کہ لوگ پہلے اپنے دل کی تطہیر کریں اور انبیاء علیہم السلام کو بھی خداوند تبارک وتعالیٰ نے جہاں خطاب پر مامور کیا ہے تو وہاں مُخَاطَبْ تیار کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ کام مبلغین کو سیرتِ انبیاء علیہم السلام سے سیکھنا چاہئے، ہم فقط اس بات پر مامور نہیں ہیں کہ جو بات اپنے ذہن میں ہے وہ دوسروں تک منتقل کرنا ہے، مبلغ کا فقط یہ فریضہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ دیکھے کہ جس ذہن میں منتقل کرنا ہے وہ ذہن اس بات کے لئے تیار بھی ہے یا نہیں ہے؟ اور ممکن ہے کہ تیار نہ ہو، جیسے کہ نہیں ہوتا ہے چونکہ لوگوں کے دل روزمرہ کی زندگی میں مشغول رہتے ہیں، دنیا کے اندر مشغول رہتے ہیں، روزمرہ کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں، اپنی پریشانیوں میں، اپنے غم وحزن میں اور کاوبارِ دنیا میں مشغول رہتے ہیں لہٰذا یہ دل کہ جس کے اوپر آلودگیاں بھی ہوں، جو گناہ بھی کرتا ہو، جس میں غفلت بھی ہو، جو پریشان بھی ہو اور جو مشکلات میں بھی گرفتار ہو تو آپ کا کام فقط یہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کو فقط قرآن کی آیت سنا کر آجانی ہے اور اس طرح اپنا فریضہ انجام دے دینا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ......(٨)

اور ہماری ذمہ داری صرف واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے۔

بلکہ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ پہلے اس دل کو تیار کریں، اگر انسان دوسوم وقت، دوتہائی وقت دل تیار کرنے میں لگائے اور پھر ایک تہائی وقت میں اصلی بات بتائے تو اس نے وقت ضائع نہیں کیا ہے بلکہ اپنی بات درست طریقے سے منتقل کی ہے۔

۵) انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ تبلیغ

قرآن نے فریضۂ انبیاءؑ اور تبلیغِ انبیاءؑ کا طریقہ ذکر کیا ہے،

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ......(۹)

اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے......

جب تک انبیاءؑ تزکیہ نہ کریں، لوگوں کے دلوں کی تطہیر نہ کریں تو دل موعظہ کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ دل تو پہلے سے ہی آمادہ نہیں ہیں کیونکہ دلوں میں پہلے سے ہی بہت کچھ بیٹھا ہوا ہے، دلوں میں مال بیٹھا ہوا ہے، دلوں میں ثروت بیٹھی ہوئی ہے، دلوں میں غیرِ خدا بیٹھا ہوا ہے، دلوں میں مشکلات بیٹھی ہوئی ہیں، دل رنج واندوہ سے بھرے ہوئے ہیں، ان دلوں کے اندر تو جگہ نہیں ہے کہ جو کچھ آپ بتانا چاہتے ہیں وہ ان کے دل میں سما سکے۔ پس پہلے ان دلوں کا تزکیہ کریں، جب تطہیر ہو جائے تو

وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ......(۱۰)

اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے......

اب یہ دل کتاب وحکمت کے لئے تیار ہوگیا ہے ورنہ انسان فقط لوگوں کو جا کر کتاب و حکمت بتانا شروع کردے اور کہے کہ دل تیار کرنا ہمارا کام نہیں ہے تو یہ کام عبث ہوگا۔ فریضۂ انبیاءؑ بھی ہے کہ پہلے تطہیرِ قلوب کریں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمان ہے کہ

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ......(۱۱)

پیغمبر آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیجئے کہ اس کے ذریعے یہ پاک و پاکیزہ ہوجائیں......

یعنی آپ ان کے اموال سے صدقہ لے کر ان لوگوں کی تطہیر کریں، ان کے اموال میں سے ایک حصہ لیں تاکہ ان لوگوں کی تطہیر ہو، اگر تُطَهِّرُهَا یا تُطَهِّرُهُ ہوتا تو معنیٰ یہ ہوتا کہ مال کی تطہیر کرو، **خذ من اموالھم صدقةً تطھرھا** یعنی ان کے اموال سے صدقہ لے کر ان کے مال کو پاک کریں لیکن قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ان کے مال سے صدقہ لو تاکہ آپ ان کو پاک کرو، اس لئے کہ ان کے دلوں کے اندر محبتِ مال ہے، یہ مال ان سے لیں تاکہ ان کا دل پاک ہو، یہ مال راہِ خدا میں انفاق کریں تاکہ ان کا دل پاک ہو، پس پہلے ان کا تزکیہ کریں تاکہ دل آمادہ ہوں۔

٦)قرآن ہر دل میں داخل نہیں ہوتا

نورِ قرآن اترنے کے لئے دل کو تیاری کی ضرورت ہے، ہمارے گھر اگر کوئی محترم مہمان آرہا ہو تو ہم اس کے لئے گھر کو تیار کرتے ہیں کیونکہ بے نظم ہوتا ہے، فرض کریں کہ آپ ہاسٹل (Hostel) میں رہتے ہیں کہ جہاں عموماً بے نظمی ہوتی ہے، جہاں انسان رہتا ہے، پڑھتا ہے، کھاتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے تو وہاں بے نظمی موجود رہتی ہے اور طلاب کے ہاں تو خصوصاً بے نظمی ہی ہے کہ ہمارا نظم ہی بے نظمی میں ہے، ہمارا ڈسپلن (Discipline) یہ ہے کہ ڈسپلن نہ ہو، کوئی چیز جگہ پہ موجود نہ ہو، کتاب دیگچی میں پڑی ہوئی ہو، جراب فرج (Fridge) میں پڑے ہوئے ہوں اور ڈھونڈتے وقت ہر چیز ہر جگہ ڈھونڈی جائے، نظم ہونا چاہئے اور ہر چیز اپنی خاص جگہ پر موجود ہونی چاہئے۔ اگر کمرہ بے نظم ہے، صفائی نہیں ہے اور آپ نے ایک محترم مہمان کو اپنے گھر میں بلالیا ہے تو پہلے گھر کی صفائی کرتے ہیں، اس کو منظّم کرتے ہیں تاکہ یہ محترم مہمان آپ کے گھر میں آجائے۔

بعض مہمان ایسے ہیں کہ اگر ان کے لئے ظرف آمادہ نہ ہو تو وہ مہمان اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جیسے ملائکہ ہیں، روایات میں ہے کہ جس گھر میں کتے پالے ہوئے ہوں وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، ایسے مومنین بھی ہیں، کتے باز مومنین جنہوں نے کتے پالے ہوئے ہیں اور جس گھر میں کتا ہو وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، جس گھر میں گالی دی جاتی ہو وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، جس گھر میں تہمتیں ہوں وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں۔ کتے سے مراد ضروری نہیں ہے کہ چارٹانگوں والے کتے ہوں چونکہ قرآن نے دوطرح کے گدھوں کا ذکر کیا ہے اور دوطرح

کے کتوں کا ذکر کیا ہے، دوٹانگوں والے اور چارٹانگوں والے،

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ......(۱۲)

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھا نہ سکے اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو......

یہ دوٹانگوں والے ہیں، ایک چارٹانگ کا گدھا ہے جو سامان اٹھاتا ہے، ایک دوٹانگوں والا گدھا ہے کہ جو کتابِ آسمانی پڑھنا نہیں جانتا ہے، قرآن پڑھنا نہیں جانتا ہے یا پڑھنا تو جانتا ہے لیکن حقِ قرآن ادا نہیں کرتا ہے، اس کو اپنی زندگی کا منشور نہیں بناتا ہے، قرآن کی زبان میں یہ انسان نہیں ہے۔

بعض انسانوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ أَخْلَدَ اِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۱۳)

اور اگر ہم چاہتے تو اسے انہیں آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تو اب اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے......

قرآن ہر دل میں داخل نہیں ہوتا

بعض انسان ایسے ہیں کہ ان کو چھیڑو تو بھی گالی دیتے ہیں اور نہ چھیڑو تو بھی گالی دیتے ہیں۔ آپ ان سے کوئی سروکار رکھیں یا نہ رکھیں وہ ہر وقت آپ کے پیچھے بول رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ وہ ہیں کہ ان کے اوپر پتھر اٹھاؤ تو بھی بھونکتے ہیں اور نہ اٹھاؤ تو بھی بھونکتے ہیں،

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ......

انکی مثال کتے جیسی ہے، جس گھر میں ایسے لوگ ہوں وہاں ملائکہ داخل نہیں ہوتے ہیں، ملائکہ وہ مہمان ہیں کہ جن کے لئے گھر کو تیار کرنا پڑتا ہے، آمادہ کرنا پڑتا ہے، پس قرآن نور ہے اور نور ہر دل میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

۷) خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ھیں

ذاتِ خدا جمیل ہے،

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ......(۱۴)

بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے......

دعائے سحر میں ہم پڑھتے ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ جَمَالِکَ بِاَجْمَلِهٖ وَ کُلُّ جَمَالِکَ جَمِيْلٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِجَمَالِکَ کُلِّهٖ......

اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے جمال میں سے جو بہت زیبا ہے اور تیرا سارا

خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

جمال زیبا ہے، اے معبود میں تجھ سے تیرے تمام جمال کے ذریعے سوال کرتا ہوں......

یعنی ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ جمالِ محض ہے۔اسی طرح خدا کی ذات بلند اور عالی ہے،

دعائے سحر ہی میں مذکور ہے کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ عُلُوِّکَ بِاَعْلاہُ وَ کُلُّ عُلُوِّکَ عَالٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِعُلُوِّکَ کُلِّہٖ......

اے اللہ میں تجھ سے تیری بلند تر بلندی کے ذریعے سوال کرتا ہوں اور تیری ہر بلندی بلند تر ہے، اے معبود میں تجھ سے تیری تمام تر بلندی کے ذریعے سوال کرتا ہوں......

حدیثِ مبارک میں آیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْاُمُوْرِ......(۱۵)

خدا کو بلند لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند ہمت لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند مرتبہ لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند درجہ لوگ اچھے لگتے ہیں، بلند مقام لوگ اچھے لگتے ہیں، پست اور گھٹیا چیز خدا کو اچھی نہیں لگتی ہے۔

خدا کو جمیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

وَیَکْرَہُ سَفَاسِفَھَا......

یعنی خدا کو اسفل اور پست چیزیں اچھی نہیں لگتی ہیں،

اسی طرح حدیث میں ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الأخْلاق......(۱۶)

خدا کو چھیل اور بلند مرتبہ لوگ پسند ہیں

بیشک اللہ کو بلند اخلاق پسند ہیں……

چونکہ وہ خود بلند ہے لہٰذا اس کو بلندیاں اچھی لگتی ہیں یعنی ایسے بلند ہمت انسان، بلند اخلاق انسان، بلند مرتبہ و بلند مقام انسان خدا کو اچھے لگتے ہیں کہ جن کے درجات بہت بلند ہیں، مجاہدین خدا کو اچھے لگتے ہیں، خاموش اور ساکت بیٹھی ہوئی مخلوق خدا کو پسند نہیں ہے چونکہ مجاہد بلند مرتبہ اور بلند ہمت انسان ہیں۔

اسی طرح خدا کی ذات خود پاک ہے، نور ہے لہٰذا نگاہِ خدا بھی محلِ نورانی پہ جاتی ہے، ہمیں بھی کہا گیا ہے کہ آپ ہر جگہ نہ دیکھو، ہر چہرہ نہ دیکھو، ہر منظر نہ دیکھو، ہر روزن میں نہ جھانکو بلکہ دیکھنے کے لئے انتخاب کرو اور ایسی چیزیں دیکھو کہ جس سے تمہارے دلوں کی اندر نورانیت پیدا ہو، کدورت اور میل کچیل پیدا نہ ہو۔

لہٰذا اپنے دل کو پاک رکھو چونکہ اس میں قرآن اترنا ہے، قرآن فقط عربی نہیں ہے، قرآن کلامِ خدا ہے، نورِ خدا ہے لیکن کیوں نہیں اترتا ہے؟ حفظ بھی کر لیتے ہیں لیکن نورِ خدا نہیں اترتا ہے، قرأت بھی کرتے ہیں لیکن نورِ خدا نہیں اترتا ہے، پڑھ بھی لیتے ہیں لیکن نورِ خدا نہیں اترتا ہے، کیوں نہیں اترتا ہے؟ چونکہ دل آمادہ نہیں ہیں، تلفظ سے تو دل آمادہ نہیں ہوتا ہے، اگر دل پاک ہو جائے تو یہ آمادہ ہو سکتا ہے۔

۸) پاک دل موردِ نگاہِ خدا

مولائے متقین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

قُلُوبُ الْعِبَادِ الطَّاهِرَةُ مَوَاضِعُ نَظَرِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ......(۱۷)

بندوں کے پاکیزہ دل خدا کی نظر (رحمت) کے مقامات ہیں......

یعنی مومنین کے پاک دل، عبادِ خدا کے پاک دل محلِ نگاہِ خدا ہیں،

فَمَنْ طَهَّرَ قَلْبَهُ نَظَرَ اِلَيْهِ......

پس جس نے اپنے دل کو پاک کیا خدا اس کی طرف دیکھے گا......

قیامت میں ایک سخت سزا ہے کہ جسے جہنمِ حرمان کہتے ہیں اور ایک عالی ترین جنت ہے کہ

لَا جَنَّةَ فَوْقَهَا......(۱۸)

اس کے بعد کوئی جنت نہیں ہے،

وہ جنتِ لقاء ہے کہ جو مخصوص بندگانِ خدا و عباد اللہ کے لئے ہے، یہ عباد النعم کے لئے نہیں ہے، نعمتوں کے بندوں کے لئے نعمتوں کی جنتیں ہیں، جنہوں نے نعمتوں کے لئے خدا کی عبادت کی ہے ان کے لئے وہ جنت ہے کہ جو نعمتوں سے بھری ہوئی ہے لیکن جو فقط خدا کے لئے ہیں تو ایسا نہیں ہے کہ خدا ان کو درختوں کے سپرد کردیگا کہ آپ بہت اچھے آدمی ہو لہٰذا درختوں کے چھاؤں میں بیٹھ جاؤ، نہیں، درختوں کی چھاؤں تو ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔

ہمیں سایۂ خدا چاہئے، سایۂ لطفِ خدا چاہئے، سایۂ فیضِ خدا چاہئے، ہمیں اس سائے کی ضرورت ہے، ان کے لئے جنتِ مخصوص ہے اور اس کو جنتِ لقاء کہتے ہیں، یہ جنتِ لقاء میں جائیں گے اور اسی طرح سخت ترین جہنم کونسی ہے؟ سخت ترین جہنم، جہنمِ حرمان ہے، جس کیلئے امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اصلاً برداشت نہیں ہوسکتی ہے، دعائے کمیلؒ میں فرمایا کہ

يَـا اِلٰهِـي صَبَـرْتُ عَـلٰى حَرِّ نَارِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَنِ النَّظَرِ اِلٰى كَرامَتِكَ......

اے خدا جہنم کی آگ کے شعلے پہ صبر ہوسکتا ہے لیکن تیری نگاہ نہ ہو، تو مجھے نہ دیکھے، یہ کیسے برداشت ہوسکتا ہے؟ یہ برداشت نہیں ہوسکتا اور خداوند نے قرآن میں فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥(١٩)

اور نہ خدا ان سے بات کرے گا اور نہ روزِ قیامت ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ انہیں گناہوں کی آلودگی سے پاک بنائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خدا کا ان سے بات نہ کرنا اور ان پر نظر نہ کرنا کنایہ ہے یعنی ان پر خدا کی توجہ نہیں ہوگی، یہ جہنمِ حرمان میں ہوں گے، جہنمِ حرمان سب سے بڑی جہنم ہے، پس انسان پر نگاہِ خدا بالاترین لطف ہے، جس کے اوپر نگاہِ خدا پڑے تو وہ منتخبِ خدا ہے، وہی برگزیدۂ خدا ہے کہ جس نے اپنے دل کو تیار

کیا ہوا ہے۔ابھی لوگ امامِ زمانہ علیہ السلام کے پیچھے گھومتے ہیں کہ امامِ زمانہ علیہ السلام کہیں مل جائیں اور امامِ زمانہ علیہ السلام انہی لوگوں کے شر سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ جو امام علیہ السلام کے پیچھے گھومتے ہیں لیکن اگر کوئی دل آمادہ ہو تو امام علیہ السلام خود اس کی طرف آتے ہیں، چونکہ جب دل آمادہ ہو، پاک ہو تو خدا نگاہ کرتا ہے لہٰذا اولیائے خداؑ بھی وہیں نگاہ کرتے ہیں کہ جہاں خدا کی نگاہ ہے، اللہ کی نگاہ قلوبِ مطہرہ کے اوپر ہے؛

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ٥ (۲۰)

پاکیزہ لوگوں کے علاوہ قرآن کو کوئی مس نہیں کرسکتا ہے یعنی سمجھ نہیں سکتا ہے اور قرآن کو دل نے مس کرنا ہے پس جب تک دل پاکیزہ نہیں ہو تو قرآن کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

۹)تطہیرِ قلب اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے

فہمِ قرآن تطہیرِ قلب پر موقوف ہے، دل کو پاک رکھیں لیکن اس طرح سے نہیں کہ جس طرح عام آلودہ لوگ عملِ صالح ترک کر کے کہتے ہیں کہ بس دل پاک ہونا چاہئے، نہیں، ان کے دل ناپاک ہیں اسی لئے تو عملِ صالح سرزد نہیں ہوتا ہے، بالآخر انسان کے اعضاء و جوارح سے تطہیرِ دل و طہارتِ قلب نمایاں ہوجاتی ہے۔جیسے کہا تھا کہ دل تین چیزوں کا مرکز ہے، فہم کا مرکز ہے، احساسات کا مرکز ہے اور تحریکات کا مرکز ہے۔اعضاء و جوارح میں جو حرکت پیدا ہوتی ہے یہ دل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، زمامِ اعضاء دل کے پاس ہے، دل ان کا امام ہے، دل ضمام دار ہے، اعضاء و

جوارح کا فرماں رواو حکمران دل ہے، حکومت دل کی ہے، پس اعضاء و جوارح سے جو سرزد ہوتا ہے وہ دل نے کروایا ہے، آنکھ نے جہاں دیکھا ہے تو دل نے کہا ہے کہ اسے دیکھو اور کان نے جو سنا ہے تو دل نے کہا ہے کہ اس کو سنو، دل مائل ہوتا ہے پھر اعضاء و جوارح حرکت میں آتے ہیں، دل اگر پاک ہو تو ان سے نور ٹپکتا ہے، فارسی میں ایک ضرب المثل ہے کہ

از کوزہ انچہ تراود کہ در اُوست

تطہیرِ قلب اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے

کوزے سے وہی چیز ٹپکتی ہے کہ جو اس کے اندر موجود ہو، اگر کوزے کے اندر پاک چیز ہے تو پاک چیز باہر ٹپکے گی، اگر ناپاک چیز ہے تو ناپاکی باہر ٹپکے گی، اسی طرح اعضاء و جوارح دل کے اندر موجود چیزوں کے ٹپکنے کا ایک ذریعہ ہیں یعنی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ فانوس کے اندر جیسا نور ہوتا ہے ویسا ہی شیشے سے باہر آتا ہے، اگر اندر نورِ سفید ہو تو نورِ سفید باہر آتا ہے، نورِ زرد ہو تو نورِ زرد باہر آتا ہے، انسان کے دل میں اگر سیاہی ہو تو اعضاء و جوارح سے سیاہی ٹپکتی ہے یعنی گناہ، اگر دل کے اندر تطہیر ہو، پاکی ہو، طہارت ہو تو اعضاء و جوارح سے طہارت ٹپکتی ہے، کن لوگوں کی زبان سے نور ٹپکتا ہے؟ جن کے دل میں نور ہے یعنی انسان بولتا ہے تو جملوں سے نور ٹپکتا ہے، کن لوگوں کی نگاہوں سے نور نکلتا ہے؟ جن کے دل میں نور ہے، آپ نے دیکھا ہوگا، بعض ایسی بارگاہیں ہیں، بارگاہوں سے مراد مزارات نہیں ہیں، بارگاہ سے مراد محضر ہے یعنی بعض شخصیات، بعض بزرگان کہ جیسے مسلم و غیر مسلم نے، شیعہ و غیر شیعہ نے، سب نے متفقاً کہا ہے کہ امام خمینیؒ سے مل کر ہم نے ان کی نورانیت حس کی ہے یعنی امامؒ کی نگاہوں کی نورانیت اس نے لمس کی

ہے، محسوس کی ہے کہ اس شخص کے اندر نورانیت موجود ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام میں ایسا ہی تھا، اصحاب آتے تھے اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے پاس آکر بیٹھتے تھے تو اس نورانیت کو محسوس کرتے تھے مثلاً امام صادق علیہ السلام کے پاس ایک شخص آکر بیٹھا اور کہا کہ تعجب ہے جب ہم آپ کے سامنے ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے اور جب آپ کی بارگاہ سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہوتی ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یوں ہی ہونا چاہئے، اگر یوں نہ ہوتا تو تعجب ہوتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہاں آپ ایک خلیفۂ خدا کی بارگاہ میں ہیں جو بنورِ وجہہ اللہ دیکھتا ہے، جو نورِ خدا سے دیکھتا ہے اور اس کی نورانی نگاہیں تمہارے اوپر پڑتی ہیں، جب یہاں سے باہر جاتے ہو تو تم پر آلودہ لوگوں کی نگاہیں پڑتی ہیں، پھر کس طرح سے تمہاری روحوں کے اندر وہ نشاط پیدا ہو جو امام علیہ السلام کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اعضاء و جوارح سے وہی چیز سامنے آتی ہے کہ جو دل کے اندر موجود ہو۔

۱۰) اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں

خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی یہی بیان فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ٥ (۲۱)

بتحقیق خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خدا کو پاک لوگ پسند ہیں، توبہ بھی طہارت و تطہیر ہے، خدا کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں، چونکہ وہ

خود پاک ہے۔ عام طور پر اردو زبان یا پنجابی زبان لوگ خداوند تبارک وتعالیٰ کو جن اسماء سے یاد کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ پاک کہتے ہیں۔ ایسا عربی میں کم ہوتا ہے، فارسی میں نہیں ہوتا ہے لیکن دیکھا ہے کہ اردو زبان لوگ یا اردو سے متعلقہ زبانوں مثلاً پنجابی زبان والے اکثر جب خدا کو یاد کرتے ہیں تو اللہ پاک کہتے ہیں اور بہت خوبصورت طریقے سے کہتے ہیں، خدا واقعاً پاک ہے اور پاک کو پاک چیزیں پسند ہیں لہٰذا ان دلوں کی تطہیر کریں، قرآن مجید نے دلوں کے لئے کچھ آلودگیاں ذکر کی ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ فقط یہ کہا ہے کہ پاک کرو لیکن یہ نہ بتایا ہو کہ کن چیزوں سے دل کو پاک کرنا ہے، اول یہ کہ انسان اگر خود دل میں جا کر دیکھے تو اسے معلوم ہے کہ دل کے اندر کیا موجود ہے؟ انسان خود اپنے دل سے آگاہ ہے،

اللہ کو پاکیزہ لوگ پسند ہیں

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ (۲۲)

بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے حالات سے خوب باخبر ہے۔

لہٰذا پہلے ان غلاظتوں سے دل پاک ہو ورنہ ہم پر موعظہ، وعظ، کلامِ خدا اور نصیحتیں اثر نہیں کریں گی، علامہ اقبالؒ نے بالِ جبریل کے آغاز میں بھرتری ہری کا ایک شعر نقل کیا ہے کہ

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

ہیرا سخت ترین دھات ہے اور پھول کی پتی نازک ترین موجود ہے کہ جس کو گرم ہوا لگے تو مرجھا جاتی ہے، پژمردہ ہو جاتی ہے لیکن یہی پھول کی پتی ہیرے کا جگر کاٹ سکتی ہے یعنی سخت ترین

دھات کو یہ پھول کی پتی کاٹ سکتی ہے لیکن نادان انسان، جاہل انسان، احمق انسان کہ جس کا دل ناپاک ہو اس کے اوپر کلامِ نرم و نازک بے اثر ہے، کلامِ خدا بے اثر ہے، کلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اثر ہے، یہ حقیقت ہے، خداوند نے فرمایا ہے کہ

سَوَاءٌ عَلَيۡهِمۡ أَأَنۡذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ٥

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ جو معجزہ کا اثر رکھتی ہے لیکن خدا نے کہا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو ان کے ساتھ نہ تھکائیں۔

بعض کے بارے میں فرمایا کہ

سَوَاءٌ عَلَيۡهِمۡ أَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفَاسِقِيۡنَ ٥ (۲۳)

ان کے لئے سب برابر ہے چاہے آپ استغفار کریں یا نہ کریں خدا انہیں بخشنے والا نہیں ہے کہ یقیناً اللہ بدکار قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

خدا انہیں کیوں معاف نہیں کرے گا؟ اس لئے کہ ان کی ظرفیت بھر چکی ہے، ناپاکی ان کے وجود کا حصہ بن چکی ہے، اب نہ کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اثر کرے گا اور نہ کلامِ خدا اثر کرتا ہے چونکہ دل ناپاک ہیں اور آمادہ نہیں ہیں۔

اللہ کو یاد کرنے والے لوگ پسند ہیں

۱۱)قرآن کے مطابق دل کی بیماریاں

قرآن نے دل کی ان بیماریوں کا ذکر کیا ہے کہ جن چیزوں سے دل کو پاک کرنا ہے تا کہ ہمارا ذہن قرآن کو مس کر سکے اور قرآن ہمارے ذہنوں میں نازل ہو سکے، ہمارے دلوں کے اندر جو چیزیں رکاوٹ بن کے بیٹھی ہوئی ہیں ان بیماریوں کے ہر عنوان کے پیچھے ایک سے زیادہ آیات موجود ہیں یعنی ایک سے بیشتر آیات کے اندر ان بیماریوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے چند بیماریوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

1) غِلْظَتْ

امراض دل میں ایک بیماری غِلْظَتْ ہے، اس میں دل غلیظ ہو جاتا ہے، عرفِ عام میں یعنی عام بول چال میں غلیظ گندی چیز کو کہتے ہیں لیکن ادبی زبان میں یا لغت کے لحاظ سے اسے غلظت کہتے ہیں یعنی جو شفاف نہ ہو، جیسے شیشہ صاف ہوتا ہے، کسی چیز کے اندر شفافیت نہ ہو تو کہتے ہیں کہ وہ غلیظ چیز ہے یعنی جس سے نگاہ عبور نہ کرے، جس سے نور نہ گزرے اس کو غلیظ کہتے ہیں مثلاً دیوار ہے کہ اس سے نور باہر نہیں جاتا ہے اور نہ اندر آتا ہے لہذا یہ غلیظ ہے لیکن شیشہ کہ جیسے عینک ہے، عینک کا شیشہ غلیظ نہیں ہے بلکہ لطیف ہے کیونکہ اس سے نور گزرتا ہے۔ جس سے نور گزرتا ہو اسے لطیف کہیں گے اور جس سے نور رک جاتا ہے اس کو غلیظ کہتے ہیں، قرآن نور ہے اور یہ غلیظ دلوں میں نہیں اترتا ہے، کیوں نہیں اترتا ہے؟ چونکہ دل غلیظ ہیں، ان کے اندر غلظت ہے، شفافیت نہیں ہے۔ قرآن نے غلظت کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ٥(۲۴)

پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو ورنہ اگر تم بدمزاج اور غلیظ القلب ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے لہٰذا اب انہیں معاف کردو۔ ان کے لئے استغفار کرو اور ان سے امر جنگ میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو کہ وہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

غرور و تکبر

2) غرور و تکبر

ایک بیماریٔ دیگر کہ جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے وہ غرور اور تکبر ہے، بعض ایسے دل ہیں کہ جن کے اندر غرور ہے۔ قرآن میں متکبر قلب کیلئے خدا کا فرمان ہے کہ

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ٥(۲۵)

جو لوگ آیات الٰہی میں بحث کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے کوئی دلیل آئے وہ اللہ اور صاحبانِ ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اور اللہ اس طرح ہر مغرور اور سرکش انسان کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تکبر سے مراد اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنا ہے یعنی احساسِ کبرائی، اپنے اندر کبریائی کا احساس کرنا بھی دل کی بیماری ہے اور شیطان اسی بیماری سے گرا ہے، اس نے کہا کہ

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ٥ (٢٦)

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے خاک سے بنایا ہے۔

لہٰذا

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ...... (٢٧)

میں اس سے بہتر ہوں،

یہ تکبر تھا یعنی بزرگ بینی، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، جنوں میں سے ایک شیطان ہوا ہے لیکن انسانوں میں سے دیکھیں کہ کتنے ہیں؟ کہ جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور بالاتر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ، اور خدانخواستہ کہیں ہم خود نہ ہوں کہ یہ کہیں کہ دوسروں سے بہتر ہیں یعنی سب گناہ کر کے بھی دوسروں سے بہتر ہیں، متکبر دل میں قرآن اثر نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اترتا ہے، ممکن ہے کہ عبادتوں کی وجہ سے تکبر آ جائے، اچھے انسانوں میں بھی تکبر ہوتا ہے اور اتفاقاً زیادہ خطرے اچھے انسانوں کو درپیش ہیں، بعض گناہ گار ہیں کہ ان کے پاس گناہ کے باوجود تکبر ہے اور بعض تواضع کے ساتھ گناہ کرتے ہیں، بعض بیماریاں مذہبی لوگوں کی ہیں یعنی جو صرف مذہبی لوگوں کو لگتی ہیں باقی لوگوں کو نہیں لگتی ہیں، جیسے بعض بیماریاں ہیں کہ جو مخصوص زنانہ بیماریاں ہیں جو فقط عورتوں کو ہوتی ہیں مردوں کو نہیں ہوتی ہیں اسی طرح بعض بیماریاں مذہبیوں کی بیماریاں ہیں، بسا

غرور و تکبر

اوقات آدمی عبادت کرتا ہے اور اسی عبادت پہ تکبر کرتا ہے۔

مولانا روم نے مثنوی میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک عبادت گزار انسان کہ جس کی نماز شب کبھی ترک نہیں ہوئی تھی، ایک رات تھکا ہوا تھا تو نماز کے لئے نہیں اٹھا، شیطان نے آکر اس کو اٹھایا کہ اٹھو صبح ہونے والی ہے اور نمازِ شب پڑھو، اس نے شیطان کو دیکھا تو پہچان لیا اور تعجب بھی کیا کہ شیطان مجھے نمازِ شب کے لئے اٹھا رہا ہے؟ سوال اٹھا، اس نے کہا کہ تو شیطان ہے اور مجھے نماز کے لئے اٹھا رہا ہے! شیطان نے کہا کہ تم انسان بھی عجیب ہو، تمہارے ساتھ نیکی کرو تو بھی برا کہتے ہو اور برائی کرو تو بھی برا کہتے ہو، نماز کے لئے اٹھایا ہے کوئی برا کام تو نہیں کیا ہے، لیکن یہ خوب ہے کہ شیطان نیکی کرے تو اس میں بھی شک کرو، امریکا اگر کوئی بھلائی بھی کرے تو اس میں شک کرو، یورپ اگر کوئی نیکی کرے تو بھی اس میں شک کرو، یہ شیطان ہے، یہ آپ نے نیکی کیوں کی؟ اس شخص نے کہا کہ نماز کو رہنے دو، پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں اٹھایا؟ تم تو شیطان ہو، بہرکیف پہلے تو شیطان نے ٹرخانا چاہا لیکن اس کے اصرار پر آخرکار اس نے بتا دیا، کہا کہ میں نے تجھے اس لئے اٹھایا ہے کہ تیری نمازِ شب کبھی ترک نہیں ہوئی تھی اور اس وجہ سے تو غرور میں مبتلا تھا، تو دوسروں سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتا تھا، تو اس سلسلے میں میرا بھائی تھا، میں بھی اس سلسلے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہوں، صرف اس وجہ سے اُٹھایا کہ تو نمازِ شب روز پڑھتا ہے، تو کہتا تھا کہ

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ......

اور آج تیری یہ نماز چھوٹ رہی تھی کہ جس کی وجہ سے آج تیرا تکبر ٹوٹ رہا تھا اور میں نہیں

غرور و تکبر

چاہتا تھا کہ تو تکبر سے باہر آئے اس لئے تجھے اٹھایا تا کہ تو متکبر ہی رہے۔

بعض اوقات انسان ایک اچھا کام کر کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی چیز قرآن سمجھنے میں مانع بن جاتی ہے، بعض ایسے ہیں کہ ان کے اندر یہی تکبر ہے کہ ہم کیوں پڑھیں؟ ہم کیوں مطالعہ کریں؟ ہم کیوں وہاں جائیں؟ ہم کیوں سنیں؟ ہم کیوں بیٹھیں؟ ہم کیوں مباحثہ کریں؟ یہ مغرور ہیں، آخر میں یہی محروم رہ جاتے ہیں۔

3) گناہ

دل کی ایک بیماری گناہ ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۝ (۲۸)

اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہیں مل رہا ہے تو کوئی رہن رکھ دو اور ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار ہے اس کو چاہئے کہ امانت کو واپس کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے، اور خبر دار گواہی کو چھپانا نہیں کہ جو ایسا کرے گا اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

گناہ کی اپنی متعدد انواع واقسام ہیں گناہ سے مراد فقط چند معروف گناہ یا جو گناہانِ کبیرہ

میں لکھے ہوئے ہیں وہ ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے گناہ ہیں، جس طرح اطاعت کا میدان بہت وسیع ہے اسی طرح انسان گناہ بھی کئی گنا کرتا ہے، گناہوں کی کوئی تعداد معین نہیں ہے، بعض سب کچھ کر کے پھر گناہانِ کبیرہ میں دیکھتے ہیں کہ اس میں سے تو کوئی عنوان اس پر فٹ (Fit) نہیں ہوتا ہے؟ پھر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی میں درج نہیں ہے اور ہم نے کوئی گناہ نہیں کی ہے، چونکہ اس نے ایسا حیلہ استعمال کیا ہے کہ یہ عنوان اس کے اوپر فٹ آ ہی نہیں سکتا، نہیں، گناہ لامحدود ہیں اور یہ دل کے دریچے کو بند کر دیتے ہیں۔ گناہ دل کو سیاہ کر دیتے ہیں، یہ سرطان کی طرح ہیں، جس طرح سرطان انسان کے خلیوں کو سیاہ کر دیتا ہے، جلا دیتا ہے، اسی طرح گناہ دل کا سرطان ہے، فہم کا سرطان ہے، گناہ گار کبھی بھی علم حاصل نہیں کر سکتا ہے البتہ ٹیلیفون نمبر یاد کر سکتا ہے، ٹیلیوفون ڈائریکٹری بن سکتا ہے، ممکن ہے کہ نوے ہزار ٹیلیفون نمبرز اس کو یاد ہوں، بہت سارے الفاظ اس کو یاد ہوں، پوری پوری عبارتیں اس نے رٹی ہوئی ہوں لیکن اس کو تو علم نہیں کہتے ہیں اور نہ ہی اس کے اندر کبھی علم آئے گا۔

غفلت

◄ 4) غفلت

غفلت ایک بہت بڑا حجاب ہے، قرآن میں ہے کہ

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًاo(۲۹)

اوراپنے نفس کوان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اوراسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبر دار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ زندگانی دنیا کی زینت کے طلب گار بن جاؤ اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہے اوراس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَo أُولٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَo(۳۰)

اس لئے کہ ان لوگوں نے زندگانیٔ دنیا کو آخرت پر مقدم کیا ہے اور اللہ ظالم قوموں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور آنکھ، کان پر کفر کی چھاپ لگا دی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً حقائق سے غافل ہیں۔

غفلت دل کی مخصوص بیماری ہے، عموماً ہم اس دل کو کہ جو پمپ (Pump) ہے روز جا کر چیک کراتے ہیں، کہتے ہیں کہ دل کی پرابلم (Problem) ہے، بعض لوگوں کے ساتھ دل کا پرابلم ہے، یہ اشرافی بیماریوں میں سے ہے، جس کو ہو وہ سمجھے کہ بڑے اعلیٰ طبقے کا ہے چونکہ غریب کو کھانسی ہوتی ہے، زکام ہوتا ہے اور ہاضمہ خراب ہوتا ہے۔

امیروں کی بیماریاں کیا ہیں؟ ان کو برین ہیمرج (Brain Hemorrhage) ہوتا ہے، ان کو ہارٹ اٹیک (Heart Attack) ہوتا ہے، ان کے دل کا والو (Valve) بند ہو جاتا ہے، البتہ آج غریب بھی زور لگوا کر یہ کام کروا لیتے ہیں اور ایسی بیماریاں ان کو بھی ہو جاتی ہیں لیکن یہ اشرافی بیماریاں سمجھی جاتی ہیں، بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ ہارٹ پرابلم (Heart problem) ہے، ہمارے دل کا مسئلہ ہے اور دل سے ان کی مراد پمپ ہے۔ واقعاً آپ کو دل کا مسئلہ ہے لیکن پمپ والے دل کا نہیں ہے بلکہ روح کا دل خراب ہے، آپ نے اس کا معائنہ نہیں کرایا ہے، اس کے اندر دیکھو کہ کیا کچھ ہے؟ اس کے سارے والو بند ہیں، اس کی ساری رگیں بند ہیں، یہ دل سیاہ ہے، سرطان زدہ ہے، اگر اس کا معائنہ کرواؤ تو پتہ چلے گا کہ دل میں کیا ہے؟ ہم یہ پمپ تو چیک کرواتے ہیں اور اس میں بہت مشکلات نکلتی ہیں لیکن جو روح کا دل ہے، نفس کا دل ہے، اس کا ڈر کے مارے کسی سے معائنہ نہیں کراتے ہیں ورنہ ہزاروں بیماریاں اس کے اندر لگی ہوئی ہیں، اسی میں سے ایک غفلت ہے، یہ بہت بڑی بیماری ہے اور اکثر لوگ اسی غفلت سے غافل ہیں، اس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے جیسے موت کی طرف ہماری اصلاً توجہ نہیں ہے، حساب و کتاب و قیامت و خدا پر اصلاً توجہ نہیں ہے، یہی غفلت ہے، غفلت اسی کو کہتے ہیں کہ جانتے ہیں لیکن متوجہ نہیں ہیں، لوگ نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ہی اہمیت دیتے ہیں۔

غفلت

5) ضعف

مرض بیماری کا عنوان ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا

یَكْذِبُوْنَ○(۳۱)

ان کے دلوں میں بیماری ہے اور خدا نے نفاق کی بنا پر اسے اور بھی بڑھا دیا ہے، اب اس جھوٹ کے نتیجے میں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔

مرض ضعف کو کہتے ہیں، دلِ بیمار یعنی ضعیف دل، کمزور دل بھی فہم میں مانع ہے، اس کے ذریعے بھی انسان قرآن سمجھنے سے اور نور کے آنے سے محروم ہو جاتا ہے۔

ضعف

6) مختوم دل

مختوم دل بھی اسی مہمور دل کو کہتے ہیں یعنی جس کی ظرفیت پر ہوگئی ہے اور اس کے اوپر مہر لگ گئی ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ......

خدا نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے......

مختوم دل اس دل کو کہتے ہیں جو بند کر کے سِیل (Seal) بھی کر دیا جائے، کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو بھر جاتی ہیں مثلاً فائل بھر جاتی ہے تو پھر اس کو سِیل کر دیتے ہیں کہ اب اس میں

مزید گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح مال گاڑی میں سامان بھرتے ہیں اور جب بوگی (Bogie) بھر جاتی ہے اور اس میں مزید گنجائش نہیں رہتی ہے تو پھر اس کو سیل کر دیتے ہیں اور اسی میں کوئی مزید سامان ڈالنا چاہے تو کیا کہتے ہیں؟ یہ بھری ہوئی ہے اس میں اب کچھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے، انہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ o خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ......

ان کے لئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں پر گویا مہر لگا دی ہے......

یعنی اے نبی ﷺ ان کے دل سیل (Seal) کر دیئے گئے ہیں، اب ان میں موعظہ اور تذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ ختم ہو چکے ہیں۔

مطبوع دل

7) مطبوع دل

مطبوع بھی مہمور کو کہتے ہیں یعنی مہر شدہ، مختوم اور مطبوع دونوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں، طبع مہر لگانے کو ہی کہتے ہیں۔ اس کیلئے متعدد آیات موجود ہیں مثلاً

اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَّكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (۳۲)

الزام ان لوگوں پر ہے جو غنی اور مالدار ہو کر بھی اجازت طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پسماندہ لوگوں میں شامل ہو جائیں اور خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اب کچھ جاننے والے نہیں ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ٥ (۳۳)

یہ اس لئے ہے کہ یہ پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو اب کچھ نہیں سمجھ رہے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِيْنَ اُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللَّهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَائَهُمْ ٥ (۳۴)

اور ان میں سے کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو آپ کی باتیں بظاہر غور سے سنتے ہیں، اس کے بعد جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلٰى قُلُوبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (۳۵)

بیشک اسی طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو علم رکھنے والے نہیں ہیں۔

مطبوعِ اول

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ○(۳۶)

اس کے بعد ہم نے مختلف رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے اور وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے لیکن وہ لوگ پہلے کے انکار کرنے کی بنا پر ان کی تصدیق نہ کر سکے اور ہم اسی طرح ظالموں کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ○(۳۷)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور آنکھ کان پر کفر کی چھاپ لگا دی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً حقائق سے غافل ہیں۔

تِلْكَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكَافِرِيْنَ ○(۳۸)

یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے پیغمبران کے پاس معجزات لے کر آئے مگر پہلے سے تکذیب کرنے کی بنا پر ایمان نہ لا سکے، ہم اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔

◄ 8) غیر متفقه دل

غیر متفقہ دل یعنی جس دل میں تفقہ نہ ہو، جس میں فہم نہ ہو، یہ خود ایک بیماری ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا......(۳۹)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنّم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں......

دلِ نافہم سارے کام کرتا ہے لیکن اس سے تفقہ کا کام نہیں ہوسکتا ہے۔

غیر متفقہ دل

◄ 9) زیغ شده دل

قرآن نے دل کی ایک بیماری زیغ ذکر کی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ......(۴۰)

اس نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں سے کچھ آیتیں محکم اور واضح ہیں جو اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، اب جن کے دلوں میں زیغ ہے وہ انہی متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کریں......

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا......(۴۱)

یعنی پروردگار اب ہمارے دلوں میں زیغ پیدا نہ ہونے پائے ......

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO(۴۲)

بیشک خدا نے پیغمبرؐ اور ان مہاجرین وانصار پر رحم کیا ہے جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبرؐ کا ساتھ دیا ہے جب کہ ایک جماعت کے دلوں میں زیغ پیدا ہو رہی تھی پھر خدا نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا کہ وہ ان پر بڑا ترس کھانے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

زیغ یعنی کھوٹ، ملاوٹ۔ یہ دل اصل حالت پہ باقی نہیں ہیں، ان میں زیغ آ گئی ہے، کھوٹ آگئی ہے، ایسی چیزیں جن کے اندر کھوٹ آ جاتی ہے تو پھر اس کے بعد یہ نا کارہ ہیں، اسی طرح ایک فیصد بھی کھوٹ آجائے تو یہ دل بھی نا کارہ ہو جاتے ہیں، دل خالص ہونا چاہئے۔

اندھے دل

10) اندھے دل

بعض لوگوں کیلئے قرآن نے فرمایا ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ دل اندھے ہیں کہ جو سینوں کے اندر ہیں۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِO(۴۳)

درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔

یہ دل کے اندھے ہیں یعنی جن میں بصیرت نہیں ہوتی ہے، جن میں شعور نہیں ہوتا ہے، جو حُسن وکُب کو نہیں پہچان سکتے ہیں، جن کو احساس نہیں ہوتا ہے۔ واقعتاً دنیا دل کی اندھی ہے، ان کو عراق میں ظلم نظر نہیں آتا ہے، فلسطین میں ظلم نظر نہیں آتا ہے، کشمیر میں ظلم نظر نہیں آتا ہے، اگر بچے جتنا شعور بھی ہو تو انسان کو یہ ساری چیزیں محسوس ہوتی ہیں اور دل پہ اثر ہوتا ہے لیکن یہ دل کے اندھے ہیں۔

بیزار دل

11) بیزار دل

ایک بیماری بیزاری ہے یعنی اکتاہٹ ونفرت، انسان کو اچھی چیزوں سے بیزاری ہو جاتی ہے اور اتفاقاً یہ قرآن نے ذکر کی ہے کہ بعض ایسے ناکارہ دل ہیں کہ

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ○(۴۴)

اور جب ان کے سامنے خدائے یکتا کا ذکر آتا ہے تو جن کا ایمان آخرت پر نہیں ہے ان کے دل بیزار ہو جاتے ہیں اور جب اس کے علاوہ کسی اور کا ذکر آتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

یعنی بعض توحید سے بیزار ہیں، شرک اس طرح ان کے دلوں میں رچ بس گیا ہے کہ یہ توحید سے بیزار ہو چکے ہیں۔ ان کے دل مشمئز ہیں یعنی بیزار ہیں، تذکرۂ توحید سے ان کو بہت

بوریت ہوتی ہے، تذکرہ خدا سے ان کو بوریت ہوتی ہے۔ کتنا بیمار دل ہے کہ جس کو خدا کے نام سے
بوریت ہوتی ہو درحالیکہ

اَلْقَلْبُ حَرَمُ اللهِ ......(۴۵)

دل اللہ کا حرم ہے......

اور آج اس دل کی حالت یہ ہے کہ اگر تنہا خدا کا نام لیں اور ساتھ میں غیر اللہ کا نام نہ لیں تو
یہ برداشت نہیں کرتا ہے، اس کے ماتھے پہ بل پڑ جاتے ہیں اور منہ لٹک جاتا ہے۔

12) مقفل دل

دل کی ایک حالت یہ ذکر کی گئی ہے کہ دل پہ تالا پڑا ہوا ہے۔

أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا٥(۴۶)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے
ہیں۔

جیسے دروازے کو تالا لگا دیں تو کمرا بند ہو جاتا ہے اور اب نہ کوئی اس میں آ سکتا ہے اور نہ جا
سکتا ہے، مقفّل دل یعنی اب کوئی بات اس کے اندر نہیں جا سکتی۔

13)قسی دل

بعض قاسیۃ القلوب یعنی سخت دل والے ہیں، پتھر کی طرح سخت دل کہ جن پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی ہے، جو دل متاثر نہیں ہوتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ......(۴۷)

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت......

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ٥(۴۸)

افسوس ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے ہیں تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً......(۴۹)

پھر ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا......

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ٥(۵۰)

کیا وہ شخص جس کے دل کو خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نورانیت کا حامل ہے گمراہوں جیسا ہو سکتا ہے؟ افسوس ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے ہیں تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

قاسیہ اس دل کو کہتے ہیں کہ جو متاثر نہیں ہوتا ہے، نہ کہ متاثر کر نہیں سکتا ہے۔

قسی دل

14) مغلوف دل

مغلوف دل یعنی غلاف میں لپٹے ہوئے دل۔ بعض دل ایسے ہیں کہ جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ (۵۱)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑے ہوئے ہیں، ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا بیشک ان کے کفر کی بنا پر ان پر خدا کی مار ہے اور یہ بہت کم ایمان لائیں گے۔

15) پردوں سے ڈھکے ہوئے قلوب

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا...... (۵۲)

اور ان میں سے بعض لوگ کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں، یہ سمجھ نہیں سکتے ہیں اور ان کے کانوں میں بھی بہرا پن ہے، یہ اگر تمام نشانیوں کو دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے......

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰى أَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○ (۵۳)

اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ کچھ سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں کو بہرہ

بنا دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے پروردگار کا تنہا ذکر کرتے ہو تو یہ الٹے پاؤں متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔

اکنہ پردوں کو کہتے ہیں یعنی حجابوں میں، پردوں میں لپٹے ہوئے، چھپے ہوئے دل، جن کے آگے رکاوٹیں اور موانع ہیں۔

16) غل رکھنے والے دل

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَo (۵۴)

اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے......

وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌo (۵۵)

اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ خدایا ہمیں معاف کر دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے اور ہمارے دلوں میں صاحبانِ ایمان کے لئے کسی طرح کا کینہ نہ قرار دینا کہ تو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

غل یعنی کینہ، ایسے دل جو کینے، کدورت و نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔

17) مُشَرّب دل

وَأُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ...... (۵۶)

اوران کے دلوں میں گوسالہ کی محبت گھول کر پلادی گئی ہے......

مُشَرَّبْ دل یعنی وہ دل کہ جن کے اندر گناہ اور شرک رچ بس گیا ہے۔اشراب یعنی ان کے رگ وپے کے اندراس کوڈال دیا گیا ہے، باطل کی محبت ان کے اندر رچ بس گئی ہے۔

18) نفاق رکھنے والے دل

منافقت دل کی ایک مخصوص بیماری ہے، ہارٹ پرابلم ہے۔

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ○ (۵۷)

توان کے بخل نے ان کے دلوں میں نفاق راسخ کردیا ہے اس دن تک کے لئے جب یہ خدا سے ملاقات کریں گے اس لئے کہ انہوں نے خدا سے کئے ہوئے وعدے کی مخالفت کی ہے اور جھوٹ بولے ہیں۔

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ یَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ○ (۵۸)

اور منافقین کو بھی دیکھنا چاہتا تھا، ان منافقین سے کہا گیا کہ آؤ راہِ خدا میں جہاد کرو یا اپنے نفس سے دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ ہم کو معلوم ہوتا کہ واقعی جنگ ہوگی تو تمہارے ساتھ ضرور آتے، یہ ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تر ہیں اور زبان سے وہ کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہوتا اور اللہ ان کے پوشیدہ امور سے باخبر ہے۔

19) غیظ والے دل

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝(۵۹)

اور ان کے دلوں کا غصّہ دور کردے گا اور اللہ جس کی توبہ کو چاہتا ہے قبول کر لیتا ہے کہ وہ صاحبِ علم بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے۔

غیظ یعنی ایسے دل جو ہمیشہ غیظ و غضب کی حالت میں ہیں۔

20) شک والے دل

ریب و شک بہت بڑی بیماری ہے، فہم کے لئے یہ سبھی مانع ہیں لیکن یہ بیماریٔ دل فہم میں تھوڑا سا اور زیادہ مانع ہے یعنی ریب اور شک قرآن فہمی میں ایک بہت بڑی دل کی بیماری ہے اور اس سے دل کی تطہیر کرنی ہے، مطہر دل یعنی جس دل میں ریب و شک نہیں ہوتا ہے۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حَكِيْمٌ ٥(٦٠)

اور ہمیشہ ان کی بنائی ہوئی عمارت کی بنیاد ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور انہیں موت آجائے کہ اللہ خوب جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔

21) لہوی دل

لہوی یعنی سرگرم دل، بعض دل ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ کسی نہ کسی میں لگے ہوئے ہیں، الجھے ہوئے ہیں، مشغول ہیں، یہ دل لہوی ہیں۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ......(٦١)

ان کے دل بالکل مشغول ہو گئے ہیں......

22) زنگ آلود قلوب

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ٥(٦٢)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔

ران یعنی میل، زنگ۔ یہ بھی دل کی بیماری ہے، دل پر میل اور زنگ چڑھ جاتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی بیماریاں ہیں جو اس فصل کے حصۂ اول میں فہرست وار درج کی گئی ہیں، اس کے علاوہ روایات کے اندر بھی دل کی مزید بیماریاں بیان ہوئی ہیں۔ دل کے گناہ فقط انہی

پر منحصر نہیں ہیں بلکہ اس سے بیشتر بھی عناوین ہیں کہ جو دل کے لئے قرآن نے ذکر کئے ہے کہ ان بیماریوں اور آلودگیوں میں دل مبتلا ہیں۔ اگر دل ان سب میں یا ان میں سے کسی ایک میں بھی مبتلا ہو اور اس دل کے سامنے آپ قرآن پڑھیں تو

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٥

ان کیلئے سب برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

پس قرآن کیلئے پہلا فریضہ یہ ہے کہ دل کو آمادہ کریں یعنی ان بیماریوں سے دل کو پاک کریں، تطہیرِ قلب کریں۔ پہلے اپنا یہ ہارٹ پرابلم درست کریں اور ہر ایک کیلئے طریقہ ہے، عرض کیا تھا کہ انہیں پڑھ لینے سے علاج نہیں ہو رہا ہے بلکہ توجہ ہو رہی ہے لیکن بعد میں عملاً پاک کرنا ہے، ایک ایک کر کے ان سارے مسائل کو دل سے باہر نکالنا ہے اور جب دل پاک ہوگا تو پھر دیکھیں گے کہ خود ہی خود قرآن اترنا شروع ہوگیا ہے۔ انشاءاللہ خداوند سب کو توفیق دے کہ ہم قلبی بیماریوں سے نجات پائیں۔

حوالہ جات

(۱)......(شرح نهج البلاغة المقتطف من بحار)(جلوه تاريخ در شرح نهج البلاغه) (مناقب أمير المؤمنين (ع) - محمد بن سليمان الكوفي،الجزء۲،صفحه۷۷)(سيماى كار گزاران على ابن ابى طالب (ع)، الجزء۱،صفحه۱۳)

(۲)......(الانسان الكامل فى نهج البلاغة)(شرح نهج البلاغة المقتطف من بحار)(جلوه تاريخ در شرح نهج البلاغه) (مناقب أمير المؤمنين (ع) - محمد بن سليمان الكوفي،الجزء۲،صفحه۷۷)(سيماى كار گزاران على ابن ابى طالب (ع)،الجزء۱،صفحه۱۳)

(۳)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ۷،۶)

(۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ۷۴)

(۵)......(عيون الحكم والمواعظ - على بن محمد الليثى الواسطى، الجزء۱،صفحه۲۲۳)(غرر الحكم و درر الكلم،الجزء۱،صفحه۲۰۷) (ميزان الحكمة - الريشهرى،الجزء۶،صفحه۲۱۶) (من وصايا العترة (عليهم السلام)،الجزء۴،صفحه۳)

(۶)......(غرر الحكم و درر الكلم،الجزء۱،صفحه۲۰۶)(ميزان الحكمة- الريشهرى،الجزء۲،صفحه۳۰۸)

(۷)......(سورۂ مبارکہ رعد، آیہ۱۷)

(۸)......(سورۂ مبارکہ یس، آیہ ۱۷)

(۹)......(سورۂ مبارکہ جمعہ، آیہ ۲)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ جمعہ، آیہ ۲)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۰۳)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ جمعہ، آیہ ۵)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۷۶)

(۱۴)......(الکافی - الکلینیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۲۲۷)(التفسیر الصافی - الفیض الکاشانیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۲۲۴)(الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰهِ المُنزَل - الشَیخ نَاصِر مَکَارم الشِیرازی مدظلہ، الجزء ۵، صفحہ ۲۴)(تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، الجزء ۸، صفحہ ۴۷)(تفسیر مجمع البیان - امین الاسلام أبی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ، الجزء ۴، صفحہ ۲۱۸)(تفسیر نمونہ - جمعی از فضلا)(منهاج البراعة فی شرح نهج البلاغة - الخوئیؒ)(مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل - الحاج میرزا حسین النوری الطبرسیؒ، الجزء ۱۲، صفحہ ۳۳)(وسائل الشیعة - الفقیہ المُحدّثِ الشیخُ مُحمّدُ بن الحسن الحُر العاملیؒ الجزء ۵، صفحہ ۳۵)(میزان الحکمة - الریشهری، الجزء ۸، صفحہ ۳۷۳)(شرح نهج البلاغة - ابن ابی الحدید، الجزء ۱، صفحہ ۳۲۰۷)(شرح نهج البلاغة - عبد الحمید بن هبة اللّٰه بن محمد بن الحسین بن أبی الحدید، أبو حامد، عز الدین، المتوفی : ۶۵۶ ھ، الجزء ۱۱، صفحہ ۱۹۴)

(۱۵)......(وسائل الشيعة- الفقيه المُحَدّثِ الشيخُ مُحمّدُ بن الحسن الحُر العامليؒ،الجزء۱۷،صفحه۷۳)(الفصول المهمة فى أصول الأئمة - الحر العامليؒ) (بحار الأنوار- العلم العلامة الحجة فخر الامة المولى الشيخ محمد باقر المجلسيؒ،الجزء۷۴،صفحه۳۲۳)(عوالى اللآلى- ابن ابى جمهور احسائى، الجزء ۱،صفحه۲۸)

(۱۶)......(مسند فاطمة بنت الحسين عليهما السلام)(ميزان الحكمة- الريشهرى،الجزء۳،صفحه۱۰۶)

(۱۷)......(غرر الحكم ودرر الكلم)(هداية العلم فى تنظيم غرر الحكم للامام على بن أبى طالبؑ)(فضائل و سيره چهارده معصوم (ع) در آثار استاد علامه حسن زاده آملى مدظله)

(۱۸)......(الفوائد الرضويه،الجزء ۲،صفحه۱۱۴)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ۷۷)

(۲۰)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ۷۹)

(۲۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ۲۲۲)

(۲۲)......(سورۂ مبارکہ قیامۃ، آیہ۱۴)

(۲۳)......(سورۂ مبارکہ منافقون، آیہ۶)

(۲۴)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ۱۵۹)

(۲۵)......(سورۂ مبارکہ غافر، آیہ۳۵)

(۲۶)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ۱۲)(سورۂ مبارکہ ص، آیہ۷۶)

(۲۷)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ۱۲)(سورۂ مبارکہ ص، آیہ۷۶)

(۲۸)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ۲۸۳)

(۲۹)......(سورۂ مبارکہ کھف، آیہ۲۸)

(۳۰)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ۱۰۸، ۱۰۷)

(۳۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ۱۰)

(۳۲)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ۹۳)

(۳۳)......(سورۂ مبارکہ منافقون، آیہ۳)

(۳۴)......(سورۂ مبارکہ محمدؐ، آیہ۱۶)

(۳۵)......(سورۂ مبارکہ روم، آیہ۵۹)

(۳۶)......(سورۂ مبارکہ یونس، آیہ۷۴)

(۳۷)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ۱۰۸)

(۳۸)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ۱۰۱)

(۳۹)......(سورۂ مبارکہ اعراف ۱۷۹)

(۴۰)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ۷)

(۴۱)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ۸)

(۴۲)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ۱۱۷)

(۴۳)......(سورۂ مبارکہ حج، آیہ۴۶)

(۴۴)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۴۵)

(۴۵)......(الانسان الکامل فی نہج البلاغة، الجزء ۱ ،صفحہ ۲)(فضائل و سیرہ چهارده معصوم (ع) در آثار استاد علامہ حسن زادہ آملی مدظلہ، الجزء ۱۳ ،صفحہ ۱)

(۴۶)......(سورۂ مبارکہ محمدؐ، آیہ ۲۴)

(۴۷)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۴)

(۴۸)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۲۲)

(۴۹)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۳)

(۵۰)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۲۲)

(۵۱)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۸۸)

(۵۲)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۲۵)

(۵۳)......(سورۂ مبارکہ اسراء، آیہ ۴۶)

(۵۴)......(سورۂ مبارکہ حجر، آیہ ۴۷)

(۵۵)......(سورۂ مبارکہ حشر، آیہ ۱۰)

(۵۶)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۹۳)

(۵۷)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ۷۷)

(۵۸)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ۱۶۷)

(۵۹)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۵)

(۶۰)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ۱۱۰)

(۶۱)......(سورۂ مبارکہ انبیاء، آیہ ۳)

(۶۲)......(سورۂ مبارکہ مطففین، آیہ ۱۴)

فصلِ ادبِ دوم

﴿طہارتِ قلب﴾

(حصّہ سوم)

۱)قرآن پرناپاك دل كا اثر

۲)قرأتِ قرآن سے پہلے استعاذہ

۳)فہم پر تسلط كیلئے شیطان كے دروازے

٤)شیاطین بلحاظِ امور مختلف ہیں

٥)دین كا مُخَاطَبُ عقل ہے

٦)اكثریت كی عقل مغلوب ہے

۷)خیالِ شیطان زدہ كا كام!

۸)وہم كا كام!

۹)حقیقت كو سمجھنے كے منابع

۱۰)قرآن میں انسان كی تقابلی اقسام اور روابط

۱۱)غلط خیالات اوران كاعلاج!

۱)قرآن پرناپاک دل کا اثر

تطہیرِ قلب کے بغیر قرآنی معارف انسان کے دل میں نہ صرف یہ کہ سما نہیں سکتے بلکہ ایسا دل قرآن فہمی کیلئے مضر اثرات کا حامل ہے، قرآن نور ہے اور نور کی خاصیت یہ ہے کہ نور فقط محلِ نورانی میں سما سکتا ہے لہٰذا بغیر تطہیر قلب کے ممکن ہے کہ انسان کی زبان سے قرآن میں الفاظِ عرب ادا ہو جائیں لیکن دل میں ہرگز نورِ قرآن نہیں اترتا اور بالفرض محال کہ اگر قلبِ آلودہ میں قرآن اترے بھی تو وہ قرآن کو بھی آلودہ کر دیتا ہے، دل کی آلودگی قرآن کے اوپر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن میں بھی تحریف کرتا ہے، جیسا کہ قرآن نے ذکر کیا ہے کہ پہلی قوموں نے آسمانی کتب کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے،

مِنَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ......(۱)

یہودیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو کلماتِ الٰہیہ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں......

فَبِمَا نَقۡضِہِمۡ مِّیۡثَاقَھُمۡ لَعَنّٰھُمۡ وَ جَعَلۡنَا قُلُوۡبَھُمۡ قٰسِیَۃً یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ......(۲)

پھر ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا، وہ ہمارے کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں......

یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِہٖ......(۳)

یہ کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں......

پہلے سمجھتے تھے،

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ٥ (۴)

مسلمانو! کیا تمہیں امید ہے کہ یہ یہودی تمہاری طرح ایمان لے آئیں گے جبکہ ان کے اسلاف کا ایک گروہ کلامِ خدا کو سن کر تحریف کر دیتا تھا حالانکہ سب سمجھتے بھی تھے اور جانتے بھی تھے۔

وہ سمجھنے کے بعد اس کے اندر تحریف کرتے تھے، معانی کو اپنے محل سے ہٹا کر مفہوم بیان کرتے تھے، اگر خدانخواستہ قلب ناپاک ہو تو ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ انسان قرآن کو اپنے محل اور موعظہ سے ہٹا کر معنیٰ کرے گا اس لئے ضروری ہے کہ یہ دل پاک ہو۔

۲) قرأتِ قرآن سے پہلے استعاذہ

قرآن نے قرأتِ قرآن اور فہمِ قرآن کے لئے ایک ادب بہت ہی صریح اور واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ٥ (۵)

لٰہذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کریں۔

یہ آدابِ قرآن میں سے ہے کہ پہلے انسان استعاذہ کرے یعنی شرِ شیطان سے اللہ کی پناہ

لے چونکہ اسی موقعے پر یعنی فہمِ قرآن، قرأتِ قرآن اور تلاوتِ قرآن کے دوران شیطان کے حملے کا خطرہ ہے، یہی وقتِ وارداتِ شیطان ہے، جب انسان قرآن سے دور ہو، کسی سرگرمی میں ہو، لہو ولعب میں ہو یا کسی بھی حالت میں ہو تو اس وقت اتنا شدید خطرہ نہیں ہے کہ جتنا شیطان کے حملے کا خطرہ انسان کو قرآن کی تلاوت، قرأت اور تفسیر وفہم کے معاملے میں درپیش ہے، اسی لئے خود قرآن نے سورۂ مبارکہ نحل میں اس خطر کا اعلان کر کے فرمایا ہے کہ اس خطر سے بچنے کیلئے آپ کو خدا کی بارگاہ میں پناہ لینی ہے یعنی یہ خود ایک ادبِ مستقل ہے کہ انسان فہمِ قرآن کے مرحلے میں پناہِ خدا میں جائے لیکن شیطان اس مرحلے میں دخالت کرتا ہے اور شیطان کی دخالت بھی قوتِ فہم کے اندر ہے، اگر انسان عمل کے مرحلے میں ہو تو شیطان ان قویٰ کے اندر آکر تصرف کرتا ہے کہ جن کے ذریعے سے عمل سرزد ہوتا ہے اور اگر انسان فہم کے مرحلے میں ہو یا کسی چیز کو سمجھنے کے درپے ہو تو انسان کی سمجھ میں آکر تصرف کرتا ہے اور اثر انداز ہوتا ہے۔

۳)فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

عمل کے وقت شیطان کے لئے دو دروازے ہیں کہ جن سے آکر وہ انسان کی عقل پر اثر انداز ہوتا ہے اور فہم کے وقت بھی دو دروازے شیطان کے لئے کھلے رہتے ہیں کہ جن کی وجہ سے شیطان انسان کی فہم اور سمجھ میں دخالت کرتا ہے۔ عمل کے وقت جب انسان ارادہ کرتا ہے خصوصاً جب انسان عملِ صالح کا ارادہ کرتا ہے، ہمت کرتا ہے تو اسی مرحلے میں شیطان کا خطرہ ہے اور

شیطان کی دخالت اور ورود کے دو سبب یا دو دروازے ہیں، ایک انسان کے اندر وہ قوت کہ جس کا نام جاذبہ ہے یا قوتِ شہوت و اشتہا اور دوسری انسان کی قوتِ غضبیہ یا قوتِ دافعہ ہے، شیطان ان دو دروازوں پر پہلے قبضہ جمالیتا ہے۔

فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

جس طرح کسی ملک میں اگر کُو دَتا ہو، بغاوت ہو اور خصوصاً فوجی بغاوت ہو کہ جو آئے دن ہوتی رہتی ہے اور اب پاکستانیوں کے لئے فوجی بغاوت کوئی نئی چیز نہیں ہے، جرنیلوں کو اقتدار کا اس قدر نشہ ہے کہ ان سے چند سال مسلسل بغیر قدرت کے اور بغیر اقتدار کے رہا نہیں جاتا ہے لہٰذا ہر چند گاہ وہ یہ اقدام کرتے ہیں، سب سے پہلے جا کر یہ کودتا چی قوتیں چند مراکز پر قبضہ کرتی ہیں اور اگر ان پر قبضہ ہو گیا تو پھر آپ سمجھیں کہ پورے ملک پر قبضہ ہے لیکن اگر ان پر قبضہ نہیں ہوا تو پھر یہ توقع نہ رکھیں کہ یہ کودتا یا بغاوت کامیاب ہوگی، مثلاً جب فوجی یا کودتا چی قوتیں اقتدار پر قبضہ کرتی ہیں تو پہلے قبرستان پر قبضہ نہیں کرتی ہیں بلکہ قبرستان پر آخر تک قبضہ نہیں کرتی ہیں، چونکہ مردے قبضے میں آ بھی گئے تو کوئی فائدہ نہیں ہے، قبرستان آزاد رہتے ہیں اور ان کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں، اب اس قبرستان میں ممکن ہے کہ افقی مردے ہوں یا عمودی مردے ہوں لیکن فرق نہیں پڑتا ہے، افقی مردے جو لیٹے ہوئے ہوتے ہیں اور عمودی مردے جو کھڑے ہوتے ہیں اور چل پھر رہے ہوتے ہیں لیکن ہوتے مردہ ہیں لہٰذا ان کے اوپر کوئی قبضہ نہیں کرتا ہے، جہاں ان کو مزاحمت کا خطرہ ہو پہلے وہاں قبضہ ہوتا ہے، مثلاً سب سے پہلے وہ عسکری اقتدار کے مراکز پر قبضہ کرتے ہیں اور اس کے بعد جہاں سے تبلیغ نشر ہوتی ہیں جیسے ریڈیو اور ٹی وی پر قبضہ کرتے ہیں، پارلیمنٹ پر قبضہ کرتے ہیں یا جیسا اس

ملک کے اندر نظام ہو، اگر صدارتی نظام ہو تو ایوانِ صدر پر قبضہ کرتے ہیں اور اگر پارلیمانی نظام ہو تو اس میں وزیر اعظم ہاؤس پر قبضہ کرتے ہیں، یہ چند جگہیں ہیں کہ جن پر پہلے مرحلے میں ہی قبضہ ضروری ہوتا ہے، اگر ان پر قبضہ نہ کر سکیں تو پھر اقتدار حاصل نہیں ہوتا ہے۔

شیطان بھی اسی طرح کرتا ہے، کُو دَتا چیوں نے یہ کام شیطان ہی سے سیکھا ہے کہ پہلا حملہ کن مراکز پہ کیا جائے، اگر وہ مراکز اس کے قبضے میں آ جائیں تو پھر اس کے بعد پوری سلطنتِ انسان، پورا وجودِ انسان، روحِ انسان، بدنِ انسان، فکرِ انسان، عملِ انسان، ہر چیز شیطان کے اختیار میں آ جاتی ہے اور وہ مہم ترین چیزیں دو ہیں، البتہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شیطان اصل اقتدارِ دلِ انسان پر حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ انسان کا مرکزِ اقتدار دل ہے لیکن دل تک پہنچنے کے لئے دروازے ہیں کہ جن سے شیطان داخل ہوتا ہے۔ اگر عملی مرحلے میں شیطان کو دتا کرنا چاہے تو ان دو قوتوں کی مدد سے یا ان دو دروازوں کی مدد سے داخل ہوتا ہے، شہوت اور غضب سے یا جاذبہ اور دافعہ سے۔ اگر شیطان انسان کی عقل پر، فہم پر یعنی دل کے عملی شعبے پر قبضہ کرنا چاہے تو عمل کے مرحلے میں انسان پر واردات کرتا ہے تا کہ دل صحیح اعمال کا دستور نہ دے بلکہ کج اور غلط دستور دے، جو شیطان چاہتا ہے ویسا حکم دے۔

جب شیطان دل کے علمی شعبے پر قبضہ کرنا چاہے یعنی دل کا وہ شعبہ کہ جس کے ذریعے سے دل کچھ سمجھتا ہے، دل کچھ سمجھاتا ہے، دل کچھ حاصل کرتا ہے، دل کے اوپر کچھ الہامات ہوتے ہیں، دل کے اوپر کچھ نورانیت آتی ہے تو اس مرحلے میں شیطان اس شعبے میں قبضہ کرنا چاہتا ہے کہ دل

فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

درست نہ سمجھے، مرحلۂ فہم میں وہ چاہتا ہے کہ انسان اس طرح سے سمجھے کہ جس طرح سے شیطان کہہ رہا ہے یعنی اس چیز کو درست نہ سمجھے، اس مرحلے میں انسان کی دو قوتیں انسانی فہم کے، انسانی دل کے دائیں بائیں موجود ہیں، ان میں سے ایک انسانی وَہم ہے اور ایک خیال ہے، ان دو قوتوں، ان دو دروازوں سے شیطان داخل ہوتا ہے۔

عام اردو بول چال میں وہم باطل اور غیر مستند چیز کو بھی کہتے ہیں یعنی اگر انسان غیر حقیقی چیزوں کو حقیقی سمجھنا شروع کر دے تو کہتے ہیں کہ یہ توہمات ہیں، یہ آپ کا وہم ہے۔ خیالی چیزوں میں، من گھڑت چیزوں میں بھی وہم استعمال ہوتا ہے اور انسان کے اندر وہم ایک قوت بھی ہے کہ جو درک کرنے کی قوت ہے اور یہ قوتِ واہمہ کہلاتی ہے۔ اسی طرح سے انسان کے اندر ایک قوتِ خیال ہے اور دونوں الگ الگ سمجھنے کی ہی قوتیں ہیں، دونوں کا تعلق ادراکات سے ہے۔

دو قوتوں نے عقلِ علمی کو گھیرا ہوتا ہے اور دو نے عقلِ عملی کو گھیرا ہوتا ہے، قوتِ شہوت اور غضب نے عقلِ عملی کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور وہم و خیال نے عقلِ علمی کا محاصرہ کیا ہوا ہے، جب بھی انسان عقل کی مدد سے کچھ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ دونوں اس کے اندر دخالت کرتے ہیں اور جب بھی انسان کوئی عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہاں غضب اور شہوت اس کے اندر دخالت کرتے ہیں۔

اگر یہ قوتیں عقل کے فرمان کے تحت ہوں یعنی وہم و خیال پر عقل کی حکومت ہو اور یہ عقل کا عملہ ہوں تو بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مطلوبہ حالت ہے کہ ان دونوں کو عقل کے عملے کے طور پر کام کرنا

ہے یعنی فرمان عقل کا ہو اور اس کو نافذ خیال کریں، فرمان عقل کا ہو اور اس پر عمل وہم کریں۔ انسان کی قوتِ خیال وقوتِ واہمہ اگر تحتِ تسخیرِ عقل اور تحتِ فرمانِ عقل ہوں تو یہ دونوں باعثِ الہام، باعثِ علم اور باعثِ نورانیت ہیں لیکن بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ یہ دونوں قوتیں تحتِ تسخیرِ عقل اور تحتِ فرمانِ عقل ہوں، غالباً ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ برعکس ہوتا ہے کہ یہ دونوں قوتیں شیطان کے غلبے کے تحت ہوتی ہیں اور پھر شیطان اس عملے کے ذریعے سے حاکم پر قبضہ کر لیتا ہے جیسے عرض کیا کہ عیناً یہ ایک کودتا کی طرح ہے، عیناً ایک فوجی بغاوت کی طرح ہے کہ ایک جرنیل اپنے ملک کے صدر یا وزیراعظم کے ماتحت ہوتا ہے لیکن بغاوت کر کے اسی کو اپنے لئے تسخیر کر لیتا ہے، اسی کو اپنا اسیر بنا لیتا ہے، اسی طرح سے خیال اور وہم دونوں اس جرنیل کی طرح ہیں کہ جن کو عقل کا عملہ ہونا چاہئے تھا، عقل حاکمِ اصلی سملکتِ انسان ہے، ان دونوں کو تحتِ فرمانِ عقل ہونا چاہئے تھا کہ یہ بطورِ عملہ کام کرتے، فرمان عقل کا ہوتا اور یہ اس کو نافذ کرتے جاتے لیکن جب شیطان ان کے اندر آجاتا ہے اور ان کو تسخیر کر لیتا ہے تو پھر انہی کی مدد سے عقل کو اسیر بنا لیتا ہے اور مناجات میں یہی مراد ہے، ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول مناجات میں ہے کہ

عَقلی مَغلُوبٌ وَ هَوائی غالِبٌ......(٦)

یاالٰہی! عقل مغلوب ہے اور خواہش اس کے اوپر غالب آگئی ہے، عملی طور پر خواہش غالب آگئی ہے یعنی قوتِ شہوانیہ یا قوتِ غضبیہ عقل پر غالب آگئی ہیں یا علمی طور پر خواہش غالب آگئی ہے یعنی قوتِ واہمہ اور قوتِ خیالیہ عقل پر غالب آگئی ہیں، جیسے روایت میں منقول ہے کہ

فہم پر تسلط کیلئے شیطان کے دروازے

كَمْ مِنْ عَقْلٍ أَسِيرٍ تَحْتَ هَوَى أَمِيرٍ ......(۷)

یعنی کتنی خواہشات فرماں روا اور حاکم ہیں اور عقل اسیر ہے، عقل اپنے عملے کے ہاتھوں اسیر ہے چونکہ قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ عقل کا عملہ ہے اور ان کو عقل کے فرمان پر کام کرنا ہے لیکن شیطان ان ہی دروازوں سے داخل ہوتا ہے، اس کے لئے شہوت و غضب دو عملی دروازے ہیں اور وہم و خیال دو علمی دروازے ہیں۔

٤)شیاطین بلحاظِ امور مختلف هیں

مطالعے کی دعا میں بھی یہی ہے کہ انسان مطالعہ کرے تو پہلے شیطانِ رجیم سے خداوند تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگے، البتہ وہ شیطان جو انسان سے دوسرے کام کرواتا ہے وہ مطالعے میں مزاحم نہیں ہوتا ہے، مطالعے کا شیطان الگ ہے، عمل کا شیطان الگ ہے، کھانے کا شیطان الگ ہے، بازار کا شیطان الگ ہے، شیطان کا پورا لشکر ہے، قرآن نے بھی جمع کی صورت میں لفظِ شیاطین استعمال کیا ہے، شیاطینِ جن وانس مختلف ہیں، شیاطین نے ہر شعبہ تقسیم کیا ہوا ہے، جو شیاطین عملی مرحلے کے ہیں وہ الگ ہیں، جو شیاطین مختلف اعمال کے اوپر مامور ہیں وہ الگ ہیں، شیاطین کا ایک گروہ ہمیشہ مامور ہے کہ مطالعہ کے وقت جب بھی انسان کچھ پڑھنا چاہتا ہے تو وہی آ کر مزاحمِ انسان ہوتے ہیں اور اگر انسان ان سے آزاد ہو تو صحیح مطالعہ کر سکتا ہے، منڈی کے اندر جو شیاطین انسان کو گھیر لیتے ہیں ان سے انسان مطالعے کے وقت آزاد ہو بھی جائے تو بھی مطالعہ صحیح نہیں ہوتا ہے اس

کی وجہ یہ ہے کہ جو شیاطین مطالعے کے وقت مزاحمِ انسان ہیں ان سے بھی آزاد ہونا چاہئے، انسان کے وہم اور خیال پر شیاطینِ جن کا قبضہ ہے اور انسان ان شیاطین سے مطالعے کے وقت آزاد ہو، خصوصاً جب قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور پڑھتا ہے،

پس تطہیرِ قلب میں سے ایک اہم ترین شعبہ یہ ہے کہ انسان قوتِ فہم کو شیطان سے آزاد کرالے،

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۝

لہٰذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کریں۔

البتہ فاستعذ بھی فقط زبان سے کہنا کہ اَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، یہ کافی نہیں ہے بلکہ یہ تو فقط اعلان ہے کہ میں نے شیطان کے شر سے خدا کی پناہ لی ہے۔ استعاذہ عملی چیز ہے۔ انسان کا وہ استعاذہ کہ جب انسان باقاعدہ پناہِ خدا میں چلا جاتا ہے اور شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے استعاذۂ عملی ہے، جب انسان اعوذ باللہِ عملی انجام دیتا ہے تو پھر حالتِ شیطان اور دسترسِ شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے، وہم اور خیال انسان کی عقل میں یعنی فہم میں دخالت کرتے ہیں۔ اگر مجموعی طور پر دیکھیں تو خیال اور وہم کے ذریعے، شیطان کے ذریعے یا شیطان کی دخالت کے ذریعے عقل اسیر نظر آتی ہے۔ سوچنا عقل کا کام ہے لہٰذا جب بھی انسان کسی موضوع پر سوچتا ہے تو یہ عملہ غالب ہے، یعنی وہم اور خیال کی حکومت ہے۔

۵) دین کا مُخَاطَبْ عقل ھے

عقل اگر خواہشات، خیالات وتوہمات کی اسیر نہ ہواور اسے آزادی سے کسی چیز کو سمجھنے کا موقع ملے تو یہ حقیقت کو سمجھتی ہے، عقل کی خصوصیت ہے کہ یہ ہمیشہ حقیقت تک پہنچتی ہے۔ اسی لئے عقل کے بارے میں قرآن میں بھی فراواں موارد ہیں کہ جہاں پر تعقل اور عقل کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور روایات میں بھی بالخصوص اصولِ کافی میں مرحومِ کلینیؒ نے پہلی کتاب ہی عقل وجہل تدوین کی ہے اور اس کے اندر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے فراواں روایات نقل کی ہیں کہ جن میں عقل کی اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ عقل کیا چیز ہے؟ یعنی ان روایات کے اندر دارومدار عقل ہے، چونکہ سب حقیقت اسی کو سمجھنی ہے، دین کے مُخَاطَبْ احساسات وجذبات نہیں ہیں بلکہ دین کا مُخَاطَبْ عقل ہے اور نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی انسان کے اندر عقلی دفینوں کو ابھارنا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ

وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ اِنَّمَا جَاؤُوْا لِيُثِيْرُوْا دَفَائِنَ الْعُقُوْلِ فِي النَّاسِ...... (۸)

بے شک انبیاءؑ اس لئے آئے تاکہ وہ لوگوں میں عقلوں کے خزانوں کو ابھاریں......

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ

لِيُثِيْرُوْا فِيْهِمْ دَفَائِنَ عُقُوْلِهِمْ...... (۹)

(انبیاءؑ اسلئے تشریف لائے) تاکہ وہ ان کی عقول کے پوشیدہ خزانوں کو ان میں ابھاریں......

یعنی خدا نے انبیاء علیہم السلام اس لئے مبعوث کئے ہیں تا کہ انسان کی عقل کو ابھاریں، عقل کو اجاگر کریں، عقل کی پرورش و تربیت کریں چونکہ پیغامِ خدا و انبیاء علیہم السلام بھی عقل کو سمجھ میں آتا ہے، عقل مخاطبِ اصلیِ انبیاء علیہم السلام و کتبِ آسمانی ہے، عقل دل کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے، اب یہ ایک الگ موضوع ہے کہ عقل و دل میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے، یہاں پر آپ اسی بات پر ایمان رکھیں کہ عقل دل ہی کے ایک شعبے کا نام ہے کہ جس کے ذریعے دل کسی چیز کو سمجھتا ہے، تفہم کرتا ہے، فہم کرتا ہے، عقل یعنی شعبہ فہمِ دل، جیسے عرض کیا تھا کہ ا ں دل کے چند کام ہیں، اس کے اندر احساسات، تحرکات اور فہم ہے، فہم کا کام جس شعبے سے انجام پاتا ہے اسی کو عقل کہتے ہیں۔ یہ عقل اگر آزاد ہو، اس کے اوپر کوئی امیر نہ ہو، کوئی فرماں روائے داخلی و بیرونی نہ ہو، اس کے اندر شیطان نہ ہو تو اس کا کام فقط حقیقت کو درک کرنا ہے اور یہ حقیقت تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے خدا نے فرمایا کہ یہ رسولِ باطنی ہے۔ خدا نے دو رسول مبعوث کئے ہیں، ایک رسولِ ظاہری اور دوم رسولِ باطنی اور فرمایا کہ رسولِ باطنی عقل ہے لیکن عقلِ آزاد ہو نہ کہ عقلِ اسیر، عقلِ پرورش یافتہ ہو نہ کہ عقل کی جگہ وہم آبیٹھے۔

اکثریت کی عقل مغلوب ہے

۶) اکثریت کی عقل مغلوب ھے

اکثر لوگ مرحلۂ تعقل تک نہیں پہنچے ہیں، اکثریت کے اندر عقل بیدار اور آزاد نہیں ہے بلکہ عقل کے بجائے تخیل اور توہم ہے، اکثریت تخیل کی زندگی بسر کر رہی ہے، اکثر انسانوں کے اندر یہی مشکل ہے جیسے قرآن نے بھی فرمایا ہے کہ

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ٥ (١٠)

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ...... (١١)

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ٥ (١٢)

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا٥ (١٣)

یہ اکثریت کی مشکل ہے، اکثریت مشکل کا شکار ہے اور یہ بھی خداوند نے فرمایا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ٥ (١٤)

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ٥ (١٥)

یعنی خدا خیال پردازوں سے محبت نہیں کرتا ہے، خیال باف لوگ خدا کو پسند نہیں ہیں یعنی جن کی عقل ان کے خیال کی اسیر ہو اور تخیل کی حکومت ہو۔ عقل کا کام حقیقت کو دریافت کرنا ہے، پیغامِ اصلی کو دریافت کرنا، درک کرنا اور سمجھنا ہے چاہے وہ حقیقتِ علمی ہو یا حقیقتِ عینی ہو یعنی موجودات وحقائقِ عالم میں سے ہو۔

۷) خیالِ شیطان زدہ کا کام!

خیال اگر عقل کے تحت ہو، فرمانِ عقل کو قبول کرتا ہو، فرمان بار و فرمان بردارِ عقل ہو تو پھر جو کچھ عقل کہے قوتِ خیال وہی انجام دیتی ہے لیکن اگر یہ خیال جاسوس بن جائے اور عقل کا یہ دروازہ ورودِ شیطان بن جائے، یہاں تک کہ خیال کے ذریعے سے شیطان کا قبضہ عقلِ انسان پر ہو جائے تو

اس صورت میں خیال ہر وہ کام کرتا ہے کہ جو شیطان انسان کو کہتا ہے۔ خیالِ شیطان زدہ کیا ہے؟ یعنی یہ مختال انسان کیا کرتا ہے؟ جب بھی انسان کسی حقیقت کی فہم کے در پے ہوتا ہے تو خیال بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اس حقیقت کی جھوٹی تصویر بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ یہ ہے وہ چیز، جیسے بعض اوقات لوگ مذاق میں، مستی میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹھٹھہ مذاق کرتے ہیں، بالآخر خوشحال لوگ بھی دنیا میں ہیں، سارے تو بغیر اقامے کے نہیں ہیں، کچھ لوگ خوشحال بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں، مسکراتے بھی ہیں، کبھی ایک دوسرے کے ساتھ ٹھٹھہ مذاق بھی کرتے ہیں اور یہ نمکِ زندگی ہے تھوڑا بہت ہونا چاہیئے۔

فرض کرلیں کہ ایک شخص شادی کرنا چاہتا ہے، اس کو بتائیں کوئی اور لڑکی اور کروائیں کسی اور سے، یعنی کوئی بڑھیا ہو کہ جس کے ساتھ شادی کروا رہے ہیں لیکن اس کو کسی جوان کی تصویر دکھائیں تو وہ دھوکے میں آجاتا ہے خصوصاً ہمارے یہاں رواج بھی یہی ہے کہ نکاح کے بعد بھی لڑکا لڑکی کو دیکھ نہیں سکتا ہے، نکاح ہو جائے تو پھر بھی محرم ایک دوسرے کے لئے محرم نہیں ہوتے ہیں چونکہ ابھی جنتری نے اجازت نہیں دی ہے، جنتری کے نزدیک ابھی بھی یہ نامحرم ہیں، فرض کرلیں کہ اس کا کسی بڑھیا کے ساتھ رشتہ طے ہو گیا لیکن اس کو پھانسنے کے لئے جو تصویر دکھائی تھی وہ کسی جوان کی تھی، خیال یہی کام کرتا ہے یعنی اصل چیز کہ انسان جس کی فہم کے در پے ہوتا ہے وہ عقل کو ادھر جانے نہیں دیتا ہے بلکہ ایک جھوٹی تصویر بنا کر اس کے سامنے حقیقت کی شکل میں بنا کر رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے تیری حقیقت، تو جس کو سمجھنے کے در پے ہے وہ یہ ہے اور انسان یعنی عقلِ اسیر اسی کو

اے وہ ذات کہ جس کے غضب پر اس کی رحمت مقدم ہے......

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ بِالرَّحْمَةِ الَّتِیْ سَبَقَتْ غَضَبَکَ......(۷)

اے اللہ میں تجھ سے تیری رحمت کے واسطے سوال کرتا ہوں جو تیرے غضب پر سبقت رکھتی ہے......

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی رَحْمَتِهِ الَّتِیْ سَبَقَتْ غَضَبَهٗ......(۸)

اللہ کی تعریف ہے اس رحمت پر جو اس کے غضب پر مقدم ہے......

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَبَقَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ......(۹)

وہ ذات پاک ہے کہ جس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ہے......

سَبَقَتْ رَحْمَتُکَ غَضَبَکَ......(۱۰)

اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے......

وَأَنْتَ الَّذِیْ تَسْعٰی رَحْمَتُهٗ أَمَامَ غَضَبِهِ......(۱۱)

تو وہ ہے جس کی رحمت اس کے غضب سے آگے چلتی ہے......

خدا کا غضب بھی بغیر رحمت کے نہیں

یعنی خدا جب انسان کے اوپر غضبناک بھی ہوتا ہے تو رحمت کے لفافے میں لپیٹ کر غضب نازل کرتا ہے، جن انسانوں پر خدا نے غضب کرنا ہے تو پہلے غضب کو رحمت میں لپیٹتا ہے ورنہ غضبِ محض سے تو یہ نابود ہو جائے، نیست ہو جائے۔ غضب محض سے یہ دنیا، یہ مخلوق خدا تباہ و برباد ہو جائے۔ خالق کبھی بھی رحمت کے بغیر غضب نہیں کرتا ہے۔

اگر ہر عضو کو زبان مل جائے کہ جس طرح قیامت میں ہر چیز کو زبان مل جائے گی، انسان کے اعضاء کو زبان مل جائے گی یعنی آنکھیں بات کریں گی، کان بات کریں گے، جلد بات کرے گی، اعضاء وجوارح، ہاتھ، پاؤں بات کریں گے اور انسان تعجب کرے گا کہ تم نے میرے ساتھ خیانت کی ہے، تم تو میرے اعضاء ہو، تو وہ یہ کہیں گے کہ چونکہ تو نے اس وقت ہمارے ذریعے خیانت کی تھی کیونکہ ہمیں خدا نے تیرے ساتھ عضو کے طور پر منسلک کیا تھا، رابطہ جوڑا تھا، تو یہ اس لئے تو نہیں تھا کہ تو ہمارے ذریعے سے گناہ کرے، ہاتھ کہے گا کہ خدا نے جو مجھے تیرا عضو بنایا تو عضو بنانے کا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ تو اس کے ذریعے سے گناہ کرے اور حدِ خدا توڑ دے لہٰذا ہاتھ کو زبان مل جائے گی اور انسان جس چیز کا اقرار نہیں کر رہا تھا وہ ہاتھ کہہ دے گا، جلد کہہ دے گی اور آنکھ کہہ دے گی۔

اسی طرح خیال کو بھی زبان مل جائے گی اور ضرور ملے گی، اگر خیال کو زبان مل جائے اور ہر خیال اپنی بنائی ہوئی تصویر پیش کرے کہ خدا کو کیسا سمجھے تھے؟ آپ کے ذہن میں خدا کی کیا تصویر ہے؟ یہ زبان نہیں بتائے گی تو خیال بتا دے گا، ابھی انسان شرم سے نہیں بتاتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور دوسرے اس پر ہنسیں لیکن ہر ایک کے ذہن میں بنی ہوئی ایک تصویر موجود ہے، وہ بھی خیال کی بنی ہوئی تصویر ہے اور خیال بھی خیالِ اسیر، خیالِ شیطان زدہ، اس نے تصویر بنا کر ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہے یا مثلاً خیال نے زمان کا ایک خاکہ ذہن میں بنایا ہوا ہے، زمانہ ایک حقیقت ہے لیکن خیال نے زمان کی ایک تصویر بنائی ہوئی ہے مثلاً ہفتہ زمانے کی ایک خاص حد ہے، ایک مقرر درجہ اور ایک پیریڈ (Period) ہے، ہر ایک نے ہفتے کی ایک تصویر ذہن میں بنائی ہوئی ہے، بعض نے ہفتے کو

خیالِ شیطان زدہ کا کام!

سیڑھیوں کی شکل میں ذہن میں بنایا ہوا ہے، بعض کے ذہن میں ہفتہ گول دائرے کی شکل میں ہے، بعض کے نزدیک ہفتہ ممکن ہے کچھ اور ہو کہ جس طرح کے رجحانات ہیں، غرض ہر ایک نے زمانے کی ایک خیالی تصویر بنا کر رکھی ہوئی ہے۔

خیال اور بھی بہت کچھ کرتا ہے اس سے واضح تر ایک مثال دیں تا کہ واقعاً ہمیں پتہ ہو جائے کہ ہم خیالِ شیطان زدہ کے اسیر ہیں اور اسی اسیر عقل کے ذریعے قرآن سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، آیا اس خیالِ شیطان زدہ کے ساتھ قرآن سمجھ میں آتا ہے؟ خیال ہمارے لئے قرآن کو کیا بنا کر پیش کرتا ہے؟ مثلاً جب بارش برستی ہے تو یہ منظر ہم سب دیکھتے ہیں، قرآن مجید نے بھی بہت سارے حقائق بارش کے برسنے سے اور پانی کے نزول سے بیان کئے ہیں، یہ سب کو معلوم ہے کہ بارش قطرے کی شکل میں ہوتی ہے، بارش کا قطرہ اوپر سے نیچے آتا ہے لیکن ہمیں یہ بارش کس طرح سے نظر آتی ہے؟ ایک خط کی صورت میں، ایک لائن (Line) کی صورت میں نظر آتی ہے درحالیکہ وہ لائن نہیں ہوتی ہے بلکہ قطرہ ہوتا ہے، پوری دھار نہیں ہوتی ہے، جس طرح مثلاً آپ حمام میں جاتے ہیں تو اس میں شاور سے دھار اترتی ہے، بارش اس طرح کی دھار نہیں ہوتی ہے بلکہ قطرہ ہوتا ہے، یہ قطرہ نہایت سرعت و تیزی کے ساتھ اوپر سے نیچے آتا ہے لیکن ہمیں یہ کیا نظر آتا ہے؟ دھار اور خط کی صورت میں نظر آتا ہے، ایک سادہ سی حقیقت ہم کچھ اور دیکھ رہے ہیں، آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، حقیقت کچھ ہے اور ہمیں کچھ اور نظر آ رہی ہے، اب تلاش کرو کہ یہ کیوں ہے؟ آیا بارش کے قطرے کے اندر کوئی مشکل ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں قطرہ خط اور دھار کی صورت میں نظر آ رہا ہے،

خیالِ شیطان زدہ کا کام!

مشکل کہاں ہے؟ آنکھ میں کوئی قصور ہے؟ نہیں، آنکھ بھی بالکل صحیح ہے، 6/6 ہے، کوئی چیز غلط نہیں دیکھتی ہے، پھر کیوں ہمیں قطرہ دھار نظر آرہا ہے؟ اصل مشکل تلاش کرو کہ خرابی کہاں ہے؟ خرابی ساری خیال کی طرف سے ہے چونکہ جب آپ نے آنکھ سے دیکھا تو آپ کو یہاں بارش کا قطرہ نظر آیا، آپ اسے مسلسل دیکھ رہے ہیں اور قطرے بھی مسلسل نیچے آرہے ہیں لیکن آپ کا خیال یہ کام کررہا ہے کہ اس نے یہاں پر قطرے کی ایک تصویر سوچی اور اس کو دوسرے نیچے آنے والے قطروں سے متصل کردیا۔

آنکھ کیمرہ ہے کہ جو ہر قطرے کے فوٹو بنا بنا کر خیال کے سپرد کررہی ہے اور خیال ان تصویروں کو آپس میں جوڑ رہا ہے، آنکھ نے قطروں کی جتنی تصویریں لے کر خیال کو دی ہیں تو خیال نے ان چھوٹی چھوٹی تصویروں کو جوڑ کر ایک خط بنا دیا لہٰذا آنکھ نے قطرہ دیکھا ہے اور خیال نے خط دیکھا ہے، پس اب ہمیں جو نظر آتا ہے وہ خط نظر آتا ہے، کیوں؟ کیونکہ ہم خیال کے ذریعے سے دیکھ رہے ہیں نہ کہ عقل کے ذریعے سے اور نہ ہی آنکھ کے ذریعے سے یعنی ہماری آنکھ خیال کے اختیار میں ہے، جو کچھ آنکھ نے دیکھا وہ خیال کو سونپ دیا اور خیال نے مجموعی تصویریں بنا کر ہمیں خط کے طور پر دکھا دیا درحالیکہ حقیقت خط نہیں ہے، یہ عام سی روزمرہ کی مثال ہے، کوئی انسان نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں جب بارش دیکھتا ہوں تو قطرہ ہی دیکھتا ہوں مجھے خط نظر نہیں آتا ہے یعنی میرا خیال دخالت نہیں کرتا ہے، کرتا ہے، خیال زندہ ہے اور دوسری مثال جو پہلے بھی دی تھی کہ رات کو جو خواب دیکھتے ہیں یہ سب خیال کی کارستانیاں ہیں، جتنے بھی خواب دیکھتے ہیں اولِ شب سے لے کر آخرِ شب تک

یہ خیال کی بازگشت ہے، خیال ایک نقاش کے طور پر بیٹھا ہوا ہے اور آپ کو تصویریں بنا بنا کر دکھا رہا ہے، پوری پوری فلم بنا کر دکھا رہا ہے، یہ سب خیال ہیں، آپ کی آرزوئیں، تمنائیں، افکار، رجحانات اور تمایلات ہیں، آپ کے اندر جو خلا ہے، جو عقدے ہیں ان کی تصویریں اور فلمیں بنا کر دکھا رہا ہے، مثلاً انسان کی محرومیتوں کی تصویر تک بنا دیتا ہے۔

یہ خیال بہت قادر و قہار قسم کا مصور ہے کہ عام مصور خیال کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے، یہ ان چیزوں کی تصویر بھی بنا لیتا ہے کہ جو دوسرے تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں مثلاً محرومیت کی تصویر بنا کر پیش کرتا ہے، ایک محروم انسان باقاعدہ خواب دیکھتا ہے اور اپنی محرومیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، خیال اس کی محرومیت کی تصویریں بناتا ہے، احساسِ حقارت میں مبتلا انسان الگ قسم کے خواب دیکھتا ہے، احساسِ برتری میں مبتلا انسان ایک اور قسم کے خواب دیکھتا ہے، نفسیاتی بیمار کو الگ خواب نظر آتے ہیں، ایک شہوت ران انسان کو کچھ اور قسم کے خواب نظر آتے ہیں، حبِ مال اور حبِ ریاست والے کو کچھ اور خواب نظر آتے ہیں، ہر انسان مختلف خواب دیکھتا ہے یعنی تخیل ہمارے اندر موجود جتنی بھی چیزیں ہیں ان کو پڑھ کر اور پھر ان کی تصویریں بنا کر ہمیں دکھا رہا ہے، یعنی نیند کے عالم میں خیال کی حاکمیت ہے اور اگر خیال عقل کے تحت ہو، عملہ عقل ہو، فرمانبردارِ عقل ہو تو پھر اس صورت میں خواب کے اندر بھی خیال وہی بنا کر دکھائے گا کہ جو عقل نے دریافت کیا ہے، عقل نے جو حقائق دریافت کئے ہیں اور اسی کو رؤیائے صادقہ کہتے ہیں یعنی وہ خیال کہ جو عقل کے فرمان کے تحت ہے اور عقل جو کچھ اس کو کہے اس کی تصویر بنا کر انسان کو دکھاتا ہے لیکن جو خیال شہوات کے تحت ہے،

شیطان کے تحت ہے، غضب کے تحت ہے وہ تو حقیقی تصویر بنا کر نہیں دکھاتا ہے۔

۸) وہم کا کام!

پس فہمِ قرآن کے وقت انسان کو بہت بڑا خطرہ یہ درپیش ہے کہ فہم میں یہ دو چیزیں دخالت کریں گی، وہم اور خیال، وہم بھی سمجھنے کے مرحلے میں بہت دخالت کرتا ہے، شے ہوتی کچھ ہے اور انسان کو دکھاتا کچھ اور ہے، اس کا نمونہ یہ ہے کہ جب ایک انسان حالتِ احتضار میں ہوتا ہے تو عزیز رشتہ دار یا کوئی شخص جو اس کے پائیں بیٹھا ہوتا ہے عموماً قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے، اس کے لئے سورہ یاسین پڑھ رہا ہوتا ہے لیکن جوں ہی وہ مرتا ہے، روح و بدن ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہیں، وداع کر جاتے ہیں، میت ہو جائے تو پھر اس جسمِ بے جان سے ڈرنا شروع کر دیتا ہے، جب جسمِ با جان تھا تو اس سے نہیں ڈرتا تھا بلکہ اس سے محبت، پیار اور ہمدردی کر رہا تھا لیکن جوں ہی روح نے بدن کو ترک کیا تو اب یہ جسمِ خالی سے ڈرتا ہے، اس کو کون ڈراتا ہے؟ عقل تو نہیں ڈراتی ہے، عقل تو کہتی ہے کہ خطرہ تھا تو پہلے تھا اب بالکل خطرہ نہیں ہے چونکہ مر چکا ہے، ختم ہو چکا ہے، جسمِ بے جان ہے لیکن وہم کہتا ہے کہ نہیں بہت زیادہ خطرناک ہو گیا ہے، یہ بہت خطرناک چیزوں سے بھی زیادہ خطرناک تر ہے، یہ درندوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، یہ انسان کو کون بتا رہا ہے؟ وہم بتا رہا ہے۔ جو انسان میت کے ساتھ ایک بند کمرے میں رہ سکتا ہے اور معمول کے مطابق رہتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ وہم زدہ نہیں ہے، وہم کا اس کے اوپر اثر کم ہے لیکن وہاں پر جو نہیں ٹکتا ہے تو یقین جان لیں

کہ اس کے اوپر وہم کا غلبہ ہے یعنی حقائق کو جب سمجھنے آتا ہے تو عقل پیچھے ہوجاتی ہے اور وہم آگے ہوجاتا ہے، یہ قوتِ واہمہ کی حقیقت ہے۔

اگر یہ دونوں قوتیں مغلوب ہوں تو انسان کے مرحلۂ فہم میں مانع ہیں۔ جب یہ شیطان کے قبضے میں ہوں تو یہ شیاطین ہیں اور آپ نے خدا سے پناہ مانگنی ہے یعنی وہم اور خیال سے آزاد ہوکر، دل کو آزاد کر کے اور خدا کے ساتھ متصل ہو کے استعاذہ کرنا ہے۔ اس لئے پہلا ادب فہمِ عظمتِ قرآن تھا، جب فہمِ عظمتِ قرآن ہوجائے، انسان کا دل جب قرآن سے، صاحبِ قرآن و متکلمِ قرآن سے متصل ہوجائے یعنی خدا سے مربوط ہوجائے تو پھر اس کے بعد وہم اور خیال سے آزاد ہوکر فہمِ قرآن کے مرحلے میں آسانی سے قرآن کو سمجھ سکتا ہے اور پیغامِ قرآن دریافت کرسکتا ہے، نہ یہ کہ پیغامِ قرآن خیال بنا کر پیش کریں، اکثر یوں ہوتا ہے کہ انسان ایک آیتِ قرآن پڑھتا ہے اور خیال اس آیت کو ایک تجسم، نمونہ اور ایک ماڈل (Model) عطا کرتا ہے اور اس کو بتاتا ہے کہ یہ آیت یہ کہہ رہی ہے یعنی جو تو نے سوچا ہوا تھا، جو تیرا رجحان، تمایل اور خواہش ہے یہ آیہ وہی بات بیان کررہی ہے اور انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آیہ میری ہم فکر ہے، یہ بالکل وہی چیز بتارہی ہے کہ جو میں مدت سے میں سوچ رہا تھا، یہ کون بتاتا ہے؟ یہ مرحلہ فہمِ قرآن کے اندر خیال اور وہم کی دخالت ہے۔ دل کو پاک کریں اس لئے کہ یہ قانونِ خداوند تبارک وتعالیٰ اور عام قانونِ عقلی بھی ہے۔

ادارہ معارف

۹)حقیقت کو سمجھنے کے منابع

ہمارے پاس کسی حقیقت کو سمجھنے کے دو ہی منابع ہیں ایک عقل ہے اور دوسری وحی ہے، بعض جگہ مشترکات بھی ہیں یعنی دونوں ایک چیز کو درک کرتے ہیں، اس محدود میدان میں وحی اور عقل دونوں ہمیں حقائق سمجھاتے ہیں لیکن وحی کا میدان بہت ہی وسیع تر از عقل ہے اور عقل تابعِ وحی ہے، عقل فرمان بردارِ وحی ہے، چونکہ وحی کی ضرورت کے بارے میں خود عقل کہتی ہے کہ وحی ہونی چاہئے، خدا کی طرف سے کوئی ہدایت کا نظام ہونا چاہئے، عقل خود نہیں کہتی ہے کہ حقائق کو سمجھنے کے لئے میں کافی ہوں۔ جس طرح ہماری آنکھ دور تک دیکھتی ہے اور ایک حد تک جا کر پھر ہمیں کچھ نظر نہیں آتا ہے، وہاں سے آگے ہم دیکھنے پر قادر نہیں ہیں لیکن آنکھ یہ نہیں کہتی ہے کہ وہاں سے آگے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ آنکھ یہ کہتی ہے کہ وہاں سے آگے بہت کچھ ہے لیکن مجھے یہیں تک نظر آتا ہے، افق تک نظر آتا ہے، اسی طرح عقل بھی ایک حد تک دیکھتی ہے، عقل کا بھی افق ہے اور وہاں تک عقل نگاہ کرتی ہے، اس کے بعد عاجز آجاتی ہے اور کہتی ہے مجھے اب یہاں سے آگے نظر نہیں آتا ہے، یہاں سے آگے کسی اور منبع کا سہارا لو اور وہ وحی کا منبع ہے، علمِ الٰہی کا منبع ہے، یہ قانون قلمروئے عقل کا بھی ہے اور وحی کا بھی ہے۔

۱۰)قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

قرآن نے سورۂ مبارکہ نور میں آیہ (26) میں روابطِ انسانی کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ

انسان مختلف ہیں، قرآن نے انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، طیب انسان اور خبیث انسان۔ البتہ بہت ساری آیات میں انسانوں کی کئی اقسام بیان کی ہیں مثلاً عالم، جاہل، مجاہد، غیر مجاہد، بزدل، شجاع، یہ تقسیماتِ قرآن ہیں کہ جن کو ہم احتیاطاً کبھی بھی بیان نہیں کرتے ہیں تاکہ اس میں کہیں ہماری حقیقت واضح نہ ہو جائے، مجاہد اور غیر مجاہد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب ایک ہیں، سب اللہ کے بندے ہیں، اسی طرح اہل سنت ایک نظریہ صحابہ کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ صحابہ سب آسمان کے ستارے ہیں، حتیٰ چھوٹا بڑا ستارہ بھی نہ کہو، وہ کہتے ہیں کہ سب ستارے ہیں جس کے پیچھے چلو وہی نورانی ہے۔ یہ قرآنی اصل ہے کہ ایسے نہیں ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے اندر اچھے لوگ، برے لوگ اور ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح سے یہ علماء کم وبیش سب کے اندر ہیں۔ ہم یہ نہ کہیں کہ سب علماء آسمان کے ستارے ہیں کہ جو بھی ایک دفعہ عالم ہو جاتا ہے وہ ایک دم ستارہ ہو جاتا ہے، نہیں بلکہ علماء میں بھی اچھے برے ہیں، قرآن نے ذکر کیا ہے، خدا کا خوف رکھنے والے بھی ہیں اور خدا کا خوف نہ رکھنے والے بھی ہیں، روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ علماء دو قسم کے ہیں، علماءِ باعمل اور علماءِ بے عمل، غیر عامل علماء بھی ہیں، یہ تقسیمات ہیں کہ جو قرآن نے ذکر کی ہیں کہ مجاہد ہیں، غیر مجاہد ہیں، فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے ہیں اور کچھ سبیلِ خدا سے ہٹنے والے ہیں، اس طرح کی تقسیمات فراواں ہیں، قرآن کو انہی موضوعات کے تحت پڑھا کریں مثلاً قرآن نے انسان کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا ہے؟ قرآن نے انسان کے کتنے طبقے بنائے ہیں؟ قرآن نے کن کن گروہوں میں انسانوں کو تقسیم کیا ہے؟ مثلاً مومن اور غیر مومن ہیں پھر کہا کہ

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ٥ (١٦)

کیا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہے اس کے مثل ہو جائے گا جو فاسق ہے ہر گز نہیں دونوں ہر گز برابر نہیں ہو سکتے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥ (١٧)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آباد کاری کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ٥ (١٨)

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کسی چیز پر قادر نہیں اور دوسرا (وہ شخص) جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دے رکھا ہے پس وہ اس رزق میں سے

پوشیدہ وعلانیہ طور پر خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ثنائے کامل اللہ کیلئے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔اور اللہ دو مردوں کی مثال دیتا ہے، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر بھی قادر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اسے جہاں بھی بھیجے کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود صراطِ مستقیم پر قائم ہے؟

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ٥ (١٩)

دونوں فریقوں (کافروں اور مومنوں) کی مثال ایسی ہے جیسے (ایک طرف) اندھا اور بہرا ہو اور (دوسری طرف) دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (٢٠)

اللہ ایک شخص (غلام) کی مثال بیان کرتا ہے جس (کی ملکیت) میں کئی بدخو (مالکان) شریک ہیں اور ایک (دوسرا) مرد (غلام) ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ الحمدللہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى

الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ

أَجْرًا عَظِيْمًاo(۲۱)

بغیر کسی معذوری کے گھر میں بیٹھنے والے مومنین اور راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنے والے یکساں نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ زیادہ رکھا ہے اور اللہ نے ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں اجر عظیم عطا کیا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَo(۲۲)

کہہ دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ

الْمَصِيْرُo(۲۳)

کیا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب میں گرفتار ہو اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي

الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo(۲۴)

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے روشنی بخشی جس کی بدولت وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہو اور اس سے نکل نہ

سکتا ہو؟ یوں کافروں کیلئے ان کے کرتوت خوشنما بنا دیئے گئے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَّمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥ (۲۵)

اور دو سمندر برابر نہیں ہوتے: ایک شیرین، پیاس بجھانے والا پینے میں خوشگوار اور دوسرا کھارا کڑوا اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیورات نکال کر پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمَاتُ وَالنُّوْرُ ...... (۲۶)

کہہ دیجئے: کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ اور کیا ظلمت و نور برابر ہو سکتے ہیں؟

أَفَمَنْ يَّعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمٰى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ٥ (۲۷)

کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نابینا ہے؟ نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِى الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ٥ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْرُ ٥ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ٥ وَمَا يَسْتَوِى الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ...... (۲۸)

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔اور نہ اندھیرا اور اجالا۔اور نہ چھاؤں اور دھوپ۔اور نہ ہی زندے اور مردے یکساں ہو سکتے ہیں……

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (٢٩)

(مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگائے رکھتا ہے۔ کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

أَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ○ (٣٠)

کیا وہ شخص جسے ہم نے بہترین وعدہ دیا ہے اور وہ اس وعدے کو پانے والا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کر دیا ہے؟ پھر وہ قیامت کے دن پیش کیا جائے گا۔

وَمَا يَسْتَوِى الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيْءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ (٣١)

اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے نیز نہ ہی ایماندار اور عملِ صالح بجالانے والے اور بدکار۔

تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا...... (۳۲)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے جب کہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ کے لئے ہے؟ تم میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں ہو سکتے، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور مقاتلہ کیا......

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ۝ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ (۳۳)

کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کیلئے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہو؟۔ جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اسکی مثال یوں ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو (کبھی) بد بودار

نہ ہوگا اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کیلئے لذت بخش ہوں گی اور خالص شہد کی نہریں (بھی) ہیں اور اس میں ان کیلئے ہر قسم کے میوے ہیں، کیا یہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا؟

لَا يَسْتَوِیٓ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ
o(۲۰)

اہلِ جہنم اور اہلِ جنت برابر نہیں ہوسکتے، اہلِ جنت ہی کامیاب ہیں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِی الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o(۳۵)

(اے رسول ﷺ) کہہ دیجئے: پاک اور ناپاک برابر نہیں ہوسکتے خواہ ناپاکی کی فراوانی تمہیں بھلی لگے، پس اے صاحبانِ عقل اللہ کی نافرمانی سے بچو شاید تمہیں نجات مل جائے۔

اس طرح سے فراواں تقسیمات ہیں، ان میں سے یہ ایک تقسیم خبیث وطیب کے بارے میں ہے، انسان یا خبیث ہے یا طیب ہے، طیب یعنی پاک، خوب، پاکیزہ اور خبیث یعنی گندے، خَبَث اسی سے ہے کہ جو حدث وخبث فقہ میں پڑھتے ہیں، خبث یعنی گندگی، غلاظت، خبیث لوگ یعنی گندے، ناپسندیدہ اور ناگوار لوگ کہ جن سے گھن آتی ہے، گندے لوگوں سے مراد وہ نہیں ہیں کہ جن کے اوپر مٹی پڑی ہوئی ہو، چہ بسا کہ چہروں پہ، بالوں پہ مٹی پڑی ہوتی ہے اور بہت ہی پاکیزہ لوگ

قرآن میں انسان کی تقابلی اقسام اور روابط

ہوتے ہیں اور وہ جو پورے پیرس کا پرفیوم اپنے اوپر اسپرے (Spray) کر لیتے ہیں ہوسکتا ہے کہ انتہائی کثیف وخبیث لوگ ہوں۔قرآن کے طیب وخبیث نہ کہ جوحمام سے نکل کر آئے وہ طیب ہے اور جومحنت مزدوری کر رہا ہے اور جس کے ہاتھ مٹیالے ہیں وہ گندہ انسان ہو۔قرآن نے ان کو خبیث نہیں کہا ہے یعنی طیب اور خبیث کے اندر جسم دخیل نہیں ہیں بلکہ دل ہیں، قرآن نے روح کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے، باطن کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے، دل کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے، قرآن نے دل دیکھا کہ بعض خبیث ہیں اور بعض طیب ہیں، پھر یہ گروہ تقسیم کر کے ان کے درمیان روابط بیان کئے ہیں کہ روابط کیسے ہونے چاہئیں اور کیسے ہیں؟ عملاً بھی ایسا ہی ہے، فرمایا کہ

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولٰئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ٥(٢٦)

خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے ہیں اور خبیث افراد خبیث باتوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ افراد پاکیزہ باتوں کے لئے ہیں یہ پاکیزہ لوگ خبیث لوگوں کے اتہامات سے پاک وپاکیزہ ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور باعزّت رزق ہے۔

یہ انسانی روابط ہیں، اب ممکن ہے زن وشوہر ہو یا اگر ازدواجی رشتے کی مناسبت سے یہ قاعدہ بیان ہوا ہے تو اس کے معانی یہ نہیں ہیں کہ فقط شادی کے لئے یہ قاعدہ ہے، یہ ضابطہ ازدواج ہے، نا، یہ رضائیت روابطِ انسانی ہے اور نہ فقط انسانی بلکہ یہ ضابطۂ روابطِ وجودی ہے، پورے عالمِ ہستی میں ایسے روابط ہیں، کلِ تکوین میں ایسے روابط ہیں کہ طیب کا رابطہ طیب سے ہوگا اور خبیث کا رابطہ

خبیث سے ہوگا، مکھی اتنے گندگی کے ڈھیر کی طرف مائل ہے، مشتاق اور عاشق ہے، کیوں؟

اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ......

اور شہد کی مکھی پھول کی عاشق ہے، کیوں؟

وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ......

طبیعتِ فطرتِ انسان خبائث سے متنفر ہے، فطرت جب فطرت اللہ ہو یعنی جس طرح سے خدا نے اس فطرت کو خلق کیا ہے اگر اسی طرح سے یہ فطرت ہو تو اس کے اندر خبائث کی طرف کوئی رجحان نہیں ہے لیکن آہستہ آہستہ جب انسان خود اس فطرت کو گناہوں سے آلودہ کرتا ہے، جیسے پچھلے باب میں ایک فہرست ذکر کی تھی کہ جن آلودگیوں سے دل آلودہ ہوجاتا ہے، دل کی پالوشن (Pollution) کہ جن کی وجہ سے بہت ساروں کو ہارٹ پروبلم (Heart problem) ہے لیکن انہیں معلوم نہیں ہے۔ کینہ ہے، حسد ہے، نفرت ہے، یہ ساری چیزیں دل کو آلودہ کردیتی ہیں، یہ دل کو، فطرت کو آلودہ کردیتی ہیں اور جب فطرت آلودہ ہوجائے تو آلودہ فطرت آلودگیوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے یعنی دل اگر خدانخواستہ خبیث ہوجائے تو پھر اس کے اندر رجحاناتِ خبیث پیدا ہوتے ہیں یعنی دلِ ناپاک ناپاکیوں کی طرف زیادہ جاتا ہے اور پاک دل پاکیزہ چیزوں کی طرف رجحان رکھتا ہے، قرآن کلامِ خدا ہے لہٰذا طیبات میں سے ہے، قرآن کی صفت بھی یہی ذکر کی گئی ہے، اسے قرآن پاک بھی کہتے ہیں،

وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ......

یعنی دل پاک ہوگا تو پاک چیز دل کے اندر آئے گی چونکہ پاک کا رابطہ پاک سے ہے اور ناپاک کا ناپاک کے ساتھ رابطہ ہے، بعض لوگوں کے اندر گناہ کا رجحان شدید ہے، ان کے لئے گناہ سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے جیسا کہ بعض کے اندر اطاعت کی طرف رجحانِ شدید ہے، ذکرِ خدا کی طرف اور قرآن کی طرف رجحانِ شدید ہے، ان کو قرآن سے دور رکھنا، عبادت سے دور رکھنا بہت مشکل ہے، جس طرح قرآن نے فرمایا کہ بعض ایسے ہیں کہ جن پر عبادتیں بہت گراں گزرتی ہیں،

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ٥ (۳۷)

نماز بہت مشکل کام ہے مگران لوگوں کے لئے نہیں جو خشوع وخضوع والے ہیں۔

جن کے دل نرم نہیں ہیں، جن کے دل پاک نہیں ہیں، جن کے دل میں خشوع نہیں ہے ان کے لئے عبادتیں بہت ناگوار ہیں، روزہ بہت ناگوار ہے، نماز بہت ناگوار ہے لیکن بعض کے لئے عبادت میں سرور ہے، رجحانِ شدید ہے، اہل سنت کی کتابوں میں بھی یہ جملہ موجود ہے کہ جب اذان کا وقت قریب ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ حضرت بلالؓ کو یہ امر فرماتے تھے کہ

اَرِحْنَا يَا بِلَالُ...... (۳۸)

اے بلالؓ ہمیں سکون پہنچا دیجئے......

یعنی میں اس وقت تنگی اور دشواری میں ہوں، اس دشواری کو آسان کر، میرے لئے اذان دے تاکہ فریضۂ نماز اقامہ کروں، اے بلالؓ مجھے راحت دے، عبادت کے اندر، بارگاہِ خدا میں حضور کے اندر جو زمانی فاصلہ تھا وہ کم ہوتا جا رہا ہے کہ جلدی اذان دے، یہ رجحانِ شدید ہے، اسی

طرح قرآن پاک ہے اور پاک چیز کے ساتھ اس کا رابطہ ہے، اس لئے یہ پاک چیز اول تو ناپاک دل میں آتی نہیں ہے چونکہ قرآن نے یہ ضابطۂ عمومی ذکر کیا ہے،

وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ......

قرآن کبھی بھی خبیث دل میں کہ جو میلا ہو اور جس کے اندر آلودگی ہوں، وہ آلودگیاں کہ جو قرآن میں بھی بیان ہوئی ہیں اور بہت ساری آلودگیاں اور بھی ہیں، ان آلودگیوں کی ایک فہرستِ طولانی بنتی ہے کہ جو دل کو آلودہ کرتی ہیں، اگر دل ان سے پاک نہ ہو تو ہرگز قرآن دل میں نہیں اترتا ہے، دل کو نورانی نہیں کرتا ہے البتہ آیتیں حفظ ہو جاتی ہیں اور قرآن کی مبتدا و خبریں معلوم ہو جاتی ہیں، چہ بسا انسان قرآن کے اوپر بہت ساری تحقیقات بھی کر لیتا ہے لیکن قرآن سے دل نورانی نہیں ہوتا ہے، قرآن منشورِ حیات اور منشورِ زندگی نہیں بنتا ہے، نورانیتِ قرآن پاکیزہ دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ جب قرآن پڑھتے تھے تو بعض بیزار ہوتے تھے اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور بعض ایسے ہوتے تھے کہ جیسے سورۂ جن میں ان جنوں کا واقعہ ہے کہ انہوں نے قرآن سنا اور جا کر اپنی قوم کو بتایا کہ عجب قرآن ہے، عرض کیا تھا کہ ابھی جو قرآنی کرتب زیادہ عام ہو گئے ہیں، قرآنی کرتب سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے اوپر جو کرتب انجام دیئے جاتے ہیں، یہ کرتب اگر دکھائیں تو لوگ کس کی تعریف کرتے ہیں؟ عجب بچہ ہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھتے تھے تو لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ عجب رسول ﷺ ہے بلکہ کہتے تھے کہ عجب قرآن ہے۔

اگر واقعاً قرآن پیش کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟ عجب قرآن ہے لیکن اگر لوگ کہیں کہ عجب خطیب ہے، عجب ذاکر ہے، عجب مولوی ہے، عجب بچہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پیش نہیں ہو رہا ہے بلکہ کرتب پیش ہو رہا ہے یعنی قرآن کے لبادے میں انسان اپنے آپ کو متعارف کروا رہا ہے۔ قرآن اس طرح سے پیش کرو کہ پاک فطرت عاشقِ قرآن ہو جائے اور کہے کہ یہ عجب قرآن ہے، وہ دلدادۂ قرآن ہو جائے اور پھر قرآن سے نہ ہٹ سکے۔

بعض مشرکین نے کچھ جاسوسوں کو بھیجا کہ جاؤ رسول اللہ ﷺ کو چھپکے سے سنو یعنی کیڑے نکالنے کے لئے، جیسے مجلس میں بسا اوقات ہوتا ہے کہ کچھ لوگ آتے ہیں تا کہ سن کے پھر وہاں سے کچھ چیزیں نکال کر بعد میں کمزور نکتے عام کریں گے، پروپیگنڈہ (Propaganda) کریں گے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقریر میں کہیں کمزور اور مبہم نکتہ نکل جاتا ہے، اس طرح سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے تھے کہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات نکل جائے کہ جس کو ہم معاشرے میں جا کر عام کریں کہ آج انہوں نے یہ کہا ہے، یہ مشرکین ان جاسوسوں کو بھیجتے تھے کہ جا کر سن کر آؤ لیکن وہ جاسوس اُن جتنے آلودہ نہیں تھے کہ جو انہیں بھیجتے تھے، بھیجتے کون تھے؟ ابولہب و ابوجہل و ابوسفیان اور جن لوگوں کو بھیجتے تھے وہ ان جتنے آلودہ نہیں تھے اور ان پر اثر ہوتا تھا، پھر یہ انتظار ہی کرتے رہ جاتے تھے، کہتے تھے کہ واپس کب آئیں گے لیکن وہ واپس نہیں آتے تھے کیونکہ اس قدر جاذبۂ قرآن میں جذب ہو جاتے تھے کہ ان کے لئے اٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ وہ بھیجنے والے کہتے تھے کہ یہ جادو ہے لیکن یہ کہتے تھے کہ نہیں جادو نہیں ہے، جادو اس طرح سے اثر نہیں کرتا ہے،

شعر اس طرح سے اثر نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا پہلے دل پاک ہو، اس لئے تطہیرِ قلب صرف قرآن ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ عبادتوں کے لئے بھی ہے، عام زندگی کے لئے بھی ہے اور ملائکہ کے الہامات کے لئے بھی ہے۔

۱۱)غلط خیالات اور ان کا علاج!

اگر دل پاک نہ ہو تو پھر وساوسِ شیطان کے لئے آمادہ ہوتا ہے، بعض اوقات لوگ ایک المیہ اکثر ذکر کرتے ہیں اور یہ مشکل سب کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں خود ہی خود کچھ ایسے تخیلات، تصورات، وسوسے اور خیالات دوڑتے رہتے ہیں کہ جو ہم خود نہیں سوچتے ہیں، ہم نہیں چاہتے ہیں، پسند بھی نہیں کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ خیالات آتے رہتے ہیں، بعض حساس نہیں ہیں لیکن یہ المیہ سب کے ساتھ ہے۔ لوگ پوچھتے بھی ہیں کہ ہمیں غلط قسم کے خیالات آتے ہیں، بے ہودہ خیالات آتے ہیں، یہ اختیاری بھی نہیں ہیں اور ہم بھی نہیں چاہتے ہیں لیکن ان کا ہم کیا کریں؟ یہ خیالات کیوں آتے ہیں؟ پاک خیالات کیوں نہیں آتے ہیں؟ درست ہے یہ خود ہی آتے ہیں لیکن خود کہاں آتے ہیں؟ جیسے مکھیاں خود آتی ہیں لیکن آتی کہاں پر ہیں؟ مکھیاں تو ہم کھینچ کر نہیں لاتے ہیں، مکھیوں کو دعوت نامہ تو نہیں دیتے ہیں کہ ساری ہمارے گھر آجاؤ بلکہ مکھی بلانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے گھر کو گندہ کر دو پھر مکھیاں آپ کے گھر میں خود ہی آجائیں گی اور پھر آغا سے فقہی مسئلہ پوچھو کہ آغا یہ مکھیاں خود آتی ہیں، آیا اس کے ذمہ دار ہم ہیں یا نہیں ہیں؟ کیا وہ یہ کہیں گے کہ نہیں یہ خود آتی

ہیں آپ ذمہ دار نہیں ہو، اگر آتی ہیں تو آنے دو، نہیں بلکہ کہیں گے کہ گھر گندہ رکھا ہوا ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ مکھیاں آتی ہیں، گھر کو پاک رکھو تا کہ مکھیاں نہ آئیں، ملائکہ آئیں شیاطین نہ آئیں۔ گھر میں کچرا پھیلا کر ساری کھڑکیاں دروازے آپ نے کھولے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے لئے کھولے ہوئے ہیں، مکھیوں کے لئے بھی، مچھروں کے لئے بھی اور پھر پوچھتے ہیں کہ ہمارے کمرے میں مکھیاں بہت آتی ہیں کیا کریں؟

دروازے کے آگے کوئی فلٹر (Filter) لگائیں، کوئی نیٹ (Net) یا جالی لگا دیں تا کہ ہوا آئے لیکن مکھی نہ آئے، لوگوں نے گھروں میں لگائی بھی ہوتی ہیں، یہی کام آپ بھی کریں، ذہن کے آگے جالی لگائیں کہ اچھے خیالات آئیں برے نہ آئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت نامہ تیار کیا ہوا ہے، دسترخوان شیطان کے لئے تیار ہے، جیسا خیال لے کر میرے دل میں آئے اس کو آنے دیتے ہیں یعنی شیطانی وسوسوں کے لئے ذہن کو آزاد چھوڑ دینا، ہم ان خیالات کو دور کر سکتے ہیں کہ کیوں غلط خیالات آتے ہیں؟ صحیح خیالات کیوں نہیں آتے ہیں؟ جیسی مناسبت ہو ویسے ہی تخیلات ہوتے ہیں، جیسا ظرف ہو، جیسا دل ہو ویسے ہی خیالات وتصورات ہوتے ہیں۔

شیاطین کن دلوں میں وسوسہ کرتے ہیں؟ ہمارے ذہن میں ملائکہ کی آمد و رفت کیوں نہیں ہے؟ اس لئے کہ ہمارے دل آلودہ ہیں اور آلودہ دل میں ملائکہ کا نہیں بلکہ شیاطین کا بسیرا ہوتا ہے، شیاطین کی آمد و رفت رہتی ہے۔ یہ ناپاک خیالات اور خبیث القائات انہی شیاطین کی وجہ سے آتے ہیں کہ جو آلودہ مملکتِ دل میں ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں، بعض دلوں میں ملائکہ اترتے ہیں اور بعض میں

شیاطین اترتے ہیں،

وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی أَوْلِیَائِھِمْ...... (۳۹)

اور شیاطین تو اپنے دوستوں کی طرف خفیہ اشارے کرتے ہی رہتے ہیں۔

شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں، الہام کرتے ہیں، ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات ڈالتے ہیں، شکوک وشبہات ڈالتے ہیں، ان کے دلوں میں بری نیتیں ڈالتے ہیں، ان کے دلوں میں غلط ارادے ڈالتے ہیں، ان کے دلوں میں خطرات و وساوس ڈالتے ہیں لہٰذا یہ احاطہ شدہ ذہن و دل، شیطان کے اختیار میں آیا ہوا دل قرآن کو نہیں سمجھ سکتا ہے، اس لئے اپنے دل کو ان غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک کرنے کی ضرورت ہے تا کہ قرآن ہمارے دلوں میں داخل ہو سکے اور فہمِ قرآن کی راہ ہموار ہو جائے۔ انشاء اللہ اگلی فصل میں ادبِ سوم تحریر کیا جائے گا۔

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ نساء، آیہ ۴۶)

(۲)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۳)

(۳)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۴۱)

(۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۷۵)

(۵)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۹۸)

(۶)......(صحيفة الامام عليؑ)

(۷)......(غرر الحكم و درر الكلم)(گفتگو در محضر امير المومنين عليؑ)
(منهاج البراعة فى شرح نهج البلاغة - الخوئیؒ)(امام عليؑ فرهنگ
عمومی و همبستگی اجتماعی، الجزء۸، صفحه۵)(قبسات من نهج البلاغة)
(فى ظلال نهج البلاغة)

(۸)......(مبانى نقد متن الحديث)

(۹)......(شرح نهج البلاغه - جعفرى)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۳۷)(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۳۱)(سورۂ مبارکہ انفال، آیہ ۳۴)
(سورۂ مبارکہ یونس، آیہ ۵۵)(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۷۵)(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ ۱۰۱)
(سورۂ مبارکہ نمل، آیہ ۶۱)(سورۂ مبارکہ قصص، آیہ ۱۳)(سورۂ مبارکہ قصص، آیہ ۵۷)
(سورۂ مبارکہ لقمان، آیہ ۲۵)(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۲۹)(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۴۹)
(سورۂ مبارکہ دخان، آیہ ۳۹)(سورۂ مبارکہ طور، آیہ ۴۷)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ انبیاء، آیہ۲۴)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ عنکبوت، آیہ ۶۳)(سورۂ مبارکہ حجرات، آیہ۴)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ فتح، آیہ۱۵)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ لقمان، آیہ۱۸)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ حدید، آیہ۲۳)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ سجدہ، آیہ۱۸)

(۱۷)......(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ۱۹)

(۱۸)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ۷۶، ۷۵)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ ھود، آیہ۲۴)

(۲۰)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ۲۹)

(۲۱)......(سورۂ مبارکہ نساء، آیہ۹۵)

(۲۲)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ۵۰)

(۲۳)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ۱۶۲)

(۲۴)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ۱۲۲)

(۲۵)......(سورۂ مبارکہ فاطر، آیہ۱۲)

(۲۶)......(سورۂ مبارکہ رعد، آیہ۱۶)

(۲۷)......(سورۂ مبارکہ رعد، آیہ۱۹)

(۲۸)......(سورۂ مبارکہ فاطر، آیہ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹)

(۲۹)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ ۹)

(۳۰)......(سورۂ مبارکہ قصص، آیہ ۶۱)

(۳۱)......(سورۂ مبارکہ غافر، آیہ ۵۸)

(۳۲)......(سورۂ مبارکہ حدید، آیہ ۱۰)

(۳۳)......(سورۂ مبارکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آیہ ۱۵،۱۴)

(۳۴)......(سورۂ مبارکہ حشر، آیہ ۲۰)

(۳۵)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۰۰)

(۳۶)......(سورۂ مبارکہ نور، آیہ ۲۶)

(۳۷)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۴۵)

(۳۸)......(تسنیم تفسیر قرآن کریم -آیة اللّٰه جوادی آملی مدظلہ) (التفسیر الصافی - الفیض الکاشانیؒ، الجزء ۱، صفحی ۱۳۴)(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، المعروف تفسیر الألوسی - شهاب الدین محمود بن عبد اللّٰه الحسینی الألوسی)(پرتوی از اسرار نماز) (بحار الأنوار -علامہ مجلسیؒ، الجزء ۸۰، صفحه ۱۶)(سنن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - السید الطباطبائیؒ، الجزء ۱، صفحه ۲۳۵)

(۳۹)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۱۲۱)

فصلِ اَدبِ سوُم

«حضورِ قلب»

(حصّہ اول)

١)حضورِ قلب کا معنٰی

٢)حضورِ قلب کے میادین

٣)حضور کیلئے قرآنی تعبیرات

٤)حضورِ قلب کی دشواری،ایک المیہ

٥)دلِ وحشی کی تربیت

٦)حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہوسکتا

٧)انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

٨)سنخیت کے بغیر اُنس نا ممکن ہے

٩)قرآن وعبادت کے ساتھ مسانخت

١٠)گریہ،انس کی علامت

١١)اُنس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

بحثِ آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ سوم حضورِ قلب ہے، صدر المتألہینؒ فرماتے ہیں کہ

☆الثالث: حضور القلب......

فہمِ قرآن کے لئے ادبِ سوم حضورِ دل ہے، ورنہ جسم تو حاضر رہتا ہے لیکن قرآن سمجھ میں نہیں آتا ہے، جب انسان خدمتِ قرآن میں سمجھنے کے لئے حاضر ہو تو جس طرح اس کا جسمانی طور پر حضور ہے ایسے ہی دل بھی حاضر ہو۔

۱) حضورِ قلب کا معنیٰ

حضور سے مراد لغت میں، اصطلاح میں اور خصوصاً اس بحث کے اندر بمعنیٰ موجودیت ہے یعنی موجود ہونا، اس لئے اہلِ نظر اور اہلِ فلسفہ حضور، حصول اور وجود کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، یہ کلماتِ مترادف ہیں، آپ کسی شے کے بارے میں کہیں کہ یہ موجود ہے، حاضر ہے یا حاصل ہے تو ان سب کو افعالِ وجودی یا مفاہیمِ وجودی تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضورِ قلب یعنی قرآن کے سامنے دل کا موجود ہونا۔ فہم کے لئے حضورِ جسمانی کافی نہیں ہے۔ جس چیز کا فہم سے تعلق ہے وہاں پر حضورِ ذہن، حضورِ فہم یا حضورِ قلب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جہاں پر کوئی عمل کا میدان ہوتا ہے وہاں پر انسان کو حضورِ جسمانی بھی چاہئے۔

بعض اوقات کسی شے کی موجودیت کو کسی دوسری شے کے لحاظ سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے اور بعض اوقات خود اس شے کو دیکھا جاتا ہے کہ موجود ہے یا نہیں ہے۔ فلسفی بحثوں میں عموماً یہی دیکھا جاتا ہے کہ آیا یہ شے مثلاً روح موجود ہے یا نہیں ہے؟ فرشتہ موجود ہے یا نہیں ہے؟ خدا موجود ہے یا

نہیں ہے؟ اس کو فلسفی زبان میں موجودیتِ نفسی کہا جاتا ہے، یعنی ایک شے کی بذاتِ خود و بجائے خود موجودیت کی بحث کی جاتی ہے کہ آیا اس کی موجودیت ہے یا نہیں ہے؟ اس موجودیت کے مقابلے میں معدومیت ہے کہ شے موجود ہے یا معدوم ہے، بعض چیزیں موجود ہیں اور بعض معدوم ہیں مثلاً فرشتہ موجود ہے، چڑیل معدوم ہے، جنّ موجود ہے، دِیُو یا دِیُو معدوم ہے، روح موجود ہے لیکن سیمرغ معدوم ہے، یہ چیزیں موجود نہیں ہیں۔

لیکن بعض اوقات ہم موجودیت کو بجائے خود و بذاتِ خود اس شے کیلئے نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ موجود ہے یا معدوم ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شے کسی دوسری شے کے لئے موجود ہے یا نہیں ہے، یہ شے کسی اور کے سامنے موجود ہے یا نہیں ہے چونکہ موجودیت کا ایک روپ یا ایک شکل یہ ہے کہ بعض امور بعض دوسرے امور کے سامنے موجود ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ اپنے تئیں موجود ہوں لیکن کسی دوسرے کے سامنے موجود نہ ہوں جیسے بہت ساری چیزیں اس وقت عالم میں موجود ہیں لیکن ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں اور بہت ساری چیزیں دنیا میں ہیں اور ہم ان کے سامنے موجود نہیں ہیں۔

مثلاً ہم اپنے گھر میں موجود ہیں لیکن کعبہ میں موجود نہیں ہیں، اس وقت ہم کربلا میں موجود نہیں ہیں اور مشہد میں بارگاہِ ملکوتی حضرت امام رضا علیہ السلام میں نہیں ہیں بلکہ وہاں سے غیر حاضر ہیں لیکن اس وقت اگر کوئی بارگاہِ حضرت معصومہ علیہا السلام میں موجود ہو تو کہتے ہیں کہ یہاں حضور ہے، یہاں یہ شخص حاضر ہے یعنی حرمِ معصومہ علیہا السلام میں موجود ہے، اس کی موجودیت حرم کیلئے ہے لہٰذا ہم موجود بھی

ہیں اور غیر حاضر بھی ہیں، حاضر وہاں ہیں کہ جہاں موجود ہیں اور غیر حاضر وہاں ہیں کہ جہاں موجود نہیں ہیں۔ اپنے تئیں اگر کوئی گھر میں، خیابان میں اور دکان پہ ہو، سویا ہوا ہو یا جاگ رہا ہو تو بھی موجود ہے لیکن یہ موجودیت بعض اوقات کسی دوسری شے کے لحاظ سے دیکھی جاتی ہے کہ جب ایک شے کسی دوسری شے کے لئے، کسی دوسرے مقام کے لئے موجود ہو تو اس کو حضور کہتے ہیں۔ جیسے اگر کوئی چیز ہمارے سامنے موجود ہو تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ حاضر ہے، یہ ہمارے لئے حاضر ہے لیکن ہمارے سامنے حاضر نہ ہو تو اسے تعبیر کریں گے کہ یہ غائب ہے، پس حضور کے مقابلے میں کبھی عدم استعمال ہوتا ہے اور کبھی غائب استعمال ہوتا ہے۔

حضورِ قلب کا معنیٰ

اگر کسی شے کی موجودیتِ نفسی کو ملحوظ رکھیں تو اس کی مقابلے میں عدم ہے کہ یہ شے یا موجود ہے یا موجود نہیں ہے اور اگر اس کی موجودیتِ نسبی کو ملحوظ رکھیں یعنی کسی چیز کی موجودیت کسی دوسری شے کے مقابلے میں ہو تو غیبت استعمال ہوتا ہے یعنی یہ شے ہمارے سامنے موجود نہیں ہے پس غائب ہے، جیسے اس وقت امامِ عصر حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف غیبت میں ہیں، غائب ہیں، غائب ہونے سے مراد کیا ہے؟ غائب ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ سرے سے عالمِ ہستی میں نہیں ہیں یعنی موجود نہیں ہیں جیسے اہل سنت کا نظریہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مہدیؑ موعود عالمِ ہستی، معرضِ ہستی اور مُنَصَّۂ ہستی میں موجود نہیں ہیں، ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں، بعد میں پیدا ہوں گے چونکہ یہ وعدہ خدا ہے کہ میں ایک منجی بشریت پیدا کروں گا، نجات دہندہ، مصلح پیدا کروں گا، مجدد پیدا کروں گا، ان کے اعتقاد کے مطابق وہ موعود ہیں یعنی اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسا انسان بعد میں وجود میں آئے گا

لیکن امامیہ کے اعتقاد کے مطابق وہ مہدی علیہ السلام موجود ہیں۔ بعض اوقات شیعہ بھی اپنی کتابوں میں تقلیداً لکھتے ہیں کہ مہدیؑ موعود، حکومتِ مہدیؑ موعود، وہ موعود نہیں ہیں بلکہ موجود ہیں، جب موجود ہیں تو پھر کیوں کہتے ہیں کہ غائب ہیں؟ غائب اس وجہ سے ہیں کہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، غیبت کے معانی یہ ہیں کہ حاضر نہیں ہیں یعنی ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، موجودیت تو ہے لیکن ہماری نظروں کے سامنے موجود نہیں ہیں اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ امام غائب ہیں۔

پس موجودیت کا معنیٰ حضور ہے لیکن کسی شے کی وہ موجودیت کہ جو کسی کے سامنے ہو تو اس کو محضر کہتے ہیں یعنی جائے حضور، کسی کے سامنے موجود ہونا یا کسی کی بارگاہ میں موجود ہونا محضر کہلاتا ہے، عموماً یہ لفظ فارسی اور عربی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے، لفظِ محضر اردو میں کم استعمال ہوتا ہے، محضر یعنی جائے حضور کہ جہاں پر کسی کے سامنے موجود ہوا جائے، جیسے بادشاہوں کے دربار میں موجودیت کی جگہ تھی، اگر کسی کو شاہ کے سامنے موجود ہونا ہوتا تھا تو وہ دربار میں سامنے آکر کھڑا ہوتا تھا، وہ بادشاہ کے کمرے میں، اس کے بیڈروم میں نہیں جاتا تھا، اسے محضر نہیں کہتے تھے، محضر یعنی دربار میں وہ جگہ کہ جو انہوں نے مشخص کی ہوئی تھی کہ اگر کسی کو ملاقات کے لئے آنا ہے تو یہاں پر آئے، یہ اس کا محضر ہے، یہ جائے حضور ہے۔ اس طرح یہ سارا عالم، ساری کائنات، سارا جہان محضرِ خدا ہے، محضرِ خدا یعنی اگر کسی کو خدا کے سامنے موجود ہونا ہے تو اس عالمِ ہستی میں موجود ہونا ہے، یہ سب بارگاہِ خدا ہے، اللہ کے سامنے حاضر ہونا یعنی اس عالمِ ہستی میں موجود ہونا۔ پس فہمِ قرآن کیلئے حضورِ قلب بنیادی ترین آداب میں سے ہے کہ جس کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

حضورِ قلب کا معنیٰ

۲) حضورِ قلب کے میادین

تین میدان اس بحث کے لئے نہایت اہم ہیں، فہمِ قرآن مطالعہ اور عبادت۔ یہ مطلب فقط فہمِ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جمیعِ عبادات کے لئے بھی ضروری ہے کہ انسان بارگاہِ خداوند تبارک وتعالیٰ میں حاضر ہو اور حضورِ قلبی رکھتا ہو۔ فہمِ قرآن وعبادت کے علاوہ تیسرا میدان طلاّبِ علوم سے مربوط ہے حتیٰ طلبِ علمِ دینی ہو یا طلبِ علومِ رائج۔ جب درس پڑھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور کتاب کھولتے ہیں تو اس کے لئے بھی حضورِ ذہن اور حضورِ قلب ضروری ہے۔ حضورِ ذہن وحضورِ دل کے بغیر مقصد حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، ان تینوں میادین کے لئے فقط جسمانی حضور کافی نہیں ہے۔

لہٰذا انسان عمر بھر قرآن سے سروکار رکھتا ہے اور قرآن پڑھتا رہتا ہے لیکن چونکہ یہی ادب مُراعات نہیں ہوتا یعنی حضورِ دل نہیں ہوتا تو نتیجتاً عمر بھر کی زحمتیں اکارت چلی جاتی ہیں یا مُدَّتِ مَدِید تک انسان کسی درس میں شریک رہتا ہے، کسی بحث میں شریک رہتا ہے اور کسی علمی مرکز میں سرگرم رہتا ہے لیکن اسکے باوجود انسان کو کم تر حاصل ہوتا ہے یا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، وجہ یہ ہوتی ہے کہ حضورِ ذہن وحضورِ قلب نہیں تھا اور اسی طرح عبادات کے اندر انسان عمر بھر خدا کی بارگاہ میں جسمانی طور پر حاضر ہوتا ہے لیکن ان عبادتوں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے، عبادتوں کا ثمرہ انسان کے وجود میں ظاہر نہیں ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ ان عبادتوں کے اندر حضور نہیں تھا، انسان غائب اور غیر حاضر تھا۔ یہ تینوں میدان ایسے ہیں کہ اگر انسان ان میں غیر حاضر ہو، خصوصاً انسان کا دل، ذہن اور عقل وفہم تو

کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

بعض جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں جسمانی حضور کی وجہ سے اثر و ثمرہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن جہاں پر قلبی و ذہنی حضور چاہئے مثلاً عبادتوں میں، قرآن کے سامنے، کتاب و درس اور مدرسہ میں تو جب تک انسان وہاں قلباً و ذہناً حاضر نہ ہو تو جسمانی حضور سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ انسان حوزے میں جسمانی طور پر بیس سال رہے یا تیس سال رہے، نصف صدی رہے یا چہ بسا ایک صدی رہے، جسمانی حضور انسان کو کچھ ثمرہ عطا نہیں کرتا ہے۔

پس ان تین میدانوں کے لئے یہ بحث اہمیت رکھتی ہے اور عموماً انہی تین میادین سے تعلق رکھنے والے افراد اس پر پریشان بھی رہتے ہیں یا شکوہ ہوتا ہے کہ مطالعے کے وقت، عبادت کے اندر اور قرآن پڑھتے ہوئے حضورِ ذہن نہیں ہوتا ہے، بعض لوگ اس میں مکمل طور پر مبتلا ہیں اور بعض کے کم و بیش درجات ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ ذہنی طور پر تھوڑی سی دیر کے لئے حاضر ہوتے ہوں مثلاً پانچ منٹ کے لئے اور پھر اس کے بعد غیر حاضر ہو جاتے ہوں، کچھ لوگ ممکن ہے کہ دس منٹ کے لئے حاضر ہوں اور دس منٹ کے بعد غیر حاضر، بعض ایسے ہیں جو تکبیرۃ الاحرام میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر نماز کے آخر تک غیر حاضر رہتے ہیں، انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ نماز میں ہیں یا کہیں اور ہیں۔ یہی تین چیزیں ہیں کہ اگر انسان ان میں غیر حاضر رہے اور محروم رہے تو یہ محرومیت انسان کو ہر قسم کی نعمتوں سے محروم کر سکتی ہے، ہر کمال سے محروم کر سکتی ہے چونکہ اگر انسان کو کچھ حاصل ہونا ہے تو انہی تین میدانوں سے حاصل ہونا ہے یا بحثِ علمی سے یا قرآن کے سامنے یا خدا کی بارگاہ میں

حضورِ قلب کے میادین

عبادت سے اور اگر ان تین بارگاہوں میں انسان غیر حاضر رہتا ہے تو باقی ہر جگہ حاضر بھی رہے تو بھی انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

جب انسان قرآن پڑھتا ہے، بارگاہِ قرآن میں، قرآن کے محضر میں اور قرآن کی خدمت میں جاتا ہے یعنی موجودیتِ انسان برائے قرآن تو اس کو حضور برائے قرآن کہتے ہیں۔ ویسے تو قرآن ہمارے گھروں میں موجود ہے لیکن نہ ہم اس کے سامنے موجود ہیں اور نہ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ غلاف میں لپٹا ہوا غائب اور ہم اپنی زندگیوں میں لپٹے ہوئے اور اپنی خواہشات و شہوات میں لپٹے ہوئے غائب، ہم اس سے غائب اور وہ ہم سے غائب، اسی کو کہتے ہیں مہجور یعنی متروک اور اپنے حال پہ چھوڑا ہوا۔

جب انسان اور قرآن ایک دوسرے کے لئے موجود ہوں تو اس کو حضور کہیں گے، حتیٰ اگر انسان قرآن کھول کر بیٹھ جائے اور اس پہ نگاہ کرتا رہے تو بھی یہ قرآن کے لئے حضور نہیں ہے۔ ہمارا حضور چونکہ قرآن کے لئے نہیں ہے لہٰذا قرآن کی بارگاہ میں ہماری موجودیت نہیں ہے، جس شے کے لئے ہماری موجودیت ہوگی تو ہمارا حضور بھی اسی کے لئے ہے۔ بعض اوقات ہم جسمانی طور پر موجود ہوتے ہیں، ہمارے کئی وجود اور کئی ہستیاں ہیں، ایک جسمانی ہستی ہے یعنی جسمانی وجود ہے، جسمانی طور پر موجود ہوتے ہوئے ممکن ہے کہ ذہنی طور پر موجود نہ ہوں اور یہ ہوتا ہے کہ انسان ذہنی طور پر غائب ہوتا ہے، ذہن موجود نہیں ہوتا ہے چونکہ جسم تو جگہ کا، مکان کا پابند ہے لہٰذا جسم ہٹ نہیں سکتا ہے اور یہاں سے کسی اور سمت نہیں جا سکتا ہے۔

جسم حدود کا، مشخصات کا اوران ساری چیزوں کا پابند ہے کہ جو دائیں بائیں اس کو گھیرے ہوئے ہیں لیکن ذہن پابند نہیں ہے، وہ نہ جسم کا پابند ہے اور نہ کسی اور مکان و زمان کا پابند ہے لہٰذا کبھی ہمارا ذہن غیر حاضر ہو جاتا ہے اور کبھی موجود ہوتا ہے۔ بقول سعدی

هرگز وجود حاضر غایب شنیده ای؟

من درمیان جمع و دلم جای دیگر ست...... (۱)

یعنی کبھی دیکھا ہے کہ غائب و حاضر دونوں جمع ہوں؟ کبھی ایسا منظر دیکھا ہے کہ انسان حاضر بھی ہو اور غائب بھی ہو؟

کہا کہ ہاں ایسے ہو سکتا ہے کہ میں کسی اور جگہ پر ہوں اور میرا دل کسی اور جگہ ہے، اسی کو کہتے ہیں جمع بین حاضر و غائب یعنی یہ موجود بھی ہے اور موجود نہیں بھی ہے، حاضر بھی ہے اور غائب بھی ہے، جسمانی طور پر ادھر ہے اور دلی، قلبی و ذہنی طور پر کسی اور جگہ پر ہے۔

بعض اوقات انسان کتاب کھولتا ہے تو اس کتاب کیلئے جسمانی حضور ہوتا ہے یعنی الفاظِ کتاب، صفحۂ کتاب، کاغذِ کتاب اور جسمِ انسان ایک دوسرے کے لئے حاضر ہیں لیکن مضمونِ کتاب، علمِ کتاب، مفادِ کتاب اور روحِ انسان ایک دوسرے سے غائب ہیں، کتاب کے معانی کے لئے، مدلولات کے لئے، مفاہیم کے لئے روحِ انسان حاضر نہیں ہے بلکہ غائب ہے۔ بعض اوقات انسان مطالعہ کے دوران پورا صفحہ پڑھ جاتا ہے لیکن ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ اس میں کیا لکھا ہوا تھا چونکہ اس کو غائب ہو کر پڑھا ہے، جسمانی طور پر حاضر ہو کر اور ذہنی طور پر غیر حاضر ہو کر

پڑھا ہے اور غیر حاضر انسان کو تو علم حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ حاضر انسان کو علم ملتا ہے۔

۳) حضور کیلئے قرآنی تعبیرات

عبادات میں بھی حاضر انسان کو ہی کچھ نصیب ہوتا ہے چونکہ خدا کی ذات تو حاضر ہے، حاضر خدا کے سامنے حاضر انسان چاہئے یعنی بذاتِ خود ذاتِ خدا ہمارے لئے موجود ہے کہ جس طرح سے تعبیرات ہیں مثلاً ربی، ربنا، ان تعبیرات کو قرآن میں پڑھیں کہ کتنی خوبصورت، جاذب اور حسین و زیبا ہیں، انسان جب ان کو پڑھتا ہے تو وجد میں آتا ہے مثلاً

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥ (۲)

پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے تو اب ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ ہونے پائے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥ (۳)

پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ٥ (۴)

خدایا ہمیں بے پناہ صبر عطا فرما اور ہمارے قدموں کو ثبات دے اور ہمیں کافروں کے مقابلے میں نصرت عطا فرما۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ٥(۵)

خدایا ہم پر صبر کی بارش فرما اور ہمیں دنیا سے مسلمان اٹھانا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ٥(۶)

پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب قائم ہوگا۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ أَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ٥(۷)

پروردگار ہم نے اس منادی کو سنا جو ایمان کی آواز لگا رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، پروردگار اب ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری برائیوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما۔

یہ بہت زیبا تعبیریں ہیں، ربنا کی تعبیریں کب استعمال ہوتی ہیں اور کون کہتا ہے؟ یعنی جہاں پر رب انسان کے لئے، مربوب کے لئے حاضر ہے اور مربوب رب کے لئے حاضر ہے یعنی حاضر انسان خدا کی بارگاہ میں یہ تعبیریں ادا کرنے کے حقدار ہیں لیکن جہاں غائب ہوں تو کیا کہتے ہیں،

ادْعُ لَنَا رَبَّکَ...... (۸)

یہ ربنا نہیں کہتے ہیں چونکہ یہ رب کے لئے حاضر نہیں ہیں اور رب ان کے لئے حاضر نہیں ہے لہٰذا یہ کہتے ہیں کہ

يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّکَ...... (۹)

اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو......

اور جب حضور اور بھی زیادہ بڑھ ہو جائے تو ربی کہتے ہیں،

قَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّیَ الَّذِیْ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ...... (۱۰)

ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا خدا جلاتا بھی ہے اور مارتا بھی ہے......

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ٥ (۱۱)

اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا رب ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ٥ (۱۲)

اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا اور انہوں نے کہا کہ اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں آباد کیا ہے، اب اس سے استغفار کرو اور اسکی طرف متوجہ ہو جاؤ کہ میرا پروردگار قریب تر اور دعاؤں کا

قبول کرنے والا ہے۔

قَالَ سَوۡفَ أَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّىٓ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلۡغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ۝ (۱۳)

انہوں نے کہا کہ میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

ربی یعنی یہ شخص خدا کے لئے حاضر ہے اور خدا اس شخص کے لئے حاضر ہے، ان تعبیروں کے اندر وہ لطافت اور حُسن موجود ہے کہ اگر توجہ وحضور ہو تو انسان کو ان تعبیروں اور کلموں پہ وجد آتا ہے۔ بعد میں ایک اور ادب ذکر کریں گے کہ اگر مؤدب ومہذب انسان قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہو تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

٤) حضورِ قلب کی دشواری، ایک المیه

اگر غیر مہذب انسان قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہو تو بے ادبی زیادہ کرتا ہے کہ جیسے مسجد یا حرم میں بچے دوڑ رہے ہوتے ہیں، بچوں کو تو آدب نہیں آتے ہیں، یہ مسجد میں اچھل کود کر رہے ہوتے ہیں، جو مقدس چیزیں مومنین نے رکھی ہوتی ہیں ان کو پھلانگ رہے ہوتے ہیں اور ان مقدسات کا ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں بے ادبی اور گستاخیاں ہیں، اسی طرح انسانِ غیرِ مؤدب جب قرآن کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو چونکہ یہ بے ادب و گستاخ ہے لہٰذا قرآن کے لئے حضور موجود نہیں ہے، جب قرآن کے سامنے حضورِ قلب ہو تو اس وقت قرآن بھی ظہور کرتا

ہے، اس وقت قرآن بھی حاضر ہو جاتا ہے ورنہ جب انسان غیر حاضر ہو تو پھر قرآن بھی موجود نہیں ہوتا ہے اور دلِ انسان کے لئے یہ صرف صفحہ و کاغذ ہے۔

یہ تینوں میدان نظر میں رکھیں، اگر چہ ہمیں ہر ایک کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت تھی لیکن یہاں ایک جامع چیز بیان ہوگی اس کو آپ تینوں کے اوپر خود تطبیق کرلیں چونکہ ہمارا محور اس وقت قرآن ہے ورنہ آپ اس کو عبادات، مطالعات اور اپنے درس و بحث کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں خصوصاً اہلِ علم اور طلّابِ علوم کے لئے یہ بحث بہت ضروری ہے، مطالعہ باحضور یعنی آدابِ مطالعہ میں سے ایک یہ ہے کہ انسان ذہنی و قلبی حضور کے ساتھ مطالعہ کرے یعنی موجود رہے اور علم کی بارگاہ میں غیر حاضر نہ رہے، یہ نہ ہو کہ جسمانی طور پر ہم اس کتاب کے سامنے ہوں لیکن ہمارا ذہن غیر حاضر رہے۔

بعض اوقات لوگ پوچھنے آتے ہیں کہ آغا یہ بتائیں کہ عبادت میں ہمارا دل حاضر نہیں ہوتا ہے۔ جس سے پوچھ رہے ہیں اس کی بھی یہی مشکل ہے، یہ سب کی مشکل ہے، ہمارے استادِ بزرگوار حضرت آیت اللہ طاہر شمسؒ، خدا ان پر رحمت کرے اپنے استادِ گرامی سے کہ جو شہید مفتحؒ کے اور مرحوم طاہر شمسؒ کے استاد تھے، ان سے نقل فرماتے تھے اور پوری علامتوں کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، یہ دونوں ان بزرگوار کے پاس درسِ خصوصی پڑھتے تھے، حرمِ حضرت معصومہ علیہا السلام کے ایک صحن میں ایک قبر ابھری ہوئی ہے کہ جو جنابِ قطب راوندیؒ کی قبر ہے، اس قبر کے پاس وہ عصر کے وقت آکر بیٹھ جاتے تھے اور نمازِ مغرب تک درس و بحث یہیں پہ پڑھاتے تھے اور لوگوں کے سوالات کا جواب بھی

دیتے تھے، ایک دن ایک زائر آیا اور اس نے حاضر ہو کر سلام کیا پھر پوچھا کہ میری مشکل یہ ہے کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو حاضر نہیں رہتا ہوں، نہ ذہنی طور پر، نہ قلبی طور پر، مجھے نماز کے اندر حضور حاصل نہیں ہوتا ہے، بتائیں کہ میں کیا کروں تا کہ نماز کے اندر حاضر رہوں اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھوں؟ یہ سوال سننا تھا کہ بزرگوار مرحوم خوانساریؒ نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا، وہ شخص سمجھا کہ میں نے شاید کوئی ناگوار بات کی ہے اور ایک عالمِ دین کا دل دکھایا ہے، وہ معذرت کرنے لگا کہ مجھے معلوم نہیں تھا شاید مجھ سے کوئی بے ادبی ہوگئی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، یہ مشکل جو تو نے پوچھی ہے اس سے تو نے میرے درد اور میرے زخم کو تازہ کر دیا ہے، یہ میری بھی مشکل ہے، میں خود اس جستجو میں ہوں کہ کوئی ایسا نسخہ، کوئی ایسا طریقہ مل جائے تا کہ میں بھی دو رکعت حضورِ دل و حضورِ ذہن کے ساتھ پڑھ سکوں۔

۵) دلِ وحشی کی تربیت

اگر عمر بھر کوئی انسان ایک دفعہ دو رکعت نماز حضورِ قلب کے ساتھ پڑھے تو یہ دو رکعت نماز انسان کے لئے کافی ہے، ہم غیر حاضر عبادتیں تو فراواں کرتے ہیں لیکن کاش ہم دو رکعت حضور کی پڑھ لیں، ایک کتاب حضورِ دل سے پڑھ لیں کہ جہاں پر دل حاضر ہو، بھاگے نہیں، فرار نہ کرے، اِدھر اُدھر نہ جائے یعنی بارگاہِ خدا میں حاضر رہے۔ نماز محضرِ خدا ہے، بارگاہِ خدا ہے اور یہ قلب بارگاہِ خدا میں حاضر رہے، جب انسان نماز شروع کرتا ہے تو تکبیرۃ الاحرام کہہ کر رفع یدین کرتا ہے یعنی

اپنے حضور کا اعلان کرتا ہے کہ اے خدا میں آگیا ہوں، میں حاضر ہوں لیکن پھر ناگہاں غائب ہو جاتا ہے، اسی شریر بچے کی طرح کہ جس کو پکڑ کر کھڑا کرتے ہیں اور ذرا سی نظریں ادھر ہوں تو وہ فوراً بھاگ جاتا ہے، نفسِ انسان اسی طرح سے ہے، روایت میں ہے کہ

قُلُوبُ الرِّجَالِ وَحْشِيَّةٌ...... (۱۴)

لوگوں کے دل وحشی ہوتے ہیں......

وحشی ایک جگہ ٹکتا نہیں ہے، مثلاً ایک پرندہ وحشی ہے اور ایک پرندہ اہلی ہے یعنی پالتو کہ جو انسان کے ساتھ مانوس ہے، اگر انسان پالتو پرندے کو آزاد بھی چھوڑ دے تو اس کے اردگرد ہی رہتا ہے، اگر اس کو اڑائے تو بھی وہ واپس آجاتا ہے لیکن وحشی کو آپ جب تک کسی پنجرے میں بند نہ کریں تو وہ ٹکتا نہیں ہے بلکہ بھاگ جاتا ہے اور پنجرے میں بھی کوشش کرتا رہتا ہے کہ کہیں سے اس کو فرار کا سراغ مل جائے تاکہ فرار کر جائے۔

دل وحشی کی تربیت

ان وحشیوں کو انسان کس طرح سے پابند کریں؟ کس طرح سے نماز، مطالعے اور قرآن کے اندر حاضر رکھیں۔ اس کیلئے قرآن نے ایک بہت ہی خوبصورت مطلب ذکر کیا ہے کہ اگر انسان اس کی طرف توجہ کریں تو یہ مشکل کام یعنی حضورِ دل بہت آسان کام ہو جاتا ہے یعنی یہ وحشی اگر رام ہو جائے، اگر مانوس ہو جائے تو حضورِ قلب پیدا کیا جا سکتا ہے۔ عموماً وحشی پرندوں کو پکڑ کر انہیں مانوس کیا جاتا ہے، کچھ عرصہ ان کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور پر کاٹنے کے بعد پھر ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آیا جاتا ہے اور جب وہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ مہربان اور ہمدرد آدمی ہے تو پھر اس

کے ساتھ مانوس ہوجاتے ہیں، الفت کی وجہ سے اس کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے، جہاں انس ہو وہاں پر دل حاضر ہوتا ہے اور جہاں پہ انس والفت نہ ہو تو وہاں ممکن نہیں ہے کہ کسی چیز کو حاضر کر سکیں۔

٦) حضورِ قلب زبردستی پیدا نہیں ہوسکتا

دل کو زور و زبردستی سے حاضر نہیں رکھا جا سکتا ہے، ممکن ہے کہ کسی انسان کی جسمانی موجودیت کو تحمیلاً، زور وفشار اور دباؤ کے ذریعے سے کسی جگہ باندھ کے، جکڑ کے حاضر رکھا جائے جیسے عدالتوں میں لوگوں کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر حاضر کیا جاتا ہے، عدالتوں میں جسمانی طور پر فزیکلی (Physically) حضور ممکن ہے یا مسجدوں کے اندر انسان جسمانی طور پر پہنچ جاتا ہے، حضورِ دل نہیں بھی مانتا ہے لیکن جسمانی طور پر انسان مسجد میں پہنچ جاتا ہے، کعبہ میں پہنچ جاتا ہے یا درس کے اندر جسمانی طور پر حاضر وموجود ہوتا ہے، انسان کا جسم دباؤ پذیر ہے، دباؤ اور زور کے تحت اس کو کسی بھی جگہ حاضر کرنا چاہیں تو حاضر ہو جاتا ہے لیکن ذہن اور دل کیلئے ممکن نہیں ہے کہ اسے دباؤ، فشار اور زور ازوری کے ساتھ کسی جگہ پر حاضر کیا جائے، ان پر کسی کا زور نہیں چلتا ہے۔

آپ کسی کو جتنی بھی سزائیں دیں کہ وہ ذہنی طور پر حاضر ہو جائے تو بھی ذہنی حضور نہیں ہوگا، جسمانی طور پر وہ حاضر ہو جائے گا چونکہ خود اس کے اپنے بس میں نہیں ہے کہ یہ ذہنی طور پر حاضر ہو، ذہن وقلب بھی انسان کے اپنے ارادے کے تابع نہیں ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ امتحان کی راتوں میں وہ لوگ جو سال بھر نہیں پڑھتے اور شبِ امتحان پڑھتے ہیں تو پھر پوری کوشش کرتے ہیں کہ ذہن

حاضر ہو اور ہم حاضر دماغی کے ساتھ پڑھیں لیکن وہ جتنی کوشش کرتے ہیں کہ دماغ حاضر رہے تو بھی ذہن حاضر نہیں ہوتا ہے چونکہ اس کو غیر حاضری کی عادت ہو چکی ہے اور اصلاً کتاب کے سامنے حاضر ہونا نہیں چاہتا ہے، یہ اس پر دباؤ ڈالتا ہے لیکن پھر بھی ذہن حاضر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ زور کا کام نہیں ہے، اگر ذہن و دل کو حاضر رکھنا ہے تو اس کے لئے اسبابِ حضور مہیا کریں۔ ایسی چیز کہ جس پر زور نہیں چلتا، جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور ہماری قدرت سے باہر ہے لیکن ہم نے اس کو حاضر بھی رکھنا ہے تو اس پر دباؤ نہ ڈالیں بلکہ اس کے لئے اسبابِ حضور فراہم کریں، جہاں پر اس کے اسبابِ حضور ہوں گے وہ شے وہیں پر موجود ہوگی، انسان کا دل، ذہن اور فکر ان چیزوں میں سے ہیں کہ ان کیلئے اسبابِ حضور مہیا کریں تو یہ وہیں حاضر ہو جائیں گی۔

۷) انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

اسبابِ حضور میں دو چیزیں اہم ہیں، ایک یہ کہ دل وہاں حاضر ہوتا ہے کہ جہاں انس ہو، جس نقطے سے یہ دل مانوس ہو، جس جگہ سے، جس شخصیت سے، جس محل سے، جس مکان سے، جس شے سے بھی مانوس ہو تو یہ وہاں حاضر ہے لیکن جہاں سے بیزار ہو وہاں حاضر نہیں ہو سکتا ہے، ہم اس کیلئے ہزار جتن کریں لیکن دل حاضر نہیں ہوگا، پس انس کا سبب فراہم کریں اور قرآن، عبادت و مطالعہ کے ساتھ انس پیدا کریں، انس کس طرح سے حاصل ہو؟ انس بھی دباؤ والی چیز نہیں ہے کہ اس کو سزا دیں کہ آپ کسی کے ساتھ انس پیدا کرو، نا، انس غیر اختیاری چیز ہے، جب اس کے اسباب مہیا

انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

ہوں گے تو ان اسباب کے تحت انس پیدا ہو جائے گا اور انس پیدا کرنے کے لئے مسانخت و مناسبت کی ضرورت ہے یعنی دل کو ان چیزوں سے انس حاصل ہوتا ہے کہ جو دل سے مناسبت رکھتی ہوں، اگر دل آلودہ ہے تو وہ آلودہ چیزوں کہ جن سے دل کی مناسبت ہے ان سے مانوس ہو جاتا ہے، اگر دل پاک ہے تو اس کو پاک چیزوں کے ساتھ انس ہوگا،

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ ...... (۱۵)

انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

یعنی پاک دل پاک چیزوں سے مانوس ہیں اور خبیث دل خبیث چیزوں کے ساتھ مانوس ہیں اور جتنے بھی انسان مانوس ہیں اور جن جن چیزوں سے مانوس ہیں تو وہ مناسبت کی وجہ سے مانوس ہیں، کسی کو کھیلنے سے انس ہے، کسی کو کھانے سے انس ہے، کسی کو ہنسنے سے انس ہے، کسی کو پڑھنے سے انس ہے، یہ انس خود ہی خود حاصل نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کے اسباب اور پسِ منظر ہیں، ان اسباب نے ان دلوں کو مانوس کیا ہے، پس مناسبت پہلے پیدا ہو، بعض اوقات کسی شے کے ساتھ ہماری مناسبت ہوتی ہے اور بعض اوقات مناسبت ایجاد کرنی پڑتی ہے، اگر کسی پاک چیز کے ساتھ انس پیدا کرنا چاہتے ہیں اور دل آلودہ ہے تو پہلے طہارتِ قلب کی ضرورت ہے، دل کو پاک کریں تا کہ پاک چیزوں سے مانوس ہو جائیں، دل جب پاک ہوگا تو پاک چیزوں سے خود ہی انس پیدا ہو جائے گا لیکن دل ناپاک ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ ناپاکیوں سے مانوس ہوگا۔

مسانخت یعنی کوئی ایسی چیز جو مناسبت رکھتی ہو، کوئی ایسی چیز جو اس کے اور ہمارے اندر

مشترک ہو، وہ چیز میرے اندر بھی ہو اور وہ اس کے اندر بھی ہو، جب تک یہ رگ نہ ملتی ہو تو انس پیدا نہیں ہوتا ہے، جسمانی طور پر بھی ہم وہاں موجود ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے موجود ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ ہمارا انس ہے مثلاً اگر مسلمان ہے تو وہ مسجد میں موجود ہوتا ہے، اگر ایک ہندو ہو تو وہ مندر میں موجود ہوتا ہے، اگر مسیحی ہو تو کلیسا کے اندر موجود ہوتا ہے چونکہ انہی عبادت گاہوں کے ساتھ ان کا انس ہے، جہاں انس نہ ہو وہاں انسان نہیں جاتا ہے حتیٰ اگر کوئی ممانعت نہ بھی ہو، دروازے کھلے ہوئے ہوں لیکن انسان چونکہ یہاں مانوس نہیں ہے اس وجہ سے غیر مانوس مقام پر انسان کا بیٹھنا بھی نہیں ہے۔ ایسی مجالس جہاں پر انسان کا کوئی انیس نہ ہو، انسان کے ساتھ کوئی دوسرا انسان مانوس نہ ہو تو اجنبیت وحشت محسوس کرتا ہے ایسی مجلس و محفل میں انسان بیٹھنا بھی ترک کر دیتا ہے یا ایسے مکان اور مقام کو ترک کر دیتا ہے کہ جہاں انسان کے ساتھ کوئی انس رکھنے والا آدمی موجود نہ ہو۔ پس یہ انس ہے کہ جو انسان کو قریب کرتا ہے اور الفت کا باعث بنتا ہے اس کیلئے مسانخت اشد ضروری ہے، انسان کو ہر چیز کے ساتھ انس اور الفت و قربت نہیں ہوتی ہے کہ جب تک کسی چیز کے ساتھ مسانخت نہ ہو، مسانخت یعنی کوئی ایسی مشترک صفت جو انسان میں اور اس شے کے اندر موجود ہو کہ جو دونوں کو ملائے، اس مسانخت اور سنخیت کی وجہ سے ان میں انس پیدا ہوتا ہے یعنی ان دونوں کے درمیان باعث انس وہی مشترک چیز بنتی ہے۔

انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

اگر دو دوست ایک دوسرے مانوس ہیں تو لامحالہ انکے اندر کوئی ایسی مشترک صفت ضرور موجود ہے کہ جس نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مانوس کیا ہوا ہے، اگر کسی شہر، محلے یا علاقے کے

ساتھ ہمارا انس ہے تو یقیناً ہمارا اس مقام کے ساتھ کوئی اشتراک ہے کہ جس نے ہمیں اس جگہ کے ساتھ مانوس کیا ہوا ہے، اسی طرح جب تک انسان کا قرآن وعبادت کے ساتھ انس پیدا نہ ہو تب تک حضور ممکن نہیں ہے اور انس کے لئے مسانخت شرط ہے یعنی انسان اور قرآن کے درمیان کوئی نہ کوئی صفت مشترک ہو، جو نکتہ قرآن میں ہو وہی چیز انسان کے اندر ہو، جو سبب اور جو شے عبادت کے اندر ہو وہی انسان کے اندر بھی ہو، اس وقت انسان اس چیز سے مانوس ہو جاتا ہے۔عموماً اگر ہم انسانوں کے روابط کو دیکھیں تو آپس میں طبعی طور پر انس کی وجہ سے قربتیں ہیں، انسانوں کے گروہ بنے ہوئے ہیں، ٹولیاں بنی ہوئی ہیں، آپس میں جو تعلقات ہیں یہ سب انس کی وجہ سے ہیں، اہل بطالت، اہل بطالت کے ساتھ مانوس ہیں، اہل عبادت، اہل عبادت کے ساتھ مانوس ہیں، اہل فکر، اہل فکر کے ساتھ مانوس ہیں اور اہلِ لہو، اہل لہو کے ساتھ مانوس ہیں، جس طرح کا انسان ہے اسی طرح کی اس کی محفلِ انس بھی ہے۔

انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

وحشی چیزیں کہ جن کو ہمارے ساتھ الفت نہیں ہے تو یہ الفت کیسے پیدا کریں؟ انس کیسے پیدا کریں؟ یعنی ہم اس وحشی کو کیسے مانوس کریں؟ اس کیلئے مسانخت شرط ہے۔بعض اوقات مانوس کرنے اور الفت کے لئے سزا دی جاتی ہے مثلاً پہلی کلاس کے بچے کہ جو گھر کے ماحول اور ماں کی آغوش سے آشنا ہوتے ہیں خصوصاً جو لاڈلے ہوتے ہیں، جنہیں فارسی زبان کی اصطلاح میں لوس کہا جاتا ہے، لوس بچے یعنی لاڈلے بچے، بے ادب، گستاخ اور غیر تربیت یافتہ بچے، ایسا بچہ جب اسکول میں جاتا ہے اور اسکول سے مانوس نہیں ہوتا ہے تو یہ ٹکتا نہیں ہے، اگر اسے اسکول میں چھوڑیں تو یہ

ماں کے پیچھے بھاگتا ہے، استاد ماں سے کہتا ہے کہ آپ چھوڑ کر چلی جائیں میں اس کو قابو کر لیتا ہوں اور جوں ہی ماں باہر نکلتی ہے تو یہ بچے کے سامنے ڈنڈا لے کر آجاتا ہے کہ چپ کر کے یہاں ٹک کر بیٹھ جاؤ ورنہ سزا دوں گا، وہ بے چارہ خوف سے بیٹھ جاتا ہے اور استاد یہ سمجھتا ہے کہ یہ مدرسے کے ساتھ مانوس ہو گیا ہے، ڈنڈے کے ساتھ کبھی کوئی مانوس نہیں ہوتا ہے، ڈنڈے سے، مار پیٹ سے الفت پیدا نہیں ہوتی ہے بلکہ وحشی، وحشی تر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ ایک جنگلی پرندے کو لے کر آئیں اور اسے روز ماریں تو وہ مزید وحشی تر ہو جائے گا حتیٰ پالتو کو روز ماریں تو وہ بھی وحشی ہو جائے گا چہ جا ئیکہ آپ جنگلی کو سزا دیں، انس کے لئے مسانخت شرط ہے جیسے کہتے ہیں کہ

الجنس يميل الجنس.

یا

کبوتر با کبوتر باز با باز

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

آپ نے کبھی کبوتر کو باز کے ساتھ اڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا اور باز کو کبوتروں کے ساتھ اڑتے ہوئے بھی نہیں دیکھا ہے بلکہ باز کبوتر کا شکار کرتا ہے اور ان کے اندر دوستی نہیں ہوتی ہے، دوستی کیوں نہیں ہوتی ہے؟ چونکہ مسانخت نہیں ہے، مناسبت نہیں ہے۔

مولانا روم کی داستانیں ان مطالب کو آسان کر کے پیش کرنے کیلئے بہت ہی خوبصورت داستانیں ہیں، بعض فرضی ہیں یعنی اصلاً رونما نہیں ہوئی ہیں بلکہ فرض کی گئی ہیں، داستان ہوتی ہی

انس کیلئے مسانخت کی ضرورت

پیمانہ ہے، اس پیمانے کے ساتھ مطلب کو بہت آسانی کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے، یہ ایک ہنروفن ہے، مولانا روم نے اس مطلب کی وضاحت کیلئے ایک واقعہ نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ کوااور بگلا دونوں آپس میں دوست ہوگئے اور ایک دوسرے سے جدانہیں ہوتے تھے، فرض بھی دیکھئے کوااور بگلا کہ ہر لحاظ سے ان کی آپس میں کوئی رگ نہیں ملتی ہے، رنگ کے لحاظ سے دیکھیں تو کوا سیاہ رنگ کا ہے، بگلا سفید رنگ کا ہے اور عادتوں کے لحاظ سے دیکھیں تو کوا خشکی کا جانور ہے، بگلا پانی کا جانور ہے خوراک کے لحاظ سے دیکھیں تو بگلا مچھلیاں کھاتا ہے اور کوا چیزیں چرا کر کھاتا ہے، کوا اور کام کرتا ہے، بگلا اور کام کرتا ہے اور اس طرح دونوں میں بہت فرق ہے، قد کاٹھ کا بھی فرق ہے، عادتوں کا بھی فرق ہے، سنخ ونوع بھی الگ الگ ہے، ظاہر وشکل وخدوخال بھی الگ الگ ہیں لیکن بگلا اور کوا دونوں آپس میں دوست تھے اور بڑی صمیمی دوستی تھی، سارے پرندوں میں اور سارے جانوروں میں بگلے اور کوے کی دوستی مشہور ومعروف ہوگئی تھی۔

جیسے ہوتا ہے کہ کبھی کوئی مولانا کسی ایسے چیٹر (Cheater) کے ساتھ دوست ہوجاتا ہے اور جب پوچھو کہ دوستی کیوں ہے؟ تو کہتے ہیں کہ میں اس کو ہدایت کرنے کے لئے اس کے قریب ہوا ہوں، نہیں بلکہ دونوں کی کوئی رگ آپس میں ملتی ضرور ہے، بالآخر دونوں کی کوئی عادت ملتی ہے اس وجہ سے یہ دونوں دوست بنے ہیں ورنہ کیا مناسبت ہے؟ یہ کوے اور بگلے میں آپس میں کیا مناسبت ہے؟ بہر کیف ایک حکیمِ دانا کو بتایا گیا کہ اس طرح ایک عجیب اتفاق ہمارے یہاں رونما ہوا ہے کہ بگلا کوے کا دوست ہے تو اس نے کہا کہ یہ دوستی دیکھنے کی ہے، مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کہ

اُنس کیلئے سنخیت کی ضرورت

دیکھیں کونسی رگ ان کی ملتی ہے؟ بہر کیف چند دن اس حکیم نے آکر دونوں کو زیرِ نظر رکھا، زیرِ نظر رکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک چیز دونوں کے درمیان ملتی ہے، مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں لنگڑے ہیں، دونوں کی ایک ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے، اس لنگڑے پن میں دونوں میں اشتراک ہے اس وجہ سے دونوں دوست ہیں۔

کوئی رگ ملتی ہے جبھی سیاہ و سفید اور خوب و بد آپس میں ملتے ہیں، انس پیدا ہوتا ہے تو اور ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور میل ملاپ ہو جاتا ہے، کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ ان کے اندر مسانخت و مناسبت ہے، اب ممکن ہے کہ وہ ظاہری ہو یا کوئی پنہائی مناسبت ہو۔

سنخیت کے بغیر اُنس نا ممکن ہے

۸) سنخیت کے بغیر اُنس نا ممکن ھے

جب تک مسانخت و سنخیت نہ ہو تو اُنس و الفت پیدا نہیں ہوتے ہیں، سنخیت سے مراد ایسی چیز ہے کہ جو دونوں کے درمیان مشترک ہو، جو دونوں میں پائی جاتی ہو۔ بظاہر دونوں میں فرق ہوگا، ایک عالم ہے اور ایک جاہل ہے، ایک نمازی ہے اور ایک بے نمازی ہے اور دونوں کی دوستی ہے تو ضرور ان کی کوئی نہ کوئی رگ آپس میں ملتی ہے، ان دونوں کے اندر کوئی اشتراک ہے، بظاہر یہ تمثیل کوے اور بگلے کی ہے لیکن یہ کوا بھی انسان ہے اور بگلا بھی انسان ہے، یہ دونوں تمثیل ہیں یعنی خوب و بد انسان، بعض انسان جو بظاہر بہت اچھے ہیں لیکن ان کے تعلقات غلط لوگوں سے ہیں اور بعض

بڑے غلط لوگ ہیں لیکن اچھے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، ظاہر ان کا غلط ہے لیکن اچھے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی رگ ملتی ہے، ان کی کوئی نہ کوئی صفت مشترک ہے، یہ چیزیں انس پیدا کرتی ہیں۔

جب تک مسانخت نہ ہو تو انس والفت پیدا نہیں ہوتے اور جب تک انس والفت پیدا نہ ہوں تو اس وقت تک حضور نہیں ہوتا ہے، ہم کن لوگوں کے لئے حاضر ہوتے ہیں؟ کن کے سامنے حاضر ہوتے ہیں؟ جن سے مانوس ہیں، جن کے ساتھ مانوس نہیں ہیں، الفت نہیں ہے تو وہاں زیادہ تر حاضر و موجود بھی نہیں رہتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ، عبادت کے ساتھ اور کتاب کے ساتھ جب تک انس نہ ہو تو انسان حاضر نہیں ہوتا ہے۔ جب تک انس نہ ہو تو انسان حضورِ ذہن کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، قرآن نہیں پڑھ سکتا ہے، عبادت نہیں کرسکتا ہے اور مطالعہ نہیں کرسکتا ہے۔ اگر میں چاہتا ہوں کہ ان کے لئے حاضر رہوں تو مجھے اپنے اندر کوئی ایسی چیز پیدا کرنی پڑے گی کہ جو ان کے اندر ہے، اسی طرح اچھے آدمی کو اپنے اندر کوئی بری صفت پیدا کرنی پڑے گی تا کہ غلط لوگوں سے مانوس ہو جائے، چوروں اور ٹھگوں سے مانوس ہو جائے یا پھر غلط آدمی کو کوئی ایسی صفت اپنے اندر پیدا کرنی پڑے گی تا کہ اچھے لوگوں سے مانوس ہو جائے۔

> حضور کیلئے انس لازم ہے

نماز کے لئے انس چاہئے، قرآن کے ساتھ انس چاہئے لیکن ابھی جو انس با قرآن کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں تو ان میں اُنس با قرآن کم ہوتا ہے اور انس با قاری زیادہ ہوتا ہے، وہاں قاری کے ساتھ انس ہوتا ہے نہ کہ قرآن کے ساتھ اس لئے کہ وہاں جھوم رہے ہوتے ہیں لیکن

گھر میں آ کر ایسے نہیں ہوتے ہیں، اگر قرآن کے ساتھ انس ہوتا تو پھر قرآن فقط اس محفل میں تو نہیں ہے بلکہ قرآن تو چوبیس گھنٹے گھر میں ہے۔ اگر انسان قرآن کے ساتھ مانوس ہے تو قاری ہو یا نہ ہو انسان صبح و شام قرآن کے ساتھ مانوس رہے، قرآن کو قاریوں کے ساتھ مانوس ہونے کا ذریعہ قرار دے عموماً قاری کے ساتھ تو انسان کا انس بڑھ جاتا ہے لیکن قرآن کے ساتھ نہیں بڑھتا ہے۔

بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ جو قاریوں کو پسند کرتے ہیں لیکن خود قرآن پڑھنا نہیں آتا ہے کیونکہ یہ قرآن سے مانوس نہیں ہیں۔ یہ قرآن سے اجنبی ہیں لیکن کسی قاری سے مانوس ہیں، علم سے اجنبی ہیں لیکن عالم سے دوستی ہے، عبادت سے اجنبی ہیں لیکن عبادت گزار سے دوستی ہے، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مولانا کے دوست نماز نہیں پڑھتے ہیں، وقتِ نماز مسجد کے باہر کھڑے رہتے ہیں کہ جب مولانا نماز پڑھ کر باہر آتے ہیں تو پھر انہیں گاڑی میں بٹھا کر لے جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ مولانا کے دوست ہیں لیکن نماز کے دوست نہیں ہیں، مسجد کے دوست نہیں ہیں، مجلس کے دوست نہیں ہیں، عزاداری کے دوست نہیں ہیں، ان کا انس کس چیز کے ساتھ ہے؟ کسی شخصیت کے ساتھ ہے، اگر فلاں نوحہ خوان آئے تو اس کے ساتھ مانوس ہیں لیکن نوحے کے ساتھ مانوس نہیں ہیں، نوحہ یعنی سوگ۔ سوگ کے ساتھ مانوس نہیں ہیں بلکہ شخص کے ساتھ مانوس ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ انس پیدا ہو جاتا ہے لیکن قرآن کی بارگاہ میں جاتے ہوئے کئی رکاوٹیں اور موانع سامنے آ جاتے ہیں، جب تک ہم قرآن سے مانوس نہیں ہوتے اس وقت تک حضور ممکن نہیں ہے۔ غیر مانوس کبھی بھی ایک دوسرے کے لئے حاضر نہیں ہوتے ہیں۔

حقیقت کے بغیر انس ناممکن ہے

ابن ملجم نے جب امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ پر آ کر بیعت کی تو امیر المومنین علیہ السلام نے تعجب کیا، کہا کہ تو نے بیعت کی ہے؟ اس کو بہت برا لگا، اس نے توہین محسوس کی کہ میں نے سب کے سامنے بیعت کی اور انہوں نے لوگوں کے سامنے میری بیعت میں شک کیا ہے، پھر دوبارہ لوٹا اور لوگوں کو متوجہ کر کے کہا کہ دیکھئے میں بیعت کر رہا ہوں، جب دوبارہ بیعت کر کے ہٹا تو حضرت علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ تو نے بیعت کی ہے؟ پھر اس کو امیر المومنین علیہ السلام کی یہ بات مزید گراں گزری، ناگواری کے ساتھ اس نے تیسری دفعہ بیعت کی تو پھر امیر المومنین علیہ السلام نے یہی فرمایا، لوگوں نے پوچھا کہ آخر اس شخص کے بارے میں آپ خصوصیت کے ساتھ تعجب کر رہے ہیں درحالیکہ باقی کسی کے بارے میں آپ نے ایسے اظہار نہیں فرمایا! حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اس کی روح میری روح سے مانوس نہیں ہے اور میری روح اس کی روح سے مانوس نہیں ہے۔ باوجودیکہ امیر المومنین علیہ السلام اسے پہچانتے تھے اور وہ امیر المومنین علیہ السلام کو پہچانتا تھا لیکن روح ہی مانوس نہیں تھی، کوئی سنخیت آپس میں نہیں تھی لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ ہر علیؑ علیؑ کرنے والے سے علی علیہ السلام کی روح بھی مانوس ہو، ابن ملجم لعین نے علیؑ علیؑ کیا اور بیعت بھی کی لیکن حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ میری روح اس سے مانوس نہیں ہے۔

روحِ انسان اپنے مولا علیہ السلام کے ساتھ مانوس ہو، اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ مانوس ہو۔ اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ انس پیدا کریں۔ انس کیسے پیدا ہوگا؟ جب مسانخت ہوگی، یعنی کوئی ایسی چیز جو ان میں بھی ہے اور ہم میں بھی آ گئی تو انس پیدا ہو جائے گا۔ قرآن کے اندر کوئی ایسی چیز ہے جو اگر ہمارے اندر

سنخیت کے بغیر انس ممکن نہیں

بھی آجائے تو ہمارا اور قرآن کا ساتھ بن جائے گا، انس بن جائے، ہم رفیق اور ساتھی بن جائیں گے یعنی اس صورت میں نہ ہم قرآن کے بغیر رہ سکتے ہیں اور نہ قرآن ہمارے بغیر رہ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حدیث ثقلین میں کہا ہے کہ اہلبیت علیہم السلام قرآن سے دور نہیں ہوں گے اور قرآن اہلبیت علیہم السلام سے دور نہیں ہوگا، یہ کیوں کہا ہے؟ اس لئے بیان فرمایا ہے کہ ان دونوں کے درمیان سنخیت ہے، ان دونوں کے درمیان مسانخت انس ہے لہٰذا اہلبیت علیہم السلام قرآن کے بغیر اور قرآن اہلبیت علیہم السلام کے بغیر نہیں ہوگا، جو صفت قرآن کی ہے وہ اہلبیتؑ کی بھی ہے اور جو اہلبیتؑ کی ہے وہ قرآن میں بھی ہے، اس سنخیت نے ان کو انیس بنا دیا ہے اور ایک دوسرے سے مانوس کر دیا ہے لہٰذا جو بھی قرآن کی طرف آئے یا اہلبیت علیہم السلام کی طرف آئے تو ان کے ساتھ سنخیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

نماز کے ساتھ جب ہمارا انس نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ دل حاضر نہیں رہے گا بلکہ فرار کرے گا اور کتنے ہی ایسے نمازی ہیں کہ جن کا نماز کے ساتھ انس نہیں ہے لیکن کیوں پڑھتے ہیں؟ چونکہ سزا ملتی ہے، ڈنڈے پڑتے ہیں، جیسے بچہ ڈنڈے کے زور پر مجبوراً ماسٹر کے قابو میں رہتا ہے، پہلے زمانے میں ٹیچر کو ماسٹر کہتے تھے اور دیہات والے تاکید کے ساتھ ماشڑ جی کہتے تھے چونکہ ماشڑ جی نے ڈنڈا رکھا ہوتا تھا اور ڈنڈے کے ذریعے سے بچے کو اسکول میں روک کر رکھا ہوا تھا لیکن بچے کی روح اسکول سے مانوس نہیں تھی۔ جہنم وہ ڈنڈا ہے کہ اس ڈنڈے نے ہمیں مسجد میں روک کر رکھا ہوا ہے، یہ ڈنڈا اگر آج اٹھا لیا جائے تو پھر کیسا سجدہ اور کونسی نماز؟ یہ جنت کی لالچ اگر ہم سے لے لی جائے تو کیسی نماز اور کیسا سجدہ؟

سنخیت کے بغیر انس ناممکن ہے

ایک لطیفہ ہے کہ مولانا نے کسی بے نمازی کو تبلیغ کی اور کہا کہ جا کر نماز پڑھو، اس نے شکوہ کیا کہ نماز آپ فارغ لوگوں کا کام ہے، آپ کو فرصت ہے، ہماری محرومیاں ہیں، فقر ہے، غربت ہے، پریشانیاں ہیں تو نماز کیسے پڑھیں؟ ہمارا ذہن آسودہ نہیں ہے، مولانا نے کہا کہ تم نماز پڑھو میں تمہیں کٹّا دوں گا، کٹّا پنجابی میں بھینس کے نابالغ بچے کو کہتے ہیں، اس کو اچھی تجویز نظر آئی، اس نے کہا کہ کتنے دن پڑھوں تو دو گے؟ انہوں نے کہا کہ چالیس دن تک اگر پیہم نمازیں پڑھو تو میں چالیسویں دن تمہیں انعام دوں گا، ثواب کی خاطر جو نماز پڑھتے ہیں، کہا کہ میں تمہیں یہ ثواب دوں گا، اس کو بھی یقین تھا کہ مولانا وعدہ خلافی نہیں کرتے ہیں، اس نے پڑھنا شروع کر دیں، چالیسویں دن مولانا کے پاس گیا اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا آخری نماز بھی شاید عشاء کی تھی، وہ پڑھ کر رات کو مولانا کے پاس گیا تو پوچھا کیوں آئے ہو؟ کہا کہ کٹا لینے آیا ہوں، کونسا کٹا؟ مولانا بھول گئے تھے کہ اس قسم کی کوئی بات انہوں نے کی تھی، بہر کیف اس نے یاد دلایا کہ آپ نے مجھے کہا تھا کہ چالیس دن تک نمازیں پڑھو تو اس کے بعد میں تمہیں کٹا دوں گا، میری چالیس دن کی نمازیں پوری ہوگئی ہیں، انہیں یاد آگیا اور کہا کہ وہ تو میں نے صرف اس لئے کہا تھا کہ چالیس دن پڑھو گے تو تمہیں عادت ہو جائے گی چونکہ چالیس دن آدمی جو کام کرتا ہے اس کو عادت پڑ جاتی ہے اور پھر اس کے بعد خود پڑھتے رہو گے لہٰذا میرے پاس نہ بھینس ہے نہ کٹا ہے، کچھ بھی نہیں ہے، اس نے کہا کٹا نہیں ہے؟ انہوں نے کہا نہیں ہے، کہا کہ کٹا نہیں ہے تو سن لو کہ ہم نے بھی ساری بغیر وضو کے پڑھی ہیں۔

نیت کے بغیر انس نا ممکن ہے

نماز کے ساتھ انس پیدا کریں، اگر تبلیغِ نماز بھی کرتے ہیں تو کٹے کا وعدہ نہ کریں، بچے اور

خصوصاً جوان نماز کے ساتھ انس پیدا کریں اور اتفاقاً نماز اور بچوں میں آپس میں بڑی مسانخت ہے، بچے پاک ہیں، ان کی فطرت پاک ہے لہٰذا جلدی آجاتے ہیں اور انس پیدا ہو جاتا ہے، انس کی زبان سیکھیں، انبیاء علیہم السلام تبلیغ کرتے تھے تو اسی طریقے سے کرتے تھے، معارفِ دینی کے ساتھ انس بڑھاتے تھے، کتابِ خدا کے ساتھ لوگوں کا انس بڑھاتے تھے، ڈنڈا لے کر یا کتا لے کر کسی کو نمازی نہیں بناتے تھے، قرآن کے ساتھ بھی انس پیدا کریں، ابھی اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن حفظ کر لیں تو پھر اقامہ ملے گا تو لوگ فوراً قرآن حفظ کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس سے تو قرآن کے ساتھ انس نہیں بڑھتا ہے، یہاں تو قرآن اقامہ لینے کے لئے ایک خط ہو گیا ہے اور آخری دن قرآن کا وہی ہوتا ہے کہ جس دن اقامہ ملتا ہے پھر اس کے بعد صرف دو تین سورتیں یاد آتی ہیں کہ جو نماز میں پڑھتے ہیں۔

۹)قرآن وعبادت کے ساتھ مسانخت

آپ قرآن کے ساتھ انس والفت پیدا کریں، مہم انس ہے، الفت اور انس کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے؟ سنخیت ومسانخت کی، مسانخت کس چیز کا نام تھا؟ یعنی مشترک صفات، وہ صفت جو قرآن کی ہے، وہ صفت جو نماز کی ہے وہ ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے، پھر ہمارا نماز کے ساتھ انس پیدا ہو جائے گا، قرآن کے ساتھ مسانخت یہ ہے کہ قرآن نور ہے، قرآن نے خود اپنا تعارف نور کے طور پر کروایا ہے، خداوند نے فرمایا کہ ہم نے نور نازل کیا ہے۔ چند آیات درج ذیل ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَائَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًاo(۱۶)

اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان آچکا ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور بھی نازل کردیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○(١٧)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی ہے، آپ کو نہیں معلوم تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کن چیزوں کا نام ہے لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا ہے جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اسے ہدایت دے دیتے ہیں اور بیشک آپ لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت کررہے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَائَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَائَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ○(١٨)

اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو ان میں سے بہت سی باتوں کی وضاحت کررہا ہے جن کو تم کتابِ خدا میں سے چھپا رہے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے، تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔

حتیٰ تورات اور انجیل کو بھی اللہ نے نور کہا ہے،

اِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ......(١٩)

ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا......

قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ......(۲۰)

ان سے پوچھیں: پھر وہ کتاب جو موسیٰؑ لے کر آئے تھے کس نے نازل کی جو لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی......

امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی صحیفۂ کاملہ کی دعاءِ ختم القرآن میں یہی تعلیم دی ہے کہ قرآن نور ہے،

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ أَعَنْتَنِی عَلٰی خَتْمِ کِتَابِکَ الَّذِیْ أَنْزَلْتَهٗ نُوْرًا......

بارالہا! تو نے اپنی کتاب کے ختم کرنے پر میری مدد فرمائی، وہ کتاب جسے تو نے نور بنا کر اتارا......

پس قرآن وانسان اور عبادت وانسان میں اس انس کا نقطۂ اشترک نورانیت ہے، قرآن نور ہے لہٰذا انسان کا دل بھی جب نورانی ہو جائے تو ان دونوں میں انس پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اگر دلِ انسان سیاہ ہو، تیرہ وتاریک ہو تو نور کے ساتھ انس نہیں ہوتا ہے، ظلمانی انسان یعنی جس کا دل ظلمانی، تاریک اور سیاہ ہو تو وہ کبھی بھی قرآن سے مانوس نہیں ہوتا ہے، وہ محافلِ لہولعب واہل بطالت کے ساتھ مانوس ہوتا ہے، یہ نور اس وقت دلوں کے ساتھ مانوس ہوگا کہ جب دل بھی نورانی ہو، پس صفتِ مشترک کہ جس سے قرآن اور انسان میں آپس میں انس بڑھ جاتا ہے وہ نورانیت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا سے چند چیزیں پسند ہیں، خوشبو پسند ہے

اور کہا کہ

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِى فِى الصَّلَاةِ...... (۲۱)

اللہ تعالیٰ نے نماز میں میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دی ہے......

رسول اللہ ﷺ کو نماز سے کس قدر عشق ہے کہ اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے رہے ہیں، حقیقت میں نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک محاورہ وکنایہ ہے، یعنی جس چیز سے سرور ملتا ہے، خوشی حاصل ہوتی ہے اور جب بے انتہا خوشی ہو تو اس خوشی کے نتیجے میں انسان کے آنسو نکل آتے ہیں، معمول سے زیادہ خوشی اور سرور ہو تو انسان کی آنکھ میں خوشی کے آنسو آجاتے ہیں، جیسا کہ اگر غم حد سے زیادہ بڑھ جائے تو بھی انسان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ ویسے تو چھوٹے چھوٹے غم صبح وشام رہتے ہیں کہ آج روٹی کم ملی، آج چھٹی نہیں ملی، یہ چھوٹے غم ہیں ان پر آنسو نہیں نکلتا ہے لیکن اگر غم حد سے بڑھ جائے مثلاً اگر پتہ چلے کہ کوئی عزیز فوت ہو گیا ہے، عزیز بھی ایسا نہ ہو کہ فقط دعائیں کر رہے ہوں اور جس سے فقط جان چھوٹے، نا، جس سے واقعاً محبت ہو، الفت ہو اگر ایسا عزیز چلا جائے تو انسان پر غم آجاتا ہے، غم جب مُستولی ہو جاتا ہے، مسلط ہو جاتا ہے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں، جب گال پر آنسو ٹپکتا ہے تو باقاعدہ محسوس ہوتا ہے کہ غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں، کبھی محسوس کیا ہے یا نہیں کیا؟ تجربہ کریں، جب روئیں تو باقاعدہ احساس کریں اور اس کا ٹمپریچر دیکھیں کہ آیا گرم ہے یا نہیں ہے، غم کے آنسوؤں کی تپش باقاعدہ محسوس ہوتی ہے کہ جیسے گرم پانی کا قطرہ ٹپک پڑا ہو، عموماً اگر کسی مریض کے اوپر رو رہے ہیں

اور آپ کے آنسو اس مریض پر ٹپکیں تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ آنسو گرم ہیں یعنی آپ غم سے رو رہے ہیں لیکن اللہ کا نظام دیکھیں کہ وہی ایک چشمہ ہے لیکن جب خوشی ہوتی ہے اور خوشی و سرور کی وجہ سے انسان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتا ہے تو وہ بہت ٹھنڈا ہوتا ہے، اس وجہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک خوشی اور سرور سے کنایہ ہے، نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یعنی نماز مجھے سرور پہنچاتی ہے، نماز سے مجھے لطف آتا ہے اور نماز سے میں لذت حاصل کرتا ہوں۔

قُرَّةُ عَيۡنِىۡ فِى الصَّلَاةِ......

اولاد کے لئے بھی یہ کلمہ کنایہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، قرۃ العین یعنی ذریت یا اولاد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں بھی ہے کہ ہماری ذریت کو ہمارے لئے قرۃ العین قرار دے یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے یعنی ایسی اولاد کہ جس کو دیکھ کر انسان کو سرور اور خوشی محسوس ہو نہ کہ جس اولاد کو دیکھ کر غم کے آنسو نکل آئیں، اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اگر نیک اور صالح اولاد ہو تو سرور اور خوشی کو قرۃ العین کہتے ہیں۔

کسی چیز کے ساتھ جب انس والفت بڑھتی ہے تو انسان اس سے سرور و لذت محسوس کرتا ہے، قرآن میں یا نماز میں کونسی صفت ہے کہ جو ہمارے اندر بھی ہونی چاہئے تاکہ ہمیں نماز میں لذت محسوس ہو، قرآن میں لذت محسوس ہو؟ وہ حضور ہے، اس وقت انسان نماز اور قرآن کے لئے اسے طرح بے تاب ہوتا ہے کہ جس طرح کسی مانوس چیز سے دور ہو کر اس سے ملنے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔ آلودہ اور لہوی دل کے لئے قرآن اور نماز بوجھ ہیں۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَo(۲۲)

نماز بہت مشکل کام ہے مگران لوگوں کے لئے نہیں جو خشوع وخضوع والے ہیں۔

نماز بعض لوگوں کے اوپر بوجھ ہے، نماز کا وقت آئے یا نماز کا نام آئے تو ان پر وحشت طاری ہوجاتی ہے اور رمضان آئے تو پھر تو حالت دیکھنے کی ہوتی ہے، عموماً ماہِ رمضان میں مائیں بچوں کو بتاتی ہیں کہ آج بزرگوں سے بچو کہ ان کا روزہ ہے یعنی روزے کی حالت میں وہ بہت وحشی ہوجاتے ہیں، بہت خطرناک ہوجاتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ بوجھ ہے، روزہ اس انسان کے اوپر بڑا بوجھ ہے۔امام سید الساجدین علیہ السلام رمضان کا استقبال اس طرح سے کرتے تھے کہ جس طرح سے دلہن کا استقبال کیا جاتا ہے اور رمضان کے جانے پر اس طرح سے روتے تھے کہ جس طرح جنازہ گھر سے نکل رہا ہوتا ہے، کیوں؟ کیونکہ روحِ امام علیہ السلام روزے کے ساتھ مانوس تھی، امام علیہ السلام میں اور روزے میں انس تھا، امام علیہ السلام میں اور عبادت میں انس تھا۔

سید الشہداء علیہ السلام نے شبِ عاشور کی جو مہلت لی تو حضرت ابوالفضل علیہ السلام کو یہ فرمایا کہ انہیں جا کر کہو کہ آج شب ہمیں مہلت دیں، اس شب میں ہم کیا کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ عبادتِ خدا کرنا چاہتے ہیں، چونکہ ہم اہلبیت علیہم السلام عبادت کے ساتھ مانوس ہیں، ہمیں عبادت کے ساتھ خاص لگاؤ ہے، ہمیں بارگاہِ خدا میں جانے سے انس ہے، اہلبیت علیہم السلام کا فرد فرد اس طرح سے تھا، یہ انس کیسے پیدا ہوا؟ چونکہ جو خصلت اور جو صفت عبادت کے اندر تھی وہی ان کے اندر بھی موجود تھی اس لئے ان کو انس تھا، نورانیت صفتِ مشترک تھی اور نور نور کی طرف جاتا ہے۔ کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے

ساتھ جاتا ہے، ہم جنس ہم جنس کے ساتھ پرواز کرتا ہے، جہاں بھی دو دوستیاں ہیں وہاں پر ان کے اندر کوئی نہ کوئی انس و مسانخت موجود ہے، پس پہلے ہم قرآن کے ساتھ اپنا انس بڑھائیں، قرآن کے ساتھ اپنی دوستی بڑھائیں، لیکن کس طرح؟ وہ پہلا ادب جو گزرا تھا اور تطہیرِ قلب سے، طہارتِ قلب سے قرآن کے ساتھ انس بڑھتا ہے چونکہ جب دل پاک ہو جائے تو قرآن بھی پاک ہے، دل نورانی ہو جائے تو قرآن بھی نورانی ہے، نور نور کے ساتھ مسانخت رکھتا ہے اور پاک چیز پاک چیز کے ساتھ مانوس ہے۔ اہلبیت علیہم السلام قرآن کے ساتھ مانوس ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، قرآن اور عبادتِ خدا اہلبیت علیہم السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے چونکہ مسانخت ہے اور آپس میں انس ہے۔

گریہ، انس کی علامت

۱۰) گریہ، انس کی علامت

امام رضا علیہ السلام کو جب مدینہ سے خراسان لایا گیا تو راستے بھر میں امام علیہ السلام مسلسل بغیر وقفے کے قرآن پڑھتے رہے اور اس طرح سے قرآن پڑھتے رہے کہ امام علیہ السلام کے آنسو خشک نہیں ہوئے، چونکہ قرآن انسان پر اثر کرتا ہے، انسان کی روح کے اوپر اثر کرتا ہے، بعض مسیحیوں کے بارے میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن پڑھتے تھے اور یہ مسیحی آ کر قرآن سنتے تھے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں، ایک اثر یہ ہے یعنی علامت ہے کہ آیا قرآن کے ساتھ انس ہے یا نہیں ہے؟ تو یہ دیکھیں ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے انسان گریہ کرتا ہے یا نہیں، ابھی تو زبردستی گریہ کروایا جاتا ہے، جب تک مصائبِ کربلا نہ پڑھیں تو ہم روتے نہیں ہیں، دعا کے بیچ میں بھی وقفہ کر کے

مصائب پڑھے جاتے ہیں تاکہ روئیں نا کہ دعا سے روئیں۔ خدا کی بارگاہ میں روئیں وہ ایک گریہ ہے، کربل کے لیے اور مقدس گریہ ہے اور بہت ہی عظیم ہے، اس کے برابر کوئی گریہ نہیں ہے لیکن عبادتوں کے اندر گریہ عبادت کی وجہ سے ہو نہ یہ کہ وہاں عبادت روک کر پھر بیچ میں جیسے شہید مطہریؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض حتیٰ مصائب میں بھی نہیں روتے ہیں اور ان کے لئے مصائب روک کر پھر اور کام کرتے ہیں تاکہ روئیں، بعض اوقات دعا روک کر مصائب پڑھتے ہیں تاکہ روئیں لیکن بعض ایسے سخت ہو جاتے ہیں کہ مصائب پر بھی نہیں روتے ہیں، ایک ذاکر نے مصائب کو روک کر لوگوں کو پتھر مارنا شروع کیا، پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو کہا کہ رلانے کے لئے تاکہ یہ روئیں، ہر قیمت پر تو نہیں رلانا ہے کہ صرف مصائب پر روئیں، آپ سوگِ اہلبیت علیہم السلام بیان کریں اور یہ روئیں، آپ دعا پڑھیں اور یہ روئیں، آپ قرآن پڑھیں اور یہ روئیں لیکن پہلے مسانخت ہو اور قرآن کے ساتھ انس ہو۔

۱۱) اُنس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

پس حضورِ قلب کیلئے پہلا قدم انس بڑھانا ہے اور یہ تطہیر کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، اگر دل نورانی ہو جائے تو حضورِ قلب کی طرف ایک قدم بڑھ گیا لیکن ایک قدم ابھی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ یہ دل قرآن اور نماز سے مانوس ہو جائے، اگرچہ دلِ وحشی ہے لیکن یہ وحشی کسی اور نے رام کرلیا ہے، یہ دل کسی اور کا رام شدہ ہے، اگر انسان اس کو خدا کے لئے، عبادت کے لئے اور قرآن کے لئے رام کرتا تو یہ وحشی آج قرآن کے ساتھ مانوس ہوتا لیکن اس سے

پہلے کہ ہمیں خبر ہوتی کہ ہم اس کو قرآن کے ساتھ اور عبادت کے ساتھ مانوس کریں یہ پہلے ہی کسی اور سے مانوس ہو چکا ہے، یہ کسی اور کا ہم نشین ہو چکا ہے، کوئی اور اس کے اندر آ چکا ہے، دل کو اس نے اپنا نشیمن بنا لیا ہے، جب تک وہ نہیں نکلے گا اور اس سے نجات نہیں ملتی تو انس با قرآن پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ پس حضور کے لئے پہلا قدم یا پہلا رکن انس ہے، انس کیسے پیدا ہوگا؟ مسانخت سے، مسانخت طہارت سے حاصل ہوتی ہے اور قرآن کے ساتھ انس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر قرآن کی صفت پیدا کرے اور وہ نورانیت ہے اور نورانیت اس ادب سے حاصل ہوتی ہے کہ جسے تطہیرِ قلب کہا گیا ہے کہ جو فصلِ ادبِ دوم میں پڑھ آئے ہیں لیکن حضور کا دوسرا رکن ہنوز رہتا ہے کہ جو اس فصل کے حصہ دوم میں درج کیا جائے گا۔

انس، حضورِ قلب کی طرف پہلا قدم

حوالہ جات

(۱)......(کلیات سعدی،بر اساس نسخہ محمد علی فروغی، صفحہ ۴۳۴)

(۲)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ۸)

(۳)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۰۱)

(۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۵۰)

(۵)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۲۶)

(۶)......(سورۂ مبارکہ ابراہیمؑ، آیہ ۴۱)

(۷)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ۱۹۳)

(۸)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۶۸، ۶۹، ۷۰)(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۳۴)

(سورۂ مبارکہ زخرف، آیہ ۴۹)

(۹)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ ۱۳۴)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۵۸)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ۵۱)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ ھود، آیہ ۶۱)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ یوسفؑ، آیہ ۹۸)

(۱۴)......(منهاج البراعة -الراوندی)(نهج البلاغه موضوعی)

(هداية العلم فی تنظيم غرر الحكم للامام علیؑ بن أبی طالبؑ)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ نور، آیہ ۲۶)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ نساء، آیہ ۱۷۴)

(۱۷)......(سورۂ مبارکہ شوریٰ، آیہ ۵۲)

(۱۸)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۱۵)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۴۴)

(۲۰)......(سورۂ مبارکہ انعام، آیہ ۹۱)

(۲۱)......(التفسير الأصفى- الفيض الكاشانیؒ، الجزء ۱، صفحه ۴۵) (تسنيم تفسير قرآن كريم - آية اللّٰه جوادی آملی مدظله)(التفسير الصافی- الفيض الكاشانیؒ، الجزء ۱، صفحه ۱۳۴)(شرح أصول الكافی- مولی محمد صالح المازندرانیؒ، الجزء ۱۲، صفحه ۴۰۳)(بحار الأنوار - علامه مجلسیؒ، الجزء ۷۹، صفحه ۱۹۳)(مجموعة ورام- ورام بن ابی فراس، الجزء ۱، صفحه ۷۹)

(۲۲)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۴۵)

فصلِ ادبِ سوُم

حضورِ قلب

(حصّہ دوم)

۱)تعلقات،حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

۲)تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے

۳)مشغول دل حضورِ قلب میں مانع

٤)تعلقات کو کاٹنا ضروری ہے

٥)انقطاع کے معانی

٦)عرفان کی حقیقت

۷)دعاو مناجات میں انقطاعِ تعلقات کی ترغیب

۸)لھو و لعب کے معانی

۹)قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الھا ھیں؟

۱۰)لھو و الھا کے دیگر مصادیق

☆لعب میں مشغول دل

☆کھانے پینے میں مشغول دل

☆لذتوں میں مشغول دل

☆آرزوؤں میں مشغول دل

۱۱)دنیا کسے کہتے ہیں؟

۱۲)دنیا کی کشش،حربۂ شیطان

۱۳)قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

۱٤)قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت

۱٥)قرآن،باعثِ سرور

۱٦)قرآن،باعثِ تفرج

۱)تعلقات،حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

قلباً و ذہناً موجود ہونے کے دو رکن ہیں،ایک رکن کی طرف اس فصل کے حصہ اول میں اشارہ کیا تھا کہ جب تک انسان کا کسی چیز کے ساتھ انس پیدا نہ ہو تو وہاں انسان موجود نہیں ہوتا ہے۔دوسرا رکن یہ ہے کہ دل کے مشغلوں سے دل کو فارغ کیا جائے،جن چیزوں نے دل پہ قبضہ جمایا ہوا ہے اور جن چیزوں نے دل کو مشغول کیا ہوا ہے ان سے چھٹکارا پایا جائے چونکہ دل جب ایک طرف مشغول ہو جاتا ہے تو دوسری چیز کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے،پھر ایک ہی وقت میں اُدھر بھی مشغول رہے اور اِدھر بھی مشغول رہے تو یہ ممکن نہیں ہے لہٰذا دل کے وہ مشغلے ختم کرنے پڑیں گے اور جب تک وہ ختم نہیں ہوں گے تو حضورِ ذہن بھی نہیں ہوگا۔

اگر ہم دل کو پاک بھی کر لیں تو پھر بھی کچھ تعلقات ایسے ہیں کہ جن کی زنجیروں میں دل جکڑا ہوا ہوتا ہے کہ البتہ یہ بھی آلودگیوں کا ہی ایک حصہ ہے،ایک لحاظ سے اسی رکنِ اول سے ہی رکنِ دوم پیدا ہوتا ہے،آلودگیوں میں سے ایک آلودگی یہ ہے کہ دل تعلقات کا مرکز ہے،جس طرح دل فہم کا مرکز ہے،احساسات کا مرکز ہے تو اسی طرح سے ہمارا دل تعلقات کا بھی مرکز ہے،تعلق شروع ہی دل سے ہوتا ہے اور بعد میں جسمانی تعلق پیدا ہوتا ہے،آغاز دل سے ہوتا ہے مثلاً آنکھیں اس وقت کسی چیز سے تعلق پیدا کرتی ہیں کہ جب پہلے دل کا تعلق ہو،جس چیز کو دل چاہتا ہے کہ دیکھے تو اسی کو آنکھ دیکھتی ہے،جس چیز کو دل چاہتا ہے کہ سنے تو کان اسی چیز کو سنتے ہیں یعنی سماعت و بصارت کا تعلق درحقیقت دل کے رہینِ منت ہے،دل جہاں پر تعلق پیدا کرے گا تو اعضاء و جوارح

بھی دل کے پیچھے ہیں، دل جدھر جائے گا انسان اسی طرف جاتا ہے۔ یہ تعلقات ہیں کہ جو انسان کے حضور کے اندر رکاوٹ بنتے ہیں مثلاً ہم نماز میں دل کو حاضر رکھنا چاہتے ہیں لیکن دل تو وہاں ہے کہ جہاں اس کا تعلق ہے، تعلقات اور مشغولیاتِ دل اتنی زیادہ ہیں کہ جب ہم اس کو نماز میں حاضر کرنا چاہتے ہیں تو ہزاروں تعلق چھوڑے نہیں جاتے ہیں اس لئے کہ وہ ان سے مربوط ہے، پس دوسری چیز تعلقات سے انقطاع ہے کہ جیسے آپ مناجاتِ شعبانیہ میں خداوند تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ

اِلٰهِیْ هَبْ لِیْ كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْكَ وَاَنِرْ اَبْصارَ قُلُوْبِنَا بِضِیَاءِ نَظَرِهَا اِلَیْكَ، حَتّٰی تَخْرِقَ اَبْصارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ......

میرے خدا مجھے اس طرح کمالِ انقطاع کی توفیق عطا فرما کہ تیری بارگاہ کا ہو جاؤں اور ہمارے دلوں کی آنکھیں جب تیری طرف نظر کریں تو انہیں نورانی بنادے تاکہ یہ دیدہ ہائے دل حجاباتِ نور کو پار کر کے تیری عظمت وبزرگی کے مرکز سے جاملیں......

یعنی ہمارے دلوں کو، ہمارے دلوں کی آنکھ کو، دل کی بصیرت کو منور فرما اور دل کو اس طرح سے انقطاع عطا فرما کہ ہر چیز سے مجھے لاتعلق کر کے فقط اپنی ذات سے متعلق قرار دے۔

بعض لوگ حقیقتاً پاک ونورانی انسان ہیں لیکن پھر بھی انہیں توفیق نہیں ہوتی ہے کہ قرآن کے سامنے حاضر ہوں، اسکی وجہ یہ ہے کہ زنجیر بھی ساتھ بندھی ہوئی ہے، ان کے اور قرآن کے درمیان انس ہونے کے باوجود غیر حاضر ہیں، یہ انسان بارگاہِ قرآن یا عبادت سے غائب ہے،

تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ جس طرح خدا نے اس کو اہلِ تعقل پیدا کیا ہے اسی طرح سے یہ اہلِ تعلق بھی ہے، اس کے مختلف چیزوں سے تعلقات ہیں یعنی رابطے ہیں، مختلف اشیاء کے ساتھ، مختلف موجودات کے ساتھ، مختلف امور کے ساتھ انسان کے تعلقات ہیں اور تعلق کا مرکز بھی اتفاقاً دل ہی ہے، تعلقات بھی قلبی ہی ہیں، جس طرح سے تعقل دل کا کام ہے اسی طرح تعلق بھی دل کا کام ہے یعنی ساری چیزیں ہمارے دل کے ساتھ رابطے میں ہیں اور ہمارے دل اور ان کے درمیان علاقہ و تعلق موجود ہے، دل کے ساتھ ان چیزوں کی گرہ لگی ہوئی ہے، تعلقات تعقلات کی راہ میں مانع ہیں۔

فہم کی راہ میں ایک بہت بڑا مانع یہی تعلقاتِ قلبیہ ہیں، انسان دل سے دیکھے کہ کتنی چیزوں کے ساتھ دل کا تعلق ہے اور جیسے کہا جاتا ہے اور روایت میں بھی یہ مطلب ہے کہ ہر چیز کی ایک آفت ہے،

لِکُلِّ شَیْءٍ آفَةٌ وَلِلْعِلْمِ آفَاتٌ......(۱)

ہر چیز کی ایک بلا، بیماری اور آفت ہے لیکن علم کے لئے فراواں آفات ہیں۔ بعض اچھے کاموں کے لئے برے کام آفات ہوتے ہیں لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کیلئے اچھے کام بھی آفت ہیں مثلاً اگر ایک انسان باسی اور خراب کھانا کھائے تو اس کے لئے آفت یہ ہے کہ بیمار ہوگا لیکن بعض مزاج ایسے ہیں کہ اگر وہ صحیح اور تازہ کھانا بھی کھائیں گے تو بیمار ہوجائیں گے اس لئے کہ ان کا مزاج ایسا ہے۔ تعلقات آفتِ علم ہیں۔ انسان اپنے دل میں دیکھے کہ کتنی چیزوں کے ساتھ اس

تعلقات، حضورِ قلب کی راہ میں رکاوٹ

کا تعلق ہے۔ ہر وہ شے جس کی حب ہمارے دل میں ہے تو یہ اس شے کے درمیان ایک تعلق ہے۔

۲)تعلق یافتہ دل مشغول دل ہے

دل تعلقات کو ترک نہیں کرتا ہے اور انسان ایک محدود ہستی کا مالک ہے، قوت کے لحاظ سے، عمل کے لحاظ سے، تاثیر کے لحاظ سے، تاثر کے لحاظ سے بھی ایک محدود ہستی کا مالک ہے لیکن خداوند تبارک وتعالیٰ کی ہستی میں چونکہ حد نہیں ہے اس وجہ سے اسمائے الٰہیہ وصفاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ میں سے ہے کہ

لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ......(۲)

کوئی شے یا کام اسے دوسرے کام سے باز نہیں رکھتا......

یعنی خدا کی صفت یہ ہے کہ اگر خدا کی ذات ایک چیز میں مشغول ہوتو دوسری طرف بھی توجہ رہتی ہے یعنی یہ شے خدا کی توجہ اپنی طرف لگا کر کسی دوسری شے سے توجہ نہیں ہٹا سکتی ہے لیکن انسان ایسے نہیں ہیں، انسان ایسا ہے کہ جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دوسری چیز سے غافل ہو جاتا ہے یعنی يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ یعنی اگر ایک آدمی بات کر رہا ہے اور دوسرا بھی بات کر رہا ہو تو ہم دونوں کی بات ایک ہی وقت میں نہیں سن سکتے ہیں، ایک کو کہتے ہیں کہ آپ ذرا چپ رہیں تاکہ میں اس کی بات سن سکوں، اگر دونوں خاموش نہ رہیں اور مسلسل بولتے رہیں تو ہم دونوں کی نہیں سن پائیں گے، کیوں؟ کیونکہ ایک کی بات نے دوسرے کی بات سننے سے روکا ہوا ہے۔

یہ انسان کی مشکل ہے کہ دل خالی اور فارغ نہیں ہے بلکہ مشغول ومصروف ہے، جیسے بعض انسان مشغول ہیں تو وہ دوسروں کو کہتے ہیں کہ تم فارغ ہو اور میں مصروف ومشغول آدمی ہوں، البتہ بے کار آدمی اکثر بہت مشغول ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔ بعض ممالک میں خصوصاً یورپی ممالک میں کہ وہاں کی زندگی بہت مصروف ہے لیکن اسی زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کی کوئی جاب (Job) وغیرہ نہیں ہے، انہیں کونسل (Council) کی طرف سے شہریہ ملتا ہے، یہاں مراجع کی طرف سے ملتا ہے اور برطانیہ میں ملکۂ برطانیہ کی طرف سے ملتا ہے، ہفتے کو سب عمامہ پہن کر صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور کونسل سے جا کر شہریہ لے کر آتے ہیں، بظاہر چونکہ ان کا کوئی کام نہیں ہے اور جاب نہیں ہے، انسان سمجھتا ہے کہ ان کے پاس بہت ٹائم ہوگا لیکن انسان جب ان سے بات کرے تو ان کے پاس ٹیلیفون کرنے کے لئے بھی فرصت نہیں ہوتی ہے، یہ کہتے ہیں کہ ہم سب سے زیادہ مشغول ہیں۔ یعنی اگر ذاتِ خدا ایک فعل میں مشغول ہو یا ایک مخلوق کی طرف متوجہ ہو تو یہ توجہ خدا کو دوسری شے سے غافل نہیں کرتی ہے، ایک ہی آن میں ذاتِ خدا کی توجہ تمام عالمِ ہستی، تمام موجودات اور لامتناہی امور کی طرف ہے۔

یوں نہیں ہے کہ اگر خداوند تبارک وتعالیٰ کے علم میں ایک چیز آئی ہے تو دوسری چیز سے غفلت پیدا ہو جائے یا خدا نے ایک مطلب کا ارادہ کیا ہے تو دوسری چیز کا ارادہ نہ کر سکے، چونکہ ہستی خدا لامحدود ہے لیکن انسان کی ہستی محدود ہے اور نہ صرف کمیت کے لحاظ سے یعنی طول وعرض وعمر کے لحاظ سے محدود ہے بلکہ افعال کے لحاظ سے، فکر کے لحاظ سے، تاثیر کے لحاظ سے اور تاثر کے لحاظ سے

بھی محدود ہے، اگر انسان کچھ سمجھنا چاہے تو بھی محدودیت ہے اور اگر انسان کچھ لینا یا دینا چاہے تو بھی محدودیت ہے، انسان کے لئے ایک حد مقرر ہے اور اس محدودیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جب ایک کام میں مشغول ہوتا ہے تو اسی آن دوسرے کام سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ شے اس کے دوسرے کام میں خود مانع و رکاوٹ بن جاتی ہے۔

۳) مشغول دل حضورِ قلب میں مانع

ہماری توجہ بھی محدود ہے یعنی ایک آن میں فقط ایک طرف متوجہ رہ سکتی ہے، جب ہم ایک چیز ایک سمت میں دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اسی آن ہم دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے ہیں، ایک ہی وقت میں ہم متعدد جہات میں نگاہ نہیں کر سکتے ہیں چونکہ ایک شے کے اندر ہماری یہ مشغولیت دوسری شے سے روک دیتی ہے۔ تعلقات شغلِ انسان ہیں، مشغولیتِ انسان ہیں، تعلق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک چیز کا ہمارے دل کے ساتھ فقط ایک رشتہ ہے مثلاً اگر کسی زمین سے ہمارا تعلق ہے یعنی اس زمین کے ساتھ ہماری مشغولیت ہے تو اس زمین کے تعلق کی حد تک ہم اس میں مشغول ہیں، اگر ایک فرد کے ساتھ ہمارا تعلق ہے تو اس تعلق کی حد تک ہماری مشغولیتِ قلبی موجود ہے، اگر ایک کتاب کے ساتھ ہمارا تعلق ہے تو اس کتاب کے تعلق کی حد تک ہم کتاب کے اندر مشغول ہیں یعنی جتنا تعلق گہرا ہوگا اتنی ہی مشغولیت بیشتر ہوگی اور اگر ایک انسان گوناگوں تعلقات میں گرفتار ہے اور اس کا قلب فراواں تعلقات میں اسیر ہے تو یہ انسان قلبی طور پر مشغول انسان ہے اور یہ مشغولیت اس کو دوسرے

کام سے روک دیتی ہے۔

جب ہم قرآن پڑھنے یا کوئی اور عبادت کرنے کیلئے اپنے جسمانی اعضاء کے ساتھ آتے ہیں تو تعلقاتِ قلبی بھی ہمارے ہمراہ آتے ہیں مثلاً جب ہم بارگاہِ خدا میں کھڑے ہوتے ہیں تو تمام تعلقات سمیت کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس آن میں توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا دل بھی حاضر رہے اور خدا کی طرف متوجہ رہے۔ اس کیلئے سادہ مثال یہ ہے کہ آپ کوئی سرگوشی سننا چاہتے ہیں اور اس سرگوشی کو سنتے ہوئے آپ نے ٹی وی بھی آن کیا ہوا ہے، ریڈیو بھی آن کیا ہوا ہے، کیسٹ بھی چلائی ہوئی ہے اور چاروں طرف سے کوئی نہ کوئی آواز کان میں پڑ رہی ہے اور وہ بھی فل والیم (Full volume) میں تو ایسی حالت میں آپ سرگوشی نہیں سن سکتے ہیں کیونکہ آپ کی توجہ اس شخص کی گفتگو کی طرف نہیں ہے کہ جو آپ سے محوِ کلام ہے، اس لئے کہ چاروں طرف سے آپ کے کان میں آوازیں پڑ رہی ہیں یعنی آپ کے کان مشغول ہیں، ہم اس وقت کسی کی بات کی طرف توجہ کرسکتے ہیں کہ جب ہماری دوسری سماعی مشغولیات ختم ہوجائیں۔

٤) تعلقات کو کاٹنا ضروری ھے

انسان کیلئے تعلقات سب سے بڑی آفت ہیں، تعلقات انسان کو تعقل نہیں کرنے دیتے ہیں، جب تک ان تعلقات سے انقطاع حاصل نہ ہوجائے یہ انسان کو بارگاہِ خدا میں حاضر نہیں ہونے دیتے ہیں اور تعلقات ترک کرنا بہت سخت کام ہے یعنی تعلقات ختم کرکے تعلقات ختم کرنا نہ کہ

لاتعلقی ایجاد کرنا، بسا اوقات دوستی بھی تعلق ہے اور دشمنی بھی تعلق ہے اور یہ دونوں مشغولیتیں ہیں، بعض اوقات انسان کسی چیز سے دلچسپی لیتا ہے اور بسا اوقات کسی چیز سے انسان کو الرجی (Allergy) ہوتی ہے یعنی یہ الرجی بھی ایک نوعِ تعلق ہے، انسان کی حساسیت بھی ایک نوعِ تعلق ہے۔

یہ تعلقات ایک ایک کر کے انسان کو توڑنے اور کاٹنے پڑتے ہیں، تعلق توڑنا سب سے مشکل کام ہے مثلاً جس طرح سے ہمارے دانت ہیں کہ جو جبڑے کے اندر پیوست وراسخ ہیں، اگر ایک صحیح اور ٹھیک دانت حتیٰ بیمار و مریض دانت بھی ہو تو بھی اس کو اکھاڑنا بہت دشوار ہے اور اگر ظالم دانت ہو تو اس کو اکھاڑنے کے ساتھ جان بھی باہر آتی ہے۔ تعلقات اسی طرح سے ہیں، تعلقات ہمارے وجود کے اندر دانت کی طرح راسخ ہیں، تعلقات نے اپنی جڑیں ہماری روح اور نفس کے اندر تک پھیلائی ہوئی ہیں، جب ہم اسے کھینچتے ہیں اور تعلق کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو پورے وجود میں درد محسوس ہوتا ہے اور انسان کی آہیں نکلتی ہیں، درد اتنے ہی شدید ہیں کہ جتنے تعلقات شدید ہیں، یہ تعلقات پہلے سے دردمند انسان کو اور دردمند کر دیتے ہیں، ان تعلقات سے انسان جب تک لاتعلق نہیں ہوتا ہے یا جب تک ان تعلقات کو منقطع نہیں کرتا ہے تب تک انسان حضور کا تصور نہیں کر سکتا ہے، حضور انسان کے لئے ایک فرضی چیز ہے کہ کس طرح سے حاضر ہوں؟ کہاں حاضر ہوں؟ اور کس کے سامنے حاضر ہوں؟ درحالیکہ انسان تعلقات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

بعض اوقات ہم مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں اور ہمارے حواس بھی ہر طرف ہوتے ہیں

مثلاً ٹی وی بھی آن ہے اور ساتھ کتاب بھی کھلی ہوئی ہے اور گھر میں ہیں تو بچہ بھی ہے کہ جو سویا ہوا ہے یا کھا رہا ہے تو اس کی طرف بھی توجہ ہے، ساتھ میں کوئی مہمان بھی آنا ہے تو دروازے کی طرف بھی ہماری توجہ ہے، کسی کا ٹیلیفون بھی آنا ہے تو اس کی طرف بھی منتظر ہیں اور دیر بھی ہو رہی ہے تو بار بار گھڑی بھی دیکھنی ہے، آپ کا ذہن ہزاروں طرف لگا ہوا ہے اور پھر آپ مطالعہ بھی کر رہے ہیں، اس مطالعے سے انسان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے چونکہ ذہن یہاں پر حاضر نہیں ہے، ذہن کبھی اِس طرف ہے تو کبھی اس طرف ہے، جس طرح سے جسمانی طور پر ایک آدمی دوڑ کر کبھی یہاں جا رہا ہو، کبھی وہاں جا رہا ہو تو وہ یکجا ہو کر بیٹھ نہیں سکتا ہے اسی طرح سے ذہن بھی حاضر نہیں ہے لہٰذا یہ مشغولیت بھی ایک تعلق ہے اور ان سارے تعلقات کو توڑنا نہایت ضروری ہے۔

۵) انقطاع کے معانی

انقطاع کے معانی یہ نہیں ہیں کہ ہم کسی غار یا جنگل میں چلے جائیں یا آبادی کو چھوڑ دیں، زندگی چھوڑ دیں، معیشت چھوڑ دیں، کھانا پینا چھوڑ دیں، بچے اور خاندان کو ترک کر کے کسی خانقاہ میں جا کر عبادتِ خدا میں مشغول ہو جائیں، یہ انقطاع نہیں ہے بلکہ یہ تو انحراف ہے، انقطاع الی اللہ یعنی اپنے دل کا تعلق غیرِ خدا سے ختم کرو، نہ کہ جسمانی طور پر ان چیزوں سے بھاگ کر غار میں جا بیٹھو اور غار میں بھی دل انہی ساری چیزوں کے اندر مشغول ہو۔ انقطاعِ قلبی ہو یعنی جسمانی طور پر ادھر ہی رہو، لوگوں کے درمیان رہو، گلی کوچے میں رہو لہٰذا یہ رہبانیت، خانقاہیت اسلام میں کہیں

بھی نہیں ہے۔

خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام اور ائمہ اطہار علیہم السلام میں سے کوئی بھی غار میں نہیں بیٹھا، کسی نے بھی چلے نہیں کاٹے، کسی نے بھی جا کر وہ کام نہیں کیے کہ جو آج تصوف و عرفان کے نام سے اور صوفی گری کے نام سے معروف ہیں، ہنر اور مردانگی یہ ہے کہ انہی لوگوں کے اندر بیٹھ کر اپنے دل کو فقط خدا کی طرف متوجہ کرو، ورنہ اگر کوئی خود کو کالی کوٹھڑی میں بند کر لے کہ جہاں نہ اس کو دھوپ لگے، نہ نور لگے، نہ آکسیجن پہنچے اور اس کی کسی تک رسائی نہ ہو، کوئی آ نہ سکے، جا نہ سکے تو یہ گویا فرشتہ ہے، ایسا فرشتہ بننا بہت آسان ہے لیکن انسان بننا بہت مشکل ہے چونکہ فرشتہ بننے کے معانی یہ ہیں کہ انسان آبادی چھوڑ دے، معاشرہ چھوڑ دے، ذمہ داریاں چھوڑ دے، فرائض چھوڑ دے اور کسی غار میں جا بیٹھے، نہ کوئی آئے نہ جائے۔ پھر انسان کون ہے؟ انسان یہ ہے کہ انہی انسانوں کے اندر رہ کر سارے تعلقات چھوڑ دے، نہ کہ غار میں بیٹھ کر سب کچھ چھوڑ دے، لہٰذا انقطاع کے معانی یہ ہیں کہ آپ جسمانی طور پر لوگوں کے ساتھ ہوں لیکن آپ کا قلب فقط خدا کی طرف متوجہ ہو، دل کے ساتھ خدا کا تعلق ہو۔ غیر قلبی تعلقات سب کے ساتھ ہوں لیکن دل کسی کو بھی نہ سونپو، دل کسی کے اختیار میں نہ قرار دو۔

انقطاع کے معانی

ادبیات کو دین داروں نے چھوڑ دیا یعنی جو دینی ادبیات تھیں وہ بے دینوں نے لے لیں اور انہیں استعمال کیا، جیسے دل سپردگی، دل دادگی، دل بردگی، دلبر، یہ سب دینی ادبیات اور معارفِ دینی کے الفاظ ہیں کہ جو اہل دین نے ترک کر دیئے اور شہوت رانوں نے ان کو استعمال کرنا شروع

کر دیا، محبت وعشق معارفِ دینی ہیں لیکن دین داروں نے ان کو ترک کر دیا اور کسی اور چیز کے پیچھے پڑ گئے اور بے دینوں نے، شہوت رانوں نے اپنی دنیا میں لا کر ان کو رسوا کیا کہ دلبر یعنی جو انسان کا دل لے جائے، جو کسی کو اپنا دل دے دے۔ایک ہی چیز ہے کہ جس کے ساتھ انسان کا دل لگتا ہے، دل فقط بارگاہِ خدا کے ساتھ مسانخت ومناسبت رکھتا ہے، امام صادق علیہ السلام کے مطابق دل کی سنخیت فقط یہ ہے کہ

اَلْقَلْبُ حَرَمُ اللّٰهِ فَلَا تُسْكِنْ حَرَمِ اللّٰهِ غَيْرَ اللّٰهِ......(۳)

دل اللہ کا حرم ہے پس خدا کے حرم میں غیرِ خدا کو جگہ نہ دو......

اِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ......(۴)

بے شک مومن کا دل خداوندِ عالم کا عرش ہے......

لہٰذا اس عرشِ خدا پر خدا ہو، حکمرانی، حکومت وفرمانروائی خدا کی ہو یعنی انسان کا دلبر فقط خدا ہو، خدا انسان کا دل لے جائے، دل سپردگی فقط خدا کو ہو، انسان اپنا دل خدا کو سپرد کر دے اور جب ایک دفعہ انسان کا دل خدا کی طرف چلا جائے تو جسمانی طور پر جہاں بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا ہے۔

٦) عرفان کی حقیقت

اس مطلب کی وضاحت کیلئے یہ ماجرا نقل کیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ فرضی داستان ہو کہ جیسے بظاہر لگتا ہے کہ دو بھائیوں کی ان کے والد نے اچھی تربیت کی اور جب والد کا انتقال ہوا تو

دونوں نے دین داری کی راہ اپنائی، ایک جو بہت ہی زیادہ متدین تھا اس نے زندگی اور معیشت ترک کی اور جنگل کا راستہ لیا اور خانقاہ میں جا کر ریاضت و عبادت و چلے وغیرہ میں مشغول ہو گیا اور دوسرے نے شہر کے وسط میں چوک پر کپڑے کی دکان خرید لی اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو گیا اور وہ جو جنگل میں جا بسا تھا اس نے ریاضتیں کیں اور چلے کاٹے۔

چونکہ ریاضتیں کرنے اور چلے کاٹنے سے کچھ طاقتیں اور قوتیں انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں، خواہ جسمانی ہوں یا روحانی، جن کا ایمان اور خدا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے یعنی کوئی ہندو چلے کاٹے تو بھی اس کے اندر کچھ صلاحیتیں آجاتی ہیں، جیسے اگر ایک ہندو ویٹ لفٹنگ (Weightlifting) کرے تو اس میں طاقت آجاتی ہے، ایک مسلمان کرے تو وہ بھی ویٹ لفٹر بن جاتا ہے، باڈی بلڈرز مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی ہیں۔ جو بھی اپنا جسم بنانا چاہے تو بنالیتا ہے، اس کے اندر طاقت آجاتی ہے، جو بھی کرکٹ کی پریکٹس (Practice) کرے تو اس کے اندر کرکٹ کی ایک صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ ہندو ہو، مسلم ہو، انگریز ہو یا اصلاً سرے سے کسی دین کا پیروکار نہ ہو، اسی طرح سے چلے کاٹنے سے بھی کچھ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں چاہے انسان مشرک ہو، ملحد ہو، منافق ہو، کافر ہو، ہندو ہو، بت پرست ہو، خدا پرست ہو یا کچھ بھی نہ ہو، چلے کاٹنے سے کچھ نہ کچھ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں، آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں، اگر آپ بھوکے رہیں تو اس بھوک کی وجہ سے آپ کا جسم کمزور ہوتا جائے گا لیکن آپ کی بعض روحانی طاقتیں بیدار ہوتی جائیں گی، یہ عام انسانی وجود اور انسانی نظام کا حصہ ہے، اس کا معنویت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بار ہا کہا ہے کہ عرفان دیواریں دوڑانے کا نام نہیں ہے، پانی پہ چلنے کا نام نہیں ہے، یہ جو عموماً عرفان کے نام سے چیزیں نقل کی جاتی ہیں کہ باطن بتانا، اندرونی حالات بتانا، غیب گوئیاں کرنا، پیشین گوئیاں کرنا اور چھپی ہوئی چیزیں ڈھونڈ کر، تلاش کر کے دے دینا عرفان نہیں ہے، کرتب دکھانا عرفان نہیں ہے، عرفان معرفت سے ہے یعنی قربِ خدا، معرفتِ خدا، انسان کا تعلق خدا کے ساتھ ہو۔ کوئی بھی ریاضت کرے، چلے کاٹے تو اس کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

میڈیا میں بھی دکھایا گیا تھا کہ ہالینڈ کا ایک مرتاض کئی گھنٹے فضا میں وائٹ ہاؤس کے سامنے ایک چھڑی پر معلق رہا یعنی ایک ہاتھ میں ایک عصاء ہے اور اس کے نیچے کچھ بھی نہیں ہے اور چارزانوں بیٹھا ہوا ہے اور زمین سے تقریباً ایک سے ڈیڑھ میٹر بلند ہے اور کئی گھنٹے فضا میں اسی طرح سے ایک چھڑی کے سہارے وائٹ ہاؤس کے سامنے معلق رہا، جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا تا کہ لوگ میری طرف توجہ کریں اور ساری دنیا نے توجہ کی چونکہ پھر میڈیا والے پہنچ گئے اور انہوں نے ساری دنیا میں عجوبہ دکھایا کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے؟ آپ توجہ کریں کہ یہ کرتب دکھا رہا ہے، لیکن کس لئے؟ تا کہ لوگ میری طرف توجہ کریں، یہ کرتب دکھانا کوئی عرفان نہیں ہے، اگر یہ عرفان ہے تو پھر وہ سب سے بڑا عارف ہے جو کئی گھنٹے چھڑی کے سہارے بیٹھا ہوا ہے، چھڑی کے اوپر نہیں بلکہ چھڑی صرف ہاتھ کے پہلو میں ہے اور اس کا اپنا وزن چھڑی کے اوپر نہیں ہے، وہ بغیر کسی سہارے کے کئی گھنٹوں تک فضا میں معلق رہا کہ جیسے کوئی آرام سے کسی تخت یا صوفے پر بیٹھا ہوتا ہے۔ پس کرتب دکھانا عرفان نہیں ہے، یہ کرتب ساری دنیا نے دیکھا لیکن وہ عارف نہیں تھا، یہ

انسان کی جسمانی و روحانی طاقتیں ہیں کہ جو بعض ریاضتوں سے، مشقوں سے زندہ ہو جاتی ہیں لہٰذا اس کو عرفان نہیں کہتے ہیں۔

بحرحال واقعے کے مطابق ان دو بھائیوں میں سے ایک نے جنگل کے اندر سو چلے کاٹے تو اس کے اندر کچھ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور اس نے جانوروں کو تسخیر کر لیا، جب جانور اس کے سامنے مسخر ہو گئے تو اس کو خیال آیا کہ میرا بھائی دنیادار ہے، میں اس دنیادار بھائی کی اصلاح کے لئے جاؤں لیکن بھائی کو مرعوب کرنے کیلئے اور اثر انداز ہونے کے لئے کہ وہ میری روحانی طاقت کا قائل ہو جائے اس نے گھوڑے کے بجائے شیر کو اپنی سواری بنایا !اور کوڑے کی جگہ ہاتھ میں سانپ پکڑا، جب شیر دوڑاتا ہوا شہر میں آیا تو لوگ جانور دیکھ کر، درندے دیکھ کر بھاگ گئے، اسے فرضی قصہ کہہ لیں لیکن مہم اس داستان کے اندر وہ گوہر ہے کہ جو منتقل کرنا ہے، مولانا روم کے بقول قصہ پیانہ ہوتا ہے، پیانے کے اندر جو چیز ہوتی ہے وہ اہم ہوتی ہے، پیانے کو نہیں دیکھیں بلکہ اس ظرف کے اندر موجود چیز کو دیکھیں،

ای برادر قصّہ چون پیمانہ ای ست
معنی اندر وی مثال دانہ ای ست
دانۂ معنی بگیرد مرد عقل
ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل ......(۵)

قصہ پیانہ ہوتا ہے آپ پیانے کو چھوڑیں، یہ زنانہ عادت ہے کہ انسان پیانے پہ زیادہ توجہ

کرے، عورتیں جب کسی کے گھر میں مہمان جاتی ہیں اور وہاں انہیں چائے پیش کی جاتی ہے تو ان کی توجہ چائے سے زیادہ پیالی پہ ہوتی ہے، یہ کونسا ماڈل ہے؟ پرانا ہے یا نیا ہے؟ قیمت کیا ہے؟ سستی ہے یا مہنگی ہے؟ اس کا ڈیزائن (Design) کیسا ہے؟ ان کی ساری توجہ کپ پہ ہوتی ہے۔ یہ زنانہ عادتیں ترک کریں، پیمانے پہ توجہ نہ کریں بلکہ مردانگی یہی ہے کہ پیمانے کے اندر جو کچھ ہے اس کی طرف توجہ کریں، یہ جب شہر میں شیر کو دوڑاتے ہوئے آیا تو لوگ ڈر کے مارے بھاگے اور اس نے بھائی کے پاس آکر دیکھا کہ وہ کاروبار میں مشغول ہے، لوگ کپڑے خرید رہے ہیں، آرہے ہیں اور جا رہے ہیں، اس نے اس کو دعوت دی کہ تم دنیا میں مشغول ہو، دنیا کو چھوڑو اور خدا کی طرف آؤ، دیکھو میں راہِ خدا میں گیا، عبادتِ خدا کرتا رہا، چلے کاٹتا رہا اور ریاضتیں کرتا رہا کہ جس کے نتیجے میں مجھے خدا کی طرف سے یہ لطف حاصل ہوا ہے کہ میں اب شیر پہ سواری لیتا ہوں، سانپ کو کوڑا بناتا ہوں، درندے اور جانور میرے سامنے مسخر ہیں۔

بہرکیف بھائی نے نہ کوئی تعجب کیا اور نہ اس کی ہاں میں ہاں ملائی، اس نے کہا کہ آپ مہمان ہو، آپ بیٹھو میں آپ کے لئے چائے لے کر آؤں بالآخر کوئی پذیرائی کروں کہ ایک عرصے بعد بھائی سے ملاقات ہوئی ہے۔ جہاں وہ بیٹھتا تھا وہاں پر اس نے صوفی، عبادت گزار اور چلے کاٹنے والے بھائی کو بٹھایا اور خود تھوڑی دیر کے لئے باہر چلا گیا، ظاہر ہے کہ کپڑے کی دکان تھی، اس میں ہر آدمی آتا ہے اور بیشتر کپڑا عورتیں خریدتی ہیں، اب خدا امتحان لیتا ہے، جوں ہی وہ اس کو بٹھا کر گیا تو ایک عورت آئی اور عورت بہت حسین وزیبا تھی، اس سے کپڑا خریدنے کے لئے کہا، اتنی مدت

جنگل میں رہا تھا، ساری عمر تو بھیڑیئے، بندر، سانپ، شیر اور جانور دیکھتا رہا تھا، کافی عرصے بعد اس نے انسان دیکھے تھے اور وہ بھی عورت اور خوبصورت وزیبا عورت دیکھی لہٰذا اس کو دیکھتے ہی اس کے بدن میں ایک تاثیر ہوئی، احساس پیدا ہوا، اس کے بدن میں ایک کپکپی طاری ہوئی اور جھرجھری ایجاد ہوئی کہ جس کی وجہ سے اوپر جو پینے کیلئے پانی کی مشک رکھی ہوئی تھی وہ گرگئی اور یہ بھیک گیا، بھائی واپس آیا تو دیکھا کہ ساری دکان بھی بھیگی ہوئی ہے اور یہ شخص بھی پانی میں تر ہے، پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ کہا ماجرا یہ ہے کہ تم خود تو دنیا میں غرق ہو مجھے بھی تم نے دنیا میں پھنسا دیا، اس نے ماجرا بیان کر دیا کہ یہ تو گناہ ومعصیت کی دکان ہے، جب تم چلے گئے تو یہاں پر عورت آئی اور اس کی وجہ سے میرے بدن میں ایسا احساس پیدا ہوا، مجھے جھٹکا لگا اور اوپر سے مشک گرگئی لہٰذا میں بھیگ گیا، پھر اس بھائی نے اُس کو بتایا کہ انقطاع کس کو کہتے ہیں؟ کہا کہ چالیس سال سے تم غاروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہاں جسمانی طور پر تو منقطع ہو گئے تھے لیکن قلبی طور پر منقطع نہیں ہوئے تھے، میں چالیس سال سے اس دکان میں بیٹھا ہوں اور چالیس سال سے یہ مشک اوپر لٹکی ہوئی ہے اور چالیس سال سے عورتیں کپڑا خرید رہی ہیں لیکن کبھی میرے بدن میں ایسی جھرجھری طاری نہیں ہوئی، کیوں؟ اسلئے کہ جسمانی طور پر میرا جسم دکان میں ہے لیکن میرا دل ان عورتوں میں گرفتار نہیں ہے، میرا دل ان کپڑوں میں گرفتار نہیں ہے، تم جنگل میں بیٹھ کر جسمانی طور پر اپنی قوتیں بڑھا کر آئے ہو لیکن انقطاع حاصل نہیں ہوا۔

انقطاع یعنی دل کے تعلقات توڑ دو، قلبی تعلقات توڑ دو، ان تعلقات کے اندر دل اسیر

ہے اور بری طرح جکڑا ہوا ہے، چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً انگوٹھی بھی ایک تعلق ہے، اگر گم ہو جائے تو بھوک بھی نہیں لگتی ہے اور نیند بھی نہیں آتی ہے، اگر اس شخص سے کہیں کہ ایک اور انگوٹھی لے لو تو کہتا ہے کہ نہیں، وہ انگوٹھی ایک خاص انگوٹھی تھی، یہ تعلق ہے، جب یہ زاہد و عارف انگوٹھی اور تسبیح کے تعلق میں گرفتار ہیں کہ جس کی نہ کوئی معنوی قیمت ہے، نہ کوئی مالی و مادی قیمت ہے تو وہ بے چارہ تو کسی قیمتی چیز کا اسیر ہے کہ جو دنیا کی زرق برق اور طمطراق کے اندر گرفتار ہے۔

اس کی وضاحت کیلئے علامہ نراقیؒ کا واقعہ بھی نقل کرتے ہیں۔ ملا احمد نراقیؒ کے پاس ایک درویش گیا چونکہ کہتے ہیں کہ ملاّ احمد نراقیؒ ذوریاستین تھے، معنوی طور پر ایک مرجعِ مسلّم، حکیم، فیلسوف اور عارف اور دوسری طرف سے دنیوی طور پر بھی صاحبِ املاک اور حکومت کے ہاں بھی ان کو عزت وشان وشکوہ حاصل تھا، ایک درویش کو اچھا نہیں لگا کہ ایک عالم اس طرح سے دنیا میں غرق ہو، ان کو ہدایت کرنے کے لئے گیا اور کہا کہ یہ جو تم دنیا میں غرق ہو یہ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے، بہر کیف پہلے تو انہوں نے ٹالا کہ تم اپنی راہ لو،

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ٥(٦)

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

لیکن اس نے اصرار کیا کہ آج مجھے اس عالم و مجتہد کو دنیا کے بن سے، دنیا کی اسارت سے نکالنا ہے، بہر کیف جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ بتاؤ کیا کرنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ سب کچھ چھوڑ دو اور کربلا و نجف جا کر زندگی بسر کرتے ہیں، درویشی کی زندگی بسر کرتے ہیں،

مقامات مقدسہ میں جا کر رہتے ہیں، مرحوم نراقیؒ نے کہا کہ خوب، اب سب کچھ چھوڑ دیا۔ انہوں نے چھوڑا کیا؟ یعنی وہ املاک، باغات اور کروڑوں کی جائیداد، اس زمانے میں آج سے دو تین سو سال پہلے اور آج کے لحاظ سے وہ جائیداد تقریباً بلینز (Billions) کے حساب سے بنتی ہے، پھر ایک سواری لیکر درویش سے کہا کہ چلیں اور چلتے ہوئے اپنے نوکر سے کہا کہ اس کا کشکول چھپا دے۔ درویشوں کا ایک ظرف کشکول کے نام سے ہوتا ہے، وہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور سب کچھ ہوتا ہے، سارا متاعِ زندگی وہی ہوتا ہے، راستے میں ایک جگہ پر پہنچے اور وہاں جب نماز کا وقت ہوا تو درویش کو کشکول یاد آیا، اس نے کہا کہ میں تو آپ کے ہاں کشکول بھول آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ کشکول ہے تو مسئلہ نہیں ہے اور خرید لیں گے، اول تو اتنا ضروری نہیں ہے لیکن اگر ضروری بھی ہے تو راستے میں دوسرا لے لیں گے، اس نے کہا نہیں میرا وہ کشکول ضروری ہے، انہوں نے جتنا اصرار کیا لیکن وہ نہیں مانا، اس نے کہا کہ جب تک کشکول نہیں ہوگا تو میں نماز بھی نہیں پڑھوں گا چونکہ میں نے تو وضو بھی اسی میں کرنا ہے، بالآخر واپس آ گئے اور اپنے خادم سے کہا کہ اس کو کشکول واپس کر دو اور پھر اس کو متوجہ کیا کہ اب بتاؤ دنیا میں غرق کون ہے؟ میں تو خدا کی خاطر یہ کروڑوں کی جائیداد و املاک اور سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن تم ایک کشکول چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ضروری نہیں ہے کہ جس انسان کے پاس مالِ فراواں ہو تو اس کو دنیا دار انسان کہیں گے، چہ بسا فقیر کا پیسوں کے ساتھ زیادہ تعلق ہو۔ یہ تعلقات ایک طرح سے حب ہیں کہ جو جہاں طلب اور خود خواہ انسان ہے وہ ان تعلقاتِ فراواں، آرزوئے فراواں اور خواہشاتِ فراواں کی زنجیروں

میں جکڑا ہوا ہے، یہ سب کے سب تعلقات ہیں، یہاں بھی پہنچنا ہے وہاں بھی پہنچنا ہے، یہ بھی کرنا ہے وہ بھی کرنا ہے اور پھر نماز کا وقت آئے تو نماز میں بھی جانا ہے اور نماز میں بھی خدا سے یہی تعلقات مانگنے ہیں، پھر کہتا ہے کہ دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، اگر یہ دل خدا کی طرف متوجہ ہو جائے تو تعجب کرنا چاہئے کہ یہ دل جو تعلقات میں اسیر ہے یہ خدا کی طرف کیسے متوجہ ہو گیا؟

۷)دعا و مناجات میں انقطاعِ تعلقات کی ترغیب

ائمہ اطہار علیہم السلام کی دعاؤں میں انقطاعِ تعلقات کیلئے خاص ترغیب دی گئی ہے، مناجاتِ شعبانیہ میں بھی یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ کس طرح خدا کی طرف حضورِ دل ہو؟ قرآن پڑھتے ہوئے ہم خدا کی طرف کیسے متوجہ ہوں یا نماز میں ہماری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو؟ مناجاتِ شعبانیہ بہت ہی عظیم الشان دعا ہے، ان مناجات کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ تمام معصومین علیہم السلام کی مناجات ہیں یعنی ہر معصوم نے یہ مناجات خدا کی بارگاہ میں پیش کی ہیں اور ان کے ذریعے سے خدا کو خطاب کیا ہے، باقی جو دعائیں ہیں وہ کسی ایک معصومؑ سے منقول ہیں، کوئی دوسرے معصومؑ سے اور کوئی دعا تیسرے معصومؑ سے منقول ہے لیکن یہ جمیع معصومین علیہم السلام کی مشترک دعا ہے یعنی معصومین علیہم السلام کا، اولیائے خدا علیہم السلام کا یہ نصاب مناجاتِ شعبانیہ کے نام سے معروف ہے، یہ صرف شعبان میں ہی نہیں بلکہ اور دوسرے اوقات میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

چونکہ مفاتیح میں جو آداب لکھے ہیں یا اِدھر اُدھر اوقات کی جو قید لگائی گئی ہے تو ہم سمجھتے ہیں

کہ ان اوقات سے باہر اگر پڑھا تو ایسے ہی ہے کہ جیسے مقررہ ٹائم سے ہٹ کر کوئی گولی کھالی تو نقصان دے گی، جب بھی انسان کا دل آمادہ ہوتو دعا پڑھ سکتا ہے، دعا کے لئے، قرآن کے لئے اور عبادت کے لئے آمادگیٔ قلبی ضروری ہے، جب دل حاضر اور آمادہ ہوتو انسان عبادت کرے، قرآن پڑھے، مناجات کرے اور دعائیں پڑھے لیکن دل ہر وقت تو آمادہ نہیں ہوتا ہے، دل کے اور عقل کے لئے یہ احوال ذکر کئے گئے ہیں، جیسے عقل کے لئے ہے کہ عقل کے لئے اِدبار اور اقبال ہے تو اور اسی طرح دل کے لئے بھی ہے۔نہج البلاغہ میں مولا علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

اِنَّ لِلْقُلُوْبِ اِقْبَالًا وَ اِدْبَاراً......(۷)

اقبال یعنی کبھی قلب کچھ سننے کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور کبھی بالکل بیزار ہوتا ہے، ادبار یعنی حاضر نہیں ہے، ہمیشہ دل کی حالت یکساں نہیں ہے۔عموماً فرصت کے لمحات میں انسان کا دل آمادہ ہوتا ہے لیکن جب انسان کا دل آمادہ ہو، اقبال ہو اور اس وقت انسان لہو ولعب میں مشغول ہو جائے اور جب دل تھک جائے، بیزار ہو جائے اور ادبار ہو تو اس وقت اس کو قانع کر کے قرآن کے بارگاہ میں یا عبادت کیلئے بارگاہِ خدا میں لے آئے تو دلِ با ادبار ان چیزوں کو تحمل نہیں کر سکتا ہے لہٰذا اس پر عبادتیں شاق وگراں گرزتی ہیں، جب دل کے اندر اقبال ہو یعنی آمادگی ہو اور چاہتا ہو کہ مجھے یہ چیز اس وقت چاہئے، اسے قانع نہ کرنا پڑے بلکہ وہ خود ہمیں مائل کرے، اکسائے اور اٹھائے کہ اٹھو عبادت کی طرف جاؤ، اسی وقت خواہ نصفِ شب ہو یا نصفِ روز ہو، جو بھی وقت ہو، گاہ و بے گاہ جب بھی دیکھو کہ دل آمادہ ہے تو وہ لمحہ دعا اور مناجات کے لئے مناسب ہے، ان مناجات کے اندر خداوند

تبارک وتعالیٰ سے یہ نقطہ اساسی طلب کیا جاتا ہے کہ

اِلٰھِی ھَبْ لِیْ کَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ......(۸)

میرے خدا مجھے اس طرح کمالِ انقطاع کی توفیق عطا فرما کہ تیری بارگاہ کا ہو جاؤں......

وَیا قُرَّۃَ عَیْنِ مَنْ لاذَ بِکَ وَانْقَطَعَ اِلَیْکَ......(۹)

اے اس کے نورِ چشم جو تیری پناہ میں آتا ہے اور سب سے کٹ کر تیری طرف آتا ہے......

وَلا تَشْغَلْنا عَنْکَ بِغَیْرِکَ......(۱۰)

اور مجھے اپنی ذات سے روگرداں کر کے غیر میں مصروف نہ کر......

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَخْلَصْتُ بِانْقِطَاعِی اِلَیْکَ وَاَقْبَلْتُ بِکُلِّی عَلَیْکَ......(۱۱)

خدایا میں اپنے انقطاع میں مخلص ہوں اور اپنے پورے وجود کے ساتھ تیری طرف آیا ہوں......

انقطاع یعنی میرا تعلق ہر چیز سے توڑ دے، چونکہ میں اہلِ تعلق ہوں، تعلقات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں اور ہر چیز کے ساتھ میرا تعلق ہے۔

۸)لھو و لعب کے معانی

وہ چیز جو انسان کو تعلقات میں مشغول کر دیتی ہیں اس کو قرآن نے الھا کہا ہے، الھا یا لھو، الھا مشغولیت کو کہتے ہیں۔لہو ولعب انسان کو لایعنی کاموں اور تعلقات میں مشغول کر دیتے ہیں۔

بے فائدہ کام اور ایسے کام کہ جن کے اندر عقلائی غرض موجود نہ ہو ان کو لعب کہتے ہیں، لہو ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جو انسان کو مشغول کر لیں یعنی انسان کی توجہ اصلی کاموں سے ہٹا کر اپنی طرف لگا دیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر کوئی مشغولیت ہماری توجہ اصلی کام سے ہٹا دے اور ہمیں اپنی طرف مشغول کر لے تو اسی کو لہو کہتے ہیں۔ لہو مخصوص چیزیں نہیں ہوتی ہیں مثلاً بعض نے لہو کا معنیٰ کھیل کیا ہے، نا، کھیل لہو نہیں ہے، یہ معنیٰ کرنا اشتباہ ہے۔

لہو کو سمجھنے کیلئے فرض کریں کہ کوئی زیارت کے لئے آیا ہے اور اس کا مقصدِ اصلی زیارت کرنا ہے لیکن یہ ایک راستے سے گزرے گا، لوگوں کے درمیان سے گزرے گا، بازار سے گزرے گا، بالآخر انسانی معاشرے سے ہی اس کے تعلقات ہیں کہ جہاں سے گزر کر اس کو زیارت کیلئے جانا ہے لہٰذا راستے میں بہت ساری چیزیں اس کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہیں اور یہ انسان بھی اگر ایسا ہو کہ اپنا اصلی کام چھوڑ کر ان چیزوں میں مشغول ہو جائے تو یہ لہو ہے مثلاً وہ یہاں پر چاول کے سیمپل (Sample) ڈھونڈنا شروع کر دے تو یہ لہو ہے اور لوگ ایسا کرتے بھی ہیں کہ آئے اور دیکھا یہاں بڑی بڑی مارکیٹز (Markets) ہیں اور لوگ چاول بہت کھاتے ہیں اور ہمارے یہاں چاول زیادہ ہوتے ہیں، چاول پیداوار ہوتے ہیں لیکن کھائے یہاں جاتے ہیں، یہ لہو ہے، آپ کس لئے آئے تھے؟ آپ زیارت کے لئے آئے تھے، اصلی کام زیارت تھا لیکن تجارت نے اسکی توجہ زیارت سے ہٹا دی ہے لہٰذا یہ تجارت لہو ہے چونکہ مقصدِ اصلی زیارت تھا۔ یہ کام جو ہماری توجہ اصلی کام سے ہٹاتا ہے ممکن ہے کہ بہت اچھا کام ہو مثلاً بازار میں ہمارا اصلی مقصد کتاب خریدنا تھا لیکن بازار میں ہمیں کوئی

دوست مل گیا، ہم اس دوست کے ساتھ باتیں کرنے میں اس طرح سے مشغول ہو گئے کہ ابھی اصلی کام بھول گئے اور وہ وقت ہم سے ضائع ہو گیا تو یہ دوست کے ساتھ باتیں کرنا لہو ہے، ہر وہ چیز جو انسان کو اصلی مقصود سے دور کر دے لہو ہے۔

سب سے برے تعلق کو قرآن نے الھا اور لہُو کہا ہے۔ جیسے طلابِ حوزۂ علمیہ کا اصلی کام تحصیلِ علوم ہے لہٰذا ہر وہ کام کہ جوان کی توجہ کو تحصیلِ علم سے ہٹا کر کسی اور سمت لگا دے وہ لہو ہے، ضروری نہیں ہے کہ برے کام کو ہی لہو کام کو کہتے ہیں یعنی سٹہ، جوا اور قمار کو لہو کہتے ہیں کہ جو حرام ہیں، لہو کے لئے حرام ہونا ضروری نہیں ہے، جس کام کے لئے خدا نے ہمیں خلق کیا ہے تو جو چیز اس سے ہماری توجہ ہٹا کر کسی اور سمت و جہت میں لگا دے وہی لہو ہے۔

اسی طرح فرض کر لیں کہ کوئی زیارت کے لئے آیا ہے اور اس کا مقصود فقط زیارت ہے لیکن وہ زیارت چھوڑ کر پڑھنا شروع کر دے تو اس کے لئے یہ پڑھنا لہو ہے یعنی اس قید کے ساتھ کہ جب مقصد زیارت کرنا ہو اور زیارت چھوڑ کر وہ پڑھنا شروع کر دے کیونکہ پڑھنے نے اس کی توجہ زیارت سے ہٹا دی ہے مثلاً ایک شخص حرم میں جاتا ہے اور حرم میں اس کا مقصد بارگاہِ معصوم علیہ السلام میں یا ولیٔ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے لیکن اندر جاتا ہے تو وہاں شیشے لگے ہوئے ہیں، سونا لگا ہوا ہے، فانوس لٹکے ہوئے ہیں، قالین بچھے ہوئے ہیں، خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی ہیں اور معماری کے بڑے شاندار نمونے ہیں اور یہ جا کر ان کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اس کی ذرا توجہ نہیں ہوتی ہے کہ میں کس طرف آیا تھا تو یہ لہو ہے چونکہ ان چیزوں نے اس کی توجہ اصلی کام سے ہٹا دی ہے۔

بعض اوقات انسان ایسے مستحب کاموں میں لگ جاتا ہے کہ جو اصلی کام سے توجہ ہٹا دیتے ہیں، مستحباتِ فراواں ہیں، مفاتیح پڑھ کر دیکھیں کہ مستحبات چوبیس گھنٹوں سے زیادہ ہیں یعنی چوبیس گھنٹے اگر ایک ثانیہ شمار کریں تو مستحبات پھر بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور گھنٹے کم ہو جاتے ہیں، پھر یہ مطلب بھی سنا ہوا ہے کہ کسی شخص نے دین کی تبلیغ کی اور غیر مسلمان کو مسلمان کر دیا اور ظاہر ہے کہ جب انسان نیا نیا مسلمان ہوتا ہے تو جذبہ اور شوق و ولولہ بھی زیادہ ہوتا ہے، یہ اسے مسجد میں لے گیا اور کہا کہ میں صبح آؤں گا، میں تمہارے اسلام کا آغاز نمازِ فجر سے کروں گا، نمازِ فجر سے اس کا آغاز ہوا پھر فجر جب تمام ہوئی اور اس نے گھر جانا چاہا تو اس نے کہا کہ نہیں اب مستحباتِ فجر پڑھنے ہیں، مستحباتِ فجر سے فارغ ہوا تو پھر چاشت کا وقت ہوا، اس نے کتاب کھولی اور کہا کہ اب مستحباتِ وقتِ چاشت ہیں ان میں مشغول رہو، وہ چاشت کے مستحبات سے فارغ ہوا تو ظہر قریب تھی، اس نے کہا کہ اب تو زوال کے مستحبات ہیں، زوال کے بعد پھر فرائضِ زوال شروع ہوئے پھر اسکے بعد تعقیباتِ نمازِ ظہر و عصر اور کرتے کرتے اس بیچارے سے مغرب و عشاء و مستحبات بھی ادا کروا ڈالے، آخر میں جب دن بھر کا بھوکا مسجد میں بیٹھا ہوا مستحبات انجام دے رہا تھا تو عشاء کے بعد اس نے کہا کہ جانے دو کھانا کھائیں گے، اس نے کہا کہ نمازِ شب کا وقت ہوا چاہتا ہے، نمازِ شب پڑھ کر جائیں گے، بہر کیف اس نے جب چوبیس گھنٹے اس کو تمام دین مستحبات سمیت کروا دیا تو اس نے کہا کہ یہ دین آپ لوگوں کے لئے بہتر ہے، میرا کام زیادہ ہے، زندگی ہے، بچے ہیں، کاروبار ہے، میرے لئے وہ پہلا دین بہتر ہے چنانچہ وہ دوبارہ غیر مسلم ہو گیا۔

لہو و لعب کے معانی

ہر چیز کیلئے ایک وقت اور حد ہے، انسان کے لئے مستحبات فراواں ہیں لیکن پہلے انسان یہ شناخت کرے کہ مجھے اصلی کام کیا کرنا ہے، بسا اوقات یہی مستحبات اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جیسے امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض اوقات مستحبات فرائض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، جب مستحبات فرائض کی راہ میں مانع بن جائیں تو آپ فرائض پہ توجہ دو نہ کہ مستحبات پر توجہ دو۔ یہ مستحبات جب فرائض کی راہ میں مانع بن جاتے ہیں تو مستحب بھی نہیں رہتے ہیں کیونکہ ان کا حکم بدل جاتا ہے، پہلے اصلی اور بنیادی کام کرو، اس اصلی کام کے بعد اگر وقت بچتا ہے تو پھر مستحب کام بھی کرو، اب ہم دیکھیں کہ ہمارے بہت سارے کام ایسے ہیں کہ چہ بسا مستحب کام ہوں لیکن ہمیں اصلی کام سے روک دیتے ہیں۔

استادِ بزرگوار حضرت آیت اللہ احمدیؒ کہ چند سال پہلے ان کی رحلت ہوگئی ہے، یہ بزرگوار ماہِ رمضان میں شاہراہِ بازار کے قریب رات کو درسِ اخلاق دیا کرتے تھے، رمضان میں اور طلبہ بھی ان کے درس میں شرکت کرتے تھے لیکن وہ طلبہ کو درس سے اٹھا دیتے تھے کہ جاؤ جا کر مطالعہ کرو، آرام کرو، صبح تم نے درس میں جانا ہے، یہ درسِ اخلاق تو میں عوام کے لئے دے رہا ہوں کہ جو اہلِ علم نہیں ہیں، ان بے چاروں کے پاس دین سمجھنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، یہ دروس تمہارے لئے نہیں ہیں بلکہ تم تو ہو ہی طلابِ دین اور تمہارا کام ہی دین پڑھنا ہے لہٰذا ساری رات بیٹھ کر جب درس سنتے رہو گے، ساری رات یہاں اعمال کرتے رہو گے تو صبح اٹھ کر تم کلاس میں کیسے جاؤ گے؟ جبکہ تمہارا اصلی کام درس پڑھنا ہے۔

اب انسان اصلی کام کو تلاش کرے کہ ہم پیدا کس لئے ہوئے ہیں؟ ہمیں خدا نے اس دنیا میں کس لئے بھیجا ہے؟ پھر لہو کی دنیا اور لہو کی فہرست خود ہی مشخص ہو جاتی ہے کہ کون کونسے امور لہو ہیں؟ پھر اپنے آپ کو دیکھیں کہ میں کس میں غرق ہوں؟ آیا لہو میں غرق ہوں یا عبادت میں غرق ہوں، تحصیلِ علم میں مصروف ہوں یا کسی اور کام میں مشغول ہوں، جیسے اشارہ کیا تھا کہ ہمارا اصلی کام قربِ خدا ہے، لقاءِ پروردگار ہے کہ جس کا دوسرا نام تکامل، ارتقاء اور ترقی ہے یعنی نقص سے کمال کی طرف آنا ہے، قربِ خدا خیالی نہیں بلکہ حقیقی چیز ہے کہ ہم نقص سے کمال کی طرف آئیں، ہمارے نقائص ایک ایک کر کے کمالات میں تبدیل ہونا شروع ہو جائیں یہ اصلی کام ہے۔ اس خلقت کا، اس مخلوق کا یا اس زمین کے اندر عالمِ خلقت میں انسان کا اصلی کام یہی قربِ خداوند تبارک وتعالیٰ حاصل کرنا ہے۔ جو چیز ہمیں اس تکامل میں مدد دیتی ہے وہ اصلی کام ہے اور جو اس میں کوئی مدد نہیں دیتی ہے، رکاوٹ بنتی ہے یا ہمیں اپنی طرف مشغول کئے ہوئے ہے اور اس سے تکامل حاصل نہیں ہوتا ہے وہ لہو ہے اور یہی قابلِ مذمت دنیا ہے۔

اسی طرح فرض کریں کہ ایک تاجر کہیں تجارت کی غرض سے آیا ہے لیکن اس نے آ کر دیکھا کہ یہاں پر اور بھی بہت سی سرگرمیاں ہیں اور وہ اپنی تجارت کو بھول کر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے مثلاً یہاں پر کسی جگہ قوالی ہو رہی تھی اور وہ قوالی سننے بیٹھ گیا تو یہ قوالی سننا اس کے لئے لہو ہے یا اس نے دیکھا کہ یہاں سے ایک وفد کسی اچھی شخصیت سے ملاقات کے لئے جا رہا ہے اور یہ تجارت چھوڑ کر ملاقات کرنے چلا جائے تو یہ ملاقات اس کے لئے لہو ہے، کیوں؟ کیونکہ اصلی کام

سے جو کام توجہ ہٹا دے اس کو لہو کہتے ہیں۔

اگر کوئی طالبِ علم حوزۂ علمیہ میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے آیا ہوا ہے لیکن یہاں پر زائرین کو کرایہ خانے کرائے پرلے کر دیتا ہے تو یہ لہو ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کی مشغولیت نے اس کی توجہ اصلی کام سے ہٹالی، یہاں پر تجارت شروع کر دیتا ہے، یہاں پر روابط بڑھانا شروع کر دیتا ہے، یہ لہو ہے، لہو صرف بُرے کام کو نہیں کہتے ہیں بلکہ اگر بذاتاً اچھا کام بھی ہو لیکن اصلی کام سے ہٹا رہا ہو تو یہ لہو ہے۔

فرض کریں کہ آپ کسی کے پاس پیغام پہنچانے کے لئے گئے ہیں لیکن راستے میں آپ کو کسی نے کہا کہ برائے مہربانی سامان اٹھائیں اور میرے گھر تک پہنچا دیں تو یہ بہت اچھا کام ہے لیکن آپ کو اصلی کام سے روک رہا ہے لہٰذا لہو ہے کیونکہ یہ آپ کی بے جا مشغولیت ہے۔ اگر وہ برا کام ہے تو اس کے اندر دو بدیاں موجود ہیں، ایک یہ ہے کہ بُرا ہے، حرام ہے اور دوسرا لہو ہے اور اگر اچھا کام ہے تو اس کے اندر ایک برائی ہے اور وہ یہ کہ یہ لہو ہے کیونکہ اس نے مجھے مشغول کر لیا، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ آپ بچے کو دکان پر بھیجتے ہیں لیکن بالفرض راستے میں کسی گاڑی پنکچر (Puncture) لگایا جا رہا ہے اور وہ وہیں پر تماشا دیکھنے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ حرام کام نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ کام لہو ہے یعنی وہاں پر اس کی مشغولیت لہو ہے۔

اب ہم دیکھیں کہ ہماری زندگیوں میں کتنا لہو ہے؟ لیکن یہ اس وقت چلے گا کہ جب یہ پتہ چلے کہ آیا کوئی اصلی کام بھی ہے یا نہیں؟ یا یہ سارے کام اصلی ہیں؟ انسان کا صرف ایک کام اصلی

ہے،وہ کونسا کام ہے؟ وہ قربِ خدا ہے کہ جس کام کے لئے خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے یعنی مقصدِ خلقت پر عمل۔ خدا نے ہمیں ادھورا و ناقص پیدا کیا ہے، اسفل سافلین میں پیدا کیا ہے، اس نقص سے ہمیں کمال تک پہنچنا ہے، تکامل ورشد وارتقاء ہمارا اصلی کام ہے۔ اب ہمیں بخوبی لہو کی تعریف معلوم ہوگئی ہے کہ لہو کونسی چیزیں ہیں، ہر وہ مشغولیت جو انسان کو تکامل سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لے یعنی ہر وہ کام کہ جس سے ہماری رشد نہ ہوتی ہو، ہمارا ارتقاء نہ ہوتا ہو، ہمارا تکامل نہ ہوتا ہو کہ جس کے باعث ہم قربِ خدا کی طرف نہ جائیں تو یہ سارے کام لہو ہیں، خواہ وہ مطالعہ کرنا ہو، پڑھنا ہو، پڑھانا ہو، جو بھی ہو اگر اس کے ذریعے سے ارتقاء نہیں ہو رہا ہے تو یہ لہو ہے اور اگر ساری زندگی انہی کاموں میں گزر جائے، بڑے اچھے اچھے کام کریں لیکن ارتقاء والے کام نہیں کریں تو ساری زندگی لہو میں بسر کی ہے، تجارت وتعلیم بھی لہو ہو جاتی ہے کہ اگر وہ انسان کو ارتقاء نہ دے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں اس علم سے پناہ مانگی ہے،

أَعُوذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ...... (۱۲)

(اے خدا!) میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو بے فائدہ ہو......

یعنی وہ علم جو نفع نہیں دیتا ہے، ارتقاء نہیں دیتا ہے اس علم سے میں تیری بارگاہ میں پناہ مانگتا ہوں، وہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جس کو حکم ہے کہ کہیں

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًاo (۱۳)

اور (آپؐ) کہہ دیا کریں: پروردگارا! میرے علم میں اضافہ فرما۔

یعنی اے نبی ﷺ اپنے خدا سے اپنے علم کی افضونی کی دعا مانگیں لیکن اسی نبی ﷺ نے علم سے پناہ بھی مانگی لیکن کونسے علم سے؟ جو مجھے رُشد وارتقاء عطا نہ کرلے، جولہو ہے، اسی لئے قرآن نے دلوں کے حالات واقسام میں سے ایک قسم مشغول دل بتائی ہے،

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ...... (۱۴)

قلوبِ مشغول، شاغل دل، مصروف دل یعنی جن کی اپنے اصلی کام کی طرف سرے سے توجہ ہی نہیں ہے کہ ہم پیدا کیوں ہوئے ہیں؟ چونکہ یہ مطالب عام غیر طلبہ بھی پڑھ رہے ہیں اور انہی کے لئے میں ہر مجلس ومحفل میں کہ جہاں مناسبت ہوتی ہے ہمیشہ یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر آدمی اپنے آپ سے ایک سوال کرے کہ جو کچھ میں آج ہوں، جو کچھ میں کر رہا ہوں آیا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا؟ بالآخر ہم میں سے کوئی کچھ نہ کچھ کر رہا ہے، کوئی پڑھ رہا ہے، کوئی پڑھا رہا ہے، کوئی کما رہا ہے، کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے، کوئی ملازمت کر رہا ہے، کوئی تجارت کر رہا ہے بالآخر انسان کسی نہ کسی کام میں مشغول ہے یعنی جس میں زندگی کا اکثر حصہ صرف ہو جاتا ہے، وہ یہ سوچے، گمان کرے، اپنے آپ سے سوال کرے اور اس سوال کا جواب تلاش کرے کہ آیا میں اسی کے لئے پیدا ہوا تھا؟ کیا میرا مقصدِ خلقت یہی ہے؟ کیا خدا نے مجھے اس کام کے لئے پیدا کیا تھا؟ پہلے اپنا اصلی کام تلاش کرے کہ ہمارا اصلی کام کیا ہے؟ اس دنیا میں اصلی کام وہی ہے کہ جس کا لُبِّ لباب قربِ خدا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ٥ (۱۵)

اے انسان! تو مشقت اٹھا کر یقیناً اپنے رب کی طرف جانے والا ہے پھر اس سے ملنے

والا ہے۔

یہی انسان کا اصلی کام ہے یعنی اتنے کمالات اور رشد وارتقاء حاصل کرے کہ لقاء اللہ پہ فائز ہو جائے۔اس سے ہٹ کر ہر کام لہو ہے، مشغولیت وتعلقات انسان کے تعقلات میں مانع ہیں۔دل ان چیزوں کے کنٹرول اور چنگل میں ہے، دل پر ان چیزوں کی کمند ہے اور جب دل ان چیزوں کا اسیر ہو تو دلِ لہوی خدا سے کیا لو لگائے؟

اکثر ہمارے بڑے اچھے کام بھی لہو ہوتے ہیں، فرض کریں کہ ایک شخص خدمتِ خلق میں لگا ہوا ہے، ویلفیئر (Welfare) میں لگا ہوا ہے، مطالعے میں لگا ہوا ہے اور سیاست میں لگا ہوا ہے تو آپ دیکھیں کہ آیا واقعاً اس سے آپ کو ارتقاء وتکامل حاصل ہو رہا ہے یا اس سے بندگانِ خدا کو ارتقاء نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتا ہے تو یہ لہو ہے، یہ پڑھنا بھی لہو ہے اور یہ پڑھانا بھی لہو ہے مثلاً ایک انسان اگر قرآن پڑھتا اور پڑھاتا ہے لیکن لوگوں کو محض محظوظ کرنے کے لئے کرتا ہے تو یہ لہو ہے، یہ محفلِ قرآن بھی لہو ہو جاتی ہے کہ اگر انسان اس سے ارتقاء پیدا نہ کریں، اگر انسان اس سے رشد حاصل نہ کریں، اگر انسان قرآنی ہدایت پر ایک قدم آگے نہ بڑھائیں تو یہ محفل لہو ہے، یہ درس لہو ہے، یہ گفتگو لہو ہے، یہ سارا مشغلہ لہو ہے اور اس میں انسان کی اکثر عمر تلف ہو جاتی ہے۔ایسی چیز جو اس کو ایک قدم آگے نہیں بڑھاتی ہے اور ایک قدم بھی ارتقاء نہیں دیتی ہے وہ لہو ہے۔لہٰذا ایسے لہوی دل رکھنے والے انسانوں کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ......(۱۶)

جس کے دو دن ایک جیسے گزرے جائیں وہ مغبون انسان ہے یعنی نقصان اور خسارے میں ہے، بعض نسخوں میں ہے کہ

مَنْ كَانَ آخِرُ يَوْمِهِ شَرَّهُمَا فَهُوَ مَلْعُوْنٌ...... (۱۷)

یعنی جس کے دن کا اختتام بدترین ہو پس وہ ملعون ہے......

وہ انسان ملعون ہے، محروم ہے کہ جس کے دو دن ایک جیسے گزر جائیں، یہی لہوی انسان ہے۔ قرآن مجید نے ہماری توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرائی ہے کہ حضورِ دل کیسے پیدا ہوتا ہے؟ پہلے تم دل کو تو آزاد کراؤ پھر حضورِ قلب حاصل ہوگا، یہ ادب انسان کو اس وقت حاصل ہوگا کہ پہلے انسِ قرآن کے ساتھ حاضر ہو اور دوم یہ کہ دل کے تعلقات اور مشغولیات کم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں، دل آزاد ہو جائے، دل فقط خدا کے لئے ہو، حرمِ خدا فقط خدا کے لئے ہو، عرشِ خدا فقط خدا کے لئے ہو، انسان اس عرش سے جنوں کو اور شیاطین کو نکالے چونکہ ابھی اس عرش پر شیاطین کا قبضہ ہے۔

۹) قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الھا ھیں؟

قرآن کریم کی فراواں آیات میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کونسی چیزیں الٰہا ہیں؟ کونسی چیزیں دل کو مشغول کرتی ہیں؟ اس سلسلے میں چند آیات ملاحظہ کرتے ہیں پھر مفاتیح الغیب کا متن دیکھتے ہیں، ان میں سے ایک سورۂ مبارکہ تکاثر میں ہے کہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الہا ہیں؟

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ o (۱۸)

تمہیں باہمی مقابلۂ کثرتِ مال واولاد نے غافل بنادیا۔

کثرت طلبی نے تمہیں مشغول کیا ہوا ہے، یہ تمہارا لہو ہے، کثرت طلبی یعنی ضرورت سے بڑھ کر، ہر وہ چیز کہ جس کی قلیل مقدار سے ہماری ضرورت پوری ہو جائے لیکن ہم اس ضرورت سے مازاد کو بھی طلب کر رہے ہیں تو یہ تکاثر ہے، فرض کریں کہ ہمیں کوئی چیز ایک کلو چاہیئے لیکن ہم ایک من خریدیں تو یہ تکاثر ہے، ایک کلو سے آپ کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے لیکن ایک من خریدنا تکاثر ہے، اگر آپ کی ضرورت ایک سو روپے سے پوری ہوتی ہے تو ہزار روپیہ تکاثر ہے، اس وقت انسان ضرورتوں میں نہیں ہے بلکہ تکاثر میں مشغول ہے۔

ہر سال اعلان ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس اعلان سے زشت، برا اور گندا اعلان شاید اور کوئی نہ ہو، وہ اعلان یہ ہوتا ہے کہ اس سال دنیا کے ملینرز (Millionaires) کون ہیں؟ پہلے تو ملینرز ہوتے تھے ابھی بلینرز (Billionaires) کا اعلان ہوتا ہے، پوری دنیا میں ہر سال ایک فہرست کا اعلان ہوتا ہے کہ اس وقت مثلاً سو بڑے بلینرز کون کونسے ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں کہ جو تکاثر میں مشغول ہیں، جتنی پلیدگی اس اعلان کے اندر ہے کہ ان لوگوں کو آپ دنیا کے سامنے آئیڈیل (Ideal) بنا کر پیش کرتے ہو جو تکاثر میں مشغول ہیں یعنی یہ وہ جونکیں ہیں کہ جنہوں نے تمام انسانیت وبشریت کا اپنے وزن سے کہیں زیادہ خون چوس لیا ہے۔ بعض نے اتنا پیسہ جمع کیا ہوا ہے کہ اگر ان کی سو نسلیں بھی بغیر کمائی کے فقط کھاتی رہیں تو ختم نہیں ہوگا لیکن پھر بھی اس تکاثر میں

مشغول ہیں۔ جس کو سو کی ضرورت ہے وہ ہزار کمار ہا ہے، جس کو ہزار کی ضرورت ہے وہ لاکھ کمار ہا ہے اور جس کو لاکھ کی ضرورت ہے وہ کروڑ کمار ہا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس کی ضرورت سو ہے اس کو ایک روپیہ بھی میسر نہیں ہے،

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝

تمہیں باہمی مقابلہ کثرتِ مال واولاد نے غافل بنا دیا۔

ہر چیز میں تکاثر ہے، میری کتابیں اس سے زیادہ ہوں یہ تکاثر ہے یعنی اتنی رکھو کہ جتنی آپ کی ضرورت ہے۔ ہمارے گروہ میں، ہماری حزب میں لوگ زیادہ ہوں، اتنے لوگ رکھو کہ جتنی ضرورت ہیں، اتنا مال کماؤ کہ جتنی آپ کی ضرورت ہے، اتنے وسائل فراہم کرو کہ جتنی آپ کی ضرورت ہے لیکن ضرورت سے زیادہ تکاثر ہے اور تکاثر لہو ہے، قرآن نے فرمایا کہ تکاثر لہو ہے، پھر اسی سورہ کی آیہ ۲ میں فرمایا کہ

حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ۝

یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کرلی۔

اسکا ایک معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ اسی کثرت طلبی میں مشغول رہتے رہتے حتیٰ نوبت قبر تک آگئی اور مر گئے۔ ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ چونکہ عرب زیادہ نسب پر فخر وناز کرتے تھے کہ ہمارے قبیلے میں اتنے لوگ ہیں، ہمارے سردار وہ ہیں اور یہ جاہلیت کا عنصر تقریباً اس وقت بھی ساری دنیا میں موجود ہے، مسلمانوں کے اندر بھی موجود ہے، جو گندا سیاست دان بڑا معروف ڈکیت ہوتا ہے وہ کہتا

ہے کہ یہ ہمارے خاندان سے ہے، ہمیں سن کر شرمندگی ہوتی ہے اور انہیں کہہ کر بھی نہیں ہوتی ہے، عموماً بڑے سیاستدان کہ جن کے نام میڈیا کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں خاندان سے ہیں، یہی عربوں کے اندر تھا، فلاں شاعر ہمارے خاندان سے ہے، فلاں سردار خاندان سے ہے، اِس طرح سے آپس میں بیٹھ کر راتوں کو گپ لگاتے تھے اور تکاثر ذکر کرتے تھے کہ یہ بھی ہمارا ہے، وہ بھی ہمارا ہے، جس طرح ابھی مدرسوں کے طلبہ بیٹھ کر تکاثر ذکر کرتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے مدرسے کا ہے، یہ بھی ہمارے مدرسے کا ہے۔ جب زندہ ختم ہو جاتے ہیں تو مردوں پہ آجاتے ہیں کہ فلاں مُردہ بھی ہمارے خاندان سے ہے۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُO حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَO

تمہیں باہمی مقابلۂ کثرتِ مال واولاد نے غافل بنا دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کرلی۔

یعنی زندوں کو گن گن کے جب ختم ہو جاتے ہیں تو قبریں گننا شروع کر دیتے ہیں، پس ساری زندگیاں اس کے اندر تلف ہو جاتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ خدا سے توجہ ہٹ جاتی ہے یعنی اصلی کام سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ جب انسان کثرت طلبی شروع کر دیتا ہے تو اصلی کام بھول جاتا ہے، سورۂ منافقون میں مومنین کو اسی نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ خیال رکھنا مبادیٰ اس ہلاکت میں نہ پڑ جانا، لہو والھا میں نہ پڑنا۔

سورہ منافقون کی آیہ ۹ میں ہے کہ

قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الہا ہیں؟

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِکُمْ أَمْوَالُکُمْ وَلَا أَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ......

ایمان والوں خبردار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یادِ خدا سے غافل نہ کردے......

لَا تُلْهِکُمْ......

یعنی مشغول نہ کردیں کہ اولاد میں اتنا مشغول ہو جاؤ، بعض اسی طرح سے غرق در اولاد ہیں کہ پہلے خدا خدا کرتے تھے کہ بیٹا دے اور اب بیٹے میں یا اولاد میں اس قدر مشغول ہیں کہ خدا یاد نہیں آتا ہے، پہلے جب بچہ تھا تو اس طرح سے اس میں مشغول تھے، جب بڑا ہوا تو ایک اور طرح سے اس میں مشغول ہوگئے، جب جوان ہوا تو ایک اور طرح سے مشغول ہوگئے، ساری عمر اولاد میں مشغول ہیں،

لَا تُلْهِکُمْ أَمْوَالُکُمْ وَلَا أَوْلَادُکُمْ......

یہ پیسہ، یہ بینک بیلنس (Bank balance)، یہ کارخانے، یہ فیکٹریاں، یہ اٹا ہوا جمع شدہ مال اور یہ سب کچھ تمہارے لئے الھا اور لہو نہ بنیں کہ تم خدا کو بھول جاؤ، اسی آیہ میں ایمان لانے والوں سے فرمایا کہ کون خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِکُمْ أَمْوَالُکُمْ وَلَا أَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَأُولٰئِکَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ o

ایمان والوں خبردار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یادِ خدا سے غافل نہ کردے کہ جو ایسا کرے گا وہ یقیناً خسارے والوں میں شمار ہوگا۔

وہ انسان خسارے میں ہے کہ جو اولاد اور مال میں غرق ہے اور پھنس گیا ہے، آپ توجہ کریں کہ الھا انسان کے ساتھ کیا کرتا ہے، سورۂ جمعہ میں مومنین کو عبادت کا حکم ہے کہ خدا کی طرف آئیں لیکن آخر کس طرح انسان کا دل بارگاہِ خدا میں حاضر ہو، آیت ۹، ۱۰ اور ۱۱ میں ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○

ایمان والو! جب تمہیں جمعے کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو ذکرِ خدا کی طرف دوڑ پڑو اور کاروبار بند کردو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہو۔ پھر جب نماز قائم ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور فضل خدا کو تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد کرو کہ شاید اسی طرح تمہیں نجات حاصل ہو جائے۔ اور اے پیغمبر یہ لوگ جب تجارت یا لہو و لعب کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ خدا کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کھیل اور تجارت سے بہر حال بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

یعنی مشغلے ترک کردو اور جمعے کے دن بارگاہِ خدا میں حاضر ہو جاؤ، لیکن یہی لوگ جو نمازِ جمعہ میں موجود ہوتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت یا اقتداء میں جمعہ ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ہوتا ہے

قرآن کے مطابق کونسی چیزیں الھا ہیں؟

کہ نمازِ جمعہ کے باہر جمعہ بازار لگتا ہے، جہاں یہ چھابڑی فروش آ کر کھڑے ہوتے ہیں اور آوازیں لگا رہے ہوتے ہیں، اسی طرح مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر یہ اپنی بساط بچاتے تھے اور مختلف علاقوں سے آتے تھے، کوئی کھجور بیچ رہا ہے، کوئی پیاز بیچ رہا ہے اور بولیاں لگاتے تھے مثلاً سستا ہو گیا، ختم ہونے والا ہے، دوڑ کر آؤ، جلدی آؤ، بعض ایسے تھے کہ جو نماز کی نیت میں ہوتے تھے لیکن پہلی رکعت میں وہیں سے جمعہ چھوڑ کر کھجوریں خریدنا شروع کر دیتے تھے،

وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَهۡوَا......

تجارت یا کوئی مصروفیت ومشغولیت باہر دیکھتے تھے کہ باہر کوئی شور وغل کر رہا ہے تو یہ جمعہ چھوڑ کر باہر چلے جاتے تھے،

انۡفَضُّوۡا اِلَيۡهَا وَتَرَكُوۡكَ قَآئِمًا......

اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمعے میں تنہا چھوڑ دیتے تھے،

بعض ایسے ہیں جو جمعے میں گاڑی باہر کھڑی کر کے آتے ہیں اور اس میں مثلاً جس کو فارسی میں دُزد گیر کہتے ہیں یعنی سائرن (Siren) بھی لگا کر آتے ہیں، بعد میں کوئی بلی کسی بھی گاڑی سے ٹکرائے اور سائرن بجنا شروع ہو تو جمعے میں سب کے دل دھڑکنا شروع ہو جاتے ہیں، اب اُدھر سے وہ سورۂ جمعہ بھی پڑھنی ضروری ہے اور ادھر سے کوئی توجہ بھی نہیں ہے، ساری توجہ یہ ہے کہ گاڑی کو ہی نہ لے جائیں چونکہ سائرن بج رہا ہے، معلوم نہیں کہ کس کی گاڑی کا سائرن بج رہا ہے، ساری توجہ گاڑی پر ہے پھر کہتا ہے کہ نمازِ جمعہ میں حضورِ قلب نہیں ہوتا ہے، حضورِ قلب کیسے ہو؟ جب دل گاڑیوں کے

اندر مشغول ہے، جب دل اس شور وغوغا کی طرف مشغول ہے۔

موبائل آن (On) کر کے جیب میں ڈالا ہوا ہے، نمازِ جمعہ ہو رہی ہے اور اُدھر سے اس کو وائبریشن (Vibration) پہ لگایا ہوا ہے اور بعض کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا ہے کہ نماز میں اس کو سائلنٹ (Silent) کر دیں یا موبائل ہی آف کر دیں، نہیں بلکہ ضروری کال آنی ہے، تجارتی کال آنی ہے، گھر سے کال آنی ہے اور وہ منتظر ہے، نماز میں بھی ٹیلیفون کا منتظر ہے کہ کب گھنٹی بجتی ہے لہٰذا کس طرح سے حضورِ دل ہو؟ یہ دلِ لہوی، یہ دلِ مشغول، یہ دلِ مرتبط، یہ دلِ متعلق کہ جس کا ہر چیز سے تعلق ہے یہ کس طرح سے حاضر ہو؟ یہ تو نماز سے بھاگتا ہے، اس کو ہم کس طرح قائم رکھیں؟ جب تک یہ لہو ختم نہ ہو، یہ تعلقات ختم نہ ہوں تو ممکن نہیں ہے۔

۱۰)لھو و الھا کے دیگر مصادیق

☆لعب میں مشغول دل

جیسے پہلے اشارہ ہوا تھا کہ قرآن نے فراواں آیات میں دلوں کی مثبت اور منفی حالتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک حالت سورہ مبارکہ انبیاء میں ذکر کی ہے،

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ o مَا یَأۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ o لَاهِیَةً قُلُوۡبُهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَی الَّذِیۡنَ

ظَلَمُوا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُوْنَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَo(۱۹)

لوگوں کے لئے حساب کا وقت آ پہنچا ہے اور وہ ابھی غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں اور کنارہ کشی کئے جا رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نئی یاددہانی نہیں آتی ہے مگر یہ کہ کان لگا کر سن لیتے ہیں اور پھر کھیل تماشے میں لگ جاتے ہیں۔ ان کے دل بالکل مشغول ہو گئے ہیں اور یہ ظالم اسی طرح آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں کہ یہ بھی تو تمہارے ہی طرح کے ایک انسان ہیں، کیا تم دیدہ و دانستہ ان کے جادو کے چکر میں آ رہے ہو۔

☆ لعب میں مشغول دل

یعنی جب قیامت آئے گی تو کچھ غفلت میں ہوں گے اور جو ذکر بھی خدا کی طرف سے اترتا ہے یہ اس کو سنتے ہیں، اس کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ لعب میں مشغول ہوتے ہیں،

وَهُمْ يَلْعَبُوْنَo

یہ کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں،

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ......

ان کے دل لہوی ہیں، لہوی یعنی دلِ مشغول، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم مصروف ہیں، ہم بہت مشغول اور بزی (Busy) ہیں، جب ان سے کہو کہ مسجد میں کیوں نہیں آتے ہو؟ کہتے ہیں کہ کام تھا، عموماً یہی جواب ہوتا ہے، روزہ کیوں نہیں رکھا؟ کہتے ہیں کہ کام تھا، انسان کے یہ کام اتنے زیادہ ہیں کہ اسے ایک لحظے کے لئے بھی فرصت نہیں ہے کہ خدا کی طرف آئے اور یادِ خدا کرے۔ یہ قلوبِ لہوی ہیں یعنی سرگرمیوں میں یا معمولاتِ زندگی میں مشغول ہیں یا اپنے لئے

انہوں نے الگ سے سرگرمیاں بنالی ہیں۔

وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ٥

اور یہ ظالم اسی طرح آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں کہ یہ بھی تو تمہارے ہی طرح کے ایک انسان ہیں کیا تم دیدہ ودانستہ ان کے جادو کے چکر میں آرہے ہو۔

ان لوگوں پہ انبیاءؑ کا، انبیاءؑ کے کلام کا، ادیان کا اور موعظہ وتبلیغ کا اثر کیوں نہیں ہوتا ہے؟ چونکہ ان میں اکثریت کے دل لہوی ہیں، اکثر لوگوں کے دل غرق ہیں، اسی تجارت کے اندر، مال کے اندر، تکاثر کے اندر، جہاں طلبی کے اندر، خودخواہی کے اندر اور خودغرضی کے اندر مشغول ہیں، یہ دل کس طرح سے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں؟ کس طرح سے یہ دل حضور کے ساتھ قرآن پڑھیں؟ دل مرکزِ نزولِ قرآن و مرکزِ فہمِ قرآن ہیں، قلبِ لہوی تو ہرگز قرآن فہمی کے قابل نہیں ہے، یہ سب سے بڑا مانع اور رکاوٹ ہے۔

☆کھانے پینے میں مشغول دل

☆کھانے پینے میں مشغول دل

دل قرآن پڑھتے ہوئے کیوں حاضر نہیں ہوتے ہیں؟ نماز میں اور مطالعے کے اندر حضورِ قلب کیوں نہیں ہے؟ سورۂ حجر میں فرمایا کہ

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ٥ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ

الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ٥ (٢٠)

ایک دن آنے والا ہے جب کفار بھی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کھائیں، پیئیں اور مزے اڑائیں اور امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رہیں عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

بعض اوقات ان کافروں کو یہ گمان گزرتا ہے کہ اے کاش یہ بھی مسلمان ہوتے، جب مسلمانوں کے پاس کوئی نعمت دیکھتے ہیں یا مسلمانوں کی مثبت حالت کو دیکھتے ہیں تو بھی بسا اوقات ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے، جس طرح یہی دنیا دار لوگ جب کبھی کسی ایک دینی شخصیت، کسی اچھے انسان کو دیکھتے ہیں تو کبھی کبھار ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اے کاش ہم بھی ایسے ہوتے، ہم بھی متدین ہوتے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند نے فرمایا کہ آپ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، اور یہ لوگ کیا کریں؟

يَأْكُلُوا......

کھاتے پیتے رہیں، ان کو چرنے دو، یہ چرنے کے لئے آئے ہیں۔

☆لذتوں میں مشغول دل

سورۂ حجر کی اسی آیہ میں مزید فرمایا کہ

وَيَتَمَتَّعُوا......

ان کولذتیں اٹھانے دو، ان کا مقصد زندگی میں فقط لذتیں اٹھانا ہے،

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

بعض کا فلسفۂ زندگی لذت ہے، بہت قدیم زمانے میں ایک گریک (Greek) حکیم نے یہ تفسیر کی تھی کہ انسان کی زندگی کا اصلی فلسفہ وحکمتِ انسان لذت ہے کہ جس کو آج بھی اپیکوریانزم (Epicureanism) کہتے ہیں، اپیکورس نے زندگی کی لذت کو مقصدِ خلقتِ انسان قرار دیا تھا، اس کے بعد پھر بعض دوسرے مغربی آئے اور انہوں نے بھی اسی نظریے کو اپنے اپنے انداز سے پیش کیا کہ زندگی کا مقصد فقط لذت حاصل کرنا ہے، قرآن نے بہت پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ ان مغربیوں میں بعض ہیں کہ جن کی اپنی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ لذت محسوس کریں۔

☆لذتوں میں مشغول دل

انسان کی فراواں خواہشات وشہوات ہیں اور اگر خواہشات وشہوات کو کوئی بھڑکا دے اور اُبھار دے تو ان میں ایک ہیجان آجاتا ہے، جیسے مخصوصاً مغربی کلچر ایسا بھڑکیلا ہے کہ اس کلچر اور تہذیب کا ہدف فقط شہوات ہیں، یہ شہوانی تہذیب ہے، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے مغربی تہذیب کا نام شہوانی تہذیب تجویز کیا ہے، بعض بزرگوں کے بقول ان کی آدھی انڈسٹری (Industry) شہوات بھڑکانے کا سامان پیدا کرتی ہے اور آدھی انڈسٹری بھڑکی ہوئی شہوات کی تسکین کا سامان پیدا کرتی ہیں، میڈیا (Media)، انٹرنیٹ (Internet) مختلف چیزیں اور در و دیوار انسان کے اندسوئی ہوئی خواہشات، مری ہوئی خواہشات اور شہوات کو ابھارنے میں مشغول ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے معاشرے کے انسانوں کے اندر خواہشات کا ایک طوفان مچا ہوا ہوتا ہے حتیٰ اس وقت دیکھیں کہ

چھوٹے چھوٹے بچوں، نابالغ بچوں کے اندر وہ خواہشات پیدا ہوتی ہیں کہ جو کسی زمانے میں بہت بالغ لوگوں کے اندر بھی پیدا نہیں ہوتی تھیں، یہ تہذیب اور ماحول کی وجہ سے ہوا ہے اور اس کے پیچھے اپیکورس کا وہی نظریہ کارفرما ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، یہ کیا کریں؟ یہ چرتے رہیں، کھاتے پیتے رہیں اور لذت اٹھاتے رہیں۔

☆آرزوؤں میں مشغول دل

اسی آیہ کے اگلے حصے میں فرمایا کہ

وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ......

اور ان کو اپنی آرزوئیں مشغول رکھیں، تجارت، مال، اولاد، بیع اور لہو کی فہرست میں قرآن نے ایک اور چیز کا اضافہ کر دیا کہ جس میں انسان مشغول رہتا ہے اور یہ امل خالصتاً قلبی و ذہنی مشغولیت ہے، امل یعنی آرزوئیں، وہی نکتہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ دو چیزوں کا خطرہ ہے،

اِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيَ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْأَمَلِ......(۲۱)

میں اپنی اُمّت کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز کا خوف رکھتا ہوں وہ ہوائے نفس کی پیروی اور لمبی امیدیں رکھنا ہے......

لمبی آرزوؤں کو اگر عام زبان میں استعمال کریں تو کہیں گے کہ شیخ چلی کے

منصوبے۔ ملانصیر الدین کی طرح شیخ چلی بھی فرضی شخصیت ہے، اگر اس کی وضاحت کروں تو آپ کہیں گے کہ ہم نے تو ایسے بہت دیکھیں ہیں جو ابھی بھی موجود ہیں، شیخ چلی ایک تخیلاتی انسان تھا، خیالی منصوبے اور خیالی پلاؤ بناتا تھا اور خیالی لمبی آرزوئیں بنا کر اسی میں مصروف رہتا تھا، اس کا انڈوں کا کاروبار تھا یعنی انڈے خریدتا تھا اور بیچتا تھا، ایک دن اس نے ایک لمبا کاروباری منصوبہ بنایا کہ آج میں انڈے بیچتا ہوں تو کل میرا یہ بزنس (Business) بڑھے گا اور چمکے گا، پھر میں مزید مرغیاں خریدوں گا، پھر وہ اور زیادہ چمکے گا اور پھر میں اس کے بعد بکریاں خریدوں گا اور بکریوں کا فارم جب بہت بڑھے گا تو پھر میں گائیں خریدوں گا اور پھر اس طرح کرتے کرتے انڈسٹری لگاؤں گا اور اس کے بعد میں بڑا مالدار اور سرمایہ دار انسان بن جاؤں گا اور جب بہت زیادہ سرمایہ میرے پاس ہوگا تو اس وقت میں بادشاہ کی لڑکی سے شادی کروں گا، وہ میرا سرمایہ دیکھ کر مجھے رشتہ دے دے گا چونکہ بادشاہ ایسے ہوتے ہیں کہ جو لالچی ہوتے ہیں، کہا کہ پھر وہ شہزادی میرے گھر میں آجائے گی اور جب میں دن بھر اپنی انڈسٹری (Industry) سے تھکا ہوا اپنے گھر آؤں گا اور آکر اس سے پوچھوں گا کہ کھانا پکایا ہے یا نہیں پکایا ہے تو وہ بھی تو معمولی نہیں ہے، وہ بھی شاہ کی بیٹی ہے اور شہزادی ہے، وہ کب میرے لئے کھانا پکائے گی اور اس بات پہ کہ اس نے کھانا نہیں پکایا میں غصے میں آجاؤں گا اور غصے میں آکر اسے لات ماروں گا، جب اس نے زور سے لات ماری تو وہ انڈوں کی ٹوکری وہیں الٹ گئی، اس کو کہتے ہیں شیخ چلی۔

اب غور کریں کہ کتنے لوگ شیخ چلی ہیں؟ شادی نہیں کی اور انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں،

☆ آرزوؤں میں مشغول دل

شادی کیوں نہیں کرتا؟ کیونکہ ابھی اس انتظار میں ہے کہ میرا اقامہ لگے گا، اقامہ لگنے کے بعد پھر میں پڑھوں گا، پھر اس کے بعد ایک بہت بڑا خطیب بنوں گا، پھر میری شہرت ہوگی اور میری سی ڈیز بکیں گی، پھر میرے چرچے ہوں گے، پھر مجھے لوگ آفر کریں گے اور میں بہت بڑے آیت اللہ کی بیٹی سے شادی کروں گا، پھر اس کے بعد میں تقریر کر کے تھکا ہوا گھر میں آؤں گا اور کھانا مانگوں گا، پھر وہ کھانا نہیں پکائے گی تو میں اس کو لات ماروں گا، اس کے بعد ٹوکرا وہیں پر الٹ جاتا ہے اور اگلے مہینے کہتا ہے کہ چلو چلتے ہیں، تھک گئے ہیں لیکن اقامہ نہیں ملا۔ یہی شیخ چلی ہے۔

اسی طرح آپ دیکھ لیں کہ عملی دنیا میں بھی لوگ ایسے ہی ہیں، آرزوؤں کیلئے فرائض ترک کئے ہوئے ہیں، بیٹا یورپ و امریکا جائے گا اور وہاں سے ڈگری لے کر آئے گا تو پھر اس کی شادی کریں گے۔ پاکستان میں ایک اسکول ہے اور دنیا بھر میں اس اسکول کی برانچز (Branches) ہیں کہ جہاں پر یہ بات شرم آور بھی ہے کہ جوں ہی بچے کا نطفہ منعقد ہوتا ہے تو اسی وقت اسکول میں اس کا ایڈمیشن (Admission) کرانا ہوتا ہے کیونکہ ولادت کے بعد جگہ نہیں ملے گی یعنی ابھی بچے کا نطفہ منعقد ہوا ہے اور آپ اسکول میں جا کر اس کا نام لکھوائیں کہ یہ بچہ جب پیدا ہوگا اور پیدا ہونے کے بعد پانچ سال کا ہوگا تو پھر اس اسکول میں آکر پڑھے گا اور لوگ پچیس ہزار ایڈوانس دے کر اس کا اسکول میں نام لکھواتے ہیں، یہ شیخ چلی کے منصوبے ہیں، پھر بیٹا پیدا ہوتا ہے، پڑھتا ہے، پھر یورپ میں جاتا ہے اور ماں اِدھر لڑکی ڈھونڈ کے رکھتی ہے اور جب وہ پڑھ لکھ کر نوکری کر کے واپس آتا ہے تو ساتھ بیوی اور پانچ چھے بچے بھی لے کر آتا ہے، شیخ چلی کا منصوبہ وہیں پر ناکارہ

ہو جاتا ہے۔

لوگوں نے انہی آرزؤں کے اندر زندگیاں ترک اور ضائع کردی ہیں، خیالی اور من گھڑت پلاؤ پکاتے ہیں، بعض رہتے ہی خیال کی دنیا میں ہیں، حقائق کی دنیا میں نہیں آتے ہیں چونکہ خیالی دنیا میں بہت لذت ہے، خیالی دنیا میں انسان عالمِ خیالات کا فرماں روا ہوتا ہے چونکہ ساری اپنی بنائی ہوئی صورتیں ہیں لہٰذا ان کا حاکم ہوتا ہے اور ان صورتوں کو جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے، آرزوئیں ایسے ہی بنتی ہیں اور ایسے ہی ٹوٹ بھی جاتی ہیں،

وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ......

ان کو آرزوئیں مشغول رکھیں، آرزو پسند و آرزو زدہ انسان عبادت میں کبھی بھی حضورِ قلب پیدا نہیں کرسکتا ہے، قرآن کو توجہ سے نہیں پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کا دل مشغول ہے۔

☆ آرزوؤں میں مشغول دل

سورہ لقمان کی آیہ ۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ٥

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو مہمل باتوں کو خریدتا ہے تا کہ ان کے ذریعے بغیر سمجھے بوجھے لوگوں کو راہِ خدا سے گمراہ کرے اور آیاتِ الٰہیہ کا مذاق اڑائے، درحقیقت ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو باقاعدہ خریدتے ہیں، کسب کرتے ہیں، حاصل کرتے ہیں لیکن کیا

چیز؟

لَهْوَ الْحَدِيْثِ......

یعنی مشغول کن باتیں، ایسی باتیں جو لوگوں کو مشغول کریں، یہ جو یہاں پر تقریریں تیار کرتے ہیں اور نعرے کیلئے چٹکلے نکتے بناتے رہتے ہیں، بیٹھ کر کاپیوں کی کاپیاں بھرتے ہیں، انہی میں سے ایک کہ جنہوں نے تقریروں کی کاپیاں تیار کی ہوئی تھیں ان کو بارڈر (Border) پہ پولیس نے پکڑ لیا کہ آپ کے پاس کتابیں زیادہ ہیں تو انہوں نے کاپی اٹھا کر کہا کہ باقی لے لو یہ کاپی ہم سے نہیں لینا، پولیس والے نے بھی مذاق کیا اور کہا کہ ہمیں یہ کاپی ہی چاہیئے کہ جو آپ کے پاس ہے، چونکہ اس کی ساری زندگی کا سرمایہ تھا، اس کے اندر نکتے لکھے ہوئے تھے، اس کے اندر تقریریں سن کر، کیسٹیں سن کر، اِدھر اُدھر ذاکروں کی اور خطیبوں کی سُن کر نکتے جمع کیۓ ہوئے تھے، پولیس نے کہا کہ ان سارے نکتوں کا کیا کریں گے، چٹکلے کیوں لکھے ہوئے ہیں؟ کہا کہ یہ مجلس میں پڑھیں گے، مومنین نعرے لگائیں گے، یہ لہوالحدیث ہے، خود ہدایت پاؤ تا کہ کسی کی ہدایت کرسکو، بارگاہِ خدا میں خود حاضر رہو تا کہ کسی اور کو بھی حاضر کرسکو، جب ہم خود ہی غیر حاضر ہیں تو ہم کسی کو کیا عبادت کا مزہ چکھا سکتے ہیں، ہمارے کہنے پر کس کو عبادت میں کیا لذت آئے گی، جب ہم خود تمتّع میں مشغول ہیں، لذتیں اٹھانے میں مشغول ہیں، ذہنی لذتیں اٹھانے میں مشغول ہیں۔

پس دیکھیں کہ قرآن نے کتنی چیزوں کو الھا کہا ہے؟

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ٥

تمہیں باہمی مقابلۂ کثرتِ مال واولاد نے غافل بنادیا۔

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیَاةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ......(۲۲)

یادرکھو کہ زندگی دنیا صرف ایک کھیل، تماشہ، آرائش، باہمی تفاخر اور اموال و اولاد کی کثرت کا مقابلہ ہےاور بس......

یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ أَمْوَالُکُمْ وَلَا أَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ٥

اے ایمان والوں خبر دار تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یادِ خدا سے غافل نہ کردے کہ جوایسا کرے گا وہ یقیناً خسارہ والوں میں شمار ہوگا۔

تکاثر الھا ہے، اولاد الھا ہے، اموال الھا ہیں، تجارت الھا ہے، بیع الھا ہے، آرزوئیں الھا ہیں، ہمارے دل سخت مشغول ہیں اور پھر ان دلوں کے سامنے رمضان آجاتا ہے، اب رمضان میں ذرا مسجد میں بھی جانا ہے لیکن مسجد میں دل حاضر نہیں ہورہا ہے، آخر کیسے ہوگا؟ آپ نے اس کو مسجد میں پھنسادیا ہے، یہ تو فوراً کہتا ہے کہ جاؤ ڈرامہ دیکھو، جاؤ جا کرٹی وی دیکھو، گپ شپ لگاؤ۔

پس جب تک اسبابِ حضور نہ ہوں تو دل کا حضور ممکن نہیں ہے اور تینوں میدانوں کے اندر یعنی عبادت کے اندر، مطالعہ کے اندر اور قرآن پڑھتے ہوئے فہم کے لئے اس دل کو آزاد کرائیں، مشغولیتوں سے آزاد کرائیں اور عبادت، قرآن اور علم کے ساتھ انس پیدا کرائیں، دلِ مانوس

درحقیقت حضور چاہتا ہے، جہاں انس نہ ہو تو حضور اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

۱۱) دنیا کسے کہتے ہیں؟

سورۂ عنکبوت، سورۂ محمدؐ اور سورۂ انعام میں دنیا کی تعریف کی گئی ہے یعنی دنیا کو پہچنوایا گیا ہے کہ دنیا کس کو کہتے ہیں؟ اور لوگوں کے پاس دنیا کا بہت ہی مبہم مفہوم ہے، بعض سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد زندگی ہے، بعض سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد معیشت ہے، بعض سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد یہ عالمِ مادہ ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی فہم کے مطابق دنیا کی تفسیر کی ہے درحالیکہ قرآن نے بقدرِ کافی واضح طور پر دنیا کو متعارف کروایا ہے کہ دنیا کیا ہے؟ دنیا کی تعریف کی ہے، تعریف سے مراد اُردو والی تعریف نہیں ہے، اردو میں تعریف سراہنے کو کہتے ہیں، تعریف یعنی ڈیفنیشن (Definition) کی ہے، قرآن نے دنیا کی وضاحت و تفسیر کی ہے، اسے کھول کر بیان کیا ہے کہ وہ دنیا جس کی مذمت کی گئی ہے کونسی دنیا ہے؟ البتہ اس سلسلے میں بہت ساری آیات ہیں،

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝(۶۴)

اور یہ زندگانیٔ دنیا ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں ہے اور آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی کا مرکز ہے اگر یہ لوگ کچھ جانتے اور سمجھتے ہوں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا

يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ٥ (٣٦)

یہ زندگانی دنیا تو صرف ایک کھیل تماشہ ہے اور اگر تم نے ایمان اور تقویٰ اختیار کرلیا تو خدا تمہیں مکمل اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (٢٥)

اور یہ زندگانی دنیا صرف کھیل تماشہ ہے، اور دار آخرت صاحبانِ تقویٰ کے لئے سب سے بہتر ہے۔کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے۔

دنیا کس چیز کا نام ہے؟ کیا گھر کو دنیا کہتے ہیں؟ مال کو دنیا کہتے ہیں؟ وسائلِ زندگی کو دنیا کہتے ہیں؟ معیشت کو دنیا کہتے ہیں؟ نا، یہ دنیا نہیں ہے، دنیا لہو ولعب ہے یعنی یہ تمہای مشغولیتیں، یہ تمہارے تعلقات دنیا ہیں، جن چیزوں کے تم اسیر ہو مثلاً انگوٹھی دنیا نہیں ہے بلکہ انگوٹھی سے تمہارا تعلق دنیا ہے۔

دنیا کسے کہتے ہیں؟

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ٥ (٢٦)

لوگوں کے لئے خواہشاتِ دنیا، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، تندرست گھوڑے یا چوپائے، کھیتیاں، سب مزیّن اور آراستہ کردی گئی ہیں کہ یہی متاعِ دنیا ہے اور اللہ کے پاس بہترین

انجام ہے۔

اموال دنیا نہیں ہیں بلکہ حبِّ اموال دنیا ہے، عورتیں دنیا نہیں ہیں بلکہ عورتوں کے ساتھ شہوانی حب دنیا ہے، اولاد دنیا نہیں ہیں بلکہ اولاد میں مشغولیت دنیا ہے، گھر دنیا نہیں ہے بلکہ گھر سے انسان کا تعلق دنیا ہے۔ ہمارے لئے گھر کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں، اگر گھر مہم ہوں تو اتنے سارے گھر بنے ہوئے ہیں پھر ہمیں الحمدللہ کہنا چاہئے اور خوش رہنا چاہئے لیکن ہمیں گھر نہیں چاہئے بلکہ گھر کے ساتھ تعلق چاہئے مثلاً بعض کو گاڑی کا شوق ہے، گاڑی کا شوق ہے تو روڈ پہ کھڑے ہو جائیں آپ کے سامنے سے ایک ہی وقت میں کئی گاڑیاں گزریں گی اور اپنا شوق پورا کرلیں، پیسے سے محبت ہے تو بینک میں جائیں اور پیسہ دیکھیں کہ لوگ پیسہ جمع کرا رہے ہیں اور نکال رہے ہیں لیکن ہمیں اس پیسے سے غرض نہیں ہے، ہمیں کس پیسے سے غرض ہے؟ جو ہمارا ہو یعنی تعلق۔ پیسہ نہیں تعلق چاہئے، گاڑی نہیں تعلق چاہئے، گھر نہیں تعلق چاہئے، یہ سارے تعلقات دنیا ہیں، لہو ہیں۔

حیاتِ دنیا یعنی ایسی ثانوی، فرعی اور غیر اصلی مصروفیتیں اور مشغولتیں کہ جن کی وجہ سے انسان اصلی کام یعنی جس کام کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیتا ہے۔ سارا مشغلہ دنیا کو اپنا بنانے میں ہے، یہ بھی میری ہو جائے، وہ بھی میری ہو جائے، جس طرح کبھی انسان تھک جاتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی پارک میں جا کر تھوڑی دیر بیٹھے اور دل بہلا کر واپس آ جائے تو وہاں تو نہیں کہتا ہے کہ یہ درخت بھی میرا ہونا چاہئے، یہ پودا بھی میرا ہونا چاہئے، یہ پائپ بھی میرا ہونا چاہئے اور یہ دروازہ بھی میرا ہونا چاہئے، نا، بلکہ وہاں کہتا ہے کہ یہ پارک ہے اور سب کا ہے، کچھ دیر کے لئے آؤ، دل

بہلاؤ اور چلے جاؤ۔ یہ دنیا بھی اسی طرح سے ہے۔ اگر یہ ساری چیزیں کہ جو ہمیں اچھی لگتی ہیں تو جا کر صرف دیکھ لیں، شوروم میں کھڑی ہوئی گاڑی جا کر دیکھ لیں تو کہتے ہیں کہ نہیں یہ میری ہونی چاہیئے، یہ تعلق لہو ہے اور یہی دنیا ہے۔ انسان اسی کے اندر غرق ہے اور یہی مانع از حضور ہے۔

۱۲) دنیا کی کشش، حربۂ شیطان

قرآن مجید نے بہت سارے امور کو لہو قرار دیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ یہاں سے اپنی جان چھڑاؤ، ان مہلکوں سے اپنے آپ کو نجات دو، اگر چاہتے ہو کہ حضورِ دل کے ساتھ قرآن پڑھنا ہے، نماز پڑھنا ہے اور مطالعہ کرنا ہے تو اس کے لئے آپ کو لغویات ولہویات سے باہر نکلنا ہوگا یعنی وہ ثانوی چیزیں کہ جنہوں نے ہماری توجہ ہمارے اصلی کام سے ہٹادی ہے چونکہ ان کی کشش بھی بہت ہوتی ہے، جن چیزوں کے اندر فائدہ نہیں ہے یا جو ہمارا مقصود نہیں ہے وہ پرکشش چیزیں ہیں اور مقصود خشک ہے، مقصود کی طرف بسا اوقات ایک کٹھن راستہ درپیش ہوتا ہے مثلاً زائرین جب زیارت کے لئے پاکستان سے یہاں آتے ہیں تو تفتان سے لے کر قم تک بے آب و گیاہ صحرا اور خشک راستہ ہے اور اس کے بجائے اگر فرض کریں کہ تفتان نہ آئیں بلکہ پاکستان میں سرسبز مقامات پر چلے جائیں تو راستے بڑے خوبصورت ہیں، وہاں پر ہریالی ہے، سبزہ ہے اور واقعاً خوبصورت علاقے موجود ہیں، پرکشش بھی ہیں لیکن ان پرکشش راستوں پر کسی معصوم علیہ السلام کی زیارت نہیں ہے مثلاً آپ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں چلے جائیں کہ جو بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے لیکن وہاں پر کوئی

زیارت نہیں ہے۔

زیارت جس طرف ہے وہ صحرائی اور خشک راستہ ہے جو بیابان سے گزرتا ہے، تو جو انسان فقط سبزوں کو دیکھ کر اور پرکشش راستوں کو دیکھ کر اپنا راستہ انتخاب کرتے ہیں تو وہ کشش دیکھ کر ثانوی راستوں پر چل پڑتے ہیں؛ کہ جہاں ان کا مقصود نہیں ہوتا ہے، جیسے سیر و تفریح کرنے والے جاتے ہیں درحالیکہ جدھر ہمارا مقصود ہے وہاں پر۔ بے شک صحرا ہے اور خشک راستہ ہے لیکن اس سے گزرنا ضروری ہے چونکہ ہمارا مقصود وہاں پر رکھا ہوا ہے، لیکن ثانوی چیزیں ہماری توجہ اپنی طرف کیوں کھینچتی ہیں؟ چونکہ ان کے اندر کشش زیادہ ہے اور یہی حربۂ شیطان ہے، شیطان نے قسم کھا کے خدا سے کہا تھا کہ

لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۲۷)

ان بندوں کے لئے زمین میں ساز و سامان آراستہ کروں گا اور سب کو اکھٹا گمراہ کروں گا۔

یعنی زمین میں جو کچھ ہے میں ان کے لئے زینت بنا کر پیش کروں گا، اس کے اندر جاذبہ اور کشش پیش کروں گا، ان کے سامنے دنیا کو سجا کر پیش کروں گا اور یہ انسان بھی تو ایسے نہیں ہیں کہ جو اپنے مقصد کے اتنے متوالے ہوں کہ مقصد کو کبھی ترک نہ کریں، نہیں، یہ کشش دیکھ کر کشش کے پیچھے کھنچے چلے جاتے ہیں لہٰذا شیطان کا یہ آسان طریقہ ہمارے لئے کافی ہے کہ لہو میں مبتلا کرنے کیلئے کہ ہمارے راستے میں کچھ چیزیں سجا کر رکھ دے۔

جس طرح چھوٹے بچوں کو جب اسکول بھیجتے ہیں تو بعض کارٹون جو بچوں کی کہانیوں

دنیا کی کشش، حربۂ شیطان

میں بنائے جاتے ہیں وہ اسکول کے راستے میں رکھے ہوتے ہیں، ان کے اندر یہی کشش ہوتی ہے لہٰذا بچے راستے میں ہی رک جاتے ہیں مثلاً ایک کارٹون ہے جو شاید سب نے دیکھا ہوگا اور نہیں دیکھا ہے تو ضرور دیکھیں، یہ بچوں کے لئے ہے لیکن بڑے بھی ضرور دیکھیں، پنوکیو (Pinocchio) کے نام سے ہے اور بہت ہی بامعنیٰ کارٹون ہے، اب یہ ضمنی مطلب ہے اور میں اس لئے عرض کررہاہوں چونکہ یہ خوب ہے، بے شک پنوکیو کی بچوں کے لئے لکھی ہوئی کتاب بھی ملتی ہے اس میں کارٹون بھی بنا ہوا ہے، کہانی پڑھ لیں یا جو بھی آپ کو جاذب لگے لیکن ضرور مطالعہ کریں، میں اس کا پسِ منظر بتادوں کہ پنوکیو ہے کیا چیز؟ ایسی چیزیں فلمی دنیا میں یا کارٹون میں بہت کم بناتے ہیں یا عموماً ورغلانے کے لئے اور مشغول کرنے کے لئے کرتے ہیں لیکن اس جیسی داستانیں بنانے والے بہت کم لوگ ہیں کہ جن کے ذہنوں کو خدا نے اتنی توفیق دی ہوئی ہے کہ بچوں کے لئے ایسی ہی بامعنیٰ کہانیاں لکھیں۔

پنوکیو (Pinocchio) ایک انسان کی کہانی ہے، بالکل ایسی کہ جیسے میری اور آپ کی کہانی ہے، اس میں ایک نجّار ہے اور یہ بڑھئی بچے کی شکل کا ایک لکڑی کا مجسمہ بناتا ہے کہ جس طرح بچوں کے کھیلنے کیلئے بناتے ہیں، یہ نجار خود بے اولاد تھا اور لکڑی کا مجسمہ بنا کر اس نے آرزو کی کہ اے کاش میرا بھی کوئی بچہ ہوتا، ظاہر ہے کہ بوڑھا تھا اور بچے کی طرف اس کی توجہ بھی نہیں تھی تو اس مجسمے کو دیکھ کر وہ یہ کہتا تھا کہ اے کاش یہی میرا بچہ ہوتا، یہی میری اولاد ہوتا، بہر کیف پھر اس میں ایک اتفاق ہوتا ہے، کوئی ستارہ آتا ہے کہ جو کئی سو سال بعد طلوع کرتا ہے اور اس وقت انسان جو آرزو کرے وہ

پوری ہوتی ہے تو اس نے یہی آرزو کی اور اس لکڑی کے مجسمہ میں آہستہ آہستہ حیات آ گئی، پورا انسان نہیں بنا لیکن اس میں شعور آ گیا اور اس نے چلنا شروع کر دیا تھا، وہ ابھی لکڑی کا ہی تھا، یہ انسان کی کہانی ہے کہ انسان جب پیدا ہونا شروع ہوتا ہے تو وہ انسان نہیں ہوتا ہے بلکہ بے جان ہوتا ہے اور اس کو انسان بننا پڑتا ہے، بہر کیف اس کی آرزو پوری ہوتی ہے اور اس لکڑی کے مجسمے کے اندر حرکت اور تھوڑا شعور آ جاتا ہے لیکن ساتھ یہ شرط رکھ دی جاتی ہے کہ اگر اس بچے نے عمر بھر میں کوئی گناہ نہ کیا اور کوئی معصیت نہیں کی تو آہستہ آہستہ یہ پورا انسان بن جائے گا لیکن اگر اس نے جھوٹ بولا، خیانت کی، چوری کی اور اس طرح کی کوئی غلطی کی تو اس صورت میں اس کو سزا ملے گی از جملہ ایک سزا جو اس کو ملتی تھی وہ یہ تھی کہ جب وہ جھوٹ بولتا تھا تو اس کی ناک لمبی ہو جاتی تھی جبکہ اس کو کہا گیا تھا کہ جھوٹ نہیں بولنا۔

اس کہانی کے اندر تین اور کیریکٹرز (Characters) بھی پنوکیو کے ساتھ موجود ہیں، ایک پری ہے کہ اسے فرشتہ یا ضمیر کہہ لیں اور دو اور قوتیں ہیں کہ ان میں سے ایک لومڑی اور ایک بھیڑیا ہے، ظاہراً لومڑی، بھیڑیا اور ایک پری پنوکیو کی زندگی میں ساتھ ساتھ ہیں، لومڑی اور بھیڑیا اس کو غلط کاموں پہ اکساتے ہیں مثلاً گھر سے نکلتا ہے تو وہ اس کو ورغلاتے ہیں، بہکاتے ہیں اور اس سے برے کام کرواتے ہیں اور فرشتہ جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہے مثلاً یہ اس کا ضمیر ہے کہ جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور ایک جانور کی شکل میں ہے تو یہ اس کو جگہ جگہ ٹوکتا ہے لیکن یہ ضمیر کی آواز کم سنتا ہے اور لومڑی اور بھیڑیئے کی آواز زیادہ سنتا ہے اور اکثر مشکلات کا شکار ہوتا ہے، جب مشکلات

میں جا پڑتا ہے تو پھر فرشتہ آتا ہے اور آکر اس کی مشکل کو حل کرتا ہے مثلاً اس کی ناک بڑھتے بڑھتے بہت دراز ہو جاتی ہے تو یہ روتا ہے پھر فرشتہ اس کی مدد کو آتا ہے کہ اب توبہ کرو کہ جھوٹ نہیں بولو گے اور پھر اس سے عہد لیتا ہے، پھر ناک اپنی جگہ پر آجاتی ہے، بہر کیف اس طرح کرتے کرتے جب اس کے اندر وہ تمام انسانی خصائل وصفات کہ جو فرشتے اور ضمیر کی مدد سے پیدا ہوتی ہیں ان کی وجہ سے یہ ناگہاں گوشت و پوست والا مکمل انسان بن جاتا ہے۔

یہ عام انسان کی یعنی میری اور آپ کی داستان ہے کہ جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہمیں بھی مکمل انسان بننے کے لئے یہی مشکلات درپیش ہیں یعنی ہر انسان پنوکیو ہے، ہر انسان انسانِ کامل نہیں ہے، انسان بننے کی صلاحیت واستعداد ہے لیکن اس استعداد سے انسان بننے کے لئے شرط ہے، شرط یہ ہے کہ اس نے یہ کام کرنے ہیں اور وہ کام نہیں کرنے ہیں، خدا نے اس کے اندر ایک ضمیر دیا ہے اور باہر خدا نے ملائکہ بنائے ہیں لیکن ساتھ ہی شیطان ہے اور انسان کے اندر شہوت وغضب ہے یعنی شیطان اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے، شیاطین انسان کو انسانیت کے راستے سے ہٹا کر کسی اور طرف لے جانا چاہتے ہیں لیکن ملائکہ اور ضمیر انسان کو اس انسانیت کے راستے پر لے جانا چاہتے ہیں، ایک شخص مکمل انسان کب بنے گا؟ جب ضمیر اور ملائکہ کی آواز سنے، وحی کی آواز سنے، اس لحاظ سے وہ داستان بہت خوبصورت ہے، اگر اس کو بڑے دیکھیں چونکہ بڑوں میں فہم زیادہ ہے اور سمجھدار تر ہیں اور بچوں کو تحلیل کر کے بتائیں کہ یہ کہانی یا یہ کارٹون یہ پیغام دے رہا ہے اور یہ بچوں کے ذہنی ہوش کے لئے خوب ہے، جو طلبہ بچوں میں تبلیغ اچھی کر لیتے ہیں تو وہ اسی کارٹون کو

بچوں کے لئے پیش کریں اور پھر مقابلہ رکھیں کہ بچے اس کہانی کی اصلی روح اور لب بتائیں کہ یہ کہانی کیا کہنا چاہتی ہے؟ پھر آپ اس بچے کو منہ مانگا انعام دیں کہ جو واقعاً بتادے یعنی یقین جان لیں کہ وہ بچہ کچھ بننے کے قابل ہے کہ جو بتادے کہ اس کہانی میں کیا کہا جا رہا ہے یا کم از کم قریب قریب بتادے، آپ اس کی حوصلہ افزائی کریں پھر اس کے بعد آپ خود بچوں کو بتائیں کہ یہ کہانی درحقیقت ہمیں یہ بتانا چاہتی ہے اور ہم اس کو اپنے اوپر تطبیق کریں۔

غرضیکہ ایک انسان جب انسانیت کے تکامل کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو بہت ساری چیزیں اسے اس راستے سے ہٹانا چاہتی ہیں، مشغول کرنا چاہتی ہیں، اس میں اس بھیڑیئے اور لومڑی کا کردار بہت نمایاں ہے کہ جو صبح وشام مشغول ہیں کہ اس پنوکیو کو انسانی راستے سے ہٹا کر کبھی جنگل میں لے جاتے ہیں، کبھی پارک میں لے جاتے ہیں، کبھی دریا پہ لے جاتے ہیں یعنی اصلی کام سے توجہ ہٹانے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور وہ کبھی کبھار دور بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر توبہ کرتا ہے اور واپس آجاتا ہے، پھر ناک چھوٹی ہو جاتی ہے، دوبارہ غلطی کرتا ہے تو اس کی ناک پھر بڑھ جاتی ہے، یہ ہماری کہانی ہے، ہماری داستان ہے، حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں جب ہمارا روپ کھلے گا تو دیکھیں گے کہ بعض لوگوں کی کہ جو جھوٹ بولتے ہیں پنوکیو کی طرح ایک ایک کلومیٹر کی ناک ہوگی، ابھی تو ناک چھوٹی ہے لیکن یہ ناک بہت بڑھ جائے گی، جب قیامت میں پردے ہٹائے جائیں گے تو ہمارا اصلی روپ سامنے آئے گا اور سب کا اصلی پنوکیو باہر آئے گا، پھر معلوم ہوگا کہ کیا کیا بنایا ہے۔

صبح وشام ایسی طاقتیں اندر اور باہر سے ہمیں مشغول کرنے میں لگی ہوئی ہیں، ایڑی چوٹی کی سرگرمی ہے مثلاً میڈیا خناس صبح وشام ہمیں مشغولیت میں رکھا ہوا ہے، ٹی وی اور دیگر ذرائع سب ہمیں مشغول کرنے میں اور ہماری توجہ ہٹانے میں مشغول ہیں، بازار، مارکیٹ، شہر کی سرگرمیاں، سیاست اور یہ جتنی چیزیں بھی دائیں بائیں ہیں مثلاً اگر آپ صنعتی سامان دیکھیں چونکہ اس وقت صنعتی دنیا اپنی معراج اور عوج وعروج پر ہے اور صنعتی دنیا کی پوری کوشش یہ ہے کہ ہر وہ وسیلہ پیدا کرے کہ جو انسان کو اصلی مقصد سے دور کرے اور مشغول رکھے۔ اس وقت اسی صنعتی دنیا کی پیدا کردہ جو مشغولیات ہیں ان میں انسان کس قدر مشغول ہے اور اتنا مشغول ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہے کہ میں کس مقصد کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ اس دنیا میں جکڑا ہوا انسان اتنا مشغول و لہوی انسان ہے کہ اس کو کبھی خدا یاد آتا ہے تو نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور پھر شکوہ کرتا ہے کہ حضورِ قلب نہیں ہے۔ مطالعہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ دماغ حاضر نہیں ہے، کیسے دماغ حاضر ہو کہ جب اتنی مشغولیات ہیں، یہ جو نماز میں جسمانی طور پر کھڑا ہو گیا ہے تو یہ بھی بہت بڑی غنیمت ہے کہ معلوم نہیں کیسے آ کے کھڑا ہو گیا ہے؟ دل کس مقصد میں کھڑا ہو گیا ہے؟ پس دل کو حاضر رکھنے کے لئے اسباب ہیں۔

۱۳) قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

قرآن کے مطابق رجال کبھی بھی ذکرِ خدا سے غافل نہیں رہتے۔ سورۂ نور آیت ۳۶ اور ۳۷ میں ارشاد خداوندِ متعال ہے کہ

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ○

یہ چراغ ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے کہ ان گھروں میں صبح وشام اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔

لیکن اس سے آگے آیہ میں فرمایا کہ ان گھروں میں کون لوگ رہتے ہیں؟ رجال، یہ وہ لوگ ہیں کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ○

وہ مرد جنہیں کاروبار یا دیگر خرید وفروخت ذکرِ خدا، قیامِ نماز اور ادائے زکوۃ سے غافل نہیں کرسکتی یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔

ذکرِ خدا دل سے ہوتا ہے، ذکر فعلِ قلب ہے، ذکر زبان کا کام نہیں ہے، زبان سے اظہارِ ذکر ہوتا ہے، زبان سے یا اللہ کہنا، یارب کہنا اظہارِ ذکر ہے، ذکر یاد کو کہتے ہیں اور یاد زبان سے نہیں ہوتی ہے بلکہ یاد کا ظرف دل ہے، جو چیزیں ہمیں یادِ خدا سے دور کرتی ہیں انکی فہرست میں قرآن نے دو چیزوں کا اضافہ کیا ہے یعنی ان گھروں میں وہ لوگ رہتے ہیں جو رجال ہیں اور

لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ......

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

اگر وہ تاجر بھی ہیں اور بیع بھی کرتے ہیں کیونکہ بالآخر انہوں نے زندگی بھی بسر کرنی ہے۔اس ساری بحث کا خلاصہ کوئی یہ نہ نکالے کہ اس کے معانی یہ ہوئے کہ ہم سب کو چھوڑ دیں یعنی یہ لہو ہے، کھانا پینا لہو ہے، گھر بنانا لہو ہے، شادی کرنا لہو ہے، تجارت کرنا لہو ہے، معیشت اور یہ سب لہو ہے اور ہمیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے غار میں جا بیٹھنا ہے، غار میں جن مل جاتا ہے لیکن خدا نہیں ملتا ہے۔انسان اسی دنیا، اسی معاشرے، اسی معیشت اور انہی لوگوں کے ساتھ رہ کر قربی سفر طے کرے یہی کمال ہے۔غاروں اور خانقاہوں میں رہ کر یہ سفر طے نہیں کرنا ہے، پس تجارت و بیع کرنی ہے لیکن یہ تجارت و بیع لہو نہ بنے، تجارت لہو کب ہوتی ہے؟ جب تجارت ہمیں اتنا مشغول کردے کہ ہم خدا کو بھول جائیں۔

عموماً تبلیغ کے لئے جب مومنین سے واسطہ ہوتا ہے اور کوئی ایسی گفتگو ہوتی ہے تو مختلف لوگ اپنا اپنا اظہارِ خیال کرتے ہیں، بسا اوقات ان سے چاہتے بھی ہیں کہ اپنا اپنا اظہارِ نظر کریں، بعض اوقات خوبصورت اظہارِ نظر کرتے ہیں، ایک جوان نے کہا کہ یہ باتیں جو آپ کرتے ہیں ہمیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں، ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا ہے چونکہ آپ فارغ آدمی ہیں، کوئی معیشت کی فکر نہیں ہے، کوئی کمائی کی فکر نہیں ہے، کام کاج آپ کو نہیں کرنا ہوتا ہے، آپ کو سارا پکا پکایا مل جاتا ہے، اس لئے آپ خدا خدا، نماز، ذکر، سجدے اور خلوص و خشوع و حضور و فلاں کی باتیں کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ جب ہم صبح اٹھتے ہیں تو ایک دن بجلی کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن گیس کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن کیبل کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن بچے کی فیس کا بل پڑا ہوتا ہے، ایک دن فلاں کا بل پڑا ہوتا

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

ہے اور یہ بل بھی اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ہمارا سارا مہینہ اسی فکر میں گزر جاتا ہے کہ یہ بل کیسے ادا کریں گے؟

یہ صحیح بات کہتا ہے، یعنی اس زندگی میں کہ جس میں انسان کی زندگی کا مقصد کیا تھا؟ اور ان سے یہی عرض کیا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہوگیا؟ کہ آپ گھر بنائیں اور ان گھروں میں بیٹھ کر فقط ایک ہی مقصد ہے کہ بل بھرتے جائیں۔ یہ بل آپ لوگوں نے خود بنائے ہیں، یہ بجلی، گیس اور کیبل کو آپ نے استعمال کیا ہے، جبھی آج مہینے کے اوّل میں دس بل آپ کے گھر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان گھروں میں رہ کر آپ نے یہی سیکھا ہے کہ مصرف کرتے جائیں اور بل بناتے جائیں اور پھر اداروں میں جا کر ملازمت کریں اور یہ بل ادا کرتے جائیں یعنی آدھی زندگی بل بنانے میں گزر جاتی ہے اور آدھی زندگی بل ادا کرنے میں گزر جاتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ گھروں کو ہم نے بلوں میں تبدیل کیا ہوا ہے یعنی اردو والا بل، واقعاً ہم بلوں میں گھسے ہوئے ہیں اور بلوں میں بیٹھ کر بل بنا رہے ہیں یعنی ساری زندگی اسی میں گزر رہی ہے، یہی لہو ہے، یہی مشغلہ ہے اور انہوں نے صدر در صد صحیح کہا، وہ انسان کہ جس کا مشغلہ بل بنانا اور بل ادا کرنا ہے تو اس کو خدا کب یاد آتا ہے؟

پھر ہم کیا کریں؟ بجلی مصرف نہ کریں؟ گھر میں نہ رہیں؟ گیس کا استعمال نہ کریں؟ کریں لیکن یہ لہو نہ بنیں، یہ چیزیں ہمیں خدا سے غافل نہ کریں، تجارت بھی کریں، مال بھی کمائیں، ملازمت بھی کریں لیکن یہ سب کچھ ذکرِ خدا سے غافل نہ کرے،

لَا تُلْهِيهِمْ ......

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

قرآن نے بعض جگہ رجال کی تعبیر عورتوں کے مقابلے میں استعمال کی ہے اور بعض جگہ نامردوں کے مقابلے میں استعمال کی ہے، بعض جگہ ہے کہ

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ...... (۲۸)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا اور تم کو مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو (قربان گاہ پہنچنے سے) روک دیا اور اگر صاحبِ ایمان مرد اور باایمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے (اور یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ کہیں تم ان کو روندڈالو اور بے خبری میں ان کی وجہ سے تمہیں بھی ضرر پہنچ جائے (تو اذنِ جہاد مل جاتا) تا کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے......

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّونَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ (۲۹)

خبردار آپ اس مسجد میں کھڑے بھی نہ ہوں بلکہ جس مسجد کی بنیاد روزِ اوّل سے تقویٰ پر ہے وہ اس قابل ہے کہ آپ اس میں نماز ادا کریں۔ اس میں وہ مرد بھی ہیں جو طہارت کو دوست رکھتے ہیں اور خدا بھی پاکیزہ افراد سے محبت کرتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا (۳۰)

مومنین میں ایسے بھی مردِ میدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے، ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔

مومنین میں سے کچھ مرد ہیں، اس کا دوسرا حصہ کیا بنتا ہے کہ کچھ نامرد ہیں، اس کی دوسری شق نہج البلاغہ میں ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ

يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ...... (۳۱)

اے مردوں سے شباہت رکھنے والوں جو کہ مرد نہیں ہو......

یعنی کچھ مرد ہیں اور کچھ نامرد ہیں، نامرد کون ہیں؟ جو امیر المومنین علیہ السلام کی آواز پر اٹھتے نہیں ہیں، جہاد نہیں کرتے ہیں، بزدل ہیں، شجاع نہیں ہیں ان کو کہا کہ یہ نامرد ہیں، داڑھی اور مونچھ سے تو رجالیت نہیں آتی ہے، مردانگی سے انسان مرد بنتا ہے، یہ نرومذکر ہے لیکن مرد نہیں ہے۔ مرد میں مروت ہوتی ہے، مردانگی ہوتی ہے لیکن ان کے اندر مروت نہیں ہے۔ قرآن نے بھی کہا ہے کہ کچھ مرد ہیں اور کچھ نامرد ہیں، وہ جو اللہ کے ساتھ عہد کر کے نبھاتے ہیں وہ مرد ہیں اور جو عہد ہی نہیں کرتے یا توڑ دیتے ہیں وہ نامرد ہیں۔ اس آیہ میں بھی ہے کہ مردانگی اس میں ہے کہ تم تجارت بھی کرو، ملازمت بھی کرو، پڑھو بھی، بچے بھی پیدا کرو، انکی تربیت بھی کرو، سب کچھ کرو لیکن یہ ساری چیزیں تمہیں خدا سے غافل نہ کریں، پس مرد وہ ہیں کہ جنہیں تجارت خدا سے غافل نہ کرے نہ کہ جو تجارت نہ کریں۔

قرآن کے مطابق رجال کون ہیں؟

لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ......

تجارت وبیع انہیں ذِکر خدا سے غافل نہیں کرتی ہے۔ وہ معمولاتِ زندگی بھی انجام دے رہے ہیں اور انہی معمولاتِ زندگی کے اندر خدا کی یاد میں بھی ہیں اور ان کا حضور خدا کے سامنے ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام، امیر المومنین ہوتے ہوئے سب کچھ کرتے تھے، محنت بھی کرتے تھے اور معمولاتِ زندگی بھی انجام دیتے تھے، امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد بھی تھی اور ان کی تربیت بھی ہو رہی تھی، نظامِ مملکت بھی چلاتے تھے لیکن ایک لحظے کے لئے بھی خدا کی بارگاہ سے غافل نہیں تھے۔ یہ معمولات اگر خدا سے غافل نہ کریں تو یہی زندگی وحیات ہے، یہی نجات کا ذریعہ ہے لیکن اگر یہی معمولاتِ زندگی ہمیں خدا سے دور کردیں تو یہ لہو ہیں اور دنیا ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ٥

وہ مرد جنہیں کاروبار یا دیگر خرید وفروخت ذکرِ خدا، قیامِ نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرسکتی، یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔

پس رجال وہ ہیں جو ایک دن کے لئے بھی قیامت کو نہیں بھولتے ہیں، ایک لحظے کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتے ہیں یعنی ان کا جسم معمولات میں مشغول ہے چونکہ عموماً جو معمولاتِ زندگی ہیں ان میں جسمانی حضور کافی ہوتا ہے لیکن مطلوب یہ ہے کہ جسم معمولات میں مشغول رہے اور روح یعنی دل خدا میں مشغول رہے، جیسے تاجر کی مثال دی کہ وہ تجارت کرتے ہوئے ولیٔ خدا تھا

اور دوسرا جو خانقاہ میں بیٹھا ہوا تھا اس کی کچھ قوتیں بیدار ہوئیں لیکن اس خانقاہ نے اسے اپنے دل و نفس پر قابو نہیں سکھایا، یہ طاقت اس کے اندر پیدا نہیں ہوئی۔

۱۴)قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس کی ممانعت

☆ و ترک حدیث النفس......

اس کے بعد صدر المتألہینؒ مزید فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھتے ہوئے حدیثِ نفس نہ کریں، یہ بھی اسی تخیل کا ایک شعبہ ہے، حدیثِ نفس یعنی جیسے انسان اپنے ساتھ دل ہی دل میں بات کر رہا ہوتا ہے، اپنے آپ کو خطاب کرتا ہے مثلاً اپنے آپ کو کہتا ہے مولانا صاحب، حجۃ الاسلام صاحب، آپ بڑی شخصیت ہیں، آپ کے بڑے کمالات ہیں، آپ کا بڑا اثر ہے، یہ اپنے ساتھ بات کرتا ہے، خود اپنے آپ کو داد دیتا ہے کہ کیا کہنے ہیں آپ کے۔

ایک بزرگوار تھے جو مرحوم ہو گئے ہیں ان کا تھوڑا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا، وہ اپنے ساتھ خود تکلف کیا کرتے تھے، خود کو اپنے آپ کا تعارف کراتے تھے، جب اکیلے دروازے پہ پہنچتے تھے تو ایک سائڈ پہ کھڑے ہو کر اپنے آپ کو کہتے تھے، بسم اللہ پہلے آپ تشریف لے جائیں، پھر دوسری طرف کھڑے ہو کر کہتے تھے، آپ بڑے ہیں، آپ سید ہیں، آپ پہلے چلے جائیں۔ انسان ایسا کرتا ہے، کبھی انسان اپنے ساتھ بات کرتا ہے، یہ حدیثِ نفس ہے، اپنے ساتھ بات نہ کریں، جب آپ قرآن پڑھ رہے ہیں تو حدیثِ نفس نہ کریں، قرآن مخاطِب ہو اور ہم مخاطَب ہوں، قرآن بول رہا ہو

اور ہم سنیں نہ کہ خود بولیں اور خود ہی سنیں، حدیثِ نفس ترک کر دیں۔ اس صفت کے بارے میں کسی مناسبت سے انشاء اللہ بحث ہوگی یہ اہم نکتہ ہے اور یہی زیادہ بڑھ جائے تو بیماری بن جاتی ہے، بعض کو دیکھا ہوگا کہ روڈ پہ جا رہے ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ اونچی آواز میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں، بعض بیٹھے بیٹھے اشارے بھی کر رہے ہوتے ہیں، انسان سمجھتا ہے کہ پتہ نہیں انسان حالتِ تقریر میں ہے یا اس وقت کس حالت میں ہے؟ وہ اشارے بھی کر رہا ہوتا ہے اور باتیں بھی کر رہا ہوتا ہے، یہ حدیثِ نفس بڑھ کر انسان کے ذہن میں جنون بن جاتی ہے اور ذہنی بیماری بن جاتی ہے،

☆ و هذه الصفة يتولد عما قبلها......

یعنی حضورِ قلب کیسے حاصل ہو؟ یہ طہارتِ قلب سے حاصل ہوگا، طہارتِ قلب اور حضورِ قلب میں کیا ربط ہے؟ عرض کیا تھا کہ حضور اس وقت ہوتا ہے کہ جہاں انس ہو، انس وہاں ہوتا ہے کہ جہاں مناسبت ہو، مناسبت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں پر صفتِ مشترک ہو اور قرآن چونکہ پاک ہے، مطہر ہے،

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ٥ (۳۲)

اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔

لہٰذا جب انسان خود کی تطہیر کر لیتا ہے تو قرآن کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اس مناسبت سے انس پیدا ہوتا ہے اور یہ انس انسان کو حضور کے لئے آمادہ کر دیتا ہے لہٰذا طہارت کے ذریعے سے حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ آلودہ دل کبھی بھی قرآن کے سامنے حاضر نہیں ہو سکتا ہے،

☆ وهو طهارة القلب عن شوائب الاغراض النفسانية......

دل کے اندر جو آلودگیاں ہیں، نفسانی اغراض، خودخواہی، کینے، نفرتیں، تعلقات اور غرور و تکبر ہے تو ان چیزیں سے دل پاک ہوتا کہ قرآن کے ساتھ مناسبت و مسانخت پیدا ہو،

☆ فان من اخرج عن قلبه محبة الباطل......

جس نے اپنے دل سے باطل کی محبت کو نکال کر باہر پھینک دیا

☆ فيد خل فى قلبه الانس بالحق......

بقول حافظ شیرازی

دیو چو بیرون رود فرشته در آید......(۳۳)

یعنی جہاں سے جن نکلتا ہے، دیو اور بھوت باہر جاتا ہے تو فرشتہ آتا ہے، بھوت اور فرشتہ دونوں ایک کمرے میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا ہمارے دل سے محبتِ باطل نکلے تاکہ اُنسِ حق و اُنسِ قرآن پیدا ہو۔

۱۵) قرآن، باعثِ سرور

☆ ففى القرآن ما يستبشر به القلب ان كان اهلاله......

قرآن کے اندر ایسی چیزیں ہیں کہ جو انسان کو مسرور کرتی ہیں، خوشحال کرتی ہیں، استبشار یعنی جو چیز انسان کے بُشرہ پہ اثر انداز ہو اور باعثِ خوشحالی ہو، باعثِ انبساطِ بشرۂ انسان بنے، چونکہ

خوشی میں انسان کھل اٹھتا ہے، انسان جب خوش ہوتا ہے تو چہرے کا انقباض اور انبساط ظاہر ہوتا ہے لیکن جب پریشان ہوتا ہے تو اس کا منہ لٹکا ہوا ہوتا ہے، چھوٹا ہوتا ہے، اچھا خاصا چوڑا منہ تھا لیکن پریشانی کی وجہ سے لٹکا ہوا اور مرجھایا ہوا ہو جاتا ہے، اس وقت آپ ناپ لے لیں، جب آدمی پریشان ہوتا ہے تو چہرے کا طول وعرض کم ہو جاتا ہے لیکن جب خوشی ہو، جب کوئی مژدہ سنائے تو اس وقت پھیل جاتا ہے یعنی انسان کی جلد پھیل جاتی ہے لہٰذا قرآن کے اندر ایسی بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو انسان کو خوشی وسرور دے سکتی ہیں اور انسان کے اندر خوشحالی اور انبساط پیدا کر سکتی ہیں، شرط یہ ہے کہ دل اہلِ قرآن ہو ورنہ انسان قرآن سن کر بور ہوتا ہے۔

☆ وکیف لایطلب الانسان الانس بتدبر القرآن،

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کو قرآن سے انس نہ ہو اور تدبّرِ قرآن سے انس نہ ہو،

☆ ویستأنس باشعار المتنبی و محاضرات الراغب و مقامات الحریری؟......

یہ خصوصاً طلبہ کے لئے ہے، عوام اس آفت میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے الگ سرگرمیاں ہیں، طالب علم کتنے خوش ہوتے ہیں؟ آج کل کے طلبہ کو شاید ان چیزوں کا نام بھی معلوم نہیں ہے، یہ پرانے طلبہ کے زمانے کی بات ہے، پہلے ادبیات میں بہت ساری کتابیں پڑھاتے تھے جیسے ہمیں دیوانِ متنبّی، حماسہ اور مقاماتِ حریری کہ یہ بھی ادبیات کی کتاب ہے، یہ نام ذہن میں رہیں یہ آج کل نہیں پڑھائے جاتے ہیں اور ایک لحاظ سے اچھا ہے کہ نہیں پڑھائے جاتے ہیں چونکہ

آلودہ چیزیں تھیں، جاہلیت کے شعراء اور ان کے اندر غیر اخلاقی مسائل، ایک لحاظ سے بہتر ہے لیکن حوزوں نے ان کو اس وجہ سے نہیں چھوڑا کہ ان کے اندر اخلاقی مشکلات ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ادبیات ہی کو سرے سے چھوڑ دیا، اب سب کچھ ادب کے بغیر پڑھنا ہے، ادبیات کے بغیر پڑھنا ہے، متنبّی کے شعر سلیبس (Syllabus) کا حصہ تھے، نصاب میں پڑھائے جاتے تھے اور بڑی خوشی سے پڑھتے تھے، متنبّی کے شعر پڑھ کر بڑا سرور محسوس ہوتا تھا یا مثلاً محاضرات الراغب، مقاماتِ حریری اور اس طرح کی بہت ساری کتبِ ادبیات تھیں، ان کو پڑھ کر لذت محسوس کرتے تھے، قرآن میں تو اس سے بھی بڑی لذت موجود ہے مثلاً انسان ادب کی کتابیں پڑھتا ہے چاہے وہ کسی بھی زمانے کی ہوں تو لذت محسوس کرتا ہے، ادبیات بڑا لذیذ علم ہے، فرماتے ہیں کہ ان میں انسان کو لذت محسوس ہوتی ہے لیکن قرآن میں لذت محسوس نہ ہو،

☆ وفيه مالايخفى من متنزهات القلوب......

درحالیکہ قرآن میں ایسی بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو باعثِ تفریحِ دل ہیں، باعثِ خوشحالیٔ دل ہیں، باعثِ خوشی وسرورِ دل ہیں۔

قرآن، باعثِ تفریح

۱۶) قرآن، باعثِ تفرج

☆ ومتفرجات الارواح......

تفرج، غم غلط کرنے کو کہتے ہیں، محاورہ بھی ہے کہ غم غلط کرنا، غم غلط کرنا یعنی نہ کہ غلط چیزوں

سے غم دور کرنا بلکہ غم غلط کرنے سے مراد ہے غم کو ختم کرنا، جب انسان پریشان ہوتا ہے تو کسی محفل میں جا کر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جاتا ہے مثلاً وہاں ہنستا کھیلتا ہے تاکہ ٹینشن (Tension) کو دور کرسکے، عموماً جو لوگ گھروں میں مشکلات کا شکار ہوتے ہیں مثلاً میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا ہے، میاں اٹھ کر باہر روڈ پہ جا بیٹھتا ہے، دوستوں کے ساتھ جا بیٹھتا ہے، دو چار گپے لگا کے پھر انتظار میں ہے کہ بیوی سو جائے تو جاؤں گا، یہ انسان کا تفرج ہے یا مثلاً کسی جگہ فلم دیکھنے چلا گیا تو یہ تفرج یعنی غم غلط کرنا ہے، فرماتے ہیں کہ قرآن کے اندر آئیں یہاں خیالی غم نہیں بلکہ انسان کے حقیقی غم غلط ہوتے ہیں، حقیقی غم دور ہوتے ہیں، حقیقی غموں سے انسان کو نجات ملتی ہے، دنیوی غموں سے انسان کو نجات ملتی ہے،

☆و بساتین الضمائر......

تفرج گاہِ قرآن بُساتینِ ضمائر رکھتی ہے، قرآن میں ضمیر کا چمن ہے نہ کہ وہ چمن آنکھوں کیلئے ہے، انسان کے ضمیر کے لئے قرآن میں باغات، گلستان اور چمن ہیں،

☆ واغذیة النفوس......

غذائے نفس، غذائے روحِ انسان قرآن کے اندر موجود ہے،

☆ و قرة العیون......

اور آنکھوں کی ٹھنڈک قرآن کے اندر موجود ہے،

☆ و حیوة الحیوان......

قرآن باعثِ تفرج

اور ہر ذی حیات کی حیات کا اصلی راز قرآن کے اندر موجود ہے،

☆ و روح الانسان.......

اور حقیقی آسودگی یا روحِ حقیقی قرآن کے اندر موجود ہے، حیاتِ حقیقی قرآن کے اندر موجود ہے، جناب غزالی نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کو محفلوں میں بڑی لذت محسوس ہوتی ہے، اہلِ محفل لوگ ہوتے ہیں، خلوتوں میں گھبراہٹ ہوتی ہے، اُکتاہٹ ہوتی ہے، تنہائی میں اکتاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو خدا سے مانوس نہیں ہیں، اگر انسان اللہ سے مانوس ہو، قرآن سے مانوس ہو تو پھر اپنی خوشحالی کیلئے محفلوں کا سہارا نہیں لیتا ہے۔ بعض ہوتے ہیں کہ جب بوریت شروع ہو جاتی ہے یا تھوڑے سے تنہا ہوں تو کسی کو فون کر دیں گے یا کسی کے ہاں جا بیٹھیں گے، یہ بے وقت ایک دوسرے کے لئے مزاحم ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کو اکیلے بیٹھنے سے وحشت محسوس ہوتی ہے، اگر انس قرآن کے ساتھ ہو، دل قابلِ قرآن و اہلِ قرآن ہو تو آپ قرآن کھول کر پڑھیں۔ لکھا ہے کہ یہ لوگ جو محفلوں کا سہارا لے کر اپنے آپ کو خوشحال رکھتے ہیں یہ وہ ہیں کہ جن کو خدا سے انس نہیں ہے، اگر ہمارا انیس خدا بن جائے تو پھر ہم ان محفلوں میں بیٹھنے کا اور ان لوگوں کا سہارا نہیں لیں گے بلکہ خلوت میں بارگاہِ قرآن اور بارگاہِ خدا میں ہوں گے۔ ادبِ چہارم انشاء اللہ فصلِ ادبِ چہارم میں تحریر کیا جائے گا۔

حوالہ جات

(۱)......(کشف الخفاء و مزیل الالباس - العجلونی،ناشر دار احیاء التراث العربی،الجزء۲،صفحہ ۱۴۵)

(۲)......(نہج البلاغہ،خطبہ۱۷۷)(آشنایی با قرآن - متفکر شہید استاد مرتضی مطہریؒ)(التبیان فی تفسیر القرآن - شیخ الطائفة أبی جعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ،الجزء۹،صفحہ۳۱۱)(التفسیر الأصفی -الفیض الكاشانیؒ، الجزء۱،صفحہ۱۱۶)(التفسیر الصافی - الفیض الكاشانیؒ،الجزء۱،صفحہ۱۲۶) (تفسیر الامام العسکریؑ)(تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ،الجزء۲، صفحہ۱۰۷)(تفسیر مجمع البیان - امین الاسلام أبی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ،الجزء۲،صفحہ۴۴)(تفسیر نمونہ -جمعی از فضلا)(منہاج البراعة فی شرح نہج البلاغة - الخوئیؒ)(تلخیص البیان فی مجازات القرآن - الشریف الرضیؒ،الجزء۲،صفحہ۵۰)(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی - شہاب الدین محمود بن عبد اللّٰہ الحسینی الألوسی - المتوفی: ۱۲۷۰ھ،الجزء۴،صفحہ۱۲۶)(مناہل العرفان فی علوم القرآن - محمد عبد العظیم الزُّرقانی،الجزء۲،صفحہ۳۱۵)(شرح نہج البلاغة - عبد الحمید بن ہبة اللّٰہ بن محمد بن الحسین بن أبی الحدید، أبو حامد، عزالدین،المتوفی : ۶۵۶ھ،الجزء۱۰،صفحہ۱۷۳)

(۳)......(الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰہِ المُنزَل - الشَیخ نَاصِر مَکارم الشِیرازی

مدظلہ،الجزء۱۴،صفحہ۳۵۳)،(بحار الأنوار - علامہ مجلسیؒ،
الجزء۶۷،صفحہ۲۵)(جامع الاخبار)(پرتوی از اسرار
نماز،الجزء۴،صفحہ۲۲)(میزان الحکمة - الریشھری،الجزء۲،صفحہ۱۴۵)
(الانسان الکامل فی نہج البلاغة،الجزء۱،صفحہ۲)

(۴)......(تفسیر نمونہ - جمعی از فضلا)

(۵)......(مثنوی معنوی،بہ تصحیح :رینولد ا.نیکلسون،دفتر دوم،صفحہ ۳۲۸)

(۶)......(سورۂ مبارکہ کافرون،آیہ۶)

(۷)......(نہج البلاغہ،حکمت ۳۱۲)

(۸)......(مناجاتِ شعبانیہ)

(۹)......(مفاتیح الجنان)

(۱۰)......(الصحیفة الکاملة السجادیة،دعا ۱۵۵)

(۱۱)......(الصحیفة الکاملة السجادیة،دعا ۲۸)

(۱۲)......(تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیة اللہ جوادی آملی مدظلہ)
(قرآن و تبلیغ،الجزء۲،صفحہ۷)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ طہٰ،آیہ۱۱۴)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ انبیاءؑ،آیہ۳)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ انشقاق،آیہ۶)

(۱۶)......(وسائل الشیعہ،الجزء۱۶،صفحہ۹۵)

(۱۷)......(وسائل الشیعہ،الجزء ۱۶ ،صفحہ ۹۵)

(۱۸)......(سورۂ مبارکہ تکاثر،آیہ ۱)

(۱۹)......(سورۂ مبارکہ انبیاء،آیہ ۳،۲،۱)

(۲۰)......(سورۂ مبارکہ حجر،آیہ ۳،۲)

(۲۱)......(وسائل الشیعة - الفقیہ المُحدّثِ الشیخ مُحمّدُ بن الحسن الحُر العاملیؒ،المتوفی سنَة ۱۱۰۴ھ،الجزء ۲ ،صفحہ ۴۳۸))(الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰہِ المُنزَل -الشَیخ نَاصِر مَکارم الشِیرازی،الجزء ۱۶ ،صفحہ ۲۱۷) (تفسیر نور الثقلین،الجزء ۴،صفحہ ۵۰۰)(تفسیر نمونہ-جمعی از فضلا) (علوم طبیعت در قرآن)(الخصال،الجزء ۱ ،صفحہ ۵۹)

(۲۲)......(سورۂ مبارکہ حدید،آیہ ۲۰)

(۲۳)......(سورۂ مبارکہ عنکبوت،آیہ ۶۴)

(۲۴)......(سورۂ مبارکہ محمدؐ،آیہ ۳۶)

(۲۵)......(سورۂ مبارکہ انعام،آیہ ۳۲)

(۲۶)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران،آیہ ۱۴)

(۲۷)......(سورۂ مبارکہ حجر،آیہ ۳۹)

(۲۸)......(سورۂ مبارکہ فتح،آیہ ۲۵)

(۲۹)......(سورۂ مبارکہ توبہ،آیہ ۱۰۸)

(۳۰)......(سورۂ مبارکہ احزاب،آیہ ۲۳)

(۳۱)......(نهج البلاغه)(معانی الاخبار)(علی "علیه السلام" من المهد الی اللحد)(علیؑ والخوارج)(الکافی - الکلینیؒ،الجزء۵،صفحه۷)(در سرزمین تبوک - آیة اللّٰه جعفر سبحانی مدظله)(دعائم الاسلام،الجزء ۱،صفحه ۳۳۹)(تفسیر القرآن الکریم - السید مصطفیٰ الخمینیؒ،الجزء۳،صفحه۱۳۶)(میزان الحکمة - الریشهری،الجزء۱۰،صفحه۵۳۷)(مصباح الفقاهة-السید الخوئیؒ،الجزء۱،صفحه۴۶۳)(منیة الطالب - تقریر بحث النائینی للخوانساریؒ،الجزء۳،صفحه۳۷۱)

(۳۲)......(سورۂ مبارکہ واقعہ،آیہ۷۹)

(۳۳)......(دیوان حافظ شیرازی،از روی نسخهٔ تصحیح شدهٔ علامه محمد قزوینی، غزل ۲۳۲،صفحه۱۸۲)

فصلِ ادبِ چہارم

﴿تدبر در قرآن﴾

(حصّہ اوّل)

١)تدبر کا معنیٰ

٢)تدبر اورحضورِ قلب دو علیحدہ مرحلے

☆محو اور صحو کا فرق

٣) قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

٤)قرآن میں تکرار نہیں

٥)قرآن میں تدبر کی تاکید

٦)روایات میں تدبر کی تاکید

٧)تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے

٨)متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتاہے

٩)جہاں بینی اور جہاں بانی میں فرق

١٠)عالم اور عامی میں فرق

١١)ہم اہلِ تدبر کیوں نہیں ہیں؟

١٢)اللہ کی نشانیوں سے اجنبی نہ بنیں

١٣)قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

بحثِ آدابِ فہمِ قرآن میں صدر المتالٰہینؒ نے ادبِ چہارم تدبّر ذکر کیا ہے۔

☆ الرابع: التدبر، وھو غیر حضور القلب......

آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ چہارم تدبر ہے، حضورِ قلب اور تدبر دونوں الگ چیزیں ہیں۔ پہلے بھی درج کیا تھا کہ یہ آداب پڑھ لینے سے فقط ان کی طرف توجہ ہو جاتی ہے لیکن جب ہم قرآن پڑھ رہے ہوں تو اس کے لئے عملی کوشش کی ضرورت ہے، یہ آداب عملاً ہمارے اندر ایجاد ہوں۔ اس کتاب میں فقط توجہ دلانا مقصود ہے اور کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اب جب کہ ہم نے اس بحث کو پڑھ لیا ہے تو لہٰذا آدابِ قرآن ہمارے اندر آ بھی گئے ہیں، نہیں بلکہ فقط ہماری توجہ آئی ہے۔

۱) تدبر کا معنٰی

تدبر کا معنیٰ

تدبر در قرآن کی مبادی تصوری بحث میں اگر ہم غور کریں تو تدبر کا مفہوم کے لحاظ سے لغتاً یہ استعمال ہوتا ہے کہ کسی چیز کے اس پنہاں حصے تک پہنچنا کہ جس کے سامنے بہت سارے دوسرے حصے حائل ہوں یعنی تدبر، غور اور فکر کے ذریعے کسی حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ پردوں کے پیچھے پنہاں یا ظاہر کے پیچھے پنہاں حقیقت تک دسترس ہی کو تدبر کہتے ہیں، بعض چیزیں ترتیب کے ساتھ ہوتی ہیں، ایک سامنے کا حصہ ہوتا ہے، وسط کا حصہ ہوتا ہے اور پھر آخری حصہ ہوتا ہے، تہہ در تہہ امور ہوتے ہیں اور ان تہہ در تہہ امور میں انسان سامنے کے حصوں کو ہٹا کر آخری حصے تک رسائی پیدا کریں تو اس کو لغت میں تدبر کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں بھی تدبر اسی کو کہتے ہیں۔ دَبور یا دُبُر اس حصے کو کہتے ہیں کہ جو چھپا ہوا ہو، پیچھے ہو، پردوں کے پیچھے ہو اور بعض دیگر حصوں سے پنہاں حصوں کو یا

چھپے ہوئے مخفی حصے کو دبور یا دبر کہتے ہیں اور کاوش کر کے، کوشش کر کے اسی چھپے ہوئے حصے تک رسائی کو تدبر کہتے ہیں مثلاً بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں کہ جو نمایاں و روشن ہیں اور پنہاں نہیں ہیں لہٰذا یہ چیزیں محتاجِ تدبر بھی نہیں ہیں کیونکہ انہیں انسان سطحی نگاہ سے بھی دیکھ لیتا ہے اور ان کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔

مثلاً جس طرح سطحِ زمین پر بہت ساری چیزیں ہیں جیسے سبزہ ہے، درخت ہیں، پتھر ہیں، ریت ہے یا انسان آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہے تو ستارے ہیں، سورج ہے، چاند ہے، یہ ساری چیزیں بغیر پردے کے سامنے کا حصہ ہیں، ہر موجود کا ایک سامنے کا حصہ ہے اور سادہ نگاہ سے انسان انہیں دیکھ کر سمجھ جاتا ہے لہٰذا ان کو دیکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بصر کی ضرورت ہے، سماعت کی ضرورت ہے یا حواس کے ذریعے سے فقط انسان کی توجہ کے محتاج ہیں تو ان کی حقیقت پلے پڑ جاتی ہے لیکن انہی ظاہری چیزوں کے پیچھے کچھ دیگر امور بھی ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اُوپر ریت ہے، مٹی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس مٹی اور ریت کے نیچے کچھ اور چیزیں بھی ہیں، عموماً زمین کے نیچے پانی موجود ہوتا ہے لیکن تہہِ زمین اس کے اوپر آ کر اسے چھپائے ہوئے ہوتی ہے لہٰذا سطحِ ظاہر کو ہٹا کر زمین کے نیچے چھپے ہوئے پانی کو، پنہاں پانی تک پہنچنے کو تدبر کہتے ہیں۔ بعض حقیقتوں کے سامنے جسمانی پردے حائل ہیں کہ جنہیں انسان ہاتھوں سے ہٹاتا ہے اور پردوں کی تہہ کے نیچے یا پردوں کے پیچھے پنہاں حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات غیر جسمانی طور پر کسی معنیٰ و حقیقت تک پہنچتا ہے اور اسکے لئے ذہن کے ذریعے، فہم کے ذریعے اور تعقل و تفکر کے ذریعے وہ پردے

تدبر کا معنیٰ

ہٹاتا ہے اور تہہ کے نیچے چھپی ہوئی حقیقت تک جا پہنچتا ہے۔اسی طرح ضروری نہیں ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے حائل چیزیں کی ترتیب اوپر نیچے کی ترتیب ہو، ممکن ہے کہ ہم سطح ترتیب ہو مثلاً فرض کرلیں کہ بہت سارے پردے اور کپڑے لٹکا کر پیچھے کسی کو پنہاں کیا گیا ہے، پردوں کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہے لہٰذا ان پردوں کو ہٹا کر اس پیچھے موجود پنہاں چیز تک پہنچنا تدبر ہے۔

عموماً آج صنعتی دور میں یہ مطالب مثالوں کے ذریعے سمجھنا زیادہ آسان ہیں مثلاً اگر قیمتی چیز ہو یا ایسی چیز ہو کہ جو ٹوٹ سکتی ہے تو اسے کئی پردوں کے پیچھے پنہاں کرتے ہیں یعنی اسکی پیکنگ (Packing) کرتے ہیں اور انسان جو قیمت ادا کرتا ہے وہ بھی اسی کی ادا کرتا ہے کہ جو اندر چھوٹی سی چیز ہے لیکن بڑے کارٹن (Carton) میں اس کو باندھا ہوا ہوتا ہے، پیک کیا ہوا ہوتا ہے، اس کے اندر پھر ایک اور پیکنگ لگی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ چیز نازک ہو تو تہہ در تہہ چند تہیں لگا کر اس کے اندر اس قیمتی چیز کو چھپا کر رکھا ہوتا ہے اور ہم بھی جب معاملہ کرتے ہیں، خرید و فروخت کرتے ہیں تو اسی چیز کی کرتے ہیں، کارٹن کی نہیں کرتے ہیں یا اس کی پیکنگ کی نہیں کرتے ہیں اور پھر آ کر اس کو کھولتے ہیں، اس کے حائل پردوں کو اتارتے ہیں اور اتار کر جب اس کے اندر دیکھتے ہیں تو وہ پنہاں اور پیچھے چھپی ہوئی چیز دبور یا دبر ہوتی ہے اور ہمارا اس تک پہنچنا تدبر ہے یعنی اصلی مقصود تک پہنچنا تدبر کہلاتا ہے۔

تدبر معنیٰ

انسان کے تکلم اور کلام کے اندر بھی ایسا ہی ہوتا ہے، بعض اوقات انسان گفتگو کرتا ہے تو بہت ہی واضح اور روشن گفتگو کرتا ہے اور جو کچھ کہنا ہوتا ہے بالکل صاف کہہ دیتا ہے مثلاً ایک انسان

کو پیاس لگی ہے تو کہتا ہے کہ مجھے پانی چاہئے، یہاں صاف اس نے پانی کا نام لے لیا، یہاں کوئی چیز حائل نہیں ہے، پردوں کے پیچھے، الفاظ کے پیچھے، تعبیرات کے پیچھے کوئی مراد و مقصود چھپا ہوا نہیں ہے لیکن بعض اوقات انسان اس صراحت کے ساتھ اپنی مراد بیان نہیں کرتا ہے بلکہ کنایے اور استعارے کا استعمال کرتا ہے یا دیگر ادبی قواعد کا استعمال کر کے اپنے مقصود کو چند الفاظ کی تہہ کے پیچھے چھپا کر پیش کرتا ہے اور پھر لوگوں کے سامنے مثلاً شعر کی صورت میں بیان کرتا ہے۔

عموماً ایسے ہوتا ہے کہ ہم کتاب پڑھتے ہیں تو نثر میں آسانی سے بات سمجھ میں آجاتی ہے لیکن شعر بہت کم لوگ سمجھتے ہیں حتیٰ اردو دان اور اُردو بول چال والے بھی بعض اوقات اردو کا کوئی شعر نہیں سمجھ پاتے ہیں کہ اس شعر میں مقصود کیا ہے؟ مثلاً ہم فارسی بول چال لیتے ہیں، خرید و فروخت کر لیتے ہیں اور ٹیکسی میں ایڈریس (Address) بتا دیتے ہیں، کرایہ چکا لیتے ہیں، لڑائی جھگڑا بھی بعض اوقات کر لیتے ہیں لیکن اگر کوئی فارسی شعر مثلاً مولانا کا، حافظ کا یا سعدی کا کوئی شعر ہمارے سامنے پڑھ دے تو باوجودیکہ ہم فارسی بول لیتے ہیں لیکن ہم شعر میں مرادِ شاعر تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، اسی طرح عربی شعر ہے مثلاً ممکن ہے کہ ہم صرف و نحو پڑھتے ہیں، لغت پڑھتے ہیں اور دیگر ادبیات پڑھتے ہیں لیکن عربی شعر کی مراد تک آسانی سے نہیں پہنچ سکتے ہیں، کیا فرق ہوتا ہے؟ حالانکہ وہ بھی اردو ہے اور یہ بھی اردو ہے، نثر میں لکھی ہوئی بھی اُردو ہے اور بول چال والی بھی اردو ہے اور شعر بھی اردو ہے لیکن چونکہ شاعر نے ادبی قوعد کے استعمال کے ذریعے سے بظاہر تعبیریں استعمال کی ہیں، کنایے استعمال کئے ہیں اور اپنا اصل تخیل اس نے ان تشبیہات کے پیچھے پنہاں رکھا ہوا ہے، مرادِ

اصلی ان تشبیہات کے پیچھے مخفی ہے لہٰذا شعر میں تدبّر کی ضرورت پڑتی ہے یعنی تعبیرات کے پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی چیز یا اس چھپے ہوئے آخری حصے تک پہنچنے کو تدبر کہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں بھی ایک ظاہرِ قرآن مجید ہے، الفاظِ قرآن مجید ہیں لیکن ان الفاظ کے پیچھے معانی ہیں اور باطنِ قرآن ہے۔ ایک ظاہرِ قرآن ہے اور ایک باطنِ قرآن ہے، حقیقتِ قرآن و مرادِ اصلی ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ یا ہدایتِ حقیقی جو قرآن کا اصلی مقصود ہے اس تک انسان تدبر کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ قرآن کا اسلوب یہ ہوتا ہے کہ جیسے عام بول چال کا اسلوب ہے کہ ہر چیز واضح، اور صاف وشفاف بیان کردی جائے، اس صورت میں قرآن تدبر کا محتاج نہیں ہے، یہی الفاظ ہیں، یہی پڑھنا اور یہی قرأت کرنا ہے۔ ان الفاظ کے پیچھے کچھ اور پنہاں چیز نہیں ہے لیکن قرآن نے چونکہ خود دعوتِ تدبر و تعقل دی ہے،

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ○(۱)

اس میں بھی صاحبانِ عقل کے لئے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

وَلَقَدْ تَّرَکْنَا مِنْھَا آیَۃً بَیِّنَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ○(۲)

اور ہم نے اس بستی میں سے صاحبانِ عقل وہوش کے لئے کھلی ہوئی نشانی باقی رکھی ہے۔

أَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ......(۳)

یعنی انہوں نے قرآن میں تدبر کیوں نہیں کیا؟

أَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ أَقْفَالُھَا○

تدبر کا معنی

یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں؟

اور دوسری طرف سے روایات میں بھی ہے کہ

اِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْراً وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا اِلٰى سَبْعَةِ اَبْطُنٍ...... (۴)

بیشک قرآن کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر باطن کیلئے باطن ہے، یہاں تک کہ سات باطن ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس ظاہر سے باطن تک پہنچنے کے لئے تدبر کی ضرورت ہے، الفاظ ایک ظاہری سطح ہیں، ایک تہہ ہیں اور الفاظ کے بعد معانیٔ ظاہریہ کی ایک اور تہہ ہے اور ان معانیٔ ظاہریہ کے پیچھے حقائقِ حقیقی و مقصودِ اصلیٔ قرآن کی ایک اور تہہ ہے، اس تہہ تک پہنچنا، ان ظواہر کے پردوں کو ہٹا کر مقصود تک پہنچنا اصطلاح میں یا لغت میں تدبر کہلاتا ہے۔

۲) تدبر اور حضورِ قلب دو علیحدہ مرحلے

پس اگر انسان قرآن کی خدمت میں آئے کہ عظمتِ کلامِ خدا کی طرف بھی متوجہ ہو، تطہیرِ قلب بھی کر لے اور حضورِ دل بھی ہو اور قرآن ہی سے سروکار ہو، فرض کرلیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی توفیق نصیب ہوگئی کہ حضورِ قلب کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے یعنی جب قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے تو فقط قرآن کی طرف متوجہ ہے اور غیرِ قرآن کی طرف متوجہ نہیں ہے، الھا میں مشغول نہیں ہے، لہو نہیں ہے، سرگرمی نہیں ہے، تعلقات اس نے سارے ختم کردیئے ہیں اور محو در قرآن

ہے، یہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن درعینِ حال تدبر بھی نہیں ہے یعنی متوجہ اور محو ہے لیکن فقط تعبیراتِ قرآن کی طرف اور الفاظِ قرآن کی طرف توجہ ہے، جس طرح عموماً جن لوگوں نے قرآن کے ظواہر یا قرآن کے الفاظ پہ بہت ساری زحمتیں کی ہیں، فرض کرلیں معجم جس شخص نے لکھی ہے، اب تو کئی معجم آگئی ہیں، قرآن کے الفاظ تلاش کرنے کے لئے یا آیات جستجو کرنے کیلئے جو زحمتیں کی گئی ہے، وہ موضوعاتی ہیں یا ترتیبی ہیں یا مثلاً الف، ب کے اعتبار سے جو معجم ترتیب ہوئی ہیں یہ مختلف قسم کی فوق العادۃ زحمت ہے، ان لوگوں نے معمولی کام نہیں کیا ہے، آج یہی کام کمپیوٹر کے ذریعے کریں تو وقت لگتا ہے درحالیکہ یہ ان لوگوں نے ان ایام میں زحمت کی ہے کہ جب ابھی کمپیوٹر نامی کوئی چیز ایجاد بھی نہیں ہوئی تھی، کس دقت کے ساتھ انہوں نے الفاظِ قرآن پہ غور کر کے تعدادِ الفاظ شمار کئے ہیں کہ کتنی دفعہ قرآن میں لفظِ اللہ استعمال ہوا ہے ان ساری آیات کو الگ کرنا، کتنی دفعہ مثلاً لفظِ رحمٰن استعمال ہوا ہے ان آیات کو الگ کرنا، کتنی بار رحیم استعمال ہوا ہے ان آیات کو الگ کرنا، کام آپ کے سامنے ہے یہ معمولی کام نہیں ہے بلکہ غیر معمولی کام ہے اور بغیر حضور کے، بغیر توجہ کے اور بغیر قطعِ تعلق کے یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔

☆محو اور صحو کا فرق

☆محو اور صحو کا فرق

قرآن کے مطالعے کے لئے حالتِ محوضروری ہے۔ محو اور صحو عرفان کی دو اصطلاحیں ہیں۔ محو کہتے ہیں لاتعلق ہو کر کسی امر کے اندر، عبادت کے اندر، مطالعے کے اندر یا کسی اور چیز کے

اندر فقط یک سو ہو جانا اور صحو اس کو کہتے ہیں کہ اس حالت سے باہر آکر پھر تعلقات کی دنیا میں آجانا، بعض اوقات انسان محو ہوتا ہے اور کبھی محو کی حالت سے باہر نکل کر حالتِ صحو میں آجاتا ہے، مطالعہ اگر محو کی حالت میں ہو تو ذہن حاضر ہوتا ہے، بات سمجھ میں آرہی ہوتی ہے، پلے پڑ رہی ہوتی ہے لیکن جب انسان صحو کی حالت میں مطالعہ کر رہا ہو یعنی تعلقات بھی ہوں، ہر طرف توجہ بھی ہو اور مطالعہ بھی ہو تو یہ مطالعہ نہیں ہوتا ہے، اس سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا ہے، اول سے آخر تک صفحہ پڑھ جاتے ہیں لیکن معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس صفحے میں کیا پڑھا ہے؟ کس موضوع کا صفحہ تھا؟ حالانکہ اس کو پڑھا ہے، اس کے سارے الفاظ دہرائے ہیں اور شاید ہم نے تلفظ بھی کیا ہو لیکن در عینِ حال ہمارا ذہن متوجہ نہیں ہے کہ اس صفحے میں کیا کچھ درج ہے۔ پس دل کو حاضر رکھنے کے حالتِ محو ضروری ہے۔

مثلاً اگر انسان متوجہ نہ ہو اور محو در قرآن نہ ہو تو مطالعۂ قرآن میں ممکن ہے کہ بعض آیات میں لفظ اللہ استعمال ہوا ہو اور بے توجہی کی وجہ سے وہ آیت گزر جائے اور انسان اُس کو اِس کالم میں درج نہ کر سکے، جیسا کہ سطحی اور سرسری انسان کرتے ہیں کہ ان کی نظروں سے وہ آیت گزر جاتی ہے اور یہ دقت نہیں کرتے ہیں، پس یہ ان کا حضور تھا، حضورِ ذہن کے ساتھ اور حضورِ قلب کے ساتھ یہ معجم تدوین ہوئی ہے، اسی طرح جن لوگوں نے مثلاً اعرابِ قرآن لکھے ہیں وہ ان کا حضورِ ذہن اور ان کا حضورِ قلب تھا یعنی ساری توجہ الفاظِ قرآن پہ مرکوز کی ہے، متمرکز کی ہے تب جا کر انہوں نے اعرابِ قرآن لگائے ہیں یا اسی طرح جنہوں نے دیگر ادبی حوالے سے قرآن کے لئے خدمات انجام دی ہیں مثلاً جنہوں نے قرآن کے قواعدِ تجوید، قواعدِ قرأت و قوائدِ دیگر تدوین کئے ہیں، کس دقت کے

ساتھ انہوں نے آیات کے اوپر علامتیں لگائی ہیں، چند حروف کے بعد ایک علامت ہے پھر چند کلمات کے بعد ایک اور علامت ہے، ایک ہی آیت کے اندر کئی علامتیں ہیں اور وہ بھی اس وقت کے ساتھ کہ ہر علامت اپنے محل میں ہو، بے محل نہ ہو مثلاً کہاں وقف ہے؟ کہاں وقفِ لازم ہے؟ کہاں وقفِ مطلق ہے؟ کہاں وقفِ جائز ہے؟ کہاں وقفِ مرخص ہے؟ کہاں وقفِ مجوز ہے؟ کہاں وقفہ ہے؟ اور کہاں سکتہ ہے؟ یہ ساری علامتیں وضع کرنا بغیر توجہ مرکوز کئے اور بغیر حضورِ ذہنی کے ہر گز ممکن نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی قرآن کے اندر تدبر نہیں ہے، اس کام کو تدبر نہیں کہتے ہیں۔

☆ لحن اور صوت کا فرق

فرض کریں کہ یہ قاری حضرات جو بڑا خوبصورت قرآن پڑھتے ہیں، اس طرح سے کہ لوگ ان کی صوت یا لحن کی وجہ سے قرآن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور آدابِ تلاوتِ قرآن و آدابِ قرأتِ قرآن میں بھی ہے کہ اچھی آواز میں قرآن پڑھو، بھونڈی آواز میں نہ پڑھو کہ لوگ سن کر بیزار ہو جائیں، حتیٰ روایت میں بھی کہا گیا ہے کہ مؤذن ہمیشہ خوش لحن مؤذن ہونا چاہئے، خوش آواز مؤذن ہونا چاہئے تا کہ لوگ اذان کی آواز سن کر مسجد کی طرف اور نماز کی طرف راغب ہوں، اس کی آواز کے اندر کشش ہو، جاذبہ ہو، اس کے اندر طرب نہ ہو، لعب نہ ہو، انسان اس قسم کی اذان دے، اسی طرح قرآن کیلئے بھی روایت میں ہے کہ اچھی آواز میں پڑھو، جب بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہو تو اچھی آواز میں پڑھو تا کہ لوگوں میں قرآن کیلئے جاذبہ پیدا ہو اور کشش پیدا ہو۔

۳) قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

یہی قاری حضرات جو محنت و مشقت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آسانی سے آدابِ قرأت و آدابِ تلاوت نہیں آتے ہیں، اس کے لئے انسان کو چند سال محنت کرنی پڑتی ہے پھر جا کر تلاوت میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، یہی سورہ جو ہم ان سے سادگی سے سن لیتے ہیں اس ایک سورہ کو پڑھنے کے پیچھے اُن کی کئی سال کی زحمت کارفرما ہوتی ہے، جیسے یہاں ہم حوزے میں دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو مجتہد بننا ہے تو کم از کم بیس سے تیس سال تک وہ درس پڑھتا ہے، محنت کرتا ہے اور دقت کرتا ہے پھر جا کر ملکہ اجتہاد اس کے اندر پیدا ہوتا ہے، اسی طرح سے ایک قاری بھی کم از کم دس سے پندرہ سال محنت کرتا ہے پھر جا کر اس استادی کے درجے پر فائز ہوتا ہے، فوق العادۃ محنت کرنی پڑتی ہے لیکن درعینِ حال ساری توجہ فقط الفاظ کی ادائیگی میں ہے، وقف میں ہے اور مخارج میں ہے اور ان چیزوں میں ہے کہ بعد میں اس کو مفصل ذکر کریں گے کہ یہ امور اگر افراط میں ہوں تو قرآن پڑھنے کے اندر کیا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

یہ آداب تو ملحوظ ہیں کہ ہر چیز سے منقطع ہو کر حضورِ ذہن و حضورِ دل کے ساتھ آتے ہیں اور یہ فنون قرآن کے اندر سیکھتے ہیں لیکن درعینِ حال تدبر نہیں ہے، یہ قرأتِ قرآن بدونِ تدبر ہے یا فرض کر لیں کہ حفاظ جب قرآن حفظ کرتے ہیں تو وہ بھی آسان کام نہیں ہے، مشکل کام ہے پھر ترتیب کے ساتھ حفظ کرنا اور پھر آج کل حفظ کے اندر جو نئے اور جو مزید اضافات ہوئے ہیں، اختراعات و ایجادات کہ حفظ کرنا ہے تو ان ان خصوصیات کے ساتھ حفظ کرنا ہے اس نے حفظ کے امر کو اور مشکل تر

کر دیا ہے، حفظ کرنے کیلئے فوق العادۃ زحمت چاہئے اور لوگ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ حضورِ دل نہ ہو، حضورِ ذہن نہ ہو، تمرکز نہ ہو تو حفظ نہیں ہوسکتا ہے، ایک آیہ انسان کتنی دفعہ تکرار کرے تا کہ ذہن میں بیٹھ جائے، حفظ ہو جائے، پھر اس کا دورہ کرنا، جو لوگ مشغول ہیں انہیں پتہ ہے کہ کتنی زحمت چاہئے؟ ان کا کاروبارِ زندگی بالکل ٹھپ ہو جاتا ہے، وہ صرف حافظ رہتے ہیں اور کسی کام کے نہیں ہوتے، حفظ میں مشغول ہوتے ہیں اور باقی ساری چیزیں بھول جاتے ہیں، زندگی بھول جاتے ہے، گھر بار بھول جاتے ہیں، تعلقات بھول جاتے ہیں حتیٰ باقی دروس بھی بھول جاتے ہیں۔ اس ترتیب کے ساتھ قرآن کو حفظ کرنا بہت سنگین کام ہے لیکن کرتے ہیں، بغیر توجہ اور بغیر تمرکز کے یہ کام نہیں ہوسکتا ہے، حضورِ دل کے بغیر یہ کام نہیں ہوسکتا ہے، اگر انسان متوجہ نہ ہو اور حفظ کر رہا ہو مثلاً تخیل کہیں اور زبان پر تکرار کسی اور آیت کی کر رہا ہو تو حفظ نہیں ہوتا ہے، حضورِ دل چاہئے، درعینِ حال تدبّر بھی نہیں ہوتا ہے چونکہ سارا زور حفظ میں ہے کہ یہ ذہن میں بیٹھ جائے، الفاظ وعباراتِ قرآن میرے ذہن میں بیٹھ جائیں، پس اصلاً تدبر نہیں ہوتا ہے، کیوں؟ کیونکہ فقط اس ظاہر کے ساتھ مشغول ہے درحالیکہ قرآن ہمیں فہمِ قرآن کے لئے دعوتِ تدبر دیتا ہے یعنی انسان ان ظواہر سے آگے بڑھے اور ان ظواہر کے جو پیچھے جو بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں، ان ظواہر کے پیچھے جو نورانیت موجود ہے، جو حقیقت موجود ہے، جو ہدایت موجود ہے ان تک پہنچے۔

اگر حفظ کے لئے کہا بھی گیا ہے تو اس وجہ سے کہ قرآن کا حافظ آسانی سے تدبر کر سکتا ہے چونکہ سارا قرآن یکجا اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے، حافظ کے لئے تدبر کرنا بہت آسان ہے چونکہ

قرآن کے ظاہر میں مشغولیت تدبر میں مانع

جب انسان آیات میں غور کر رہا ہوتا ہے اور حقیقتِ آیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو سارا قرآن حاضر ہے اور اس کے سامنے موجود ہے، حفظ مقدمہ ہے مقصد نہیں ہے، درست قرأت کر لینا تدبر در قرآن کے لئے مقدمہ ہے کیونکہ بعد میں آپ نے قرآن کے اندر تدبر کرنا ہے، جس انسان کو قرآن حفظ نہ ہو تو اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، ممکن ہے ایک آیت کے اندر غور کر رہا ہو اور دوسری آیت سے غافل ہو اور یہی مضمون آیۂ دیگر میں موجود ہو لیکن اس کے ذہن میں نہیں ہے لیکن حافظ کے لئے یہ سب کچھ کرنا بہت آسان ہے، پس علاوہ تلاوت و قرأت و حفظ و دیگر امور کے کہ جن کا تعلق ظاہرِ قرآن کے ساتھ ہے تدبر اس ظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی چیز تک پہنچنا ہے، حکمت تک پہنچنا ہے۔ پس قرآن ہمیں خود دعوتِ تدبر دے رہا ہے اور تدبر نہ کرنے کی مذمت کرتا ہے۔

٤) قرآن میں تکرار نہیں

متعدد آیات میں قرآن مجید میں ہمیں تدبر کی دعوت دی گئی ہے، اگر ان آیات کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ سورۂ مبارکہ نساء میں آیہ ۸۱ اور ۸۲ میں ہے کہ

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

اور یہ لوگ پہلے اطاعت کی بات کرتے ہیں، پھر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو ایک گروہ اپنے قول کے خلاف تدبیریں کرتا ہے اور خدا ان کی ان باتوں کو لکھ رہا ہے، آپ ان سے اعراض کریں اور خدا پر بھروسہ کریں اور خدا اس ذمہ داری کے لئے کافی ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔

أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ......

کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں؟ تدبّر غیر از تفکر ہے، تدبر اور تفکر میں فرق ہے، ممکن ہے کہ مصداق میں ایک جگہ باہم مل جائیں یعنی ایک ہی مطلب میں انسان تفکر بھی کر رہا ہے اور اس میں تدبر بھی کر رہا ہے، یہ ذہن میں رکھیں کہ کبھی بھی الفاظ مترادف نہیں ہیں، خصوصاً عربی جیسی فصیح لغت میں الفاظ مترادف نہیں ہیں، جو الفاظ ہم مترادف سمجھتے ہیں ان کی اپنی خصوصیات ہیں کہ جو منفرد ہیں اور اسی لفظ کے ساتھ مخصوص ہیں یعنی دوسرے لفظ کے ساتھ وہ خصوصیات نہیں ہیں، مثلاً اردو میں ہم سارے الفاظ کا ایک ہی معنیٰ سمجھتے ہیں، غور، خوض، غوص، تدبر، تفکر، تعقل، تامل، ہم سب الفاظ کا ایک ہی معنیٰ سمجھتے ہیں چونکہ اردو کا دامن تنگ ہے اور اردو کے پاس اتنے الفاظ نہیں ہیں، ہم سب کا معنیٰ کرتے ہیں سوچنا درحالیکہ غور اور چیز ہے، خوض اور چیز ہے، غوص اور چیز ہے، تدبر اور چیز ہے، تعقل اور چیز ہے اور تامل اور چیز ہے، ان میں خصوصیات کا فرق ہے۔

اس وقت ہماری بحث تدبر در قرآن کے حوالے سے ہے اور قرآن میں تدبر کو موضوعیت حاصل ہے کہ تدبر در قرآن کریں، اب اس کا یہ معنیٰ یہ نہ کریں کہ تفکر در قرآن حالانکہ قرآن نے تفکر کی

بھی دعوت دی ہے اور اہل تفکر اور اہل تدبر خود طبقات مشخص کیے ہیں لیکن یہاں پر قرآن میں فرمایا کہ تدبر کیوں نہیں کرتے ہیں؟ مثلاً فرض کر لیں کہ بعض کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن میں تکرار بہت ہے اور فراواں تکرار ہے، یہی وہ طبقہ ہے کہ جو تدبر نہیں کرتا ہے، اگر تدبر در قرآن کرے تو پتہ چلے گا کہ قرآن میں تکرار موجود نہیں ہے، تکرار کیسے لگتی ہے؟ بظاہر الفاظ ہمیں لگتے ہیں کہ یہ جملہ پہلے بھی استعمال ہوا تھا اور یہی جملہ پھر استعمال ہو رہا ہے، یہ لفظ پہلے بھی استعمال ہوا تھا اور یہی لفظ دوبارہ استعمال ہو رہا ہے، یہی انسان جو معجم کی طرح دیکھتا ہے یا معجم سے قرآن دیکھتا ہے کہ ایک لفظ کئی دفعہ آیا ہے، اللہ قرآن میں کئی دفعہ استعمال ہوا ہے، تکرار ہوا ہے، مرحوم علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے مثلاً

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایک سو چودہ دفعہ بسم اللہ آئی ہے، آیا یہ مکرر ہے؟ فرماتے ہیں کہ نہیں ایک سورہ میں بھی مکرر نہیں ہے، ایک جگہ بھی یہ آیہ مکرر نہیں ہے، بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے، بسم اللہ جو فاتحہ کے آغاز میں ہے یہ اور بسم اللہ ہے، بسم اللہ جو بقرہ کے آغاز میں ہے یہ اور بسم اللہ ہے، بسم اللہ جو سورۂ آلِ عمران میں ہے یہ اور بسم اللہ ہے، سورہ نساء میں الگ بسم اللہ ہے لیکن جو تدبر نہیں کرتا ہے وہ کہتا ہے کیا فرق ہے؟ یہ وہی بسم اللہ ہے، یہ ب وہی ب ہے، یہ اسم رحمٰن وہی رحمٰن ہے، یہ رحیم وہی رحیم ہے لیکن جو تدبر در قرآن کرتا ہے اس کے لئے مکرر نہیں ہے، اسی لئے قرآن نے کہا کہ تدبر کریں، اگر یہاں پر سورۂ مبارکہ نساء کی آیہ ۸۲ میں ہے کہ

أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ٥

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔

قرآن میں تکرار نہیں

اگر قرآن میں تدبر کرو تو ایک چیز آپ کے لئے ثابت ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ قرآن میں اختلاف وتضاد وتعارض نہیں ہے، آیاتِ قرآن ٹکراتی نہیں ہیں، ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتی ہیں، قرآن کے اندر اختلاف نہیں ہے، قرآن کے اندر تضاد نہیں ہے، اسی طرح قرآن کے اندر اگر تدبر کرتے تو معلوم ہوتا کہ لاتکرار فی القرآن، اصل میں قرآن میں تکرار نہیں ہے اور سب سے زیادہ تکرار ہونے والی آیہ بسم اللہ ہے لیکن اصحابِ تدبر فرماتے ہیں کہ بسم تکرار نہیں ہوئی ہے، ہر آیت میں بسم اللہ کا الگ معنیٰ ہے، اگر یہ کوئی معمولی ساذاکر کہتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ ایسے ہی اس نے ایک چٹکلا چھوڑا ہے لیکن جب علامہ طباطبائیؒ کہ جس شخص کی عمر قرآن میں گزری ہے یا قرآن کے سائے میں گزری ہے اور قرآن کی خدمت میں گزری ہے، ایک قرآنی انسان علامہ طباطبائیؒ نے یہ بات ہمیں بتائی ہے، واقعاً وہ قرآنی انسان ہیں، آداب میں قرآنی ہیں، اخلاق میں قرآنی ہیں، فکر میں قرآنی ہیں، سوچ میں قرآنی ہیں، زندگی میں قرآنی انسان ہیں، پوری حیات علامہ کی قرآن کے مطابق بسر ہوئی ہے، انہیں اللہ نے نورانی زندگی نے دی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ٥(۵)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انہیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔

اگر انسان عملِ صالح کریں تو انہیں حیاتِ طیبہ نصیب ہو جاتی ہے، یہ قرآن کا نتیجہ ہے، یہ شخصیت بیان فرما رہی ہے کہ بسم اللہ قرآن میں تکرار نہیں ہوئی ہے، یہ تدبّر سے معلوم ہو جاتا ہے، اگر ہم بھی تدبر کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے لیکن الفاظ وہی الفاظ ہیں، تدبر یعنی بسم اللہ کے پیچھے حقیقت، بسم اللہ کے پیچھے موجود معنیٰ، بسم اللہ کے پیچھے موجود حکمت، بسم اللہ کے پیچھے موجود جہت مختلف ہے اور ہر آیہ میں مختلف ہے اور بسم اللہ اس لئے بھی نہیں ہے کہ جیسے اہل سنت سمجھتے ہیں چونکہ قرآن پڑھنا ایک اچھا کام ہے لہٰذا ہر اچھا کام بسم اللہ سے شروع ہونا چاہئے لہٰذا یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے، یہ کہتے ہیں کہ یہ ادب ہے کہ قرآن پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھو، کہیں بھی نہیں ہے کہ قرآن سے پہلے بسم اللہ پڑھو بلکہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے اعوذ باللہ پڑھو،

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ٥(٦)

لہٰذا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطانِ رجیم کے مقابلے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کریں۔

مثلاً فرض کریں کہ آپ ایک پورا جزِ قرآن پڑھتے ہیں، تیسواں جز پڑھتے ہیں اور آغاز میں

قرآن میں تکرار نہیں

ایک دفعہ بسم اللہ پڑھ لی تو اب ہر سورہ میں تکرار کیوں کروں؟ اچھا کام ایک دفعہ شروع کر دیا، بار بار تو شروع نہیں ہوتا ہے، اگر آپ تیسواں پارہ پڑھ رہے ہیں اور ہر صفحے میں دو دفعہ یا تین دفعہ بسم اللہ تکرار کرنا پڑ رہی ہے، کیوں پڑھیں؟ کیونکہ یہ جزوِ قرآن ہے اور ہر جگہ اس کا ایک خاص معنیٰ ہے، یہ ہمیں تدبّر سے معلوم ہوگا۔

۵) قرآن میں تدبر کی تاکید

سورۂ مومنون میں آیات ۶۶، ۶۷، ۶۸ اور ۶۹ میں ہے کہ

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ٥

جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں واپس چلے جا رہے تھے۔

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ٥

اکڑتے ہوئے، قصہ کہتے اور بکتے ہوئے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ٥

کیا ان لوگوں نے ہماری بات پر تدبر نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی چیز آ گئی ہے جو اُن کے باپ دادا کے پاس بھی نہیں آئی تھی۔

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ٥

یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا ہی نہیں ہے اور اسی لئے انکار کر رہے ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو سرسری طور پر سن کر ہرگز اس کلام کے پیچھے موجود حقیقت کی طرف جانے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔

سورہ ص آیہ ۲۹ میں ہے کہ

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ٥

یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں۔ یہ مبارک کتاب ہم نے آپ پر اتاری ہے، کس لئے اتاری ہے؟

لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ......

تا کہ اس کی آیات میں تدبر کریں، تا کہ وہ اس کی آیات کی تہہ میں موجود مطالب تک پہنچیں،

لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ٥

لیکن یہ نکتہ کس کو سمجھ میں آئے گا؟ اولی الالباب کو، اولی الالباب کے بارے میں ابھی تحریر ہوگا، اولی الالباب کا تدبر کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور آیہ دیگر سورہ مبارکہ محمد ﷺ میں ہے، اس میں بعض طبقات کا ذکر کر کے آیہ ۲۴ میں فرمایا کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ٥

قرآن میں تدبر کی تاکید

توکیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی تدبر نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں؟

بصورتِ مانعۃ الخلو ان کے دلوں پہ تالے پڑے ہوئے ہیں یعنی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہے کہ یا دلوں پہ تالا ہے یا پھر انہوں نے تدبر نہیں کیا ہے، اگر دل پہ تالا ہو کہ جیسے پہلے بحث کر آئے ہیں کہ دل ناپاک ہو، آلودہ دل ہو تو اس آلودہ دل یا بیمار دل کی ایک حالت یہ ہے کہ دل مقفل ہو جاتا ہے، دل پر تالا پڑ جاتا ہے، تالا علامت ہے یعنی جو چیز بند کر دی جائے، جس جگہ ورود و خروج ممنوع ہو اس کو تالا لگا دیتے ہیں، اس کمرے میں آ اور جا نہیں سکتے ہیں، اس مدرسے میں آ اور جا نہیں سکتے ہیں جیسے اکثر مومنین کی مسجدوں کو تالا لگا ہوتا ہے کہ کوئی اندر آ اور جا نہیں سکتا ہے، کوئی نمازی نہ اندر آ سکتا ہے نہ باہر جا سکتا ہے، آیا دلوں پہ تالے ہیں کہ کوئی چیز اندر نہیں جا رہی ہے اور دل کہیں نہیں جا رہا ہے چونکہ تالا جس دل پہ ہو تو نہ اس دل میں کوئی چیز جاتی ہے، نہ دل کسی طرف جاتا ہے، نہ دل کسی مطلب کی تہہ تک جاتا ہے اور نہ کوئی مطلب دل کی تہہ میں اترتا ہے چونکہ اس کے اوپر تالا پڑا ہوا ہے یا یہ کہ انہوں نے قرآن کے اندر تدبر نہیں کیا ہے۔

روایات میں تدبر کی تاکید

٦) روایات میں تدبر کی تاکید

معصومین علیہم السلام کی روایات میں کثرت سے اسی تدبر کے بارے میں ذکر ہوا ہے، البتہ مختلف مواد کے تحت مختلف جملات ہیں، اسی تعبیرِ تدبر کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ

اَلَا......

یہ خبردار کرنے کے لئے ہے یعنی توجہ دلانے کے لئے ہے، اَلَا یعنی جان لو، متوجہ رہو، خبردار رہو،

اَلَا لَا خَیرَ فِیْ قِرَاۃٍ لَا تَدَبُّرَ فِیهَا......(۷)

آگاہ رہو! جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

یعنی ایسا قرآن پڑھنا کہ جس کے اندر تدبر نہ ہو اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے، دوسری بہت ساری چیزیں ہیں جو انسان کو مل جاتی ہیں لیکن خیر نہیں ہے، ایسی قرآن خوانی کے اندر کوئی خیر نہیں ہے کہ جس کے اندر تدبّر نہ ہو۔

وَقَالَ عَلِیُّ بْنُ أَبِیْ طَالِبٍ: لَا خَیرَ فِیْ عِبَادَۃٍ لَا فِقْهَ فِیهَا وَلَا فِیْ قِرَائَۃٍ لَا تَدَبُّرَ فِیهَا......(۸)

امام علیؑ ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں: اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں جس میں غور و فکر نہ ہو اور نہ اس قرائت میں کہ جس میں تدبر نہ ہو......

اس عبادت میں بھی کوئی خیر نہیں ہے کہ جس کے اندر تفقہ نہ ہو، تفقہ یعنی فہم، یہ قرآنی اصطلاح ہے، تفقہ یعنی حقیقتِ دین کو سمجھنا، دین شناسی، قرآن شناسی، توحید شناسی، اس شناخت اور اس فہم کو تفقہ کہتے ہیں، جس عبادت کے اندر تفقہ نہ ہو اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کے اندر خیر نہیں ہے اور یہ روایت بھی امیرالمومنین علیہ السلام ہی سے ہے کہ

تَدَبَّرُوا آيَاتِ الْقُرْآنِ وَ اعْتَبِرُوا بِهِ فَإِنَّهُ أَبْلَغُ الْعِبَرِ......(۹)

قرآن مجید کی آیات میں تدبّر کرو اور ان کے ذریعے عبرت لے لو بے شک یہ سب سے زیادہ عبرت والی ہیں......

یعنی قرآنی آیات بہترین، بالغ ترین اور رساترین عبرتیں ہیں اور روایتِ دیگر میں ہے،

حتیٰ روایتِ دیگر پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ سے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ میں کتنے دنوں میں قرآن پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین مہینوں میں، اس نے کہا کہ میں اس سے بھی جلدی پڑھ سکتا ہوں، فرمایا کہ مثلاً ایک مہینے میں، اس نے کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ جلدی پڑھ سکتا ہوں، کہا کہ ایک ہفتے میں، اس نے کہا کہ میں پڑھ سکتا ہوں یعنی میری صحت ٹھیک ہے، فرصت بھی ہے، فارغ آدمی ہوں اس سے بھی زیادہ جلدی پڑھ سکتا ہوں، فرمایا کہ نہیں اس سے زیادہ جلدی کی اجازت نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ مقصود فقط قرآن کے الفاظ زبان سے دہرانا نہیں ہے بلکہ ان کے اندر تدبر بھی کرنا ہے اور اس تدبر کے لئے تجھے فرصت چاہئے، ایک ہفتے سے کم عرصے میں جب تو قرآن ختم کرے گا تو اس کے اندر تدبر کیسے کرے گا؟

روایات میں تدبر کی تاکید

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

فَإِنَّهُ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ......(۱۰)

یعنی بے شک جو انسان تین دن سے پہلے قرآن ختم کرے وہ قرآن سے کچھ نہیں سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے بہت سرعت سے قرآن پڑھنا پڑے گا، اتنا طوطے کی طرح تیز تیز اور فرفر

پڑھنا پڑے گا کہ اصلاً تدبر اور تفکر وفہم کی اس کو فرصت ہی نہیں ملے گی جیسے عموماً مقابلوں میں ہوتا ہے، سات منٹ میں پارہ پڑھنا عالمی ریکارڈ ہے، اس وقت معلوم نہیں کہ اب ٹوٹا ہے یا نہیں ٹوٹا ہے، اس جدید ڈجیٹل (Digital) دور میں مزید مقابلے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کسی نے اگر سات منٹ میں پڑھا ہے تو کسی نے کچھ سیکنڈ اس میں کمی کر دی اور دوسرا اس سے بھی کچھ سیکنڈ اور کم کرتا ہے، سات دنوں میں اگر کوئی پارہ کھول کر پڑھے تو مشکل سے سمجھ میں آتا ہے چہ جائیکہ سات منٹ میں انسان پورا پارہ پڑھے، اس میں تدبّر نہیں ہوسکتا ہے، قرآن ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے، یہ قرآن کے ساتھ بے ادبی ہے۔ بغیر تدبر کے جو قرآن ثواب کے لئے اور برکت کے لئے اور معلوم نہیں کن کن چیزوں کے لئے پڑھا جاتا ہے آیا اس میں کوئی خیر ہے یا نہیں ہے؟ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔

۷) تدبر کیلئے متدبر بننا شرط ہے

تدبر در قرآن کے لئے خود انسان کو پہلے متدبر بننا پڑے گا، یوں نہیں ہے کہ آج سے ہم قرآن میں تدبر کرنا شروع کر دیں درحالیکہ ہم خود متدبر نہیں ہیں مثلاً انسان تعقل شروع کرے درحالیکہ ابھی عاقل نہیں ہیں، جیسے آپ احکامِ شرعیہ بیان کریں کہ نماز واجب ہے، روزہ واجب ہے، فلاں واجب ہے اور ایک بچہ بیٹھا ہوا ابھی ارادہ کر لے کہ آج سے میں یہ سارے واجبات ادا کروں گا، نا، آپ بالغ نہیں ہو، یہ سارے واجبات بالغوں کے لئے ہیں، بالغ کر سکتا ہے، عہدہ برآ ہوسکتا

ہے، مکلّف کی شرائط میں سے ہے کہ عاقل ہو، بالغ ہو، اس شرط تک پہلے پہنچو پھر اس سے عہدہ برآ ہوسکو گے، تدبرِ قرآن کے لئے پہلے انسان متدبر بنے پھر اس سے یہ عملِ تدبر سرزد ہوتا ہے اور وہ قرآن میں تدبر کرتا ہے۔ انسانِ ظاہر بین یعنی بینِ انسانی جو سرسری نگاہ رکھتا ہے، سطحی نگاہ رکھتا ہے اور ہر چیز پر ایسے ہی اٹھتی ہوئی نگاہ ڈالتا ہے تو یہ اہلِ تدبر نہیں ہے، موجوداتِ جہانِ ہستی اور ہمارے اردگرد کی جتنی دنیا ہے، متدبر انسان سب میں تدبر کرتا ہے نہ کہ صرف قرآن میں تدبر کرتا ہے اور باقی کسی چیز میں تدبر نہیں کرتا ہے۔ جب اہل تدبر ہو جاتا ہے تو پھر ساری آیاتِ خدا میں تدبر کرتا ہے مثلاً معمول کے واقعات ہمارے اردگرد روزانہ رونما ہوتے رہتے ہیں، اتفاقات رونما ہوتے رہتے ہیں، حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں اور ہم انہیں پڑھتے بھی ہیں، بعض کو ان واقعات وحوادث سے بڑی دلچسپی بھی ہوتی ہے لیکن واقعات وحوادث پڑھ کر گزر جاتے ہیں کہ فقط معلومات ہوگئی ہیں یا تسکین ہوگئی ہے۔

متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے

۸)متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتاھے

انسان کے اندر جو جاننے یا جستجو کی حس ہے اسے چند ایک واقعات کا علم ہو جانے سے تسکین مل جاتی ہے لیکن اگر انسان اہل تدبر ہو تو ان واقعات کے اندر تدبر کرتا ہے اور ان حوادث کے اندر تدبر کرتا ہے کہ یہ واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں؟ کیسے رونما ہو رہے ہیں؟ ان واقعات کا پسِ منظر کیا ہے؟ ان واقعات کو جنم دینے والے اسباب کیا ہیں؟ عوامل کیا ہیں؟ سرسری انسان، سطحی

انسان جو خبروں کی طرح ہر چیز سُنے اور اٹھ جائے، جس طرح روزنامہ پڑھا جاتا ہے، اخبار پڑھا جاتا ہے، اسی طرح سے حوادث کو پڑھ کر گزر جائے اور ان حوادث سے سرسری طور پر عبور کر جائے تو یہ اہلِ تدبر نہیں ہے، جو حوادث اور واقعاتِ زمانہ میں تدبر نہیں کرتا ہے وہ قرآن میں بھی ہرگز تدبر نہیں کر سکتا ہے، جہانِ ہستی میں یہ موجودات کہ جن کو خداوند نے فرمایا ہے کہ یہ میری آیات ہیں، میری نشانیاں ہیں، اگر انسان ان میں تدبر کرنے والا نہ تو ہو قرآن میں ہرگز تدبر نہیں کر سکتا ہے، تدبر ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم جہاں چاہیں اس کو استعمال کریں اور جہاں چاہیں اس کو ختم کر دیں۔

متدبر انسان ہر چیز میں تدبر کرتا ہے

عاقل انسان اگر قرآن کی بارگاہ میں ہے تو بھی عاقل ہے، اگر گھر میں ہے تو بھی عاقل ہے، کاروبار میں ہے تو بھی عاقل ہے، وہ ہر جگہ عقل استعمال کرتا ہے، یہ ساری چیزیں عقل کا میدان ہیں، اگر تعقل کے مقام پہ فائز ہو گیا ہے تو انسان احساسات سے بالاتر ہو گیا ہے، تو ہمات سے بالاتر ہو گیا ہے اور حواس سے بالاتر ہو کر مقامِ تعقل میں پہنچ آیا ہے، اس کے اندر عقلانیت آ گئی ہے، یہ عقلانیت اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر چیز کے اندر تعقل کرے، ہر چیز کو عینکِ عقل سے دیکھے، اس کے ہر عمل کے اندر تعقل کا شائبہ ہو، یوں تو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ باقی سارے امور میں عاقل نہیں ہے لیکن جب قرآن کھول کر بیٹھے گا تو تعقل شروع کر دے گا، یہ کیسے تعقل کرے گا؟ جب شخصی عقلانیت ہی نہیں آئی ہے تو عاقل بھی شمار نہیں ہوتا ہے، جب عقلاء کے زمرے میں نہیں آیا ہے تو یہ کس طرح سے قرآن میں تعقل کرے گا؟

خداوندِ متعال نے فرمایا ہے کہ تمہارے نفس کے اندر، آفاق میں اور تمہارے گرد و پیش کو ہم

نے اپنی نشانیوں سے بھر دیا ہے، یہ عالم سراپا نشانیٔ خدا ہے اور ان نشانیوں سے ہم صبح وشام سرسری گزرتے ہیں، تدبر اور تعقل نہیں کرتے ہیں یعنی کسی چیز میں ہمیں خدا نظر نہیں آتا ہے، کوئی چیز ہمیں خدا کی طرف نشاندہی نہیں کراتی ہے؟ چونکہ نشانی کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو نشاندہی کرے مثلاً جب آپ گاڑی چلاتے ہیں تو راستے میں ٹریفک کے سگنل ہیں، مختلف سائن لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک قانون کی نشاندہی کر رہا ہے، انسان کے اندر اگر تدبر پیدا نہیں ہوا یعنی ایک انسان متدبر بالفعل نہیں بنا تو وہ کس طرح سے قرآن میں تدبر کر سکتا ہے؟ ان حوادث سے، ان اتفاقات سے سرسری نہ گزریں بلکہ آپ رک جائیں، توقف کریں اور ان واقعات وحوادث اور ان نشانیوں کی تہہ تک پہنچیں چونکہ ہر حادثہ اپنے اندر ایک جہانِ اسباب وعوامل اور معرفت چھپائے ہوئے ہے، خواہ طبعی حادثہ ہو، انسانی حادثہ ہو، اجتماعی حادثہ ہو، ناگوار حادثہ ہو، خوشگوار حادثہ ہو یا جس قسم کا بھی حادثہ ہو مثلاً انسان اسی طلوع وغروب میں غور وتدبر کرے۔

۹)جھاں بینی اور جھاں بانی میں فرق

ہم سرسری کیوں ہیں؟ اہل تدبر کیوں نہیں بنتے ہیں؟ یعنی یہ سرسری پن اور سطحی پن انسان کے اندر کیوں پیدا ہوتا ہے؟ یہ نکتہ پہلے بھی بہت ساری مناسبتوں سے عرض ہوا ہے لیکن یہاں بھی اس کا تذکر ضروری ہے، عالِم میں اور عامی میں یعنی علماء اور عوام میں فرق کیا ہے؟ عوام کا جن چیزوں سے سروکار ہے علماء کا بھی انہی چیزوں سے سروکار ہے، علماء سے مراد مدرسے کے فارغ التحصیل نہیں

ہیں بلکہ قرآن کی اصطلاح میں جو علماء ہیں یا جن کو آج کی اصطلاح میں مفکرین، دانشور، حکماء اور فیلسوف کہا جاتا ہے، جن کا کام شناختِ جہان ہے اور شناختِ جہان تدبیرِ جہان سے زیادہ مشکل کام ہے، علامہ اقبالؒ کے بقول

جہانبانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی ......(۱۱)

جہاں بانی یعنی پورے جہان پر حکومت کرنا، پورے عالم پر حکومت کرنا، فرمانروائی کرنا بہت آسان ہے لیکن جہاں بینی بہت مشکل کام ہے۔ انسان جہاں بین کب بنتا ہے؟ اور جہاں بان کب بنتا ہے؟ جہاں بان کوئی بھی بن سکتا ہے، اسکندر جہاں بان تھا اور اس نے پورے جہان میں سے آدھے جہان سے زیادہ پہ قبضہ کرلیا تھا اور جہاں بانی کی، چنگیز جہاں بان بنا اور آدھے سے زیادہ جہان پہ قبضہ کرلیا اور اس نے بھی جہاں بانی کی، استعماری طاقتوں نے جہاں بانی کی ہے، جہاں بانی سب کرسکتے ہیں لیکن جہاں بینی بہت مشکل کام ہے اور ہر زمانے میں کئی لوگ جہاں بان ہیں لیکن صدیوں بعد ایک جہاں بین پیدا ہوتا ہے، ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے کہ جو جہان کی تہہ تک اترتا ہے، ان موجودات کے اندر تک جاتا ہے، دانشور وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے راز کھولے ہیں۔

۱۰)عالم اور عامی میں فرق

جن لوگوں نے ہستی کے سربستہ راز کھولے ہیں ان کو عالم کہا جاتا ہے، عالم کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو ان موجودات سے اثر کی توقع نہیں رکھتا ہے، صرف فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا ہے، انہی چیزوں

سے عوام کا سروکار ہے اور انہی چیزوں سے علماء کا بھی سروکار ہے۔ عوامی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو فقط اس شے سے اپنا مطلوبہ اثر، اپنا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے چاہے اس کی حقیقت اس کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے، وہ حقیقت جاننے کے درپے نہیں ہوتا ہے مثلاً یہی ایٹم (Atom) کہ اس سے صدیوں سے استفادہ ہوتا رہا کہ جب سے انسان ہے، بالآخر ایٹم انسان کی دنیا میں داخل ہے لیکن ایٹم کی شناخت کی ضرورت انسان کو محسوس نہیں ہوئی چونکہ ہمارا کام تو پورا کر رہا ہے، اب اس کا نام ہی انہوں نے ایٹم رکھا ہوا تھا یعنی ناشکن، نہ ٹوٹنے والی شے۔ ایٹم یعنی ناشکن، کیونکہ انہیں اس سے غرض نہیں تھی، ٹوٹے نہ ٹوٹے اس کے اندر انرجی ہے لیکن اس کے اندر کیا چیز ہے؟ یہ خود کیا ہے؟ ہمیں اس سے کیا غرض؟ صرف اس سے ہماری ضرورت پوری ہو رہی ہے۔

مثلاً پانی کیا ہے؟ ہمیں کیا معلوم پانی کیا ہے؟ اسکی حقیقت کیا ہے؟ جب پیاس بجھا رہا ہے، آپ کے کھیت کو سیراب کر رہا ہے، آپ کے کپڑے پاک کر رہا ہے مثلاً دھوبی کو کیا معلوم کہ پانی کی حقیقت کیا ہے؟ آکسیجن، ہائڈروجن ہے، عنصر ہے یا نہیں ہے، اس کو تو گھاٹ کے لئے پانی چاہئے کہ یہ کپڑے دھوئے اور یہ میل اتار دے بس تمام شد، ایک کسان کو پانی کی حقیقت جاننے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ وہ پانی سے فقط کھیت کو سیراب کرنا چاہتا ہے اور اسی طرح سے ایک شخص ہے کہ جو پانی سے فقط غسل کرنا چاہتا ہے، فقط وضو کرنا چاہتا ہے، حقیقتِ آب اسکے لئے اہمیت نہیں رکھتی ہے، یہ فقط فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، یہ عامی انسان ہے۔

عالم کون ہے؟ عالم وہ ہے کہ خود پانی اسکے لئے معمہ ہے مثلاً یہ سوال کہ پانی اوپر سے نیچے

کی طرف کیوں بہتا ہے؟ نیچے سے اوپر کی طرف کیوں نہیں جاتا؟ کسان روزانہ پانی کو اسی طرح اوپر سے نیچے کی طرف، فراز سے نشیب کی طرف استعمال کرتا ہے لیکن ایک دن بھی اس کے ذہن میں یہ سوال نہیں اٹھا کہ آخر پانی کی طب میں ایسا قانون کیوں شامل ہے کہ یہ اوپر سے نیچے کی طرف حرکت کرتا ہے درحالیکہ باقی چیزیں مثلاً دھواں، گیس اور ہوا نیچے سے اوپر کی طرف جاتے ہیں لیکن کسان کے لئے یہ سوال نہیں اٹھا۔

بعض اہل قلم کے بقول اگر یہ نیوٹن گھر میں ہی سویا رہتا، بیوی سے اس کا جھگڑا نہ ہوتا اور وہ روٹھ کر باہر اس سیب کے درخت کے نیچے نہ سوتا اور وہاں سے سیب اس کے سر پہ نہ گرتا تو آج تک اصلاً بشریت کششِ ثقل سے محروم ہوتی، یہ آکر بیٹھا اور وہاں اس کے سر پہ سیب گرا تو اس نے سوچا کہ یہ سیب صرف نیچے کیوں آیا؟ اوپر کی طرف کیوں نہیں گیا؟ اس نے سوال اٹھایا، اسی کو تدبّر کہتے ہیں لیکن ایک عامی کے لئے سیب سر پر گرا اور اس نے پکڑ کر خوش ہو کر کھالیا، سیب اس کے لئے فقط کھانے کی چیز ہے۔ اہل تدبر میں اور عامی میں یہی فرق ہے، متدبر کے لئے سیب کتابِ خدا اور مطالعے کی کتاب ہے۔

استادِ بزرگوار حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی کے گھر میں انار کا درخت تھا اور اس کے اوپر بہت ہی خوبصورت انار لگے ہوئے تھے اور وہ پک کر بالکل پھٹنے کے قریب تھے چونکہ انار جب پک جاتا ہے، سرخ ہو جاتا ہے اور اپنی اوج پہ پہنچتا ہے تو پھر اس کے اندر دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں، یہ پھٹنا شروع ہو جاتا ہے، بالآخر ان کے محافظوں میں سے یا خدام میں سے کسی

نے وہ توڑ کر کھالیا، جب حضرتِ استاد واپس آئے تو دیکھا کہ درخت کے ساتھ وہ انار نہیں ہے، پوچھا کہ انار کہاں گیا؟ معلوم ہوا کہ وہ فلاں شخص نے توڑ کر کھالیا، اس پر بہت ناراض ہوئے کہ تو نے یہ کیا ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ تو ظلم نہیں ہے، یہ تو ایک پکا ہوا انار تھا، ابھی گر جاتا، خراب ہو جاتا، کھانے کی چیز تھی بالآخر کھا گیا، فرمایا کہ تجھے اگر انار ہی کھانا تھا تو بتاتا منڈی سے پانچ کلو، دس کلو، بیس کلو انار تیرے لئے لے آتے، وہ حیران تھا کہ آخر کیا فرق ہے منڈی کے انار میں اور اس انار میں، یہ بھی کھانے کا ہے اور وہ بھی کھانے کا ہے لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ ایک حکیم، ایک فیلسوف کیلئے انار کھانے کی چیز نہیں ہے، انار مطالعہ ہے، انار ایک حکمت کی کتاب ہے، جس کے اندر فراواں رازِ خدا پوشیدہ ہیں، انار معرضِ تدبرِ حکیم ہے، وہ کس نگاہ سے دیکھ رہا ہے؟ اور یہ کس نگاہ سے دیکھ رہا ہے؟

۱۱) ہم اہلِ تدبر کیوں نہیں ہیں؟

بھینس کو خدا نے تدبر کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، بھینس کو نہیں کہا کہ تجھے گاس کی تہہ میں چھپی ہوئی حکمت تک بھی پہنچنا ہے، بلکہ اس کیلئے فقط یہ ہے کہ صرف تجھے گھاس تک پہنچنا ہے لہٰذا خدا نے بھینس کو وہ تمام آلات وابزار دیئے ہیں کہ جن سے گھاس پیٹ میں منتقل کر سکے لیکن انسان کو پیٹ بھی دیا، معدہ بھی دیا اور ساتھ عقل بھی دی ہے کہ یہ ساری چیزیں تجھے پیٹ میں نہیں پہنچانی ہیں، تجھے بعض چیزیں عقل میں بھی پہنچانی ہیں اور عقل کے ذریعے تجھے ان کی گہرائی میں بھی اترنا ہے، یہ چیزیں روزانہ تیرے سامنے سبز ہوتی ہیں، اگتی ہیں، تیرے سامنے چیزیں سر اٹھاتی ہیں لیکن انسان

سرسری گزر جاتا ہے، کیوں سرسری بن جاتا ہے؟ ہم کیوں سرسری ہیں؟ کیوں ان چیزوں سے عبور کرتے ہیں؟ چونکہ فقط اشیاء کے فائدوں سے سروکار ہے، اشیاء کی حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہے یعنی عقل کے بجائے ہمارا معدہ زیادہ فعال ہے چونکہ فائدے سارے معدہ کی طرف جاتے ہیں، ہمارے لئے محرک معدہ ہے نہ کہ عقل، اگر عقل محرک ہوتو بہت ساری چیزیں کھانے کو جی نہیں کرتا ہے۔

مرحوم علامہ طباطبائیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے گھر میں مرغ پالے ہوئے تھے اور جب بھی کوئی مہمان آتا تو بازار سے خرید کر اس کے لئے مرغ لے آتے حالانکہ گھر میں موجود تھا لیکن ایک دفعہ وہ اتنا بوڑھا ہوگیا یا مریض ہوگیا کہ مرنے کے قریب ہوگیا لیکن اس کو پھر بھی نہیں کاٹا، کیوں؟ اس لئے کہ وہ ایک جاندار چیز تھی، حیات کا ایک نمونہ تھا کہ جو ایک حکیم کے مطالعے کی چیز ہے، جس کی حرکات، جس کی سکنات، جس کا وجود، جس کی ساخت اور جس کی بناوٹ خدا کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

مثلاً آپ نہج البلاغہ پڑھیں کہ جس میں امیر المومنین علیہ السلام نے مور اور چیونٹی کی تفسیر بیان کی ہے یعنی مولا علی علیہ السلام کو چیونٹی میں کیا نظر آتا ہے؟ خدا نظر آتا ہے، یہ چیونٹیاں جو روزانہ ہمارے سامنے پیدا ہوتی ہیں، نکلتی ہیں، غائب ہوتی ہیں، کبھی سوچا کہ گرمیوں میں آجاتی ہیں لیکن سردیوں میں کہاں ہوتی ہے؟ سردی میں کوئی چیونٹی نظر نہیں آتی ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں پورا خطبہ چیونٹی کی حقیقت کے بارے میں بیان کیا ہے اور ایک خطبہ مور کے بارے میں بیان کیا، ایک

خطبہ خفاش یعنی چمگادڑ کے بارے میں دیا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ امیر المومنین علیہ السلام آشناسائے حکمتِ خدا ہیں، خدا نے اس جہان میں ایک طرف سے اپنے راز پیدا کیئے تو دوسری طرف سے علی علیہ السلام کو پیدا کیا کہ یہ دنیا تو چرنے میں لگی ہوئی ہے کوئی ایسا بھی ہو جو ان رازوں کو کھولے اور امیر المومنین علیہ السلام نے وہ راز کھولے، فراواں راز کھولے ہیں، خود امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے ایک راز ہیں، ان کو کھولنے والا بھی کوئی ہوتا کہ ان سے ہم حقیقتِ جہان تک پہنچیں، پس انسان اس وقت سرسری انسان ہو جاتا ہے کہ جب اشیاء کی معرفت و حقیقت ہمارے لئے اہمیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ ان کے اندر چھپے ہوئے فائدے اہمیت رکھتے ہیں، اس وقت انسان عامی بن جاتا ہے، عالم نہیں بنتا ہے، بے شک پڑھ لکھ جائے لیکن اگر ساری توجہ فائدوں کے اوپر ہے تو یہ کبھی بھی عالم نہیں بن سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک مہمان کمرے میں داخل ہوئے، انہوں نے کتابیں دیکھیں، ان کا ذہن بالکل کیلکولیٹر (Calculator) کی طرح تھا، فوراً ہی انہوں نے ایک مختصر نگاہ میں یعنی ایک منٹ سے کم کے حصے میں پورے کمرے میں موجود کتابوں کا اسٹیمیٹ (Estimate) لگا کر کہا کہ لگتا ہے یہ کتابیں اتنے ملین (Million) کی ہوں گی یعنی انہیں فوراً کتابوں کے اندر ملین روپیہ نظر آیا یا تو مان نظر آئے، انہیں کتابوں کے اندر چھپا ہوا علم نظر نہیں آیا، یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتابیں کس موضوع پر ہیں؟ یہ کتابیں کیا بتاتی ہیں؟ ان کتابوں سے کیا ملتا ہے؟ نا، فوراً کتابوں میں روپیہ نظر آیا لیکن علم نظر نہیں آیا۔

پس انسان عجائباتِ عالم کو دیکھ کر سرسری نہ گزر جائے اور اس کی سوچ فقط ان اشیاء میں موجود فائدوں پر مرکوز نہ ہو بلکہ ان میں تدبر کرے۔

۱۲) اللہ کی نشانیوں سے اجنبی نہ بنیں

انسان خدا سے یہ توفیق مانگے کہ خدایا ہمیں اہلِ تدبر قرار دے، اپنی آیات کے اندر، اپنی نشانیوں کے اندر، اپنے جہان کے اندر اور ان حوادث کے اندر کہ جو صبح وشام ہمارے سامنے رونما ہوتے ہیں، بقول علامہ اقبالؒ

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ......(۱۲)

یہ گلزارِ ہست و بود، یہ بستانِ موجودات، یہ باغِ چمنستانِ حقائقِ ہستی، جس کی باغبان خود ذاتِ خدا ہے اس کو اجنبی بن کر نہ دیکھو، بیگانہ بن کر، اجنبی بن کر اس جہان میں گھوم رہے ہو گویا تمہارا تعلق اس جہاں سے ہی نہیں ہے، اگر تمہارا تعلق نہ ہوتا تو تمہیں اس جہان میں پیدا کیوں کیا جاتا؟ بلکہ تمہیں کسی اور ملکوت میں پیدا کیا جاتا، بقول حافظ

من ملك بودم و فردوسِ برین جایم بود......(۱۳)

وہاں پیدا کرتا جہاں یہ سارے درخت نہ ہوتے، یہ جانور نہ ہوتے، یہ پرندے نہ ہوتے، یہ موسم کی تبدیلی نہ ہوتی، اختلافِ لیل ونہار نہ ہوتا، کچھ بھی نہ ہوتا۔ اگر آپ اجنبی ہوتے اور اس دنیا سے بیگانہ ہوتے تو آپ کو عالمِ تجرد میں پیدا کیا جاتا۔ آپ خود کو اس جہان میں اجنبی کیوں سمجھتے ہو؟ خداوندِ متعال نے فرمایا کہ

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ

سَبۡعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمٌO(۱۴)

وہ خدا وہ ہے جس نے زمین کے تمام ذخیروں کو تم ہی لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے بعد اس نے آسمان کا رخ کیا تو سات مستحکم آسمان بنادیئے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اور مزید فرمایا کہ

أَلَمۡ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡأَرۡضِ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِیۡ فِي الۡبَحۡرِ بِأَمۡرِهٖ وَيُمۡسِكُ السَّمَاءَ أَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡأَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ......(۱۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کردیا ہے اور کشتیاں بھی دریا میں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اور وہی آسمانوں کو روکے ہوئے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا ہے۔

یعنی اپنے آپ کو اجنبی کیوں سمجھتے ہو؟ جب کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا ہوا ہے اور جس ماحول میں ہم اجنبی بن کر رہیں گے اس ماحول میں ہم عامی بن جائیں گے۔

۱۳)قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

آیا معلوم ہے کہ قرآن نے اجنبیوں کے لئے کیا کہا ہے؟ مثلاً یہاں انقلابِ اسلامی میں، حوزۂ انقلابی میں رہتے ہیں، ایک ایسی مملکت میں کہ جس میں انقلابِ اسلامی یعنی اپنی صدی کی، تاریخ اسلام کی بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ بشری کی منفرد رُ و دادرُ ونما ہوئی ہے، لیکن اس میں

اجنبی بن کر رہتے ہیں کہ انقلاب سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ اجنبی بن کر کہتے ہیں کہ یہ ایرانی انقلاب ہے۔ معلوم ہے اجنبیوں کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟ یعنی اقبالؒ کے بقول اس گلزارِ ہست و بود میں جو بیگانہ وار رہتے ہیں قرآن انہیں کیا کہتا ہے؟ قرآن ان کو نہیں سراہتا بلکہ سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے، سورۂ اعراف اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اجنبی بن کر اس عالم میں زندگی بسر نہ کریں،

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ٥(١٦)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنّم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں، یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔

ایک بہت بڑی تعداد

كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ......

جنوں اور انسانوں کی ایک کثیر تعداد ہم نے جہنم کے لئے مخصوص کر دی ہے، ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے کہ یہ جہنم میں جائیں گے، کیوں؟ آخر انہوں نے کیا کیا ہے کہ یہ جن وانس جہنم میں جائیں گے؟ اس لئے کہ یہ اجنبی ہیں، گلزارِ ہست و بود میں بیگانہ وار رہتے ہیں، چرتے ہیں اور پھر

اس کے بعد اجنبی بن کر بیٹھ جاتے ہیں، انہیں کوئی غرض نہیں ہے کہ دیکھیں یہ طلوع کیا ہے؟ یہ غروب کیا ہے؟ یہ شمس کیا ہے؟ یہ قمر کیا ہے؟ یہ کہکشانیں کیا ہیں؟ یہ جہانِ ظاہر کیا ہے؟ یہ جہاں غیر ظاہر کیا ہے؟ یہ عالمِ نزدیک کیا ہے؟ یہ عالمِ دور کیا ہے؟ یہ صبح کیا ہے؟ یہ شام کیا ہے؟ اور اس کے اندر یہ سب کچھ رونما ہونے والے اتفاقات کیا ہیں؟

بعض کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے بھی کہا کہ مثلاً میر جعفر اور میر صادق کہ جو دو ہندوستانی کردار ہیں، اہل ہند کو اس کی خبر ہے، ہندوستان سے مراد برصغیر ہے، میر جعفر اور میر صادق کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے اپنے فارسی کلام میں لکھا ہے کہ یہ بہت بڑے خائن ہیں، انگریزوں کے تسلط میں ان دو خائنین کا بہت بڑا ہاتھ تھا، سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی شکست میں ان دونوں کا ہاتھ تھا اور اتفاقاً دونوں شیعہ تھے، میر جعفر بھی اور میر صادق بھی، ان کے بارے میں کہا کہ یہ اتنے بڑے خائن ہیں کہ انہیں جہنم بھی قبول نہیں کرے گی، جہنم بھی ان سے بیزار ہوگی، بعض انسان واقعاً اتنے پست ہیں، خدا کی زمین پہ رہتے ہیں لیکن اتنے گھٹیا اور پست ہیں کہ جہنم کے قابل بھی نہیں ہیں، اس لئے خداوند نے سورۂ رحمٰن میں جہنم کو نعمتوں میں سے شمار کیا ہے کہ

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝(۱۷)

یہی وہ جہنم ہے جس کا مجرمین انکار کررہے تھے۔ اب اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے پھریں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

قرآن کا جنیوں کیلئے پیغام

خدا نے جہنم کو نعمتوں میں شمار کیا ہے، واقعاً یہ طبقہ کہ جو جہانِ ہستی میں بیگانہ وارد رہتا ہے اگر یہ دربدر طبقہ جہنم میں نہیں جائے گا تو اور کدھر جائے گا؟

سورۂ مبارکہ اعراف کی آیہ ۱۷۹ کے مطابق جن وانسان کی کثرت کو جہنم میں کیوں ڈالیں گے؟

لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا......

ان کو دل دیئے ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں ہیں،

وَلَهُمۡ أَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا......

ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں ہیں،

وَلَهُمۡ آذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا......

ان کو کان دیئے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں ہیں،

أُولٰئِكَ كَالۡأَنۡعَامِ......

یہ جانوروں کی طرح ہیں،

بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ......

بلکہ جانوروں سے بھی پست تر اور بدتر ہیں،

أُولٰئِكَ هُمُ الۡغَافِلُوۡنَ٥

یہ غافل ہیں، یہ بیگانہ لوگ ہیں، یہ اجنبی لوگ ہیں، کیا تمہیں اس لئے انسان بنایا تھا

اور عقل وشعور دیا تھا کہ اجنبی بن کر رہو؟ پھر تو جانور بہتر ہے کیونکہ جانور کو تو خدا نے عقل وشعور نہیں دیا، عقل وشعور لے کر بھی اگر انسان جانور کی طرح اجنبی رہے تو پھر تو یہ جانور سے بھی بدتر ہے مثلاً فرض کریں کہ ایک جانور اِدھر آتا تو اس کا انقلاب سے کیا تعلق ہوتا؟ آیا اس کا کوئی تعلق تھا؟ مثلاً اگر کوئی بھینس آتی، کوئی گائے آجاتی، کوئی پرندہ اِدھر آجاتا تو اس کا انقلاب سے کیا تعلق تھا؟ اجنبی آیا اور اجنبی اڑ کر چلا گیا کہ جیسے مہاجر پرندے آتے ہیں، خدا نے جس انسان کو عقل وشعور دیا اور وہ بھی اجنبی وار یہاں پر رہ کر چلا گیا تو واقعاً حق بنتا ہے کہ یہ جانور سے بھی بدتر ہے، پس چونکہ ان قلوب نے اجنبی نہیں رہنا بلکہ ان سے سمجھنا ہے، ان سے سوچنا ہے، ان سے تفکر کرنا ہے، ان سے تدبر کرنا ہے، خدا نے قلوب دیئے ہی اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعے سے تدبر اور تفقہ کرو۔

قرآن کا اجنبیوں کیلئے پیغام

پس پہلے انسان اس مقام پر فائز ہو، پہلے اپنے آپ کو اہلِ تدبر بنائے، اہل تدبر کب بنے گا؟ جب سرسری پنا ختم کردے، ہر چیز میں تدبر کی عادت بنالے، انسان تدبر کے مقام پر فائز ہو یعنی اس دل سے تفقہ کرے، رکے، سوچے اور اشیاء کے اندر غور کرے، مطالعہ کرے، فقط ان کو کھانے کے چکر میں نہ رہے، فقط ان کو ہڑپ کرنا مقصد نہ ہو، فقط معدہ بھرنے کی فکر میں نہ ہو بلکہ ذہن بھرنے کی فکر میں ہو، وہ انسان جب قرآن کے سامنے آتا ہے تو تدبر کرتا ہے ورنہ اگر انسان دیگر جہانِ ہستی میں، حوادثِ عالم میں اور روزگارِ زندگی میں سرسری ہو اور یہی سرسری انسان قرآن کے سامنے آجائے اور ناگہاں تدبر شروع کردے تو ایسا کوئی معجزہ یا اتفاق رونما نہیں ہوتا ہے، ایسا ممکن ہی نہیں ہے، جب تک انسان خود عملاً پوری زندگی کے اندر اور باہر تدبر نہ کرے تو قرآن کے اندر تدبر کرنا دور از فہم ہے۔

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ رعد، آیہ۴)(سورۂ مبارکہ روم، آیہ۲۴)

(۲)......(سورۂ مبارکہ عنکبوت، آیہ۳۵)

(۳)......(سورۂ مبارکہ محمدؐ، آیہ۲۴)

(۴)......(تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، مقدمة و بحثِ روائی، الجزء۳، صفحه۴۰)(شرح خطبه البیان امام علیؑ بن ابی طالبؑ)(باطن و تأویل قرآن)

(۵)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ۹۷)

(۶)......(سورۂ مبارکہ نحل، آیہ۹۸)

(۷)......(التفسیر و المفسرون)

(۸)......(تنبیه الغافلین و ارشاد الجاهلین عما یقع لهم من الخطأ حال تلاوتهم لکتاب اللّٰه المبین، باب تنبیهات، الجزء ۱، صفحه۱۱۹)

(۹)......(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحه ۵۷)(میزان الحکمة - الریشهری، الجزء۸، صفحه ۲۰۷)

(۱۰)......(مَصَاعِدُ النَّظَرِ لِلاشْرَافِ عَلی مَقَاصِدِ السِّوَرِ - ابراهیم بن عمر بن حسن الرباط بن علی بن أبی بکر البقاعی، المتوفی: ۸۸۵ ھ، الجزء ۱، صفحه۳۳۸)

(۱۱)......(بانگِ درا، حصۂ سوم، عنوان: طلوعِ اسلام، صفحہ۲۶۸)

(۱۲)......(بانگِ درا، حصۂ اول، غزلیات، صفحہ۹۸)

(۱۳)......(دیوان حافظ شیرازی،از روی نسخهٔ تصحیح شدهٔ علامه محمد قزوینی،غزل۳۱۷،صفحه۲۴۷)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ،آیہ۲۹)

(۱۵)......(سورۂ مبارکہ حج،آیہ۶۵)

(۱۶)......(سورۂ مبارکہ اعراف،آیہ۱۷۹)

(۱۷)......(سورۂ مبارکہ رحمٰن،آیہ۴۵،۴۴،۴۳)

فصلِ ادبِ چھارم

﴿تدبر در قرآن﴾

(حصّہ دوم)

١)عالمِ خلقت کے مطالعے کی ضرورت

٢)قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی

٣)اھلِ تدبر جنت کے حقدار

٤)تدبر، ترقی کا پیش خیمہ

٥)علماءِ دین کون ھیں؟

٦)اولوا الالباب کون ھیں؟

٧)اھلِ لُبّ ھی خدا کو پاسکتے ھیں

٨)تدبر کی مشق کے مراحل

٩)سوال پیدا ھوتا ھے

١٠)سات ملین سوالوں کی تیاری

١١) قرآن اھلِ تدبر کا راھنما

١٢)متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نھیں آسکتا

١٣)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن میں غور و فکر کرنا

۱) عالمِ خلقت کے مطالعے کی ضرورت

خدا نے عالمِ طبیعت کا نظام اس طرح خلق کیا ہے کہ جتنی بھی قیمتی چیزیں، نازک چیزیں اور کارآمد چیزیں ہیں انہیں خدا نے کسی نہ کسی طبعی پردے کے اندر مخفی و پنہاں کر کے خلق کیا ہے، مثلاً ہم یہی چیزیں جو کھاتے ہیں مثلاً سیب ہے، انگور ہے، انار ہے، اسے انسان فقط معدے کی اِشتہا کے اثر میں نہ دیکھے کہ یہ کھانے کی چیز ہے اور فقط دیکھتے ہوئے انسان کی رال ٹپک آئے، بلکہ اس کا مطالعہ کریں، پہلے اس کو ذہن سے دیکھیں، غور کریں، فکر کریں، یہ ایک کتاب ہے کہ جو خداوند تبارک و تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے لہٰذا پہلے اس کتاب کو پڑھیں۔

عموماً پاکستان میں چونکہ آزادی ہے اور شاید کوئی ایسا آزاد ملک نہ ہو البتہ ہندوستان میں بھی سنا ہے کہ ایسی آزادی موجود ہے کہ وہاں پر حیوانات جس سڑک پر چاہتے ہیں آجاتے ہیں مثلاً بھینسیں، بیل، گدھے جو جانور بھی آکر روڈ بلاک کرنا چاہیں، جہاں چاہیں بیٹھ جائیں اور جہاں جو مرضی ہے کریں، عموماً یہ آوارہ بھینسیں یا گائیں شہروں میں کہ جہاں ظاہر ہے کہ سبزہ، گھاس یا ان کے چرنے کی چیزیں نہیں ہوتیں بلکہ یہاں پلاسٹک ہے، تھیلیاں ہیں، کچرا ہے لہٰذا یہی ان کی یہ مرغوب غذا ہے، یہی کھا کے ان کا پیٹ بھرتا ہے۔ یہ آوارہ بھینس یا آوارہ گائیں جو شہر کے اندر پلاسٹک، کچرا، ردی کاغذ اور اخبار کھاتی ہیں اگر کسی لائبریری میں چلی جائیں یا کسی بک اسٹال پہ چلی جائیں تو انہیں وہ لائبریری نظر نہیں آئے گی بلکہ یہ چراگاہ نظر آئے گی، مرغوب ترین غذائیں نظر آئیں گی چونکہ کاغذ کھانا، پلاسٹک کھانا، چپل کھانا، جوتے کھانا، کچرا کھانا ان کی خوراک

عالمِ خلقت کے مطالعے کی ضرورت

ہے، میونسپل کمیٹی (Municipal committee) کا کام وہاں پر بھینسیں اور گائیں انجام دیتی ہیں۔ یہ گائے سب کچھ کھا جاتی ہے، کاغذ، چمڑا، تھیلیاں اور پلاسٹک بھی کھا جاتی ہیں، یہ چیزیں کھانے کی نہیں تھیں لیکن شہر میں اس گائے کو کچھ اور نہیں ملتا ہے، آوارگی کی وجہ سے یا مالک نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کا کوئی نگہبان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ان چیزوں کو کھانے کی عادت پڑ گئی ہے کہ جو کھانے کی نہیں ہیں، از جملہ کتابیں بھی کھا جاتی ہے مثلاً اخبار کا کوئی اسٹال لگا ہوا ہو یا کوئی اخبار فروشی کا مرکز ہو اور اس کے مالک نے بھی آزاد چھوڑا ہوا ہو تو یہ گائے جائے گی اور سارے اخبار کھا جائے گی، اخبار پڑھنے کے لئے ہے، گائے، بھینس کے لئے نہیں ہے لیکن یہاں بھینس کے کھانے کی چیز ہے اور اس کی خوش مزہ غذا ہے۔

انڈیا کی ایک خبر آئی تھی کہ ایک زچہ اسپتال میں بچہ پیدا ہوا اور اسکے کچھ گھنٹوں کے بعد اس عورت کو بچے سمیت ہسپتال والوں نے مُرخّص کیا کہ گھر جائے، اس کا شوہر حساب کتاب کر رہا تھا، ہسپتال میں پیسے دے رہا تھا اور عورت بچہ لے کر بیٹھی ہوئی تھی، آوارہ کتا اندر ہسپتال میں آیا اور اس نومولود بچے کو کہ جو چند گھنٹے پہلے پیدا ہوا تھا اٹھا کر لے گیا، اتنی آزادی اور دنیا میں حیوانات کے حقوق کا احترام شاید جتنا ہندوستان و پاکستان میں ہے کہیں بھی نہیں ہے۔

ان مناظر کو دیکھ کر انسان سمجھے کہ یہ جانور جو کتابیں کھا جاتا ہے، آپ کیلئے بڑی قیمتی مطالعے کی کتاب اور علم کا ذخیرہ ہے لیکن ایک بھینس کے لئے ایک لقمہ و چارہ ہے، اسی طرح بہت سارے مناظر خدا نے بنائے ہیں، بہت ساری اشیاء خلق کی ہیں کہ جو اہلِ عقل کے لئے کتابیں ہیں

لیکن اہل معدہ کے لئے یہ چارہ ہے یعنی خدا نے بہت ساری چیزیں کتابیں بنا کر خلق کی ہیں، کتابیں یعنی جن کے اندر معرفت اور آیاتِ وجودیٔ خدا موجود ہیں لیکن انسان بھی آوارہ بھینسوں کی طرح ان سب کو کھا جاتا ہے۔ انسان حشرات اور پرندوں پر غور کرے، یہ موجودات جو ہمارے ارد اگرد صبح و شام رہتے ہیں یہ سب تجلیاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہیں لیکن انسان غافل ہے،

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ٥(١)

درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔

یعنی بصیرت نہیں ہے، یہ چیزیں ہمیں آنکھوں سے نظر آتی ہیں اور پھر رال ٹپکتی ہے اور انہیں کھانے کا جی کرتا ہے لیکن ان کے مطالعہ کی طرف اور ان کے اندر غور وفکر وتدبر کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا ہے اور ان میں متجلی نظر نہیں آتا ہے، ان لوگوں کو خدا نے جانوروں کی مانند قرار دیا ہے۔

جانور چار قدموں والے بھی ہیں اور دو قدموں والے بھی ہیں، جیسے قرآن نے بھی کہا کہ جن کو ہم نے دل دیا ہے لیکن ان سے سمجھتے نہیں ہیں، جن کو آنکھیں دی ہیں لیکن اس سے دیکھتے نہیں ہیں، جن کو کان دیئے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں ہیں،

أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ ......(٢)

یہ جانوروں کی طرح ہیں، مویشیوں کی طرح ہیں، مویشیوں کی طرح کیوں ہیں؟ چونکہ یہ ہر چیز کو چارہ سمجھتے ہیں، جس چیز کو سمجھنا ہے اسے بھی کھا جاتے ہیں، جس چیز کو پرکھنا ہے اسے بھی

کھا جاتے ہیں، جس چیز کو پڑھنا ہے اسے بھی کھا جاتے ہیں یعنی جو چیزیں ہم نے پڑھنے کے لئے خلق کی ہیں یہ وہ بھی کھا جاتے ہیں، جو چیزیں ہم نے سمجھنے کے لئے خلق کی ہیں یہ ان کو بھی کھا جاتے ہیں، یہ جانور ہیں جس طرح سے ایک بھینس لائبریری میں آجائے اور ردی کا غذ کھانے کے عادت ہو تو وہ ساری کتابیں کھا جائے گی اسی طرح سے ہم بھی درحقیقت بہت ساری کتابیں کھا رہے ہیں، جو چیزیں مطالعے کی ہیں ان کو بھی کھا رہے ہیں، جو چیزیں سمجھنے کی ہیں ان کو بھی کھا رہے ہیں، ہر چیز پہ نگاہ کرتے ہیں کہ اس کو کھا جائیں درحالیکہ بہت ساری چیزیں غور و فکر کے لئے ہیں۔

چونکہ قرآن نے ہمیں دعوت دی ہے کہ غور کریں، اللہ نے یہ جہانِ ہستی خلق کیا ہے، عالمِ طبیعت بنایا ہے لہٰذا ہم اس کے اندر غور کریں، اس کے بارش برسنے میں غور کریں، اس کے پانی بہنے میں غور کریں، کشتی چلنے میں غور کریں، دن رات بدلنے میں غور کریں، ہوائیں چلنے میں غور کریں، بیج اور فصلیں اگنے میں غور کریں، خزاں میں غور کریں، بہار میں غور کریں، یہ سب خدا کی کتابیں مطالعے کے لئے ہیں، یہ ساری کتبِ توحیدی ہیں لیکن انسان ان سب کو یا چراگاہ سمجھتا ہے یا چرنے کا سامان سمجھتا ہے، اس لئے قرآن نے کہا کہ

أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ......

یہ تو مویشیوں سے بھی بدتر ہیں، جو چیزیں ہم نے ان کے سمجھنے کے لئے بنائی ہیں یہ انہیں کھانے کی نیت سے دیکھتے ہیں، ہم مناظرِ طبیعت، پھل، سبزیوں، کھیت اور روزمرہ کے حوادث پر اگر غور کریں، مطالعہ کریں تو تدبر سے انسان ان کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور یہی خداوند تبارک وتعالیٰ

کی نشانیاں ہیں چونکہ راز خدا نے چھپائے ہوئے ہیں، راز کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو چھپا ہوا ہو، جو پنہاں نہ ہو اس کو تو راز نہیں کہتے ہیں۔ آپ پھلوں کی ترکیب دیکھیں، پھلوں میں جو قیمتی اور نازک حصہ ہے کہ جس کے اندر غذائیت ہے اس کو کس اہتمام کے ساتھ رکھا ہوا ہے؟ خداوند تبارک وتعالیٰ نے طبعی طریقے پر کس طرح سے اس کی خلقت کی ہے؟ آپ اخروٹ کی ساخت میں غور کریں، بادام میں غور کریں، یہ چیزیں جو ہم خرید کر کھا جاتے ہیں ان پر غور کریں، انسان جب سبزیوں اور مختلف قسم کے فروٹز (Fruits) کو دیکھے تو غور و تدبر کرے کہ کیا عجیب لطفِ الٰہی ہے اور کیا حسین ترتیب ہے؟ کیسی خلقت ہے؟ کیسی بناوٹ ہے؟ کس طرح سے ان کے اندازے ہیں؟ کس طرح سے ان کے اندر مٹھاس ہے؟ کس طرح سے ان کے اندر غذائیت ہے؟ کس طرح سے ان کے اندر پاکیزگی ہے؟ ان کے اندر کس قدر نفاست ہے؟ انسان کو حیرت ہو جاتی ہے اور اصلاً کھانے کو جی نہیں کرتا ہے،

مثلاً جب انسان ایک انار کھول کر اس کے اندر بناوٹ کو دیکھے، اس کے اندر یہ چنے ہوئے دانے دیکھے، ان دانوں کی پاکیزگی کو دیکھے، ان کے اندر ذائقہ دیکھے، ان کا رنگ دیکھے، ان کا سائز دیکھے، ان کی شکلیں دیکھے، ان کی انجینئرنگ (Engineering) دیکھے اور ان کے اندر شفافیت دیکھے تو اس کے اندر ایک حیرت کی دنیا ہے۔ انگور کو دیکھے تو غور کرے کہ یہ ایک چھوٹی سی بیل ہے کہ جو گھاس سے اگی ہے، اسی زمین پر دوسری چیزیں بھی اگتی ہیں لیکن کس طرح سے انگور کا دانا بنتا ہے؟ کس طرح اس کا ظاہر بنتا ہے؟ کس طرح اس کے اندر جوس آ جاتا ہے؟ کس طرح اس کے اندر مٹھاس آتی ہے؟ کس طرح اس کے اندر غذائیت پیدا ہوتی ہے؟ اور اس کے اندر کتنی شفافیت و

نزاکت وظرافت موجود ہے؟

ناریل میں غور کریں کہ یہ خداوند تبارک وتعالیٰ کی صناعت اور خلاقیت کا کس قدر زیبا اور حسین منظر ہے، انڈہ جو روزانہ ابال کر اور فرائی کر کے کھا جاتے ہیں اس پر غور کریں، فکر کریں کہ یہ خداوند تبارک وتعالیٰ کی خلقت کی کیسی نشانی ہے؟ وجودِ خدا کی کیسی نشانی ہے؟ پرندوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھیں، بارش برستے ہوئے دیکھیں تو ان ساری حقیقتوں پر تدبر کریں، چنانچہ اہلِ تدبر گئے اور انہوں نے پانی کو کھول کر دیکھا اور کہا کہ یہ پانی عنصر نہیں ہے، ہمارے گزشتگانِ علمی اور بزرگانِ علمی خطا کرتے تھے کہ پانی کو عنصر سمجھتے تھے، درحقیقت پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مجموعہ ہے، پانی دو ہواؤں کا مجموعہ ہے، یہ تدبر سے معلوم ہوا ورنہ پانی کی رطوبت سے ہی سروکار تھا اور پانی سے فقط نہانا دھونا اور دھوبی گھاٹ پر پانی استعمال کرنا ہی مقصود تھا، تدبر کے بغیر انسان ہرگز پانی کی حقیقت تک نہیں پہنچتا۔ عالمِ طبیعت ہمیں تدبر کی طرف بلاتا ہے، راہنمائی کرتا ہے، اگر تدبر نہ کریں تو سمجھ میں نہیں آتا ہے، روزمرہ یہ چیزیں ہمارے ہاتھ آتی ہیں لہٰذا ان پر غور وفکر کریں۔

۲) قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی

خدا نے ہر قیمتی اور نادر چیز پر پردے چڑھا دیئے ہیں اور ان پردوں کے اندر اس حقیقی چیز کو پنہاں رکھا ہے کہ جو ہماری جسم کی غذائی ضرورت ہے، یہ غذائی ضرورت اگر سامنے ہوتی مثلاً اخروٹ کا مغز سامنے ہوتا، پتوں کی طرح چھلکے کے بغیر ہوتا اور ہر جگہ لٹکا ہوا ہوتا تو انسان زحمت ہی نہ کرتا،

اخروٹ توڑنا بھی نہ پڑتا، یہ کام آسانی سے ہوسکتا تھا، جیسے بعض نے آکر جب بھینگی دید اور بھینگی آنکھ سے اس جہان کو دیکھا تو انہیں اس میں کچھ خلل نظر آیا، انہوں نے کہا کہ آپ یعنی قائلینِ توحید مدعی ہیں کہ جہان بڑا منظّم ہے، احسن نظام ہے، خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس نظامِ ہستی کا بہترین نظام بنایا ہے اور اس سے بہتر ممکن نہیں ہے، سب سے بہترین نظام یہی ہے کہ جو بنا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ بہترین نظام نہیں ہے، بہترین نظام یہ ہوتا کہ مثلاً انسان کا دل جو اتنے پردوں کے نیچے پنہاں ہے، چھپا ہوا ہے، اگر بیمار ہوجائے تو آپریشن کرنا پڑتا ہے اور آپریشن آسان بھی نہیں ہے، یہ دل باہر ہی کسی تھیلی میں پڑا ہوتا جیسے کینگرو کے شکم کے نیچے تھیلی ہوتی ہے اور اس کے اندر اس کا بچہ پڑا ہوتا ہے، اس طرح سے انسان کا دل بھی ایک تھیلی کے ساتھ ہوتا جو بدن کے ساتھ لٹکی ہوئی ہوتی لہٰذا جب بیمار ہوتا تو نکال کر اس کو ٹھیک کرلیتے، دل اتنا پیچھے چھپا کر رکھا ہوا ہے مثلاً گردہ اتنی تہہ کے نیچے ہے کہ اگر گردے کی بیماری ہوجائے تو اس کو نکال کر ٹھیک کیسے کیا جائے؟ یہ ساری چیزیں سامنے ہونی چاہئے تھیں، انہوں نے خدا کی صنائع پر اعتراضات کئے، ظاہر ہے کہ بھینگا آدمی احمقانہ اعتراض کرتا ہے، پھر تو اگر انسان کا مغز خراب ہوجائے تو مغز تک رسائی اور مشکل ہے چونکہ اس کے چاروں طرف ہڈی ہے، چاروں طرف کوئی دریچہ نہیں ہے، مغز کے آپریشن کے لئے ڈرل سے سوراخ کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے بھی جیب کی طرح کوئی چیز ہوتی کہ جس میں مغز پڑا ہوتا اور جب خراب ہوتا تو انسان مغز ٹھیک کروالیتا۔

اگر کھوپڑی میں دماغ اور مغز ہوتا تو انسان کے ذہن میں ایسا اشکال یا شبہ نہیں آتا۔ بدن کی

چیزیں پردوں میں کیوں؟

ساخت میں جو بھی کوئی قیمتی ترین چیز ہے وہ بدن کے اندر مخفی ترین ہے، پنہاں ترین ہے، اس کو زیادہ پردوں کے نیچے چھپایا گیا ہے اور سخت پردوں کے حصار کے اندر رکھا گیا ہے، یہ سب چیزیں انسان کو تدبر کے لئے دعوت دیتی ہیں۔ آپ ایک فروٹ کے اوپر سے چھلکا اتار کر اس کی حقیقت تک یعنی اس کے مغز تک پہنچتے ہیں اور جب مقصود تک پہنچتے ہیں تو وہ عمل در حقیقت ہم سے تدبر کروا رہا ہوتا ہے، یہ تدبرِ عملی ہے، مثلاً آپ کیلا کھاتے ہیں تو چھلکا اتارتے ہیں اور اس کے مغز تک پہنچتے ہیں پھر اسے کھاتے ہیں تو یہ تدبرِ عملی ہے، آپ کو عملاً تدبر کی مشق کروائی جا رہی ہے، جانور کو تدبر نہیں کرنا ہے لہٰذا وہ چھلکے سمیت کھا جاتا ہے بلکہ شاید اسکے لئے چھلکا زیادہ مرغوب ہے۔ عالمِ طبیعت انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دے رہا ہے یعنی انسان کا مقصود پردوں کے نیچے پنہاں رکھا ہے گیا تا کہ انسان تلاش کرے، جسمانی کاوش ہو اور جسمانی کوشش کے ذریعے ان حقائق تک جا پہنچے، اسی طرح سے الفاظ ہیں، الفاظ کے اندر حکمتیں ہیں، معانی ہیں اور انسان تدبر سے ان کی حقیقتوں تک پہنچتا ہے۔

قیمتی چیزیں پردوں میں مخفی

انسان کے لئے خدا نے کوئی چیز اس طرح برملا نہیں رکھی ہے چونکہ انسان کو عقل دی ہے اور جانور کو نہیں دی ہے لہٰذا جانور کے مقصود واضح و روشن ہیں، کھلم کھلا اس کی دسترس میں ہیں لیکن انسان کی مطلوبہ چیزیں اور انسان کے لئے حقائق خداوند تبارک وتعالیٰ نے پردوں کے پیچھے مخفی رکھے ہیں، انہی پردوں کے پیچھے جانا، ان پردوں کو چیر کے حقیقت تک پہنچنا تدبر ہے۔ الفاظ ایک پردہ ہے، مفاہیم بھی ایک پردہ ہیں، تصورات بھی ایک قسم کا پردہ ہیں، انسان کے خیالات بھی ایک قسم کا پردہ ہیں، یہ سب حقائق تک پہنچنے کے لئے ہیں اور اہلِ تدبر وہ ہیں کہ جو الفاظ کے پردوں کو چاک کر کے

ان کی حقیقتوں تک پہنچتے ہیں۔ آپ غور کریں کہ احادیث کے چھوٹے چھوٹے جملوں سے یا ایک چھوٹی سی آیہ سے اہلِ تدبر نے کتنا علمی مواد اور کتنا حکمت کا مواد نکالا ہے، جس طرح ایک معدن ہے، کان ہے، ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا ہے لیکن اس کے اندر کتنی قیمتی معدنیات بھری ہوئی ہیں کہ اہل تدبر ان معدنیات تک پہنچتے ہیں۔

جس طرح سے یہاں پانی کی نہریں بہتی ہیں اور نالیوں میں پانی بہتا ہے تو پانی کے بجائے یہ تیل بھی اسی طرح نالیوں میں بہایا جاسکتا تھا۔ انسان نے اتنا تدبر کیا کہ اس نے کئی کلومیٹر نیچے جا کر زمین میں موجود چیز نکال دی، یہ کام انہی لوگوں نے کیا جو اہلِ تدبر تھے، جن کو خدا نے عقل دی تھی۔ انہوں نے زمین کے پردے چاک کئے، چیرے اور کئی کلومیٹر دبیز پردے چیر کر زمین کے نیچے موجود ایک حقیقت تک جا پہنچے، اپنی ضرورت تک جا پہنچے لہٰذا ان سے اسی لئے عرض کیا تھا کہ علامہ اقبالؒ کے بقول کارِ جہاں بینی، کارِ جہاں بانی سے سخت تر ہے چونکہ جہاں بانی میں ظاہر ہے کہ آپ کا زمین سے سروکار ہے لیکن جہاں بینی میں آپ کو زمین کے اندر اترنا پڑتا ہے، عالم کے اندر جانا پڑتا ہے، جہاں بینی تدبر کی محتاج ہے بلکہ جہاں بانی بھی جہاں بینی پر موقوف ہے، اگر انسان جہان شناس نہ ہو، اہلِ تدبر نہ ہو اور حقیقتِ عالم سے آشنا نہ ہو تو اس جہان کو بھی نہیں چلا سکتا ہے، اس جہان پر حکم فرمائی و حکمرانی نہیں کر سکتا ہے، کارِ جہاں بینی انسان کے لئے دشوار تر ہے، آپ ایک ایک کر کے موضوع دیکھیں کہ جن لوگوں نے ان حقیقتوں تک رسائی پیدا کی ہے وہ کس قدر عظیم اور گراں قدر لوگ ہیں؟

۳) اہلِ تدبر جنت کے حقدار

ہم داڑھی اور اس میں بھی داڑھی کے سائز اور پائنچا دیکھ کر کہتے ہیں کہ کون جنت میں جائے گا؟ اور کون جہنم میں جائے گا؟ لیکن قرآن کہتا ہے کہ جو تدبر کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

وَلَقَدۡ ذَرَأۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا...... (۳)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنّم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں......

یعنی ہم نے جہنم کے لئے کونسی مخلوق پیدا کی ہے؟ جو تدبر نہیں کرتی ہے، جنوں اور انسانوں میں سے جو غور نہیں کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں گے ورنہ انسان تدبر کئے بغیر پائنچا تھوڑا اوپر نیچے رکھنے سے اور داڑھی تھوڑی زیادہ بڑی کرنے سے جنت میں چلا جائے تو یہ ناممکن ہے۔ خود دین پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس عبادت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، جس قرآن خوانی میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، کتنا ہی اچھا اور مقدس کام ہو لیکن اگر انسان اس میں تدبر نہ کرے تو اس کے اندر کوئی خیر موجود نہیں ہے، اہلِ خیر وہ ہیں کہ جو تدبر کرتے ہیں اور انہی کے تدبر کے نتیجے میں دنیا میں رونق ہے۔

٤)تدبر، ترقی کا پیش خیمہ

دنیا میں جتنی بھی کشفیات، ایجادات اور مصنوعات ہیں یہ سب اہل تدبر کے تدبر کا نتیجہ ہیں، اگر وہ تدبر نہ کرتے اور ہماری طرح ہی ہوتے، تدبر کا میٹر آف (Off) کر کے بچت کر رہے ہوتے چونکہ ہم بچت اسکیم کے تحت عقل بھی استعمال نہیں کرتے، کہتے ہیں نا کہ پانی میں بچت کریں! بجلی میں بچت کریں! گیس میں بچت کریں! کم خرچ کریں! تا کہ بل زیادہ نہ آئے، اسی طرح اکثر نے اپنا تدبر کا میٹر بھی آف کیا ہوتا ہے کہ بل زیادہ نہ آئے، اگر ان لوگوں نے بھی ہماری طرح میٹر آف کیا ہوتا اور کسی چیز میں تدبر نہ کرتے تو ہم بھی آج خچروں پہ اور گھوڑوں پہ بیٹھے ہوتے اور کچے گوشت پکڑ کے لومڑ، گیدڑ کھا رہے ہوتے اور وہی شکار کے زمانے اور پتھر کے زمانے کا تمدن ہوتا۔

ترقی اور پیش رفت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ اہلِ تدبر نے آ کر راز کشف کئے ہیں، حقائق کشف کئے ہیں، آپ غور کریں کہ ایک سادہ سے جملے سے انہوں نے کس قدر حکمتیں استخراج کی ہیں، یہ فِکر اہلِ تدبر کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک حدیث سے ایک پوری کتاب تحریر کر دی۔ مثلاً چند آیات اور احادیث سے پوری کتاب الصلوٰۃ بن گئی، ایک پوری کتاب الصوم بن گئی، کتابِ حج بن گئی، اگر یہ فقہا، یہ اہل تدبر نہ ہوتے اور ان الفاظ کے پردوں کو چیر کے اور ان کے اندر موجود حقائق و مفاہیم تک نہ پہنچتے تو ہمارے پاس اتنا عظیم ذخیرہ موجود نہ ہوتا، چھوٹے چھوٹے جملوں سے، نیم سطر کے ایک جملے سے اہلِ تدبر نے ایسی حکمتیں کشف کی ہیں کہ انسان کی عمر بھر کے لئے کافی ہیں۔

۵)علماءِ دین کون ہیں؟

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علومِ اسلامی کہ جن کے اوپر اسلام کا بینر لگا دیا جائے اور جو عربی میں ہیں تو وہ سارے علومِ اسلامی ہیں اور دوسرے علوم جو کسی اور زبان میں ہیں یا جن کے اوپر اسلامی بینر نہ لگا ہوا ہو وہ اسلامی نہیں ہیں، علمائے دین کہ جن کو ہم کہتے ہیں کہ علمائے دین کیا کر رہے ہیں؟ جو علمائے دین آیاتِ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں، جو علمائے دین روایات کی تفسیر کرتے ہیں اور ان کے اندر موجود حقائق کو کشف کرتے ہیں ان کو ہم علماء کہتے ہیں لیکن جو فزکس کے عالم ہیں، کیمسٹری کے عالم ہیں اور دوسرے علوم کے عالم ہیں انہیں علماءِ دین نہیں کہتے ہیں بلکہ سائنسدان کہتے ہیں، یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ یہ بھی تو یہی کام کرتے ہیں، یہ بھی ایک آیتِ خدا کو لے کر اس کی تفسیر کرتے ہیں، اس کی تشریح کرتے ہیں اور اسکی حقیقت تک پہنچتے ہیں، وہ علماء الفاظ کے اندر چھپے ہوئے حقائق تک پہنچتے ہیں اور یہ علماء ان موجودات کے اندر چھپے ہوئے حقائق تک پہنچتے ہیں۔

اگر دونوں کی غرض حقیقت کشف کرنا ہو تو دونوں علمائے دین ہیں لیکن اگر غرض یہ ہو کہ ہم اس سے ملازمت حاصل کریں گے، نوکری حاصل کریں گے اور شہرت پیدا کریں گے تو اس صورت میں یہ عالمِ دنیا ہیں، اگر کوئی قرآن اس لئے پڑھے کہ میری شہرت ہو، قرآن اس لئے پڑھے کہ مادیت تک پہنچے، قرآن کی تفسیر اس لئے کرے کہ لوگوں میں اپنا نام پیدا کرے تو یہ عالمِ دنیا ہے نہ کہ عالمِ دین ہے، اگر حقائق تک پہنچے تو یہ عالم ہے، ہمارے مطابق کوئی الفاظ کی تشریح کرے تو یہ دین ہے لیکن کوئی موجوداتِ عینیہ کی تشریح کرے، موجوداتِ حقیقی کی تشریح کرے تو یہ دین نہیں

ہے، حالانکہ یہ بھی دین ہے، یہ بھی تو آیاتِ خدا ہیں، ایک آیتِ لفظی خدا ہے اور ایک آیتِ عینی خدا ہے، ایک آیتِ لفظی کی تفسیر میں مشغول ہے اور ایک آیتِ عینی کی تفسیر میں مشغول ہے لیکن اگر دونوں کا مقصد اس سے دنیوی مفاد حاصل کرنا ہو تو دونوں علمائے دنیا ہیں، قرآن پڑھا کر بھی عالمِ دنیا ہیں، فقہ پڑھا کر بھی عالمِ دنیا ہیں اور فزکس پڑھا کر بھی عالمِ دنیا ہیں لیکن اگر ان کا مقصود یہ ہو کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس ظاہر کے اندر خدا نے کیا حقیقت چھپا رکھی ہے؟ ہم اس راز تک پہنچنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس راز سے آشنا کرنا چاہتے ہیں تو یہ علمائے دین ہیں۔ انبیاءؑ و اولیائے خداؑ نے بھی یہی کام کیا ہے۔

٦) اولوا الالباب کون ہیں؟

جو لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں انکی قرآن نے سخت الفاظ میں مذمت کی ہے کہ سورۂ اعراف کی ایک آیہ میں آپ کیلئے صرف اشارہ کیا تھا، اسی کے مقابلے میں ایک اور طبقہ بھی قرآن نے ذکر کیا ہے کہ جنہیں اولوا الالباب کہا ہے، پہلے طبقے کو کالانعام گیا ہے،

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا...... (۴)

عقل ہے لیکن اس سے کام نہیں لیتے، آنکھیں ہیں لیکن اس سے عبرت نہیں لیتے ہیں، کان ہیں لیکن اس سے موعظہ نہیں سنتے ہیں، ان لوگوں کو کہا ہے کہ یہ کالانعام ہیں اور ان کے بجائے کچھ ایسے ہیں جو اولی الالباب ہیں، متعدد آیات میں قرآن مجید نے اولی الالباب کا ذکر کیا ہے از جملہ

سورۂ آلِ عمران میں آیہ ۱۹۰ میں فرمایا کہ

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمَاوَاتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ اللَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝

بیشک زمین و آسمان کی خلقت اور لیل و نہار کی آمد و رفت میں صاحبانِ عقل کے لئے قدرت خدا کی نشانیاں ہیں۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ...... (۵)

یقیناً ان کے واقعات میں صاحبانِ عقل کے لئے سامان عبرت ہے......

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَۃً مِّنَّا وَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ (۶)

اور ہم نے انہیں ان کے اہل و عیال عطا کر دیئے اور اتنے ہی اور اپنی خاص مہربانی سے عطا کئے اور صاحبانِ عقل کے لئے عبرت و نصیحت (قرار دی)۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَهٗ یَنَابِیۡعَ فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیۡجُ فَتَرٰهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَجۡعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ (۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے پھر اسے مختلف چشموں میں جاری کر دیا ہے پھر اس کے ذریعہ مختلف رنگ کی زراعت پیدا کرتا ہے پھر وہ کھیتی سوکھ جاتی ہے تو اسے زرد رنگ میں دیکھتے ہو پھر اسے بھوسا بنا دیتا ہے، ان تمام باتوں میں صاحبانِ عقل کے لئے

یاددہانی اور نصیحت کا سامان پایا جاتا ہے۔

هُدًى وَّذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ ○(٨)

جو کتاب مجسمۂ ہدایت اور صاحبانِ عقل کے لئے نصیحت کا سامان ہے۔

ان لوگوں کو کہا ہے کہ یہ اولی الالباب ہیں، اولی الالباب یعنی صاحبانِ لُبّ ہیں، اولی بمعنیٰ ذو ہے یعنی صاحب، یہ صاحبانِ لُبّ ہیں، لُبّ حقیقت کو کہتے ہیں، اصلی مقصود کو لُبّ کہتے ہیں، بادام اور اخروٹ کے اندر موجود مغز کو لُبّ کہتے ہیں کیونکہ ان کے اندر اصلی چیز وہ ہوتی ہے، حقیقت اور روح وہ ہوتی ہے، لُبّ اس حقیقت کو کہتے ہیں کہ جو چھپی ہوئی ہے، پنہاں ہے، پردوں کے نیچے ہے اور اس کی وجہ سے شے کی قیمت ہے، اسی وجہ سے عقل کو بھی لُبّ کہتے ہیں کیونکہ انسان کی انسانیت، انسان کی قیمت، انسان کا سارا مقام عقل کی وجہ سے ہے، اگر عقل کی تعطیل ہو جائے، عقل ختم ہو جائے تو انسان اور ایک جانور میں، انسان اور ایک ستون میں کوئی فرق نہیں ہے، حقیقتِ انسان، قدرِ انسان رہینِ عقلِ انسان ہے، علماء نے اولی الالباب کا دو طرح سے معنیٰ کیا ہے، ایک وہی رائج تفسیرِ اولی الالباب یعنی صاحبانِ عقل، عقل کو بھی لُبّ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بھی حقیقتِ انسان ہے، مقصودِ اصلیٔ انسان ہے، کچھ لوگ صاحبِ عقل ہیں یعنی صاحبِ تدبر و صاحبِ تفقہ ہیں۔ کالانعام کی طرح نہیں ہیں کہ ان کے دل ہیں لیکن یہ ان سے تفکر و تدبر نہیں کرتے ہیں،

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا......

انکے قلوب بغیر تفکر کے نہیں ہیں بلکہ " لهم قلوب يفقهون بها، يتدبّرون بها،

اولوا الالباب کون ہیں؟

یتفکّرون بها، یعقلون بها"، یہ ان قلوب سے تفقہ کرتے ہیں، تدبر کرتے ہیں، تفکر کرتے ہیں، تعقل کرتے ہیں اور اس عقل کی مدد سے حقائقِ عالم میں غور کرتے ہیں۔ تدبر یعنی یہ لوگ موجودات کی حقیقت تک رسائی پیدا کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کو اولی الالباب کہا گیا ہے۔

اولی الالباب کا دوسرا دقیق تر معنیٰ بھی کیا گیا ہے، کچھ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ ظاہر کے تابع ہوتے ہیں، لُبّ کے مقابلے میں قِشر ہے، قشر یعنی چھلکا، کچھ ایسے لوگ ہیں جو فقط قشر کے درپے ہیں، چھلکے کی حد تک رسائی ان کا ہم و غم ہے، چھلکا ہاتھ آ جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بہت کچھ حاصل ہو گیا ہے، جیسے کہ موجود بھی ہیں، علمی مدرسوں میں ادبیات پڑھ کر، صرف و نحو پڑھ کر حجۃ الاسلام ہو جاتے ہیں، اسلام سے پہلے پہلے ہی کہ ابھی اسلام بھی شروع نہیں ہوا ہے پہلے ہی حجۃ الاسلام ہو گئے، الفاظ کے آداب پڑھ لئے، الفاظ کی ابحاث پڑھ لیں، مبتدا و خبر پڑھ لی، صرف و نحو پڑھ لیا، کلمات کے اعراب و بنا پڑھ لئے لیکن اس کو علم کہاں ہے کہ الفاظ تو چھلکا ہیں، الفاظ تو ظاہر ہیں، لفاظی سیکھ لی ہے، علمِ الفاظ اگر حاصل کر لیا تو اب معانی کی نوبت ہے، آپ الفاظ کے اندر موجود پنہاں حقائق تک پہنچو، آپ نے الفاظ پر ہی اکتفا کر لیا، یہ لوگ اہلِ لُب نہیں ہیں، یہ لُب کے درپے نہیں ہیں۔

جیسے مزار میں جوس کی دکانیں ہوتی ہیں، جوس والے فروٹ سے جوس نکال کر کچرا جمع کرتے ہیں، انہی بازاروں میں جا کر غور کریں، دیکھیں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، کون آدمی کیا کر رہا ہے؟ ایک جوس نکال رہا ہے، ایک جوس پی رہا ہے، ایک جوس بیچ رہا ہے، یہ سارے کام ہو رہے ہیں

اور ایک آدمی آخر میں شام کو گدھا گاڑی لے کر آتا ہے اور وہ جتنا بھوسا یعنی نچوڑے ہوئے فروٹ پڑے تھے وہ سارا گدھا گاڑی میں ڈال کر لے جاتا ہے، اگر اسے جوس کا پیالہ دیں تو بھی وہ اس کا نہیں ہے، یہ جوس پینے نہیں آیا ہے، کبھی بھی آپ اس کو جوس پیتے ہوئے نہیں دیکھیں گے چونکہ وہ آتا ہی فقط نچوڑے ہوئے فروٹ کے چھلکے، کچرا اور بھوسا اٹھانے کے لئے ہے یعنی اس کی غرض یہی ہوتی ہے، فقط چھلکے جمع کرنا اس کا کام ہے، جوس والا جوس نکالتا ہے اور فروٹ کے دو حصے الگ کر دیتا ہے، جن کے پاس پیسے ہیں وہ جوس پی لیتے ہیں اور وہ بے چارہ پیسے کمانے کے لئے، فروخت کرنے کیلئے یا جانوروں کے کھانے کیلئے چھلکے اُٹھا کر لے جاتا ہے، اسی کو ہم دیکھیں کہ یہی کام دوسرے لوگ بھی کر رہے ہیں یعنی بعض دوسری دکانوں پر جہاں مثلاً چھلکا نہ پھینکا جاتا ہے، نہ بیچا جاتا ہے، وہاں پر بھی لوگ یہی کام کرتے ہیں، اگر آپ علمی مراکز میں چلے جائیں تو آپ کو وہاں بھی اسی طرح دو قسم کے لوگ نظر آئیں گے، کچھ ایسے ہیں جو گدھا گاڑی لئے ہوئے چھلکے جمع کر رہے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو جوس پی رہے ہیں، کچھ ہیں جو فقط ظواہر پہ اکتفا کئے ہوئے ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں جو ان ظواہر کے اندر ان کی گہرائی میں اور عُمق میں اترے ہوئے ہیں، جوس یعنی وہ حقیقت اور لُب۔

کچھ ایسے ہیں کہ جو صاحبانِ لُب ہیں یعنی در پئے کشفِ لُب ہیں، اہل تدبر ہیں، قرآن نے ان کو بہت سراہا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی نشانیاں اس عالم میں پھیلا دی ہیں لیکن ان نشانیوں تک کون پہنچے گا؟ صاحبانِ لُب پہنچیں گے،

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمَاوَاتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ اللَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی

الْأَلْبَابِ ٥(٩)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ......

زمین اور آسمان کی خلقت، زمین اور آسمان یعنی پوری کائنات، قرآن میں جب یہ زمین اور آسمان کے الفاظ باہم استعمال ہوں تو اس سے مراد پورا جہانِ ہستی، پورا عالمِ ہستی اور پوری کائنات مراد ہے فقط زمین اور آسمان نہیں ہے، اس عالمِ ہستی میں ہم نے اپنی نشانیاں پھیلا دی ہیں، مقصودِ وجودِ عالمِ ہستی یہی تھا۔ زمین و آسمان کی خلقت میں ہماری نشانیاں ہیں،

وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ......

زمین کی گردش اور صبح و شام ہونا، دن کا آنا اور رات کا جانا، ان سب کے اندر

لَآیَاتٍ......

اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن کس کے لئے ہیں؟

لِّأُولِی الْأَلْبَابِ ٥

جو صاحبانِ لُبّ ہیں نہ کہ جو صاحبانِ چھلکا ہیں، صاحبانِ چھلکا وہ ہیں کہ وہ کب افطار کریں؟ کب پکوڑے کھائیں؟ سموسے کے انتظار میں ہیں، کب دن نکلے تو ہم اپنے کام کاج کریں؟ کب کھیت میں جائیں؟ کب کھانا شروع کریں؟ ناشتے کا ٹائم کب ہوگا؟ بار بار گھڑی دیکھتے ہیں کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے لیکن رات اور دن کے آنے میں کبھی غور نہیں کیا کہ یہ رات اور دن کیسے بدلتے ہیں؟ صرف انسان اس تفاوت کو دیکھے کہ رات کے بعد دن کا آنا اور دن کے بعد

رات کا آنا، اختلاف سے مراد ہے کہ ایک کا دوسرے کے خلف میں آنا، دن خلیفہ رات ہے اور رات خلیفہ دن ہے، خلیفہ یعنی بعد میں آنا، یہ ایک دوسرے کے بعد نوبت سے اور بڑے نظم کے ساتھ آتے ہیں، انسان اس حقیقت کو اور اس ظاہر کو کھولے، اس کے اندر اترے تو آپ کو کیا ملے گا؟ خدا کی نشانیاں ملیں گی بلکہ خود خدا ملے گا۔

۷) اہلِ لُبّ ھی خدا کو پاسکتے ھیں

اختلافِ لیل ونہار میں اللہ کی نشانیاں ہیں اور نشانیاں خدا کی طرف انسان کی نشاندہی کراتی ہیں، اہل لُبّ وہ ہیں کہ جن کا یہ کہنا ہے کہ

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَ رَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ......(۱۰)

میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر اس سے پہلے خدا کو دیکھا......

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَ رَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَ بَعْدَهُ......(۱۱)

میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر اس سے پہلے خدا کو دیکھا، اس کے ساتھ بھی اور اس کے بعد بھی......

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَ رَأَيْتُ اللَّهَ مَعَهُ......(۱۲)

میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر اس کے ساتھ خدا کو دیکھا......

یعنی امیر المومنین مولا علی علیہ السلام کے مطابق ہر چیز میں خدا ہے کہ جو صاحبانِ لب کو نظر آتا

ہے،ہمیں درخت،درخت نظر آتا ہے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کو درخت میں خدا نظر آتا ہے، امیرالمومنین علیہ السلام کو درخت آیتِ خدا نظر آتا ہے،ہمیں پھل نظر آتا ہے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کو یہ اللہ کی نشانی نظر آتا ہے،اس کے اندر خدا نظر آتا ہے،ہمیں خرمہ اور کھجور یعنی فقط کھانے کے لئے ایک شے نظر آتی ہے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کو اسی کے اندر خدا نظر آتا ہے،ہمیں چیونٹی نظر آتی ہے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کو چیونٹی کے اندر اللہ کی نشانی اور خدا نظر آتا ہے۔یہ صاحبانِ لُب ہیں،پس ایک طبقے کو کالانعام کہا اور ایک کو اولی الالباب کہا،

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا......

عقل ہے،دل ہے،دماغ ہے،سوچنے کی قوتیں ہیں لیکن ان سے تدبر نہیں کرتے ہیں، اولی الالباب یعنی جو لُب تک پہنچتے ہیں،حقیقت تک پہنچتے ہیں،اگر کوئی ارادہ کرے کہ آج سے ہم قرآن میں تدبر شروع کرتے ہیں تو ممکن نہیں ہوگا،بسا اوقات ہوتا ہے کہ انسان کو جب توجہ ہوتی ہے تو آمادگی کے بغیر جا کر عمل شروع کر دیتا ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے ایک روایت لوہے کی خلقت کے بارے میں ہے کہ خدا نے لوہا پیدا کیا ہے اور اس کی حکمت کے طور پر یہی کافی ہے کہ آئینہ اس سے آئینہ بنتا ہے اور آئینہ معرفتِ خدا کے لئے ایک بہترین چیز ہے،انسان کو اگر حقیقتِ آئینہ معلوم ہو جائے کہ آئینہ کیا ہے تو یہ معرفتِ خدا کیلئے بہترین چیز ہے،یہی آئینہ جو ہم صبح وشام دیکھتے ہیں،جس کے سامنے کھڑے ہو کر ڈریسنگ کرتے ہیں،اپنے آپ کو سنوارتے ہیں،کنگھا کرتے ہیں،بال ٹھیک کرتے ہیں،میک اپ کرتے

ہیں، سب کچھ کرتے ہیں، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر آئینے میں خود کو دیکھتے ہیں جبکہ امیر المومنینؑ کو ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے۔

ہمیں ہر چیز میں ہم خود نظر آتے ہیں، یہ بھی میری ہے، وہ بھی میری ہے، جو میری نہیں ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے، بہترین چیزیں وہی ہیں کہ جو ہم سے منسوب ہیں، بہترین مدرسہ کونسا ہے؟ جس میں ہم پڑھتے ہیں، جس میں ہم نہیں پڑھتے ہیں وہ بیکار ہے، دوسرے میں کیا ہے؟ اس میں کچھ بھی نہیں رکھا ہے، بہترین استاد وہ ہے کہ جس کے پاس ہم پڑھتے ہیں، بہترین کتاب کونسی ہے؟ جو آپ نے خریدی ہے وہی بہترین کتاب ہے، جو آپ نے نہیں خریدی تو اس میں رکھا ہی کیا ہے؟ بہترین علاقہ کونسا ہے؟ جو ہم نے دیکھا ہے، جن علاقوں میں ہم نہیں گئے وہ بیکار ہیں، ہمیں ہر چیز میں ہم خود نظر آتے ہیں، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے، یہ جہان پورا آئینہ ہے، اس آئینے میں جب ہم کھڑے ہوتے ہیں تو ہم خود اپنے آپ کو دیکھتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ ہم خود خواہ ہیں، خود غرض ہیں، خود محور ہیں، اگر خدا پرست ہوتے تو ہمیں امیر المومنین علیہ السلام کی طرح ہر چیز میں خدا نظر آتا، خود خواہ انسان کو خود اپنا سراپا ہی نظر آتا ہے۔

ایک دفعہ جب یہ روایت پڑھی کہ آئینہ خدا شناسی کے لئے ایک بہترین کتاب ہے تو ایک بزرگوار درس سے اٹھے اور سیدھے آئینے کے سامنے کھڑے ہو گئے، کیونکہ آئینے عموماً ہوتے بھی واش روم میں ہیں تو وہاں پر انہوں نے آئینے کے سامنے معلوم نہیں کتنی دیر لگائی اور کھڑے رہے، پھر واپس آ کر کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ انسان آئینہ دیکھے تو خدا شناسی کے لئے بہترین ہے، میں نے آئینہ دیکھا

مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا، اس نے درست کہا، ایسے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے کہ انسان درس سے اٹھے اور جا کر آئینہ دیکھنا شروع کر دے، مثلاً درس سے اٹھے اور سیدھا جا کر قرآن میں تدبر کرنا شروع کر دے، ایسے کیا تدبر ہوگا؟ اس تدبر سے کیا ملے گا؟ سوائے سر درد کے، انسان کے سر میں درد ہونا شروع ہو جائے گا چونکہ تدبر کا مطلب یہ ہے کہ ایک آیت لے کر اس کو پڑھیں، غور کریں لیکن کیا غور کریں؟ غور کہاں سے کریں؟ کس طرح غور کریں؟ اس میں کیا ہے جو ہم غور کریں؟ یہی سوالات اٹھ اٹھ کر آخر سر میں درد ہونا شروع ہو جائے گا اور روزہ رکھنا بھی مشکل ہو جائے گا، پھر کہیں گے کہ انہوں نے عجب تدبر بتایا کہ قرآن میں تدبر کریں۔

تدبر کیلئے پہلے انسان متدبر بنے اور آمادہ ہو نہ کہ ابھی ہم مقامِ تدبر پہ اہلِ تدبر ہیں یا اولی الالباب ہیں کہ صبح سے اگر ہم نے تدبر شروع کر دیا تو قرآن کچھ نہ کچھ ہمیں بتانا شروع کر دے گا یا ہم ان رازوں تک پہنچنا شروع کر دیں گے۔

مثلاً اگر کسی بچے کو بتایا جائے کہ عالمِ ہستی میں جو حقائق ہیں ان کے اندر بہت سارے راز چھپے ہوئے ہیں اور وہ بغیر اس کے کہ انہیں پڑھے، اسکول جائے اور ایک سائنسدان بنے صبح جا کر مثلاً کسی دانے کو کھول کر اس کے اندر حقیقت دیکھنا شروع کر دے کہ اس کے اندر کیا رکھا ہوا ہے؟ تو سوائے سر درد کے اور کچھ سر میں نہیں آئے گا۔ پہلے صاحبِ لُب بننا ہے، صاحبِ لُب یعنی پہلے انسان اس ابتدائی حالت سے، ناقص حالت سے اوپر آئے، فہم میں ترقی کرے، تخیل کی دنیا سے باہر آئے، ظاہر بینی کی دنیا سے باہر آئے، قشر بینی سے باہر آئے اور خود بینی سے باہر آئے تا کہ اس کو کچھ اور نظر

آئے یعنی انسان کے اندر تکاملِ علمی حاصل ہو۔

۸)تدبر کی مشق کے مراحل

ہم ابھی فقط حواس کی مدد سے کسی چیز کو دیکھتے ہیں یعنی ابھی ہماری آنکھیں ہمارے سب کام کرتی ہیں، عقل کچھ بھی کام نہیں کرتی ہے، آنکھ سے جو چیز نظر آتی ہے وہی ہم دیکھتے ہیں، آنکھ سے تو تدبر نہیں ہوتا ہے بلکہ عقل سے تدبر ہوتا ہے، کبھی عقل کو بھی موقع دو، ابھی تک تو آنکھ نے عقل کو موقع نہیں دیا، ابھی تک کان نے عقل کو موقع نہیں دیا ہے اور عقل میں سب سے بڑی مزاحم زبان ہے، زبان نے ابھی تک عقل کو موقع نہیں دیا ہے، کہتے ہیں کہ سکوت، خاموشی عقل کے کمال کی علامت ہے، یہ عقل کے کمال کی علامت کیسے ہے؟ چونکہ جب عقل فعال ہوتی ہے تو باقی ساری چیزیں سوئچ آف (Switch off) کرنی پڑتی ہیں، سارے حواس بند کرنے پڑتے ہیں پھر عقل اپنا کام کرتی ہے، اگر ایک آدمی بول رہا ہے اور اتنا بولتا ہے، اتنی باتیں کرتا ہے کہ کسی کو فرصت نہیں دیتا ہے تو یہ تعقل کیسے کرے گا؟ یہ کب سوچے گا؟ پہلے تدبر کے مقام پر پہنچے اور اپنے آپ کو متدبر انسان بنائے اور عرض کیا کہ تدبر کر سکتے ہیں، ہر چیز ہر ذرّہ عالم ہمیں تدبر کی دعوت دے رہا ہے، ہمیں کہہ رہا ہے کہ مجھے کھولو اور دیکھو میرے اندر کیا ہے؟ یہی فروٹ جو فوراً کھا لیتے ہیں ان کو کھول کر دیکھیں، ان میں غور وفکر کریں کہ یہ ہمیں دعوتِ تدبر دے رہے ہیں۔

رمضان میں کھجور کھاتے ہیں، اس کھجور کو دیکھیں، غور کریں کہ یہ کھجور کہاں اور کس درخت

پہ لگی؟ اس درخت کو کھا کر دیکھیں تو اس میں یہ ذائقہ نہیں ہے، جس مٹی سے یہ کھجور اُگی ہے اس کے اندر تو یہ خاصیت نہیں ہے بلکہ اس کے درخت کی مٹی کو کھاد ڈالی گئی اور اس مضر مٹی سے یہ کھجور جیسی بہترین چیز بنی کہ جس کے اندر اتنی غذائیت ہے، پھر اس کھجور کی بناوٹ دیکھیں اور کھجور کے درخت پر تدبر کریں، اگر انسان کائنات کے ہر ذرے پر غور کرنا شروع کر دے، سوال اٹھانا شروع کر دے اور ان سوالوں کا جواب وہاں سے طلب کرنا شروع کر دے تو پھر انسان آہستہ آہستہ مشق کر کے اہلِ تدبر میں سے بن جاتا ہے یعنی انسان کی عقل کام کرنا شروع کر دیتی ہے، جب ہماری عقل کام کرنا شروع کر دے تو اس وقت اولی الالباب ہیں اور یہی لوگ جب قرآن کی طرف آتے ہیں تو قرآن انہیں کچھ اور بتاتا ہے لیکن اگر ہم فقط قرآن میں زبان چلائیں اور فقط آنکھوں سے قرآن پر نگاہ کریں تو صاحبِ لُب نہیں ہیں بلکہ اس طرح فقط الفاظ حاصل ہوں گے۔

پس یہ دو طبقے قرآن نے ذکر کئے کہ کچھ ایسے ہیں کہ دل ہیں، آنکھیں ہیں، کان ہیں، سب کچھ ہے لیکن انہیں استعمال نہیں کرتے، استعمال کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ انہیں درخت، درخت نظر نہیں آتا ہے، نا، بلکہ انہیں درخت کے اندر موجود راز نظر نہیں آتا ہے، یوں نہیں ہے کہ انہیں جانور نظر نہیں آتے ہیں، جانور نظر آتے ہیں لیکن ان جانوروں کے اندر موجود خدا کی نشانیاں نظر نہیں آتی ہیں، یہ اہلِ لُب نہیں ہیں اور دوسرے گروہ کو کہا کہ یہ اولی الالباب ہیں، خدا فرماتا ہے کہ ہم نے پورے عالم میں اپنی نشانیاں پھیلائی ہیں اور اِدھر سے ان انسانوں کو پیدا کیا ہے کہ ہماری نشانیوں کو جا کر مطالعہ کرو، کل عالمِ ہستی کتابِ خدا ہے،

تدبر کی مشق کے مراحل

مرا بہ ہیچ کتابی مکن حوالہ دگر

کہ من حقیقتِ خود را کتاب می بینم...... (۱۳)

یعنی مجھے کسی کتاب کے حوالے نہ کرو میں خود اپنی حقیقت کو کتاب پاتا ہوں......

انسان خود ایک صحیفۂ خدا ہے، انسان خود ایک کتابِ خدا ہے، ہم نے انسان کے لئے ان کے انفس میں اور آفاق میں آیات رکھی ہیں،

روایت میں ہے کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ...... (۱۴)

جس نے اپنے آپ کو پہچانا بتحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا......

کبھی اپنے آپ میں غور کریں، کبھی اپنی شناخت پیدا کریں اور اپنی حقیقت میں غور کریں تا کہ اہل تدبر بن سکیں، بہت سارے سوال اپنے لئے اٹھائیں، ابھی تو ہم امتحان میں جواب دیتے ہیں مثلاً بیس سوال آتے ہیں ان کا بھی مشکل سے جواب دیتے ہیں یا فرض کریں پچاس سوال آتے ہیں اور ان میں اختیار ہوتا ہے کہ اتنے سوالوں کا جواب دیں لیکن خداوند نے ہمیں اس عالم میں بھیجا ہے کہ یہ دارِ امتحان ہے، اس عالم میں ہمیں کس لئے بھیجا ہے؟ اس کو توجہ کے ساتھ ذہن نشین کریں، اہلِ تدبر فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عالم میں بھیجا ہے تا کہ ہم سات ملین (Seven Million) سوالوں کا جواب دیں، جو ان سوالوں کا جواب تلاش کرے وہ انسان کامل ہے۔

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (۱۵)

اور یہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

یہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جنہوں نے سات ملین سوالوں کا جواب کشف کر لیا ہے، ہماری زندگی کا اور یہاں پیدا ہونے کا یہی ایک کام تھا۔ جیسے کمرۂ امتحان میں جاتے ہیں تو کس لئے جاتے ہیں؟ ان بیس سوالوں کا جواب دینا ہے، ان سو سوالوں کا جواب دینا ہے، اگر جواب نہیں دیا تو پھر فیل ہیں، کامیابی کیلئے ان سوالوں کا صحیح جواب دینا ہے۔ ہم اس دارِ امتحان میں، اس دنیا میں کس لئے پیدا ہوئے؟ سات ملین سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کے لئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے

۹) سوال پیدا ہوتا ھے

انسان سوال کا جواب اس وقت ڈھونڈتا ہے کہ جب سوال پیدا ہو، ویسے بھی عام طور پر کہتے ہیں کہ ''سوال پیدا ہوتا ہے''، سوال کی پیدائش ہوتی ہے، سوال کی پیدائش کے لئے ماں باپ چاہئیں، سوال کو ماحول چاہئے، سوال کو کوئی رحم چاہئے کہ جہاں پر کوئی چیز جاتی ہے اور وہاں جا کر سوال بن جاتی ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو زور لگا کر سوال بناتے ہیں، زور لگا کر بہت ساری چیزیں بنائی جاسکتی ہیں لیکن زور لگا کر سوال نہیں بنایا جاسکتا ہے، جیسے زور لگا کر بعض شعر لکھتے ہیں اور پھر اس سے ڈبل زور لگا کر شعر کو سننا پڑتا ہے، لیکن شعر پیدا ہوتا ہے، شاعر وہ ہوتا ہے کہ جس میں شعر خود پیدا ہوتا ہے، شعر شاعر کو بناتا ہے، شاعر شعر کو نہیں بناتا ہے یعنی لوگ شاعر کیسے بنے ہیں؟ مرزا غالب کیسے شاعر بن گیا ہے، اشعار نے ان کو شاعر بنایا ہے نہ کہ غالب نے اشعار بنائے ہیں۔

حافظ شیرازی میر شریفِ جرجانی کے شاگرد ہیں یعنی مؤلفِ صرفِ میر کے شاگردوں میں سے ہیں، میر شریفِ جرجانی کی کلاس میں شعر پر پابندی تھی، شعر پڑھنے پر بھی اور شعر کہنے پر بھی چونکہ یہ رات کو بیٹھ کر شعر لکھتے تھے اور صبح آ کر سناتے تھے، جو شعر زور لگا کر لکھا جائے، اس شعر کو سننے میں بہت تکلیف ہوتی ہے، لیکن حافظ کو خود کہتے تھے کہ حافظ جو شعر بنا ہے سناؤ، سب کو تعجب ہوتا تھا کہ ہمیں شعر سے روکتے ہیں اور ان سے شعر سنتے ہیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کہا اس وجہ سے کہ تم زور لگا کر شعر بناتے ہو اور حافظ پر شعر زور لگا تا ہے۔

بعض لوگ سوال بھی زور لگا کر بناتے ہیں، جو زور لگا کر سوال بنائے تو وہ سوال سننا بھی سخت ہوتا ہے اور اس کا جواب بھی سخت ہوتا ہے چونکہ وہ سوال نہیں ہوتا ہے، وہ ایسے ہی انہوں نے زور لگایا ہوتا ہے، بنایا ہوا ہوتا ہے لیکن سوال خود پیدا ہوتا ہے، سوال کب پیدا ہوتا ہے؟ جب انسان کو کوئی معرفت ہو، کوئی علم ہو، علم سوال اٹھاتا ہے، جہالت سے سوال کبھی بھی پیدا نہیں ہوتا ہے لہٰذا کہا جاتا ہے کہ

حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ......(۱۶)

اچھا سوال آدھا علم ہے......

یعنی سوالِ صحیح نصف علم ہے، البتہ زور لگا کر جو سوال بنے وہ ناقص ہوتا ہے، ناقص الخلقت ہوتا ہے لیکن جو سوال طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے وہ بہت بجا سوال ہوتا ہے، الغرض انسان کے اندر سوال خود پیدا ہوتا ہے، پہلے ہمارے لئے یہ سوال اٹھے، ہمارے لئے سوال یہ ہے کہ مولانا روم شیعہ تھے یا

سوال پیدا ہوتا ہے

سنی تھے، فلاں آدمی کیا تھا؟ کیا نہیں تھا؟ کس فرقے سے تعلق رکھتا تھا؟ یہی ہمارے سوال ہیں جو پیدا ہوئے ہیں، ابھی اصل سوال پیدا ہی نہیں ہوئے۔

۱۰)سات ملین سوالوں کی تیاری

اہلِ تدبر کے مطابق ہمیں اس عالم میں اسلیئے بھیجا ہے تا کہ ہم سات ملین (Seven Million) سوالوں کا جواب دیں اور جوان سوالوں کا جواب تلاش کرلے وہ انسان کامل ہے۔ابھی ہمارے اندر عالمِ ہستی کے بارے میں ان سات ملین میں سے سات سوال بھی پیدا نہیں ہوئے؟ان سوالوں کو اٹھانا ہے لیکن یہ کس طرح سے اٹھیں گے؟ تدبر سے، غور سے یہ سوال اٹھیں گے اور ان سوالوں کا انسان کے پاس جواب بھی ہو، یہ قبر میں پوچھیں جائیں گے، ان سات ملین سوالوں کا ہی جواب پوچھا جائے گا؟ یہ قبر کے سوال ہیں اور یہی آخرت میں ہے۔

ہم ان سات ملین سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور قبر میں وہی پوچھے جائیں گے، چند ایک سوال ہم نے سنے ہوئے ہیں کہ جو تلقین میں پڑھے جاتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہی چند سوال ہوں گے لہٰذ وہ رٹا دیئے جاتے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ اب کام تمام ہوگیا ہے، نہیں بلکہ عالمِ برزخ بہت طولانی ہے، جب تک یہ سات ملین تکمیل نہیں ہوئے تو فارم (Form) آگے نہیں بڑھیں گے، جن کی تکمیل ہوگئی ہے وہ لوگ مرتے ہیں تو قیامت میں پہنچ جاتے ہیں،

فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ...... (۱۷)

بے شک تم میں سے جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو پس اس کی قیامت واقع ہو جاتی ہے......

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ...... (۱۸)

جو مر جاتا ہے پس اس کی قیامت قائم ہو چکی ہے......

پس جب ابن آدم مرتا ہے تو اس کی قیامت برپا ہو جاتی ہے لیکن وہ ابنِ آدم کہ جس کا سارا فارم بھرا ہوا ہے یا سارا غلط یا سارا صحیح ہے، جس نے کچھ صحیح اور کچھ غلط بھرا ہوا ہے تو اس کو کوارنٹائن (Quarantine) میں ڈال دیں گے کہ تم برزخ میں رہ کے سارا غلط کر و یا سارا صحیح کرو اور برزخ بہت طولانی اور بڑی سخت ہے، عالمِ قبر و عذابِ قبر بہت سخت ہے، عذابِ قبر سے مراد وہ مٹی نہیں ہے کہ جس گڑھے کے اندر جسم ڈالتے ہیں، اس میں تو روح نہیں ہے، روح عالمِ قبر میں ہے نہ کہ جسم ہے، جسم لحد میں ہے، ہم نے لحد اور قبر میں اشتباہ کر دیا ہے، قبر اور چیز ہے لحد اور چیز ہے، روح قبر میں ہے اور جسم لحد میں ہے، فشارِ قبر اور فشارِ لحد، لحد تو فشار نہیں دیتی ہے، لحد میں کیڑے آتے ہیں، وہ تو شکرِ خدا کرتے ہیں کہ یہاں پر ایک ایسی لاش آئی ہے، ایک ایسا بہترین کھانا میسر آیا ہے اور ایسی بہترین چربی اس کے اوپر چڑھی ہوئی ہے کہ کیا کچھ کھایا ہوگا اس نے؟ کیڑے اس کو کھا کر شکرِ خدا کرتے ہیں، یہ روح ہے کہ جو اس وقت عالمِ قبر میں ہے اور فشار میں ہے، جسم سے سوال جواب نہیں کرتے ہیں بلکہ روح سے کرتے ہیں، روح کو بتانا ہے کہ

مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ وَ مَنْ دِيْنُكَ وَ مَنْ كِتَابُكَ وَمَنْ قِبْلَتُكَ وَمَنْ

اَئِمَّتُکَ......

یہ سوالات چند ایک نہیں ہیں کہ جو انگلیوں پر تمام ہو جائیں گے چونکہ ہمارا دین بھی انگلیوں پر تمام ہو جاتا ہے اور سوال و جواب بھی انگلیوں پر ختم ہو جاتے ہیں، دین کیا ہے؟ خدا ایک ہے، نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، امام بارہ ہیں، معصوم چودہ ہیں، اصولِ دین پانچ ہیں، فروعِ دین دس ہیں، تمام شد، دین کم ہے اور انگلیاں پھر بھی زیادہ بن جاتی ہیں، یہی بچپن میں سکھاتے ہیں، بڑھاپے تک یہی دین ہمارے ذہن میں رہتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہی چند سوال ہیں، نہیں، بلکہ وہ فارم کونسا ہے؟ وہ صفحہ کونسا ہے؟ وہ کتاب کونسی ہے کہ جو ہمیں ان سوالوں سے بھرنی ہے؟ وہ کتاب صحیفہ نفسِ انسان ہے، وہ خود اپنے نفس کے اندر ہے۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا٥(١٩)

یعنی کہا جائے گا کہ آؤ اپنی کتاب پڑھو، وہ کہے گا کہ پروردگارا میری کتاب کہاں ہے؟ آواز آئے گی کہ خود پر نگاہ کرو۔ تو خود اپنی کتاب ہے، تو نے اپنی کتاب خود بھری ہے، یہ فارم (Form) تو نے خود فِل (Fill) کیا ہے، دیکھ اس میں تو نے کیا بھرا ہے؟ کتنے سوال ابھی باقی ہیں کہ جو تجھے جاننے تھے اور تو نے نہیں جانے۔

انسان غور و فکر کرے اور خود سے سوال اٹھائے کہ یہ سارا عالم کیسے پیدا ہو گیا؟ کس طرح سے یہ مخلوقات پیدا ہوئیں؟ جواب ڈھونڈو انہی میں بہت سارے سوال حل ہو جائیں گے۔

یہ معرفت خود انسان کی حقیقت ہے بقول مولانا روم

ای برادر تو همان اندیشه ای

مابقی تو استخوان و ریشه ای...... (۲۰)

تیری حقیقت فقط یہی علم ہے، دانش ہے، باقی تو لنے کی چیز ہے، اس کو تولو تو چند کلو ہڈیاں ہیں، چند کلو رگیں ہیں، چند کلو انتڑیاں ہیں، چند کلو چربی اور چند کلو بیچ میں کچھ اور کچرا ہو گا۔

پس انسان مشق کرے، تدبر شروع کرے یعنی اپنے آپ کو اس ظاہر سے اوپر لے آئے، اس نقص سے اوپر لے آئے، ترقی کرے، تعالی یعنی بلندی پر آئے تا کہ تدبر در قرآن کے قابل ہو جائے ورنہ اسی طرح سے اٹھ کر کہیں کہ اب قرآن میں تدبر بھی کرنا ہے اور قرآن کھول کر یا ترجے والا قرآن کھول کر بیٹھ جائیں، کیا حاصل ہوا؟ سر درد، قرآن میں رات کو اتنا تدبر کیا کہ صبح گولی کھانی پڑی، نا، پہلے متدبر بنیں، اہلِ لُب بنیں، اپنے اندر لُب پیدا کریں پھر آپ کے اندر سوال اٹھیں گے۔

۱۱) قرآن اہلِ تدبر کا راھنما

اہلِ تدبر جب گزشتہ آداب کے ساتھ قرآن کی بارگاہ میں اپنے سوال لے کر آئے تو قرآن خود سوال حل کرے گا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا...... (۲۱)

اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے......

پھر راستے کھلتے جاتے ہیں، قرآن خود انسان کا ہاتھ تھام لیتا ہے کہ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے؟ خود قرآن راہنمائے انسان بن جاتا ہے، ہمیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اگر قرآن کے ساتھ ایک دفعہ انس پیدا ہو جائے اور روحِ قرآن کے ساتھ ہماری روح آشنا ہو جائے تو پھر قرآن ہمارا راہنما ہے نہ کہ ہم قرآن کے راہنما ہیں، ہم مفسرِ قرآن نہیں ہیں، قرآن ہمارا مفسر ہے۔

مولانا روم نے ایک خوبصورت تمثیل بیان کی ہے کہ یہ جو شکاری ہرن کا شکار کرنے جاتے ہیں، یہ کھوجی کو ساتھ رکھتے ہیں، کھوجی پاؤں کے کھر سے کھوج لگاتا ہے، بعض لوگوں کے اندر یہ مہارت ہے اور ایک فن ہے کہ جہاں سے کوئی جانور یا انسان چل کے گیا ہو اس کے قدموں کے نشان سے اس تک پہنچ جاتے ہیں یعنی یہ کھر شناس انسان ہوتے ہیں، اسی طرح شکاری بھی کھوجی کو ساتھ لے کر جاتے ہیں، کھوج لگانے والے کو چند قدم تک اس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب آپ ہرن کے قریب ہوتے ہیں تو پھر کھوجی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، چند قدم تک نقشِ پا راہنما ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ

چند گاهش گامِ آهو در خور است

بعد از آن خود نافِ آهو رهبر است...... (۲۲)

چند قدم نقشِ پائے آہو راہنما ہوتا ہے، آہو یعنی ہرن، انسان کو ہرن کا نقشِ پا چند قدم آگے لے جاتا ہے لیکن جب قربت پیدا ہوتی ہے تو پھر نقشِ پا کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، پھر وہاں سے

مشکِ آہو راہنما ہو جاتی ہے، نافِ آہو میں خوشبو ہوتی ہے، وہ خوشبو انسان کو کھینچتی ہے اور رہبر بن جاتی ہے یعنی وہ خود اپنی ضمام ہمارے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔

اسی طرح آپ چند قدم خدا کی نشانیوں، آیاتِ تکوینیٔ خدا، خلقتِ خدا، آثارِ خدا اور فعلِ خدا کی طرف جائیں، چند قدم تک انسان آثارِ خدا دیکھ کر خدا کی طرف جاتا ہے لیکن جب تھوڑی سی قربت پیدا ہوتی ہے تو انسان کے لئے خود وہ آیاتِ خدا رہبر بن جاتی ہیں یعنی وہ خود ہمارا ہاتھ تھام لیتی ہیں اور یہ قرآن کے اوپر بھی صدق کرتا ہے، ہم قرآن کی طرف اقوال کے ذریعے، قاعدوں کے ذریعے، لفظی قاعدوں کے ذریعے چند قدم خود آئیں اور تھوڑا سا قرآن کے ساتھ اپنی روح کو آشنا کریں، جب قرآن سے آشنا ہوں گے تو خود قرآن آپ کے لئے مثلِ مشک رہبر بن جائے گا، خود مہکِ قرآن، خوشبوئے قرآن، حقیقتِ قرآن اور روحِ قرآن آپ کا ہاتھ تھام لے گی، پھر خود قرآن آپ کا راہنما بن جائے گا۔

۱۲) متدبر بنے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا

پہلے انسان متدبر بنے اور تدبر کے مقام پر پہنچے ورنہ اپنے آپ کو اتنا بلند کئے بغیر تدبر شروع کر دیا تو پھر آپ کو گولی کھانی پڑے گی، سر میں درد ہوگا، اکتاہٹ، بیزاری اور چہ بسا انسان قرآن سے ہی بیزار ہو جائے، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کیلئے درس کی بہت اہمیت ہے لیکن کسی کو درس میں بوریت بھی ہوتی ہے کہ پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہیں، زمین و آسمان کی باتیں کر رہے ہیں،

سر پیر سمجھ میں نہیں آتا ہے لیکن کوئی کہتا ہے کہ بہت اچھی باتیں ہو رہی ہیں، عموماً ایسا ہوتا ہے، معلوم نہیں آپ کو تجربہ ہوا ہو یا نہ ہو مجھے ہوا ہے کہ بعض دوست دوسرے ایسے لوگوں کو لے آتے ہیں کہ آؤ یہ مولانا قم سے آیا ہے اس کے درس میں آؤ، اس کی تقریر سننے چلو کہ بڑی اچھی تقریر کرتے ہیں، وہ یہ سن کر آجاتے ہیں کہ ظاہر ہے اچھا آدمی ہے، اچھی باتیں کرتا ہے تو چلو چلتے ہیں لیکن جب وہ آکر بیٹھتے ہیں تو پہلے تو وہیں ان کو نیند آجاتی ہے، اونگھ آجاتی ہے، بعض اوقات سو بھی جاتے ہیں، پھر اٹھ کر اس دوست کو کوستے ہیں کہ یہ ہمیں کہاں لے کر آئے ہو، اصلاً گفتگو کا نہ کوئی سر تھا اور نہ کوئی پاؤں تھا، ایسے ہی ہونا چاہئے، جو آدمی ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہے، جس نے اپنے آپ کو اس مرتبے تک آمادہ نہیں کیا ہے، اس کے لئے یہی ہونا ہے، قرآن نے خود نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھتے تھے اور بعض اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور خود قرآن نے ذکر کیا ہے کہ گزرتے ہوئے جنوں نے جب قرآن کی تلاوت سنی تو وہیں رک گئے اور مدہوش ہو گئے، ارواحِ جن پر قرآن نے اثر کیا یا مشرکین جو جاسوس بھیجتے تھے تو چونکہ ان کے نفوس آمادہ تھے لہٰذا قرآن ان پر اثر کرتا تھا، وہ وہیں بیٹھ جاتے تھے اور بھیجنے والے منتظر رہتے تھے کہ وہ کب آکر ہمیں خبر دیتے ہیں لیکن وہ صبح تک وہیں رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنتے رہتے تھے، پس جب تک تدبر کے لئے نفس آمادہ نہ ہو تو عملاً تدبر نہیں ہوتا ہے۔

صدر المتالھین ؒ فرماتے ہیں کہ تدبر اور چیز ہے حضورِ دل اور چیز ہے، یہ نہ کہنا کہ پس دل قرآن پڑھتے ہوئے حاضر ہے تو یہی کافی ہے، کیوں؟

☆ اذ ربّ وقت لا یشغل الانسان قلبه بغیر القرآن......

بعض اوقات انسان اپنے دل کو غیرِ قرآن میں مشغول نہیں کرتا ہے، یہ فقط قرآن میں مشغول ہوتا ہے یعنی حضورِ دل حاصل ہوگیا اور اس نعمت تک پہنچ آیا جیسے عبادت میں دل حاضر رہتا ہے، قرآن پڑھتے ہوئے بھی دل قرآن ہی میں ہے اور ایک لحظے کے لئے بھی اِدھر اُدھر نہیں جاتا ہے لیکن اس حضور کے باوجود ممکن ہے کہ تدبر نہ ہو،

☆ ولکن یقتصر علی سماع القرآن من نفسه من غیر تدبر......

فقط حضورِ دل کے ساتھ پڑھ رہا ہے یا فقط قرآن سن رہا ہے جیسے مثلاً محافل میں قاری آتے ہیں یا مصری قاری آتے ہیں اور محفلِ قرآن میں واقعاً حقاً خوبصورت قرآن پڑھتے ہیں اور سننے والے محو ہو جاتے ہیں، حضورِ دل کے ساتھ ان کی تجوید و قرأت و رَفعہ سنتے ہیں اور قرآن سے اِدھر اُدھر ذہن نہیں جاتا ہے لیکن یہ حضور باوجود حضور کے فقط سننے کی حد تک حضور ہے یعنی کان و سماعت حاضر ہیں لیکن تدبر نہیں ہے،

تدبر کے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا

☆ والمقصود الاصلی فیه هو التدبر......

درحالیکہ قرآن کا مقصودِ اصلی تدبر در آیاتِ قرآن ہے اور مفاہیمِ قرآن ہے،

☆ وهو روح کل عبادة......

اور تدبر کرنا ہر عبادت کی روح ہے، آپ امیر المومنین علیہ السلام سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ

☆وعن امیر المؤمنین علیه السلام: لَا خَیْرَ فِیْ عَبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِیْهَا......

اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے کہ جس میں تفقہ نہ ہو، نہ کہ جس میں احکامِ فقہ نہ ہو، فقہ سے مراد لغتاً تفقہ ہے کہ جو فہم کو کہتے ہیں، فقہ یعنی فہم، قرآن نے جس معنیٰ میں لفظ فقہ استعمال کیا ہے اور جو روایات میں استعمال ہوا ہے وہ اسی فہمِ دین کو کہتے ہیں، یہ بعد میں اصطلاح بن گئی ہے کہ علمِ احکام کو علمِ فقہ کہتے ہیں اور جو یہ احکام جانتا ہے اس کو فقیہ کہتے ہیں، یہ متاخر اصطلاح ہے،

اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے، اس عبادت میں کچھ بھی نہیں ہے کہ جس میں تفقہ نہ ہو، تدبر نہ ہو، فہم نہ ہو،

☆ وَلَا فِیْ قِرَائَۃٍ لَا تَدَبُّرَ فِیْھَا......

اور ایسے قرآن پڑھنے کا کوئی خیر و فائدہ نہیں ہے کہ جس کے اندر تدبر نہ ہو،

☆ و اذا لم یتمکن من التدبر الابتر دیدہ فلیر دد......

تر دید یعنی دہرانا، تکرار کرنا، اگر تر دید سے نہیں ہوتا یعنی تدبر کے بغیر دہرانا، تکرار کرنا تو پھر دوبارہ پڑھو اور اس وقت تک پڑھتے رہو کہ جب تک نکتے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہو۔ بعض اوقات جو انسانوں میں قوی ہوتے ہیں، تدبر و تفکر اور قوی فہم کے مالک ہیں ممکن ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ آیت کو پڑھنے سے مقصود تک پہنچ جائیں لیکن سب تو ایسے نہیں ہوتے ہیں، بعض کو رکنا اور وقف کرنا پڑتا ہے، جیسے قرأت کے قواعد ہیں کہ یہاں وقف ہے، یہاں وقفِ لازم ہے، یہاں وقفِ مطلق ہے، یہاں وقفِ جائز ہے، یہاں وقفِ مجوز ہے، یہاں وقفِ مرخص ہے، یہاں سکتہ ہے، یہاں وقفہ ہے، یہاں ناجائز ہے، اسی طرح سے فہم کے بھی وقف ہیں کہ اس آیت پر رکو، غور

تدبر کے بغیر قرآن سمجھ نہیں آسکتا

کرو، خوض کرو، تعقل کرو، تامل کرو، تفکر کرو اور تدبر کرو۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ کچھ علماء چار چار مہینے اور چھ چھ مہینے تک فقط ایک آیت پڑھتے رہے یعنی ختم قرآن شروع کیا تو ایک ہی آیت پڑھتے ہوئے چھ مہینے گزر گئے، چھ مہینے سے آگے نہیں بڑھے، کیوں؟ کہا کہ یہ آیت مجھے ابھی سمجھ میں نہیں آئی، یہ آیت ابھی حل نہیں ہوئی ہے میں کس طرح اگلی آیت میں پہنچوں؟ اب ایسا تو نہیں ہے کہ پہلی آیت کو تاڑ کے معاذ اللہ دوسری آیہ پہ پہنچیں اور پھر اس کا بھی حشر کرنے جائیں، پہلی کا کیا حشر کیا؟ اس کو میں نے خوب مخارج کے ساتھ نکالا ہے، دبا کے نکالا ہے، قرآن بھی ایسے قاری سے پناہ مانگتا ہے کہ خدایا مجھے اس سے بچا، جیسے بعض لوگ ہیں کہ بہت امام زمانہ علیہ السلام کی طلب میں ہیں، امام زمانہ علیہ السلام کو ملاقات کیلئے ڈھونڈتے ہیں، کسی نے مذاق کیا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں امام زمانہ علیہ السلام کو دیکھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ جو میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس سے میری جان چھڑاؤ، قرآن بھی بعض قاریوں سے پناہ مانگتا ہے۔

☆ الا ان یکون فی الصلوۃ خلف امام......

البتہ نماز میں یہ کام نہیں کرنا مثلاً امام جب نمازِ عشاء پڑھا رہا ہے اور

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝ (۲۳)

پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

پڑھتا ہے تو ہم غور و فکر کرنا شروع ہو جائیں حتیٰ امام عشاء پڑھ کے بھی چلا جائے اور ہم اسی جگہ غور و تدبر کر رہے ہوں، نا، نماز میں یہ کام نہیں کرنا ہے، نماز میں جیسے امام جا رہا ہے آپ بھی اس

کے ساتھ چلے جائیں۔

۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن میں غور و فکر کرنا

☆ و روی انه صلی الله علیه و آله قرء بسم الله الرحمن الرحیم......

روایت میں نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ کو پڑھتے تھے یا پڑھا

☆ فرددها......

اور اس کو تکرار کیا

☆ عشرین مرة......

بیس دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ بسم اللہ کو تکرار کیا،

☆ وانما رددها لتدبر، فی معانیها......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی دفعہ کیوں تکرار کیا؟ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تدبر کر رہے تھے، بسم اللہ کے اندر تدبر کر رہے تھے اور بسم اللہ اتنا عمیق سمندر ہے کہ میں نے خود ایک دانشمند سے کہ جو بظاہر عالم بھی نہیں ہے، اس کی داڑھی بھی نہیں ہے مگر اس سے ابھی تک بسم اللہ کی پچاس سے زیادہ تفاسیر سنی ہیں اور ہر دفعہ پہلی تفسیر سے عمیق تر تفسیر کی، اب اندازہ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس سطح تک پہنچے ہوں گے، تردد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیس دفعہ تکرار کیا ہے تو بیس درجے اس کے اندر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بسم اللہ کے باطن تک کہاں تک رسائی ہوئی ہوگی؟

☆ وعن ابی ذرؓ......

جنابِ ابی ذرؓ سے یہ روایت مروی ہے،

☆ قال: قام رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم بنا ليلة......

ایک شب یعنی ایک شب جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ گزاری، ان شبوں میں سے ایک شب جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ بسر کی،

☆ فقام باية يرددها......

ایک آیہ لے کر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بار بار دہرانا شروع کر دیا، تکرار شروع کیا اور وہ کونسی آیہ تھی؟

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

اگر تو ان پر عذاب کرے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف کر دے گا تو تو صاحبِ عزّت بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے۔

یہ سورۂ مائدہ کی آیہ ۱۱۸ ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام خدا ہے تو خداوند نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ان کو کہا ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کہ اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو علم ہوتا، میں نے تو ان کو خدا کی طرف متوجہ کیا ہے، پھر اس کے بعد کہا کہ یہ نادان ہیں، جاہل ہیں، جہالت کی وجہ سے تثلیث کے قائل ہیں، جہالت کی وجہ سے مسیح علیہ السلام اور روح القدس علیہ السلام کو بھی انہوں نے خدا کے زمرے میں شامل کیا ہے، پھر خداوند سے فرمایا کہ اس گناہ پر، اس شرک پر اگر تو انہیں

عذاب دینا چاہے تو تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بھی تیرے بندے ہیں۔

☆ وقال صلی اللہ علیہ و آلہٖ لما نزل علیہ قولہ تعالیٰ:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ اللَّیۡلِ وَالنَّھَارِ لَآیَاتٍ لِّاُولِی الۡأَلۡبَابِ ٥

بیشک زمین و آسمان کی خلقت اور لیل و نہار کی آمد و رفت میں صاحبانِ عقل کے لئے قدرت خدا کی نشانیاں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو یہ آیت پڑھتا ہے یعنی سورۂ آل عمران کی آیہ (۱۹۰) اور یہ آیہ پڑھ کر اس میں تفکر نہ کرے تو

☆ ویل لمن قرأھا ولم یتفکر فیھا.

ویل یعنی مردہ باد۔ نفرین ہے، بددعا ہے، ہلاک ہو جائے وہ شخص، مردہ باد ہے وہ قاری کہ جو یہ آیۂ قرآن پڑھتا ہے اور اس میں تفکر نہیں کرتا ہے، اب اس ویل کو مردے کے لئے نہ بھیجو یعنی بغیر تفکر کے قرآن پڑھ کر پھر نہ کہو کہ خدایا جو کچھ ہم نے کیا ہے یہ اس کو بھی پہنچا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر تفکر نہیں کیا، تدبّر نہیں کیا تو آپ کیلئے ویل ہے، انشاء اللہ خداوند تبارک وتعالیٰ اس تدبر اور تفکر کو سب کے لئے نعمت کے طور پر عطا فرمائے۔

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ حج، آیہ۴۶)

(۲)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ۱۷۹)

(۳)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ۱۷۹)

(۴)......(سورۂ مبارکہ اعراف، آیہ۱۷۹)

(۵)......(سورۂ مبارکہ یوسف، آیہ۱۱۱)

(۶)......(سورۂ مبارکہ ص، آیہ۴۳)

(۷)......(سورۂ مبارکہ زمر، آیہ۲۱)

(۸)......(سورۂ مبارکہ غافر، آیہ۵۴)

(۹)......(سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ۱۹۰)

(۱۰)......(تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، بحث روائی، الجزء، صفحہ۱۴۶)(شرح نهج البلاغه - جعفری)(مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسول - العلامة المجلسیؒ، الجزء۱۰، صفحه۱۹۳)

(۱۱)......(مفاهیم القرآن الجزء السادس)

(۱۲)......(شرح نهج البلاغه - جعفری)

(۱۳)......(دیوان شمس مغربی)

(۱۴)......(مستدرک نهج البلاغة، الجزء۱، صفحه۴)(منهاج البراعة فی شرح نهج البلاغة - الخوئیؒ)(نفحات الولایة فی شرح نهج البلاغة)(شرح نهج

البلاغة - عبد الحميد بن هبة اللّٰه بن محمد بن الحسين بن أبی الحديد،

أبو حامد، عز الدين، المتوفى: ٦٥٦ ھ، الجزء ٢٠، صفحه ٢٩٢)

(جامعه علوی در نهج البلاغه، الجزء ٨، صفحه ٢)

(١۵)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۵) (سورۂ مبارکہ آلِ عمران، آیہ ١٠۴) (سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ٨٨)

(سورۂ مبارکہ نور، آیہ ۵١) (سورۂ مبارکہ روم، آیہ ٣٨) (سورۂ مبارکہ لقمان، آیہ ۵)

(١٦)......(قرآن در نهج البلاغه، الجزء ۵، صفحه ١) (نهج السعادة - الشيخ المحمودی، الجزء ٨، صفحه ٣۴٧) (شرح حكم نهج البلاغة)

(شرح نهج البلاغة - ابن ابی الحديد)

(١٧)......(ارشاد القلوب، صفحه ١٨)

(١٨)......(بحار الانوار - علامه مجلسیؒ، الجزء ٧٠، صفحه ٦۵)

(١٩)......(سورۂ مبارکہ اسراء، آیہ ١۴)

(٢٠)......(مثنوی معنوی، به تصحيح: رينولد ا. نيكلسون، دفتر دوم، صفحه ١٩٢)

(٢١)......(سورۂ مبارکہ عنکبوت، آیہ ٦٩)

(٢٢)......(مثنوی معنوی، به تصحيح: رينولد ا. نيكلسون، دفتر دوم، صفحه ١٨٧)

(٢٣)......(سورۂ مبارکہ فاتحہ، آیہ ۵)

فصلِ ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصّہ اول)

۱)مطالعۂ قرآن کے لحاظ سے لوگوں کی اقسام

۲)استنباط کا معنیٰ

☆راویوں کے طبقے

☆ پیغامِ دین کو اَفُقَہْ تک پہنچانے کی حکمت

۳)میڈیا کے اھلِ استنباط

٤)ادارتی اھلِ استنباط

٥)سیاسی اھلِ استنباط

٦)اقتصادی اھلِ استنباط

۷)طبی اھلِ استنباط

۸)دینی اھلِ استنباط

۹)چیزوں کو اھل تک پہنچائیں

۱۰)قرآن کے اھلِ استنباط

۱۱)احادیث کے اھلِ استنباط

آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ پنجم استنباط ہے، صدر المتألہینؒ ادبِ پنجم کو اس طرح سے بیان فرماتے ہیں،

☆ الخامس: الاستنباط، وھو ان یستوضح من کل آیة ما یلیق بھا،

پانچواں ادب استنباط ہے اور اس کا مطلب ہر آیت کے مطابق اس کی وضاحت چاہنا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض انسان اہلِ تدبر ہوں یعنی مطالب کی تہہ تک پہنچ جاتے ہوں لیکن اس تہہ سے خالی ہاتھ واپس لوٹ آتے ہوں۔

۱) مطالعۂ قرآن کے لحاظ سے لوگوں کی اقسام

اگر ہم قرآن کو سمندر سے تشبیہ دیں تو بعض ایسے لوگ ہیں کہ جو سطحِ سمندر دیکھنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں، بعض تو اصلاً سرے سے سمندری علاقے کے ہی نہیں ہیں بلکہ ساری عمر خشکی میں بسر کر کے صحراؤں میں چلے جاتے ہیں اور اس سمندر تک آتے ہی نہیں ہیں، کچھ ایسے ہیں کہ جو کبھی کبھار سمندر پہ جاتے ہیں، گردش کے لئے، آؤٹنگ (Outing) کیلئے، تفریح کے لئے اور ساحل پہ گھوم پھر کے واپس آجاتے ہیں، یہ لوگ ساحل پیما ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جنہیں ساحل سے تھوڑا سا شوق اور لگاؤ ہوتا ہے، وہ تھوڑا سا جوتے اتار کے چند قدم اندر بھی چلے جاتے ہیں لیکن پانی جب پنڈلیوں تک آتا ہے تو پھر واپس آجاتے ہیں، انہیں مزید آگے جانے سے ڈر لگتا ہے، یہ لوگوں کے درجات ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ممکن ہے تھوڑا اور ہمت کر کے سمندر میں آگے چلے جائیں اور سمندر کے اندر تیر بھی لیں لیکن سطحِ سمندر پہ تیرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو سمندر میں غوطہ بھی لگاتے ہیں یعنی

سمندر کی تہہ میں بھی جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ کم ہیں کہ جو تہہ میں جاتے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ جو سمندر کی تہہ میں چلے جاتے ہیں لیکن ایسے ہی جیسے بعض فقط مناظر دیکھنے کے لئے ساحل پہ آتے ہیں اسی طرح یہ بھی تہہ میں جاتے ہیں لیکن صرف دیکھنے کے لئے کہ تہہِ سمندر میں کیا ہے؟ جیسے بعض ملکوں میں ایسے ہوٹل یا سمندر کی تہہ میں شیشے کے راستے، شیشے کے ٹنل (Tunnel) ہیں کہ انسان ان کے اندر جائے تو سمندر کی تہہ تک جا پہنچتا ہے، دائیں بائیں دیکھ سکتا ہے، تیرتی مچھلیوں کو دیکھ سکتا ہے اور سمندری موجودات کا نظارہ کر سکتا ہے، بعض نے ممکن ہے کہ ایسے ریسورٹ (Resort) کا وزٹ (Visit) بھی کیا ہو، لیکن کچھ ایسے ہیں جو تہہِ سمندر میں پہنچتے ہیں اور اس تہہِ سمندر میں موجود قیمتی گوہر، جوہر اور صدف کو بھی ساتھ لے کر آتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو سمندر پہ جانے والوں میں ہمیں یہ سارے طبقات ملیں گے، بالکل یہی حال قرآن کے بارے میں بھی ہے، بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے ساری عمر خشکی اور صحرا میں بسر کر دی ہے اور صحرا پیما ہیں، سرے سے ایک دن بھی قرآن نہ دیکھا نہ پڑھا اور ایسے مسلمان بھی ہیں کہ جن کو قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا ہے، یہ بغیر قرآن اور بغیر اسلام کے مسلمان ہیں، صرف شناختی کارڈ کی وجہ سے مسلمان ہیں، بعض ایسے ہیں کہ جو قرآن کے ساحل پیما ہیں، صرف ساحلِ قرآن تک آتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی کبھار پڑھ لیتے ہیں، جب رمضان آتا ہے تو ثواب کی خاطر پڑھ لیتے ہیں یا کسی قاری کی مجلس میں جا بیٹھتے ہیں تو سن لیتے ہیں یا اگر کوئی قاری اچھا لگا اور اس کی صوت و لحن اچھی لگی تو ساحلِ قرآن تک آجاتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو تھوڑا سا سمندر کے اندر بھی چند قدم آگے

آتے ہیں اور پھر واپس لوٹ جاتے ہیں، کبھی کبھار ترجمہ پڑھ لیا، کبھی کبھار سروکار رکھتے ہیں بالآخر کبھی کبھار آجاتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو اس سمندر میں تیراکی کر رہے ہیں لیکن نیچے نہیں جاتے ہیں، فقط تیراکی کر رہے ہیں، جو تیراکی جو کر رہے ہیں یعنی یہی جو فقط فنونِ قرأت و تجوید و حفظ یعنی فقط ظاہر کی حد تک سروکار رکھتے ہیں، یہ سرے سے معانی کی طرف جاتے ہی نہیں ہیں، فقط الفاظ کے فنون، قاعدے، ضابطے اور الفاظ کی حد تک ہیں، قرآن کے بحر میں ان کی فقط اتنی تیراکی ہے، کچھ ایسے ہیں جو کبھی کبھار نیچے تہہ میں چلے جاتے ہیں، غور بھی کرتے ہیں، پڑھتے بھی ہیں، تدبر بھی کرتے ہیں، تفسیر کا مطالعہ بھی کرتے ہیں لیکن تہہِ سمندر میں جا کر فقط منظر دیکھ کر واپس آجاتے ہیں، تفریح کے طور پر جاتے ہیں، ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا ہے، یہ اہلِ تدبر ہیں لیکن اہلِ استنباط نہیں ہیں چونکہ قیمتی چیزیں سمندر کی تہہ میں ہوتی ہیں، سطحِ سمندر پہ جھاگ زیادہ ہوتی ہے اور چند چیزیں ہوتی ہیں، بعض اوقات ممکن ہے کہ آپ تہہ سمندر سے زیادہ سے زیادہ مچھلی پکڑ سکتے ہیں یا فرعی فائدے حاصل کر سکتے ہیں لیکن تہہ سمندر نے قیمتی چیزیں چھپا کر اور وہ بھی صدف کے اندر چھپا کر رکھی ہوتی ہیں، قیمتی گوہر صدف کے اندر موجود ہوتا ہے۔ قرآن کے لئے اب جو ادب بتایا جا رہا ہے وہ فہمِ قرآن کیلئے نہایت اہم ہے۔ آپ قرأتِ قرآن کریں، درست کریں اور آیاتِ قرآن میں تدبر کریں یعنی آپ ان آیات کی تہہ میں موجود معانی تک بھی پہنچیں فقط تلفظ پر اکتفا نہ کریں، بعد از تلفظ یا بعد از سماع اس میں تدبر بھی کریں۔

۲)استنباط کا معنیٰ

تدبر کے بعد ادبِ استنباط شروع ہوتا ہے کہ جب آپ قرآنی سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں تو ساتھ کچھ لے کر بھی آئیں، اس سمندر سے کچھ حاصل بھی کریں۔ استنباط لغت میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، استنباط کا اصطلاحی معنیٰ ہم فقط اجتہاد کو سمجھتے ہیں یعنی فقیہ روایات سے، منابعِ دین اور ادلّہَ دین سے حکمِ خدا استنباط کرتا ہے یعنی استخراج کرتا ہے، نکالتا ہے، حاصل کرتا ہے، اجتہاد اسی کو کہتے ہیں اور اسی کو استنباط بھی کہتے ہیں، یعنی بعد از تدبر در قرآن انسان کچھ حقائق تک پہنچتا ہے یعنی ظواہر اور الفاظِ قرآن سے انسان حکمتِ قرآن، معانئ قرآن اور اسرارِ قرآن تک پہنچتا ہے کہ جو مقصود ہیں۔

یہاں تک پہنچ کر پھر دوسرا عمل شروع ہوتا ہے اور وہ استنباط ہے، استنباط مادۂ نبط سے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جس طرح کنویں کی تہہ میں موجود پانی کو زحمت کے ذریعے سے نکالتا ہے اور باہر سطحِ زمین پہ لے آتا ہے تو اسی طرح سے انسان تہہِ الفاظ میں اور قرآن کے ظواہر کی تہہ میں موجود اسرار کو اپنی استعداد ولیاقت کے مطابق نکال کر برملا کرتا ہے اور اپنی فہم کی حد تک لے آتا ہے پھر اسکے بعد عمل کی حد تک لے آتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی معرضِ استفادہ قرار دیتا ہے۔ لغت میں کنویں کا پانی نکالنا استنباط کہلاتا ہے، کنویں کی تہہ میں موجود پانی کو انسان کسی ذریعے سے، کسی وسیلے سے، کسی حیلے سے باہر نکال لے اور سطحِ زمین پر لے آئے تو اس کو نبط کہتے ہیں اور استنباط یعنی یہی پانی کھینچ کر باہر لانا، استفادے کے لئے، اپنے لئے اور دوسرے موجودات کے لئے باہر

استنباط کا معنیٰ

لانا۔آج کل برقی طریقوں سے اور جدید آلات کی مدد سے زمین کے نیچے موجود گہرے کنوؤں میں برقی آلات اور موٹروں کے ذریعے سے پانی کھینچ کر باہر لے آتے ہیں، یہی استنباط ہے، یہ استنباطُ الماء ہے یعنی پانی نکالنا۔

کنواں کھودنے کو تدبر کہتے ہیں چونکہ آپ نے سطحِ زمین کھودی، پردے ہٹائے، ریت ہٹائی، مٹی ہٹائی اور نیچے پانی کی تہہ تک پہنچ گئے، یہ تدبر ہے لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگ کنویں کھود لیں مگر پانی نہ نکال سکیں اور ایسا ہوتا بھی ہے مثلاً وہ کاریگر کہ جن کا کام زمین کھودنا ہے وہ فقط بڑے گہرے کنویں کھود سکتے ہیں لیکن اگر آپ انہیں کہیں گے کہ کنویں کا پانی بھی باہر نکالنا ہے تو یہ نہیں نکال سکتے کیونکہ پانی نکالنے کے لئے ایک الگ انجینئر کی ضرورت ہے کہ جو آکر اس میں موٹر فٹ کرتے ہیں، پائپ فٹنگ کرتے ہیں، اوزار اور دیگر برقی آلات کی مدد سے اور اپنے ایک معقول طریقے سے پانی کو باہر نکالتے ہیں، پس پانی تک پہنچنا ایک ہنر ہے اور پانی کو زمین کی سطح تک منتقل کرنا ایک فنِ دیگر و ہنرِ دیگر ہے اور اسی کو استنباط کہتے ہیں، یہ استنباطُ الماء ہے۔

استنباط کا معنی

معانیٔ عقلیہ بھی اسی کی شبیہ ہیں کہ پہلے انسان عبارتوں کے اندر، الفاظ کے اندر، آیات کے اندر، روایات کے اندر، جملوں کے اندر اور ان کی تہہ میں موجود معانی تک پہنچے یہ تدبر کا مرحلہ ہے یعنی الفاظ سے ہی نہ کھیلتا رہے، فقط الفاظ کا جمع خرچ کر کے، ادبیات پڑھ کے، اعراب و بنا پڑھ کے، صرف ونحو پڑھ کے، صیغے پڑھ کے وہیں پہ حجۃ الاسلام نہ ہو جائیں بلکہ الفاظ سے آشنا ہونے کے بعد اب معانی تک پہنچیں، ان الفاظ کی تہہ میں جو معانی ہیں ان تک رسائی حاصل کریں یہ تدبر در

قرآن ہے اور اگر قرآن کی تہہ میں پہنچ گئے ہیں اور معانی تک رسائی حاصل ہوگئی ہے تو اب ان معانی کو حاصل بھی کریں یہ استنباط ہے، چنانچہ قرآن میں تدبر کرنے کے بعد معانیٔ قرآن، حکمِ قرآن اور اسرارِ قرآن کا استخراج کرنا استنباط کے زمرے میں شامل ہے، دوسرے الفاظ میں معانیٔ قرآن میں غور وخوض کرکے آیات کے مقصود و مطالب کو حاصل کرنا، ان آیات کے معانی و مقاصد کو پھیلانا اور ان سے مربوط حکمتیں اور اسرار و مطالب کہ جو بعض ظواہر کے پیچھے پنہاں ہیں انہیں حاصل کرنا ہے استنباط کہلاتا ہے، استنباط کے مرحلے میں انسان بعض اوقات آیاتِ الٰہی سے احکام وحدود استنباط کرتا ہے، بعض اوقات خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے جو نظام مقرر کئے ہیں اور انہیں قرآن میں ذکر فرمایا ہے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے، کبھی قصصِ اقوام وامم ماضیہ سے عبرتیں استنباط کرتا ہے۔

استنباط کا معنیٰ

قرآن کی آیات کے اندر جب انسانِ متدبر غور وخوض کرتا ہے، اسرار وحکمِ قرآن مجید میں کھلے اور آمادہ ذہن کے ساتھ جاتا ہے تو چونکہ تدبر اس کے لئے ملکہ ہے لہٰذا معانیٔ قرآن کے اندر موجود مختلف اسرار جو انسان کی زندگی سے مرتبط ہیں لیکن بصورتِ جامع اور بصورتِ جمعی قرآن کے اندر موجود ہیں لہٰذا ان سب کو استخراج کرنا استنباط کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ البتہ قرآن سے معانی کیسے حاصل کریں؟ ممکن ہے کہ بعض کے ذہن میں یہ بات آتی ہو کہ جب انسان معانیٔ قرآن تک پہنچ جاتا ہے تو حاصل بھی ہوجاتے ہیں، نہیں اس طرح حاصل نہیں ہوتے ہیں بالکل ایسے جیسے پانی کی تہہ تک پہنچ جائیں تو حاصل نہیں ہوتا ہے، ممکن ہے آپ خالی واپس آئیں اور پیاسے واپس

آئیں یا باہر جو منتظر بیٹھے ہوئے ہیں ان کے لئے کچھ نہ لائیں، فرض کریں کہ جس انسان کے پاس پانی نکالنے کا کوئی ظرف نہیں ہے اس کو رسی باندھ کر کنویں میں اتار دیا گیا اور پھر رسی سے کھینچ کر کنویں سے باہر لایا جائے تو چلو میں تو یہ پانی نہیں لا سکتا ہے، ممکن ہے یہ خود پی کے آ گیا ہو لیکن آپ کے لئے یا دوسرے موجودات کے لئے، کھیت کے لئے، پیاسے جانوروں کے لئے اور دیگر مقاصد کے لئے پانی نہیں لایا ہے۔

استنباط کا معنی

اہلِ استنباط ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جو تہہِ سمندر میں جائیں اور وہاں موجود صدف و گوہر و جوہر بھی ساتھ لے کر آئیں اور یہ غواصوں کا حق ہے کہ جو غواصی کر سکتے ہیں، تہہ میں جا سکتے ہیں اور تہہ میں جا کر صدف شناخت کر کے اور پھر ان میں گوہر اور موتی بھی دیکھ سکتے ہیں اور اس کو سطحِ سمندر اور ساحلِ سمندر پر واپس بھی لے آتے ہیں اور پھر اس کو دوسروں کے سامنے پیش بھی کرتے ہیں۔

قرآن ہدایت کی کتاب ہے اور انسان کے لئے قرآن منشور ہے، جو کچھ بشر کی ضرورت ہے وہ سب قرآن کے اندر موجود ہے لیکن اس کے لئے انسان کو قرآن میں تدبر کرنا پڑے گا اور تدبر کے بعد استنباط کرنا پڑے گا، استنباط ایک قدیمی اصطلاح ہے یا کہہ سکتے ہیں مدرسئی اصطلاح ہے، ممکن ہے کہ عام لوگوں کو اس اصطلاح سے کوئی سروکار نہ ہو لیکن اہلِ علم کو اور اہلِ فن کو معلوم ہو جاتا ہے کہ استنباط کس کو کہتے ہیں؟ یا اتنی تحلیل سے ممکن ہے کہ بعض متوجہ ہو گئے ہوں کہ یہ استنباط کیا چیز ہوتی ہے لیکن عام لوگوں کے لئے استنباط کا یہ معنیٰ قابلِ فہم نہیں ہے چونکہ استنباط بہت ہی مدرسئی اصطلاح ہے، اس کو ہم عام فہم بنانے کے لئے دوسری مثال یا دوسرے طریقے سے بیان کرتے ہیں

ممکن ہے کہ سب متوجہ ہو جائیں۔

قرآن مجید نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے اور قرآنی اصطلاح سے یا قرآنی تعبیر سے یہ لفظِ استنباط بہتر سمجھ میں آ جاتا ہے یعنی قرآن نے بھی فرمایا کہ کچھ لوگ اہلِ استنباط ہیں، سب لوگ نہیں ہوتے ہیں، جیسے نہج البلاغہ میں ہے کہ بعض ناقلِ روایت ہیں کہ جو فقط روایت کو نقل کرتے ہیں اور وہی کہ جو روایت نقل کر رہے ہیں خود اس کو نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ بعض ایسے ہوتے ہیں جو ناقلِ روایت نہیں ہیں، راوی نہیں ہیں بلکہ اہلِ درایت ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اہلِ رعایت ہیں۔

☆ راویوں کے طبقے

راویوں کے تین طبقے ہیں، بعض اہل روایت ہیں، بعض اہلِ درایت ہیں اور بعض اہلِ رعایت ہیں۔ اہل روایت وہ ہیں کہ جو بات سنتے ہیں اور نقل کر دیتے ہیں، یہ ایک رپورٹر (Reporter) کی طرح ہیں، ایک خبر نگار کی طرح ہیں، جو دیکھتے ہیں، جو سنتے ہیں، جو انہیں ملتا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں، یہ راوی ہیں لیکن کچھ لوگ اس کو ساتھ ساتھ سمجھتے بھی ہیں، جو کچھ نقل کر رہے ہیں یا جو کچھ دیکھا ہے اس کو کچھ سمجھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں یہ اہلِ درایت ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ سنتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں، نقل بھی کرتے ہیں، دوسروں کو بھی پہنچاتے ہیں اور جو کچھ اس خبر کے اندر موجود ہو اس پر عمل بھی کرتے ہیں یعنی اسے عملی شکل بھی دیتے ہیں، عملی جامہ بھی پہناتے ہیں تو یہ لوگ اہلِ رعایت ہیں۔

☆ راویوں کے طبقے

نہج البلاغہ میں امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دین کو مشکل یہ پیش آئی ہوئی ہے کہ دین میں اہلِ روایت بہت ہیں، راویانِ دین بہت زیادہ ہیں لیکن جو رعایتِ دین کریں وہ بہت کم ہیں، اکثر اہلِ دین رواتِ دین ہیں، اہلِ رعات نہیں ہیں یعنی مدرسوں میں آ کر صرف اس لئے پڑھتے ہیں کہ عوام کو جا کر مجلسیں سنانی ہیں یا عوام کو متاثر کرنا ہے لیکن کسی چیز پر خود رعایت نہیں کرتے ہیں، خود اس کو عملی جامہ نہیں پہناتے ہیں، یہ اہلِ رعایت نہیں ہیں بلکہ اہلِ روایت ہیں، ان کا سارا ہم و غم یہ ہے کہ ہم یہاں سے کتابوں سے پڑھ کر منبروں پر جا کر بیان کر دیں یا اِس مدرسے سے پڑھ کر اُس مدرسے میں تدریس کر دیں، ایک کتاب سے پڑھا اور دوسری کتاب میں نقل کیا یا یہ اہلِ تحریر ہیں مثلاً ایک کتاب میں پڑھا اور دوسری کتاب میں لکھ دیا، اہلِ رعایت وہ ہیں کہ جو دین کو کتابوں سے پڑھ کر اس کو اپنے وجود میں اتارتے ہیں، اپنے قلب میں اتارتے ہیں، اپنے نفس میں اتارتے ہیں یعنی دین عملاً نظر آتا ہے، جس طرح سے لباس انسان کے وجود پہ نظر آتا ہے اسی طرح سے دین انسان کے وجود میں نظر آتا ہے نہ کہ انسان فقط زبان سے بتائے کہ یہ حقیقتِ دین ہے اور یہ معارفِ دینی ہیں یا یہ راہِ دین ہے مثلاً امام خمینیؒ زبان نہ بھی کھولیں تو آپؒ کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ دین ہے، جو پڑھ رہے ہیں وہ دین ہے، جو بول رہے ہیں وہ دین ہے، جو موقف اختیار کیا ہے وہ دین ہے، جو فیصلہ کیا وہ دین ہے، جو حرکت انجام دی وہ دین ہے، اس کو دین کہتے ہیں، یہ دین رعایت شدہ ہے نہ کہ دین روایت شدہ۔

تاریخ میں دوسرے لوگوں نے بہت زحمتیں کیں، فقط دین کو کتابوں میں منتقل کیا،

لائبریریوں میں منتقل کیا یا ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں منتقل کیا لیکن امام خمینیؒ نے دین کو عملی شکل دی یعنی رعایت کی نہ کہ فقط دین کی روایت کی، دین کے لئے یہ طبقات ہیں، اسی طرح قرآن میں بھی کچھ فقط راویانِ قرآن ہیں یعنی کچھ اہلِ روایت درقرآن ہیں، کچھ اہلِ درایت درقرآن ہیں اور کچھ اہلِ رعایت درِقرآن ہیں، اہلِ رعایت درقرآن یعنی قرآن کی مراعات کرتے ہیں، اپنے وجود میں قرآن کو اتارتے ہیں، اس کو عملی شکل دیتے ہیں، مراعات کرنا یعنی اس کو عمل میں لے آنا، اس کو عملی جامہ پہنانا، یہ قرآن کے لحاظ سے طبقات ہیں، دین کی بھی یہی مشکل ہے اور دین کے منابع کی بھی یہی مشکل ہے۔

☆ پیغامِ دین کو اُفُقَہ تک پہنچانے کی حکمت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر خطبۂ غدیر بیان فرمایا تو اس جملے سے آغاز کیا کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنو اور کہا کہ اس کو لکھو، ان باتوں کو یادداشت میں رکھو، صرف حافظے میں نہیں رکھو بلکہ اس کو لکھ بھی لو اور جن کے پاس لکھنے کا سامان نہیں ہے تو اس کو حفظ کرو، سید الشہداء علیہ السلام نے خطبۂ منیٰ میں یہی فرمایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو لکھو، باقاعدہ تاکید کی، کیوں؟ تاکہ جو یہاں موجود نہیں ہیں، یہاں سے غائب ہیں ان تک میری یہ بات پہنچائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے بھی انہی مقدمات کے ساتھ اور اسی اہتمام و تمہید کے ساتھ سننے والوں سے کہا کہ آپ یادداشت میں رکھو اور اس کو لکھو،

رسول اللہ ﷺ نے ساتھ توجیح بھی کی، تحلیل بھی کی کہ کیوں لکھو؟ فرمایا اس لئے کہ

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ...... (۱)

بہت سے فقہ بتانے والے اس کو بتاتے ہیں جو ان سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے......

بعض اوقات ایک شخص ایک مطلب کو حمل کر رہا ہوتا ہے یعنی روایت کرتا ہے، نقل کرتا ہے، ایک مطلب اس کے ذہن میں، سینے میں ہے لیکن اسے سمجھتا نہیں ہے اور جب یہ مطلب انسان دوسرے کو منتقل کرتا ہے تو جس کو منتقل کرے وہ بخوبی سمجھتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ تمہیں سمجھ میں آ جائے، جب خداوندِ عالم نے رسول اللہ سے ارشاد فرمایا کہ

یَا أَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ...... (۲)

اے پیغمبرؐ آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپؐ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

یہ پیغام پہنچنا چاہیے لیکن رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی چیز تھی، کھٹکا تھا کہ یہ پیغام کس طرح سے ان لوگوں تک پہنچایا جائے لیکن خداوند نے جب فرمایا کہ

وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ......

آپ ﷺ پیغام پہنچائیں خدا آپ ﷺ کو بچائے گا اور خدا سے ڈریں، لوگوں سے نہ

☆ پیغامِ دین کو واقفِ دین تک پہنچانے کی حکمت

☆ پیغامِ دین کو افقہ تک پہنچانے کی حکمت

ڈریں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیغام ابلاغ کر دیا، اس تمہید کے ساتھ کہ اس کو سنو، اس کو لکھو، اس کو ذہن میں بٹھاؤ، حفظ کرو اور جو لوگ ابھی موجود نہیں ہیں ان تک میرا یہ پیغام پہنچاؤ، ساتھ یہ علت بھی بیان کی کہ

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ......

یعنی فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ میں تمہیں ہی سب کچھ سنا رہا ہوں، ایسا ممکن ہے کہ جیسے آج کل صنعتی دنیا نے یہ مشکل آسان کر دی ہے یعنی تمہاری حیثیت فقط ایک ٹیپ ریکارڈر کی ہو، اس کو کسی قوم کے لئے ریکارڈ کر لو وہ اس مطلب کو سمجھے گی، کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک معجزۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، آپ دیکھیں کہ حقیقتاً ایسا ہی ہوا، چودہ سو سال تک یہ مطلب اسی طرح سے حاملِ فقہ نقل ہوتا رہا، ولایت کسی کو بھی سمجھ میں نہیں آئی، کوئی ولایت کا معنیٰ محبت کرتا تھا، کوئی ولایت کا معنیٰ کچھ اور کرتا تھا، پوری تاریخ میں ولایت کے ساتھ یہی کرتے رہے تھے تا اینکہ

اِلٰی مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ......

ایک افقہ تک یہ بات پہنچی، اس کو سمجھ میں آ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اعلان کیا تھا، وہ افقہ کون تھا؟ وہی امامِ خمینیؒ کہ غدیر کی آواز امامؒ تک پہنچی اور چودہ سو سال بعد پتہ چلا کہ ولایت کیا ہے ؟ حقیقت کیا ہے؟ اور اس کو نظام میں بدل دیا، عقیدے سے نظام میں بدلا، محبت سے نظام میں بدلا کہ یہ ولایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کی ان ریکارڈرز کو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، انہوں نے نقل تو کر دیا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کہہ رہے ہیں؟ حتیٰ بعد میں بھی کسی کو سمجھ میں نہیں

آیا، تا اینکہ افقہ تک یہ بات پہنچی اور اس افقہ نے راز کو دریافت کرلیا، اس نے پیغام سے مقصودِ پیغام استنباط کرلیا۔

یہ جو مدرسئی اصطلاح کا استنباط ہے اس استنباط کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک حقیقت تک پہنچ گئے ہو تو اب اس حقیقت کا تجزیہ کرنا ہے، اب اس حقیقت کی تحلیل کرنی ہے، اب آپ نے اس حقیقت کی جانچ پڑتال کرنی ہے، اس حقیقت کے مختلف پہلوؤں کی طرف توجہ کرنی ہے، روشنی ڈالنی ہے اور اس کے جتنے متعلقات اور لوازمات ہیں ان سب کو حاصل کرنا ہے۔

۳)میڈیا کے اہلِ استنباط

بسا اوقات ریڈیو پر خبریں نشر ہوتی ہیں تو جو اناؤسر (Announcer) خبریں پڑھ کر سنا رہا ہے ان میں سے پچیانوے فیصد خبریں خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتی ہیں کہ یہ کیا پڑھ کر سنا رہا ہے، اس کو لکھ کر دی جاتی ہیں اور وہ پڑھ کر سنا دیتا ہے، یہ جیسے عموماً کہتے ہیں کہ کاتب جو کچھ لکھ رہا ہوتا ہے وہ کاتب کو سمجھنا بھی نہیں چاہئے، اگر کاتب سمجھنے کی کوشش کرے تو خراب کر دیتا ہے، کاتب کا کام یہ ہے کہ جیسی لکھی ہوئی چیز اس کو دی ہے اس کو اسی طرح ٹائپ کر دے یا لکھ دے، اس کو خوشخطی میں لکھ دے، اس کو خود نہ سمجھے بلکہ جو اسپیکر (Speaker) بول رہا ہے اسی طرح لکھ دے اور جو کچھ لکھا ہے وہ دوسروں کے سامنے جا کر بیان کر دے، جیسے ہم ایک مطلب ٹیپ میں ڈالتے ہیں تو ٹیپ کا کام اس کو سمجھنا نہیں ہے بلکہ ٹیپ کا کام ہے اس کو محفوظ رکھنا، بعد میں جس کو سننا ہے اس کو منتقل کر دے،

اسی طرح سے یہ خبروں کے اناؤنسر ہیں کہ بہت ساری چیزیں ان کو خود سمجھ میں نہیں آتی ہیں مثلاً یہ لوگ بڑی بڑی سیاسی خبریں اور بڑے بڑے مطالب نقل کرتے ہیں لیکن خود انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے، اسی لئے یہی اناؤنسر ایک ماہر کو یا ایرانی اصطلاح میں، فارسی کی اصطلاح میں ایک کارشناس کو، ایک ماہر کو بلاتا ہے، خبر یہ پڑھ کر سُناتا ہے پھر اس سے کہتا ہے اب آپ اس کی تفسیر کرو، آپ اس پر تبصرہ کرو، آپ اس کا تجزیہ کرو، آپ اس کی تحلیل کرو، یہ جو تجزیہ و تحلیل کرتا ہے یہ درحقیقت خبر کی سمجھ رکھتا ہے، خبر نقل کرنا اور بات ہے اور اس خبر کو تجزیہ کر کے اس خبر کی حقیقت اور پس منظر میں پہنچنا اور بات ہے اسی کو استنباط کہتے ہیں۔

پیدا کرے اہل استنباط

اکثر میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی ہے بلکہ چند افراد ہوتے ہیں کہ جن کو تبصرہ نگار، تجزیہ نگار یا محلل کہتے ہیں، یہ اخباروں کے یا حالات کے محلل ہوتے ہیں مثلاً فرض کرلیں کہ دنیا میں کوئی سیاسی یا کوئی اور اتفاق رونما ہوتا ہے تو اس کے بعد ماہرین بلالیتے ہیں خصوصاً میڈیا نے یہ کام آسان کردیا جیسے آج کل پاکستان میں ایک نورا کُشتی کی سیاست چلی ہوئی ہے، میڈیا کا یہ سیاسی کھیل پاکستان میں شطرنج کی طرح ہے، پہلے گیم کا ٹائم اوور ہوگیا تھا اب انہوں نے نیا گیم شروع کیا ہے، کچھ مہرے ہیں کہ جنہیں آگے پیچھے کیا جارہا ہے مثلاً فوجی مہرے ہیں، سول (Civil) مہرے ہیں، مغربی مہرے ہیں، مشرقی مہرے ہیں، داڑھی والے مہرے ہیں، بغیر دھاڑی کے مہرے ہیں، یہ سارے مہرے ہیں، یہ آگے پیچھے کئے جاتے ہیں اور اصل شطرنج کا کھیل کوئی اور کھلاڑی کھیل رہا ہوتا ہے، وہ ان مہروں کو فقط آگے پیچھے چلا رہا ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے نام ہوتے ہیں، شطرنج کے مہروں

میں ایک کا نام سپاہی ہوتا ہے، ایک کا نام گھوڑا ہوتا ہے، ایک کا نام وزیر ہوتا ہے، ایک کا نام بادشاہ ہوتا ہے، اس وقت گھوڑے آگے پیچھے ہورہے ہیں، سپاہی نہیں، پہلے سپاہی آگے پیچھے ہوتے تھے اب گھوڑے آگے پیچھے ہورہے ہیں، یہ عوام کو بھی پتہ ہے کہ کیا کام ہورہا ہے؟

لیکن آپ میڈیا(Media) پر دیکھیں تو روزانہ کچھ سیاست کے ماہرین، اجتماعیت کے ماہرین اور تبصرہ نگار آتے ہیں اور ایک آدمی میزبان بن کر ان سے سوال کرتا ہے کہ یہ جو اس وقت صورتحال بنی ہوئی ہے آپ اس کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالیں یا آپ ان حالات کو کس تناظر میں دیکھتے ہیں؟ پھر وہ کبھی اس کا قانونی پہلو چھیڑ دیتے ہیں، کبھی اس کا سیاسی پہلو چھیڑتے ہیں، کبھی اس کا عالمی پہلو چھیڑتے ہیں، کبھی اس کا معاشرتی پہلو چھیڑتے ہیں، کبھی عوامی پہلو چھیڑتے ہیں بالآخر ہر ایک اپنی دید کے تحت اس کا کوئی نہ کوئی پہلو اور کوئی نہ کوئی مطلب نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے یہی کام کرنا استنباط ہے، استنباط یعنی تدبر کے بعد کا مرحلہ یعنی ان حالات کے پسِ منظر میں جانا اور اس پسِ منظر سے کچھ حقیقت سامنے لاکر لوگوں کو بیان کرنا اور کہنا کہ یہ سازش ہے اور یہ کہنا کہ مثلاً اسکے پیچھے کوئی بیرونی مخفی ہاتھ ہے، اس کے پیچھے کوئی تیسری قوت موجود ہے، کیا کام کس کے مفاد کے لئے ہورہا ہے؟ اور کس کے کیا عزائم ہیں؟

٤)ادارتی اہلِ استنباط

ایک جملہ بظاہر سب استعمال کرتے ہیں اور اسکی ایک مصنف نے بڑی خوبصورت تعبیر

لکھی، پاکستان کے ساٹھ سال لکھ کر اس نے کہا کہ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے آج تک کیا کچھ ہوا ہے چونکہ سب یہی جملہ کہتے ہیں کہ یہ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے ہے مثلاً ہر ڈکٹیٹر (Dictator) آتا ہے اور آ کر کہتا ہے کہ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے میری ضرورت ہے اور ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے قبضہ کرتا ہے اور دوسرا آ کر ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کو پھانسی دیتا ہے پھر تیسرا آ کر ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کے خلاف ایکشن لیتا ہے، چوتھا آ کر ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے اس کو نامزد کرتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے اس کو انتخاب کیا جاتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے اس کو ہٹایا جاتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے اس کو ملک بدر کیا جاتا ہے پھر وسیع تر مفاد کے لئے دوبارہ واپس لایا جاتا ہے، یہ ملک کے ایسے وسیع مفاد ہیں کہ پاکستان کے وسیع رقبے کے اندر یہ سب کچھ چھپتا ہے، یہ سب کچھ اس ملک کے اندر ہو رہا ہے۔

وزارتوں میں یا حکومتی اداروں میں ایسے محلل، تجزیہ نگار اور ماہرین ہوتے ہیں کہ جن کا کام فقط حالات کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے، یہ اہلِ استنباط ہیں۔ ہر ملک کے لئے یہ ضروری ہیں اور پوری دنیا میں ہیں، اہلِ استنباط لوگ بیٹھتے ہیں اور بیٹھ کر فقط حالات کا تجزیہ کر کے مطالعہ کر کے اس کے پسِ منظر میں اترتے ہیں کیونکہ ان کو فراواں معلومات ہوتی ہیں اور یہ ہنر اور فن بھی ان کے اندر ہوتا ہے کہ ان حالات کے پسِ منظر کا جائزہ لے سکتے ہیں، فقط ان کے لئے ظاہر نہیں ہوتا ہے، بعض چیزیں میڈیا میں دے دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے ہیں، میڈیا کے اندر اور مخصوصاً ہر ملک کے اندر انٹیلی جنس (Intelligence) ادارے ہیں، یہ پکڑ دھکڑ کا شعبہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ خفیہ ایجنسیوں کا ایک

الگ شعبہ ہوتا ہے کہ جو لوگوں پر نظر رکھتے ہیں، جاسوسی کرتے ہیں، دوسروں کی خبر لیتے ہیں اور دوسروں کے حالات کا کھوج لگاتے ہیں۔ان اداروں کا ایک جاسوس محکمہ ہوتا ہے اور ایک اور اصلی محکمہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ یہ جاسوس میں ان تک منتقل کرتے ہیں وہ ان کو بیٹھ کر تجزیہ اور تحلیل کرتے ہیں یعنی جاسوسوں کی بتائی ہوئی رپورٹوں کے مطابق وہ حالات کے پسِ منظر کا جائزہ لیتے ہیں کہ جس کو آج تھنک ٹینک (Think tank) یا تجزیاتی ٹینک کہتے ہیں، یہ شعبہ ہر اطلاعاتی ادارے یا انٹیلی جنس ادارے میں ہوتا ہے کہ جو حالات کا تجزیہ کرتا ہے اور سارا دارومدار اسی پر ہوتا ہے یعنی اہلِ استنباط پر ہوتا ہے، اگر انہوں نے صحیح استنباط کیا تو یہ صحیح فیصلہ کر پائیں گے لیکن اگر انہوں نے غلط استنباط کیا تو یہ غلط فیصلہ کریں گے۔

سیاسی اہلِ استنباط

۵)سیاسی اہلِ استنباط

کچھ لوگ سیاسی مسائل میں اہلِ استنباط ہیں اور اس میں ان کو تخصص حاصل ہے کیونکہ عوام کو پتہ کہ ہوتا ہے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ واقعاً عوام میں اتنا شعور نہیں ہے، نہ صرف پاکستان میں نہیں ہے بلکہ کہیں بھی عوام میں اتنا شعور نہیں ہے۔عوام کس کو کہتے ہیں؟

اَلنَّاسُ عَلٰى دِينِ مُلُوكِهِمْ...... (۳)

لوگ اپنے بادشاہوں (حاکموں) کے دین پر ہوتے ہیں......

لوگوں کے چند طرح کے دین ہیں ان میں سے ایک دین دینِ ملوکی ہے، ملکوتی نہیں بلکہ

دینِ ملوکی یعنی لوگ دینِ ملوک پر ہیں، لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر اور حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں یعنی جو کچھ حکمران بتاتے جاتے ہیں لوگ اسی کو باور کرتے جاتے ہیں، اسی کو مانتے جاتے ہیں، عوام کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ اتفاقات، یہ حوادث، یہ روئیدادیں اور یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے مثلاً عالمی سطح پر اس وقت فرض کریں کہ عراق میں کیا ہو رہا ہے؟ خود عراقی عوام کو نہیں معلوم ہے کہ اس کے بارے میں کیا ہو رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ تیل کے لئے آئے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمیں نجات دینے کے لئے آئے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ حرم آزاد کرانے کے لئے آئے ہوئے ہیں، یہ عوام ہیں بالآخر یہی انہیں کہنا چاہئے، جو زبان پر ڈال دو وہی دہرانا شروع کر دیتے ہیں لیکن کچھ لوگ اہلِ استنباط ہیں، یہ لوگ انہی واقعات کے اندر تدبر کر کے، ان واقعات کے پسِ منظر میں جا کر، ان واقعات کے اصلی علل واسباب تلاش کر کے اس کو خود اپنے لئے یا بالآخر کسی مخصوص طبقے کے لئے یا پھر عوام کے لئے پیش کرتے ہیں۔

سیاسی اہلِ استنباط

اسی مطلب کو ایک اور مثال سے سمجھیں کہ انقلابِ اسلامی جب رونما ہو رہا تھا تو یہاں پر امریکا قابض تھا اور اس کی رسائی اندر تک تھی، امریکی تجزیہ نگار کہ جن کا کام اس وقت سوچنا تھا، حالات کا جائزہ لینا تھا وہ صد در صد نا کام رہے، یہ خود ان کی رپورٹیں ہیں کہ ان کے مطابق وہ صد در صد نا کام رہے یعنی ایران میں کیا ہو رہا ہے؟ ایران میں کیا ہونے والا ہے؟ یہ ان واقعات اور حالات کا صحیح تجزیہ نہیں کر سکے اور اس وجہ سے ان کی موجودگی کے باوجود یہاں پر انقلابِ اسلامی رونما ہو گیا۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ کیا ہو رہا ہے یا اس طبقۂ انقلابی کہ جو اس وقت انقلاب کے

لئے کوشش کر رہا تھا اس سے دوری کی وجہ سے یا مثلاً غرور کی وجہ سے، بسا اوقات ہوتا ہے کہ تکبر اور غرور بھی انسان کیلئے مانع بنتا ہے، وہ لوگ صحیح تجزیہ اور تحلیل نہیں کر سکے بالآخر ضمامِ اُمران کے ہاتھ سے نکل گئی اور ناخواستہ ان کو یہاں پر سب کچھ چھوڑنا پڑا، بعد میں انہوں نے اعتراف کیا کہ ہمارے تجزیاتی بورڈ نے سخت اشتباہ کیا ہے اور حالات کا درست تجزیہ نہیں کر سکے کہ یہ حالات کس رخ پر جا رہے تھے۔

اسی طرح سے ابھی عراق کے اندر ان کے تجزیہ کرنے والے لوگ سخت اشتباہ میں ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ مسئلہ کس طرف جا رہا ہے، اصلاً یہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، یہ ضمامِ امران کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور عراقی حالت اس وقت کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، نہ عراقیوں کے ہاتھ میں ہے، نہ عراقی لیڈرشپ کے ہاتھ میں ہے، نہ بیرونی لیڈرشپ کے ہاتھ میں ہے، اصلاً عراقی حالت شترِ بے مہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ جس کی لگام کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، جس طرح ایک وحشی جانور بھاگ جاتا ہے، جس گاؤں سے گزرتا ہے تو اس گاؤں کے رہنے والے کوشش کرتے ہیں کہ اس کو قابو کریں لیکن ایک آدھ پاؤں ان کی رسی پہ آتا ہے تو وہ دوسرے ہی لحظے جھٹکا دے کر چھڑا کے بھاگ جاتا ہے، اسی طرح اس وقت عراق کے حالات ایک وحشی چموش جانور کی طرح ہیں کہ ہر ایک کوشش کرتا ہے کہ اس پہ اپنی گرفت ڈالے، حکومت کوشش کرتی ہے، دوسرے لوگ کوشش کرتے ہیں، ہمسائے کوشش کرتے ہیں، عالمی طاقتیں اور UNO سب مل کر کوشش کر رہے ہیں لیکن کسی کے ہاتھ میں اس کی ضمام نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ چونکہ انہی لوگوں نے اشتباہ کیا تھا، انہی مجتہدینِ

سیاست نے اشتباہ کیا تھا کہ جن کا کام درست تجزیہ کرنا تھا، حالات کا درست تجزیہ کرنا تھا، وہ صحیح تجزیہ نہیں کر سکے یعنی صحیح تدبر نہیں کر سکے، وہ یا تو اہلِ تدبر و بصیرت نہیں تھے یا صحیح تحلیل نہ کر سکے پس منظر کے اندر نہیں اُتر سکے اور سیاست دانوں کو موقع پر حالات نہیں بتا سکے مثلاً ملک کا حکمران تجزیہ نگار نہیں ہوتا ہے، اسے مطالعہ شدہ چیز سمری (Summary) کی صورت میں پیش کی جاتی ہے، مجتہدینِ سیاست اور لوگ ہوتے ہیں، وہ اپنے مشاورین کی جماعت بناتے ہیں اور کسی کا اعلان کرتے ہیں کسی کا اعلان نہیں کرتے ہیں مثلاً جو لوگ سب کچھ مطالعہ کر کے، سوچ سمجھ کے، تجزیہ وتحلیل کر کے اس کو سامنے لا کر پیش کرتے ہیں یہ لوگ سیاسی اہلِ استنباط کہلاتے ہیں۔

٦) اقتصادی اہلِ استنباط

اسی طرح اقتصادی میدان میں بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کا کام فقط اقتصادی واقعات وحالات سے متعلق ہوتا ہے لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو مجتہدِ اقتصاد ہیں یعنی جو اقتصادی حالات کا درست تجزیہ اور تحلیل کرنے کے قابل ہوتے ہیں، اقتصادی مسائل کے پسِ منظر میں جا کر ساری نبض انکے ہاتھ میں ہوتی ہے، یہ تجزیہ وتحلیل کر کے آئندہ کے اقتصادی حالات کو دیکھ لیتے ہیں۔

۷)طبی اہلِ استنباط

طب میں بھی اسی طرح سے ہے کہ ایک ڈاکٹر صرف علامتیں چیک کرتا ہے، اس کو پتہ ہے کہ اس مریض کے اندر یہ یہ علامتیں ہیں اور یہ علامتیں کس بیماری کی ہیں، بس اس کو معائنے کی رپورٹ معلوم ہے، عموماً نرسوں کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ مریض میں یہ علامتیں ہیں لیکن نرسیں دوا تجویز نہیں کرسکتیں، کیوں؟ اسلئے کہ وہ استنباط نہیں کرسکتی ہیں، اسی معائنہ کی رپورٹ سے کسی چیز کو استنباط نہیں کرسکتی ہیں، ان کے اندر تدبر ہے، تدبر کر کے انہوں نے دیکھا ہے کہ اس کو یہ تکلیف ہے، اس کے گردے میں یہ علامت ہے، اس کے مغز میں یہ علامت ہے، اس کے معدے میں یہ علامتیں ہیں لیکن جو کچھ گردے، مغز اور معدے میں ہو رہا ہے اس سے کوئی چیز دریافت نہیں کرسکتی ہیں لہٰذا اس کے لئے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے یا بسا اوقات ڈاکٹر کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے بلکہ پورا ایک میڈیکل بورڈ (Medical board) بٹھایا جاتا ہے اور اس کے سامنے مریض کی حالت اور ساری رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں پھر وہ تجزیہ و تحلیل کر کے سمجھتے ہیں کہ اس کو کیا بیماری ہے؟

طبی اہلِ استنباط

۸)دینی اہلِ استنباط

یہی صورت اجتماعی یا دینی مسائل میں بھی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو باصلاحیت اور اہلِ استنباط ہوتے ہیں، قرآن مجید نے اتفاقاً اسی تناظر میں یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ یہ جو بات سنتے ہو وہ آپ اہل تک پہنچاؤ کہ شاید وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہوں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ......

جو فہم اور جو مطلب آپ لوگوں کو ملا ہے شاید آپ درست نہ سمجھ سکتے ہوں لہٰذا فرمایا کہ اس کو ضبط کرو، دوسروں کے لئے نقل کرو کہ جن تک تم نقل کرو گے ممکن ہے وہ بہت بعد میں آئیں، شاید اگلی صدی میں ہوں، شاید اس سے اگلی صدی میں ہوں، یہ مطلب محفوظ کرلو کہ انہیں سمجھ میں آجائے گا، جس کی مثال بھی دی ہے، سورہ نساء کی آیہ (۸۲) اور (۸۳) میں پہلی آیہ پہلے لکھ چکے ہیں، آیہ (۸۳) اسی سے مربوط ہے اور اسی آیہ میں ہمارا شاہد ہے، آیہ ۸۲ میں ہے کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ......

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں؟ مثلاً منکرین یا جو لوگ بھی قرآن سے سروکار نہیں رکھتے ہیں یا قرآن کی طرف مائل نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اسی طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھا، چار یا چھ آدمیوں کی بات نہیں ہو رہی ہے کہ مثلاً وہ فلاں فلاں قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں، قرآن کے مخاطب تا قیامت کے ناس ہیں، ہمیں آج کی مثال دینی چاہئے نہ کہ چودہ سو سال پہلے کی مثال کہ چودہ سو سال پہلے فلاں فلاں تدبر نہیں کرتے تھے مثلاً ابن مسعود، ابن عباس تدبر کرتے تھے اور دوسرے چند ایک نہیں کرتے تھے، نہیں بلکہ آج کی نسل میں تلاش کریں کہ کون قرآن میں تدبر نہیں کرتا ہے؟

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۝

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔

یعنی اگر قرآن میں تدبر کرتے تو انہیں ایک چیز بخوبی معلوم ہو جاتی اور وہ یہ کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے اور اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو جس طرح سے دوسروں کا کہنا تھا کہ یہ اساطیرِ اولین ہیں مثلاً یہ رسول اللہ ﷺ کے اپنے افکار ہیں، خود اپنی آراء ہیں کہ جو جمع کر کے مثلاً دوسرے ادیان کا مطالعہ کر کے یا دوسری امتوں کا مطالعہ کر کے یا سن کے انہوں نے لکھی ہیں، بعض لوگ پیغمبر اکرم ﷺ پر یہ تہمت لگاتے تھے کہ یہ آراء و افکار مختلف لوگوں سے سن کر اور ایک اچھی کتاب تدوین کر کے کہا کہ یہ وحی خدا ہے، افکار اپنے، تدوین اپنی اور اس کو ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کی جانب نسبت دے دی، خداوند نے فرمایا کہ اگر یہ غیرِ خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں غیرِ خدا کی ایک حتمی علامت ہوتی اور وہ یہ کہ اختلاف ہوتا اور شدید اختلاف ہوتا اور اسکے مطابق اس میں تناقص ہوتا، کیا یہ قرآن کے اندر تدبر نہیں کرتے ہیں، غور نہیں کرتے ہیں کہ

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ......

اگر یہ غیرِ خدا کی طرف سے ہوتا، حتیٰ رسول اللہ ﷺ کی اپنی طرف سے ہوتا یا مثلاً جیسے وہ کہتے ہیں کہ بُحیرہ کی طرف سے تھا یا بحیرہ سے حضرتؐ کی ملاقات ہوئی اور اس سے کچھ چیزیں لے کر پھر پوری تشریح لے کر کتاب تدوین کر دی،

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝

اس میں فراواں اختلاف ہوتا، تضاد ہوتا درحالیکہ نہیں ہے یعنی منطق کی اصطلاح کے مطابق ایک قیاسِ استثنائی ہے کہ اگر یہ غیرِ خدا کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر اختلافِ کثیر ہوتا اور اب جبکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے تو یہ غیرِ خدا کی جانب سے نہیں ہے یعنی خدا کی جانب سے ہے، یہ تدبر کا نتیجہ ہے۔

۹) چیزوں کو اہل تک پہنچائیں

آیہ (۸۳) اسی آیہ کے ساتھ متصل ہے یعنی آیہ تدبر کے ساتھ ہی آیتِ استنباط ہے،

وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ......

یعنی جب کوئی بھی خبر آتی ہے، جب بھی کوئی بات امن کے بارے میں، جنگ کے بارے میں، خوف کے بارے میں یا کسی اور چیز کے متعلق کہیں سے بھی کوئی خبر آتی ہے،

اَذَاعُوْا بِهٖ ......

تو فوراً نشر کر دیتے ہیں، فوراً پھیلا دیتے ہیں یعنی شائع کر دیتے ہیں، افواہ پھیلا دیتے ہیں، یہ نفسیاتِ عوام ہے کہ اہلِ افواہ ہوتے ہیں، افواہ فوہ سے ہے اور فوہ سے مراد منہ ہے، افواہ کو افواہ اسی لئے کہتے ہیں یعنی وہ بات جو فقط منہ کی حد تک ہے اور منہ سے پیچھے اس کی کوئی حقیقت نہ ہو یعنی فقط ایک زبانی گفتار ہے اور اس کے بعد اس کی کوئی حقیقت، کوئی معنیٰ اور کوئی اور مصداق نہیں ہے۔

یہ عام چیز ہے کہ لوگوں کا سارا دارومدار افواہوں پر ہوتا ہے، دینِ افواہی، اعتقادِ افواہی،

عملِ افواہی، فقۂ افواہی، سنا ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے، سنا ہے کہ چاند نظر نہیں آیا ہے، سنا ہے فوہ سے نکلا ہے، آپ نے چاند کو دیکھنا ہے نہ کہ سننا ہے، چاند تو سننے کی چیز نہیں ہے بلکہ چاند دیکھا جاتا ہے لیکن لوگوں کا سارا دارومدار افواہ پہ ہوتا ہے، جیسا ابھی حالیہ دنوں میں ہے چونکہ ایران میں رہنے والوں کو نہیں پتہ ہے کہ ایران کے بارے میں باہر کیا خبر ہے؟

اس وقت باہر دنیا کا خیال یہ ہے کہ ایران جنگ کے شعلوں میں جل رہا ہے اور باقاعدہ ٹائم اور ڈیٹ (Time & Date) بھی دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو رات فلاں بجے اٹیک (Attack) ہونا ہے اور ساتھ ایڈریس (Address) بھی دیتے ہیں کہ کن کن نقطوں پر ہونا ہے، مثلاً تین سو نقطوں پر اٹیک ہونا ہے، چار سو جگہوں پر اٹیک ہونا ہے، ابھی ریسنٹلی (Recently) انہوں نے کہا ہے کہ سات سو نقطے ہیں کہ جو مشخص ہو چکے ہیں، ان کی نشاندہی ہو چکی ہے اور میزائل ان کی طرف بالکل تیار ہیں، یہ صرف افواہیں ہیں یعنی میزائل اس پہ فٹ (Fit) کر دیئے گئے ہیں، نشانہ لے لیا گیا ہے اور عنقریب اس کو فائر کرنے والے ہیں، باہر میڈیا کی وجہ سے یہ افواہیں گردش کر رہی ہیں اور لوگ پریشان ہیں لیکن آپ دیکھیں کہ خود ایران کے اندر ایسی کوئی خبر نہیں ہے، جو باہر سے آتا ہے وہ اندر آ کر زیادہ مطمئن ہو جاتا ہے، ایئر پورٹ تک سخت پریشان ہوتا ہے کہ معلوم نہیں پہنچ بھی پاؤں گا یا نہیں لیکن یہاں آ کر دیکھتا ہے کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، افواہیں اسی کو کہتے ہیں، خناس کا کام بھی افواہیں پھیلانا ہے اور افواہوں پر ایمان لانا بھی اتنا ہی غلط ہے کہ جتنا افواہ پھیلانا غلط ہے، شائع پراکنی غلط کام ہے، حرام ہے۔ اگر خوف کے

خبروں کو اہل تک پہنچائیں

بارے میں، امن کے بارے میں، جنگ کے بارے میں، صلح کے بارے میں یا کسی بھی بارے میں کوئی ایسی افواہ یا اُڑتی ہوئی خبر پہنچتی ہے تو

أَذَاعُوا بِهِ......

اسے فوراً پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اسے پھیلانا نہیں ہے، پھر کیا کرتے؟

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ......

آپ اسے رہبر کی طرف پلٹاتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹاتے، کچھ کام ہیں کہ جو خدا نے رہبر کے ساتھ مخصوص کیے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہبر، امام اور حاکم مقرر کیا ہے اور کچھ اختیارات دیئے ہیں کہ اگر چاند نظر بھی آیا ہے تو کس کو بتانا ہے؟ فقط رہبر کو بتانا ہے، خود کچھ بھی اعلان نہیں کرنا ہے، جو بھی ہو حتیٰ مرجعِ تقلید ہو لیکن کسی کا حق نہیں بنتا ہے کہ اعلان کر دے کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے اور کل عید ہے یا کل روزہ ہے، بلکہ کیا کرنا ہے؟

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ......

جو خبر بھی پہنچتی ہے اسے فوراً پھیلاؤ نہیں بلکہ اس کو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاؤ، رسولؐ بعنوانِ مصداق ہیں لیکن اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں اور امیر المومنین علیہ السلام ہیں تو امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچاؤ، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں تو ان تک پہنچاؤ، سید الشہداء علیہ السلام ہیں تو ان تک پہنچاؤ، جو بھی زمانے کا امام ہے اس تک پہنچاؤ، اگر زمانۂ غیبتِ کبریٰ ہے تو پھر پھیلا دو؟ چونکہ قرآن نے کہا ہے کہ اگر امن و خوف کی کوئی بات تم تک پہنچتی ہے تو اسے پھیلاؤ نہیں بلکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاؤ اور اب تو

زمانہ غیبتِ کبریٰ ہے اور اس میں نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں نہ امام ہیں، پس اب پھیلا سکتے ہیں، نہیں، اب بھی پھیلانے کا حق نہیں بنتا ہے، کیوں؟ کیونکہ بالآخر ترتیب ہے، جیسے اگر ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے تو آپ نماز کیسے اور کہاں پڑھتے؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں تو کس کے پیچھے پڑھو گے؟ امام معصومؑ کے پیچھے اور اگر امامِ معصوم علیہ السلام نہیں ہیں تو؟ نائبِ امام علیہ السلام کے پیچھے، ایک جامع الشرائط انسان کے پیچھے یا ملنگوں کی طرح یہ کہو گے کہ نہیں ہم نے تو نماز رسول اللہؐ کے پیچھے ہی پڑھنی ہے اور اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں تو پھر نماز ہی نہیں پڑھنی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کہہ لیں تو اتنی شانس بھی نہیں ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی اتنا ملنگ بھی نہیں ہے کہ کہے ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم صرف امام زمانہ علیہ السلام کے مقلد ہیں اور کسی کی تقلید نہیں کرنی ہے، جب امامِ زمانہ علیہ السلام ہیں تو امام علیہ السلام کی تقلید کرو لیکن جب تک امام علیہ السلام تک رسائی نہیں ہے تو نائبِ امام کی تقلید کرو کہ جن کو خود انہوں نے متعین کیا ہے اور آپ کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے متعین کیا ہے۔

دین سیکھیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ اگر کوئی گم شدہ چیز ملتی ہے تو کیا کریں؟ حج پہ عموماً لوگوں کی بہت ساری چیزیں گم ہو جاتی ہیں، ایک عام چیز جو گم ہو جاتی ہے وہ جوتا ہے، کبھی حج پہ جانا پڑے تو پندرہ، سولہ جوتے ساتھ لے کر جائیں، نہ کہ لوگ چراتے ہیں بلکہ رش کی وجہ سے گم ہو جاتے ہیں، بسا اوقات انسان رکھتا ہے اور بھول جاتا ہے، بسا اوقات صفائی کرنے والے اٹھا کر کہیں پھینک دیتے ہیں اور جوتا گم ہو جاتا ہے، یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض نے خود اپنے طور پر اجتہاد کر کے کہ چونکہ ہمارا جوتا

کسی نے اٹھالیا ہے تو کسی اور کا جوتا ہم اٹھا لیتے ہیں لہٰذا وہ کسی کا پہن کر آجاتے ہیں اور اسی میں پورا حج بھی کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی گم شدہ چیز ملی ہے تو کیا کریں؟ معلوم ہونا چاہئے، یہ تربیت کا حصہ ہے، بچوں کو تعلیم و تربیت میں بتاؤ کہ اگر کوئی چیز ملے تو اس کو کیا کریں؟ اسکول میں اگر بچے کو زمین پر پینسل، ربڑ، کاپی، کتاب، پیسہ یا جو کچھ بھی ملے تو بچہ کیا کرے؟ اس چیز کو اسکول کے آفس میں دے،

چیزوں کو اہل تک پہنچانا ہے

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ......

اگر یہ بچے اسے آفس میں نہ دیں تو اس سے دکان پہ جا کر ٹافی خرید کے کھالیں گے، اس طرح سے ہر چیز کا ایک اہل ہے، ہر چیز کے لئے ایک اتھارٹی (Authority) ہے، ہر کام اس کی اتھارٹی کی طرف لوٹاؤ یعنی یہ قرآن کا قاعدہ ہے کہ ہر کام، ہر مطلب اپنی اتھارٹی کی طرف لوٹاؤ، ہر کام اس کے اہل کی طرف لوٹاؤ، اس کے منبع کی طرف لوٹاؤ، اگر ملکی حالت کے بارے میں امن و خوف کی کوئی خبر آئی ہے کہ حملہ ہونا ہے یا کچھ اور ہونا ہے تو لوگوں کو ڈراؤ، فوراً نہ پھیلاؤ کہ یہ ہو گیا وہ ہو گیا بلکہ یہ اس کے اہل تک پہنچاؤ کہ یہ خبر ہم نے سنی ہے، دیکھو کیسی ہے؟

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ......

اگر یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واولی الامر کی طرف لوٹا دیں یعنی فقط رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں بلکہ بعد میں صراحت ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو کیا ہوتا؟

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ......

اس وقت جان لیتے، کون؟

يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ......

جولوگ استنباط کرتے ہیں یعنی وہ امر جو خوف و امن کے بارے میں پھیلایا جا رہا ہے یا افواہ اڑائی جا رہی ہے، شائع کی جا رہی ہے اگر اسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو وہاں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو مستنبط ہیں، استنباط کرنے والے ہیں، وہ جان لیتے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ آیا خبر درست ہے یا نہیں ہے؟ واقعاً کوئی خطرہ ہے یا نہیں ہے؟ لوگ بسا اوقات امن کی افواہ اڑا دیتے ہیں درحالیکہ خطرہ ہوتا ہے اور بعض اوقات خطرے کی افواہ اڑاتے ہیں درحالیکہ امن ہوتا ہے، اس کے لئے باقاعدہ طبقہ ہے، لوگ معین شدہ ہیں لہذا جن کا کام استنباط کرنا ہے،

الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ......

یعنی ان لوگوں میں سے جو اہلِ استنباط ہیں وہ جان لیتے، استنباط کون کرتے ہیں؟ بعض نے تحقیق کرنے والے، جستجو کرنے والے لکھا ہے یہ تعبیریں درست ہیں لیکن انہوں نے دقیق معنیٔ استنباط روشن نہیں کیا، نہ ترجموں میں اور نہ تفسیروں میں کہ استنباط کا صحیح معنی کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یا اور اولی الامر کے پاس ایسے افراد ہیں یا لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں کہ اگر یہ خبر ان تک پہنچ جائے تو اس میں سے استنباط کرتے ہیں، یعنی اس خبر کی تہہ تک پہنچیں گے اور تہہ تک پہنچ کے جو حقیقت ہے وہاں سے نکال کر سامنے لے آئیں گے اسی کو استنباط کہتے ہیں، کنویں کے اندر تہہ میں موجود پانی کو نبط کہتے ہیں، اس پانی تک رسائی تدبر ہے اور پھر اس پانی کو لے کر باہر منتقل کرنا استنباط ہے۔

خبروں کو اہل تک پہنچانا میں

۱۰)قرآن کے اہلِ استنباط

لہذا کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تجزیہ نگار ہیں، تبصرہ نگار ہیں، ان کے لئے مختلف اصطلاحیں ہیں عموماً میں رائج اصطلاحیں استعمال کرتا ہوں یعنی جو اہلِ تحلیل ہیں، اہلِ تجزیہ ہیں وہ حالات کے پسِ منظر میں اتر سکتے ہیں، یہ اہلِ مطالعہ اور اہلِ معلومات ہیں کہ ہر چیز کی تہہ میں اور پسِ منظر میں جا کر حقیقت کو تلاش کر کے آپ کے لئے کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔جیسے بیان کیا ہے کہ میڈیا میں یہ چیز رائج ہے اور روزمرہ ہو رہی ہے، دین میں بھی ایسے ہی ہے، اداروں کے لئے بھی ایسے ہی ہے، اسی طرح قرآن کے لئے بھی ہونا چاہئے، اب آیہ کو آخر تک پڑھتے ہیں،

الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا٥

یعنی جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو فوراً نشر کر دیتے ہیں حالانکہ اگر رسول اور صاحبانِ امر کی طرف پلٹا دیتے تو ان سے استفادہ کرنے والے حقیقتِ حال کا علم پیدا کر لیتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے علاوہ سب شیطان کا اتباع کر لیتے۔

اور اگر اہل استنباط کو یہ بات نہ دو بلکہ خود ہی اس کو افواہ بنا کر پھیلانا شروع کر دو تو پھر اگر رحمتِ خدا وفضلِ خدا شاملِ حال نہ ہوا تو تم میں سے اکثر شیطان کے پیروکار بن جاؤ گے۔جس قوم کے اندر، جس طبقے کے اندر اہل استنباط لوگ نہ ہوں کہ جو حقائق کو تجزیہ کر کے، تحلیل کر کے ان کے

سامنے بیان کریں تو اس صورت میں آپ کو شیطان کی پیروی کرنی پڑے گی چونکہ دوسری صورت میں شیطان بتائے گا چونکہ شائع کرنا، افواہ پھیلانا شیطان کا کام ہے، خناسیت شیطان ہے اور شیطنت ہے،

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا○

پھر استنباط در قرآن سے کیا مراد ہوئی؟ استنباط در قرآن سے مراد یہ ہے کہ آپ کے سامنے قرآنِ نازل شدہ ہے، نازل شدہ یعنی لفظی قالب میں موجود ہے، عربی کے ساتھ موجود ہے، کتابی شکل میں موجود ہے اور اس عربیت، ان تعبیرات و عبارات کے پیچھے معانی ہیں، حقائق ہیں، باطنِ قرآن ہے۔ یہ ظاہرِ قرآن ہے اور اس کے پیچھے حکمتِ اصلی قرآن ہے، اس سے پہلے ادب یہ تھا کہ قرآن میں تدبر کرو یعنی ظواہر پر ہی اکتفا نہ کرو، ساحل پیمائی نہ کرو، ساحلِ قرآن میں اور سطحِ سمندر میں ہی ساری عمر صرف نہ کردو بلکہ اسکی گہرائی میں بھی جاؤ چونکہ قیمتی گوہر اس کی گہرائی میں موجود ہیں، تدبر کے بعد پھر کیا کرنا ہے؟ تدبر کے بعد ان آیات کا جو مقصود ہے، ان آیات کے اندر خدا نے جو حکمت رکھی ہوئی ہے، ان آیات کے اندر تمہارے لئے جو ہدایت موجود ہے اس ہدایت کو لے کر آؤ، اپنے اندر بھی اتارو اور اس ہدایت کو لوگوں کے سامنے بھی پیش کرو لیکن استنباط سے مراد ذرا وسیع تر ہے چونکہ جب آپ آیت کے پسِ منظر اور آیت کی گہرائی میں جاتے ہیں تو لکیر کا فقیر نہیں بننا ہے۔

بعض موانعِ فہمِ قرآن صدر المتالھین نے خود الگ سے بیان کئے ہیں، ابھی آدابِ فہمِ قرآن میں استنباط پر بحث ہے، اگلی فصل میں جو چھٹا ادب آرہا ہے اس میں موانعِ فہمِ قرآن بیان

کریں گے کہ جن چیزوں کی وجہ سے انسان فہمِ قرآن پہ قدرت حاصل نہیں کر پاتا ہے۔

جب آپ آیتِ قرآن میں پہنچتے ہیں تو اس آیتِ قرآن کے معنیٰ کو لے کر پھیلائیں مثلاً

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

اسی ایک آیت کو لے لیں اور اس کی تہہ میں اتریں یا اس کے اندر تدبر کریں یعنی جب آپ ظاہرِ لفظ سے معنیٰ باطن تک پہنچیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ معنیٰ ایک عالَم ہے، اس عالمِ معنیٰ کے اندر ایک اور دنیا ہے، جس طرح سے یہ چیزیں کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں یا جہاں آپ سوتے ہیں یا جہاں بیٹھے ہوئے ہیں ہم عام آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے لیکن اگر آپ اسی کو اگر مائکرواسکوپ (Microscope) میں دیکھیں گے تو آپ کو یہاں ایک عجیب دنیا آباد نظر آئے گی، یہاں پر عجیب وغریب قسم کے جاندار موجود ہیں کہ جو تدریجاً میری ناک میں داخل ہو رہے ہیں، پھیپھڑوں میں جا رہے ہیں، پانی کا ایک قطرہ لے کر مائیکرواسکوپ کے اندر دیکھیں تو اندر ایک عجیب وغریب دنیا ہے۔

اسی طرح سے ہم جب قرآن کے معنیٰ تک پہنچتے ہیں تو اب کس چیز کی باری آجاتی ہے ؟ مائکرواسکوپ کی باری آتی ہے، لفظ سے معنیٰ تک پہنچے، ادبیات وصرف ونحو نے ہمیں معنیٰ تک پہنچادیا ہے لیکن اب یہاں سے آگے کیا چاہئے ؟ مائکرواسکوپ چاہئے یعنی وہ آنکھ کہ جو انتہائی چھوٹی چیزیں بھی دکھاتی ہے، جب اس سے دیکھیں تو ہر چھوٹا سا معنیٰ اپنے اندر ایک پورا عالم لئے ہوئے ہے، اس کے اندر پوری دنیا ہے، پھر اس کے بعد استنباط کرنا ہے یعنی انسان معنیٰ قرآن میں اس دید

کے ساتھ، اس بصیرت کے ساتھ اترے کہ وہ جہانِ معانی، عالمِ معانی میں اُتر جائے اور عالمِ معانی میں سے معانی کو لے کر باہر آئے جیسے علامہ طباطبائیؒ ہیں، یہی آیت جو بہت سارے لوگوں نے لکھی بھی اور پڑھی بھی، فرض کریں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

یا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ○

لکیر کا فقیر بن کر چونکہ اس نے الحمد کہا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں لہٰذا میں ایک کلمہ اوپر نیچے کرنے کا مجاز نہیں ہوں، مجھے بھی یہی کہنے کا حق ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کیونکہ میرا حق نہیں بنتا ہے، سارے نمبر کٹ جائیں گے، اگر کسی نے کہہ بھی دیا تو لوگ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کہ اس نے ایک اور بات کر دی ہے، لیکن اسی آیہ کے اندر جب مستنبط اترتا ہے تو وہ ایک عجیب جہانِ معانی اپنے ہمراہ لے کر واپس آتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں بسم اللہ تکرار نہیں ہوئی ہے تو معلوم ہوا کہ جہانِ بسم اللہ ہے، عالمِ بسم اللہ ہے، بسم اللہ ایک آیہ نہیں ہے بلکہ بسم اللہ پوری ایک دنیا ہے، جب بسم اللہ معانی کی ایک پوری دنیا ہے تو اس دنیا میں اترنا اور اس دنیا سے پھر اپنی استطاعت وطاقت کی حد تک معانی لے کر باہر آنا اصطلاح میں استنباط کہلاتا ہے۔

حضرت آیت اللہ سید محسن الحکیم رضوان اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرحِ کفایہ میں نقل کیا ہے

کہ ہم ایک استاد کے پاس جاتے تھے، ایک دن گئے تو انہوں نے ایک آیہ قرآن پڑھی اور اس کی تفسیر کی، دوسرے دن ہم پھر دوبارہ گئے، یہ سب مجتہدین تھے کہ جو ان کے پاس جاتے تھے، دوسرے دن گئے تو اسی آیہ کی ایک اور تفسیر کی، تیسرے دن گئے تو انہوں نے اسی آیہ کی ایک اور نئی تفسیر کی، چوتھے دن اسی آیہ کی ایک اور تفسیر کی اور کہا کہ ہم تیس دن مسلسل گئے اور تیس دن تیس تفسیریں کیں اور ہر ایک تفسیر دوسری سے دقیق تر تھی یعنی اناڑی عوام بھی نہیں تھے کہ جن کو سمجھ میں نہیں آرہی تھیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، یہ مجتہدین تھے کہ جو اس میں شرکت کرتے تھے، پس اہل استنباط اگر آیات کے اندر اتریں تو ایسے ہی ہوتا ہے۔

یہ فہمِ قرآن کا ادب ہے کہ اس کو انسان اپنے وجود کے اندر ایجاد کرے اور ادبِ قرآنی کے ساتھ مؤدب ہو جائے۔ قرآن کو آداب کے ساتھ پڑھیں اگر آداب کے بغیر قرآن پڑھیں تو اس کو بے ادبی کہتے ہیں، وضو کے بغیر قرآن پڑھنا بے ادبی ہے، طہارت کے بغیر قرآن پڑھنا بے ادبی ہے، تلفظ کے بغیر پڑھنا بے ادبی ہے، قرآن کو بغیر وضو کے چھونا بے ادبی ہے اسی طرح بغیر تدبر کے پڑھنا بھی بے ادبی ہے، استنباط کے بغیر پڑھنا بھی بے ادبی ہے، بالآخر ادبیوں کے درجات ہیں، کوشش کریں کہ وہ ادیب بنیں جو قرآن بنانا چاہتا ہے، قرآن نے سرزنش کی ہے کہ کیوں تدبر نہیں کرتے ہو، یہاں پر فرمایا کہ اگر یہ بات استنباط کرنے والوں کو پہنچائیں اور خود نہ پھیلاتے پھریں تو پھر دیکھیں گے کہ یہ ان سے کیا معارف نکال کر دیتے ہیں۔

قرآن کے مستنبطان نے کتابِ خمس فقط ایک آیتِ قرآن سے استنباط کی گئی ہے۔ یہ ایک

پوری کتاب ہے کہ پورا ایک سال کا سلیبس (Syllabus) بنتا ہے، کم از کم اگر ایک محنتی آدمی وقت کے ساتھ پڑھے یا ایک اعلیٰ اُستاد پڑھائے تو کتابِ خمس پڑھتے ہوئے انسان کو ایک سال لگتا ہے۔

۱۱) احادیث کے اھلِ استنباط

اسی طرح کچھ لوگ احادیث کی دنیا میں اترتے ہیں تو وہاں ایک عظیم جہانِ معانی پاتے ہیں، مجتہدین کی مثال دیکھ لیں کہ ایک روایت لے کر اس سے استنباط کرتے ہیں اور پوری کتابِ فقہ ایک روایت سے استنباط کرتے ہیں اور ان کا حق بنتا ہے چونکہ اہل استنباط ہیں یعنی جب فقیہ روایت کے جہانِ معانی میں، دنیائے معانیٔ روایت میں پہنچا تو اس نے وہاں پر دیکھا کہ اس کا تو ایک معنیٰ نہیں ہے، ایک دال و مدلول نہیں ہے بلکہ یہ تو عجیب و غریب عالم ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ......(۴)

جس نے اپنے آپ کو پہچانا بتحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا......

یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے اور علوی علیہ السلام بھی ہے، یعنی یہ روایت دو معصومین علیہم السلام سے منقول ہے، استادِ محترم حضرت استاد حسن زادہ آملی دام ظلہ العالی نے درس کے اندر فرمایا تھا کہ میں نے اس حدیث کی تفسیر میں ڈھائی سو الگ الگ تفسیریں لکھی ہیں یعنی دو سو پچاس تفسیریں اور ہر تفسیر دوسری سے مختلف ہے، دوسرے لفظوں میں اس کے دو سو پچاس معانی کئے، پھر فرمایا کہ میں نے کہیں تذکرہ کیا تو کسی نے اس کو سنا اور اس کا شوق بڑھا کہ یہ مجھے دکھائیں اور وہ کتاب لے کر چلا گیا اور

حضرتِ استاد کو بہت افسوس تھا کہ وہ شخص پتہ نہیں مرگیا، کھپ گیا، کیا ہوا کہ وہ کتاب واپس نہیں لایا، انہیں یاد بھی نہیں تھا کہ کون لے گئے ہیں، طالب تھا یا عالمِ دین تھا کہ جو لے گیا تھا لیکن اس نے واپس نہیں کی اور فرمایا کہ ابھی چند مہینوں سے دوبارہ کوشش کررہا ہوں کہ حافظے کی مدد سے ایک دفعہ پھر لکھوں چونکہ وہ پہلی ساری تفسیریں یاداشت سے کھوگئی ہیں، اس وقت تک یعنی جب حضرتِ استاد کی خدمت میں درس میں حاضر ہونے کی توفیق تھی یعنی آج سے تقریباً دس سال پہلے فرمایا تھا کہ ابھی تک میں اس کی نوے تفسیریں حافظے کی مدد سے دوبارہ لکھ چکا ہوں اور پھر دعا بھی کرتے تھے کہ خدا لطف کرے، عنایت کرے کہ ان باقی پر بھی قادر ہوجاؤں، بعد میں وہ درس معطل ہوگئے اور کہا تھا کہ وہ بھی بے ادبی کی وجہ سے ہوئے، کسی بے ادب نے وہ فیض حوزے سے چھین لیا، بے ادب بہت نقصان پہنچاتے ہیں، آپ توجہ کریں کہ اہلِ استنباط کیا ہوتے ہیں، اس حدیث کے اندر کتنے لفظ ہیں؟

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ......

پانچ چھے لفظ ہیں، ان پانچ چھے لفظوں کے اندر ایک عجیب وغریب دنیا ہے کہ اگر اس کے اندر اہلِ استنباط اترے ایک استادِ حوزہ و ایک حکیمِ الٰہی اترے تو اسکی ڈھائی سو تفسیریں کرسکتا ہے اور منحصر نہیں ہے کہ یہ ڈھائی سو ہی ہوں بلکہ مزید بھی ہیں۔ ہر حقیقت ایسے ہے، امیر المومنین علیہ السلام کا یہ جملہ انسان کے بارے میں ہے کہ

أَتَزْعَمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ وَ فِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ......(۵)

(اے انسان) کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو بس اک چھوٹا سا جسم ہے درحالیکہ تیرے وجود

میں ایک بڑی دنیا (عالمِ اکبر) پوشیدہ ہے......

اسی طرح قرآن کی ہر آیت کے اندر معانی کی ایک پوری کائنات ہے، اس لئے انسان اگر آنکھیں کھول کر بصیرت کے ساتھ تدبر کر کے اسکی تہہ میں اترے، سمندر میں اترے اور دل میں بھی نورانیت ہو نہ کہ اندھیرا ہو تو نورانیت میں دیکھیں کہ ایک عالم ہے، انسان ایک نئے عالم میں آجاتا ہے، اسی طرح نہج البلاغہ بھی ہے اور جنہوں نے نہج البلاغہ میں یہ کام کیا ہے اس کا مطالعہ کریں از جملہ محمد عبدہ کی کتاب کا مقدمہ پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ ایک مسیحی جب نہج البلاغہ کی دنیا میں اترتا ہے تو اس کو اس کتاب کے اندر سے کیا کیا معلوم ہوتا ہے۔ جارج جرداق، ابونعیمہ، جرجی زیدان یا اس طرح کے غیر مسلم لوگ کہ جو نہج البلاغہ کی دنیا سے آشنا ہوئے ہیں تو ان کو حیرت ہوئی ہے کہ ہر لفظ کے اندر ایک پوری کائنات بھری ہوئی ہے اور قرآن تو معجزاتی حد تک کائنات ہے، ہر لفظ کے اندر اور ہر آیہ کے اندر پورا جہانِ معانی پوشیدہ ہے، آپ قرآن کی طرف بڑا ظرف لے کر جائیں تو پھر دیکھیں کہ قرآن کیا عطا کرتا ہے، انشاءاللہ خدا سب کو توفیق دے۔

حوالہ جات

(۱)......(تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیة اللّٰہ جوادی آملی مدظلہ)(مرآة العقول فی شرح أخبار آلِ الرسول - العلامة المجلسیؒ، الجزء ا، صفحہ ۱۵۱)(مستدرک سفینة البحار - العلامة آیة اللّٰہ الشیخ علی النمازی، الجزء ۲، صفحہ ۲۳۳)(عوالی اللآلی- ابن ابی جمھور احسائی، الجزء ۴، صفحہ ۲۴)(منھاج البراعة فی شرح نھج البلاغة - الخوئیؒ)(بھج الصباغة فی شرح نھج البلاغة)(أحکام القرآن -أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص الحنفی، المتوفی: ۳۰۷ھ، الجزء ۲، صفحہ ۲۰۷)(مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل - المحدثین الحاج میرزا حسین النوری الطبرسیؒ، الجزء ۱۷، صفحہ ۲۸۵)(بحار الأنوار- العلامة المجلسیؒ، الجزء ۷۴، صفحہ ۱۴۶)

(۲)......(سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۶۷)

(۳)......(الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰہِ المُنزَل - الشَیخ نَاصِر مَکارم الشِیرازی مدظلہ، الجزء ۱۲، صفحہ ۵۲)(تفسیر القرآن الکریم - السید مصطفی الخمینیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۲۶۴)(تفسیر المیزان - العلامة الطباطبائیؒ، الجزء ۴، صفحہ ۳۳)(تفسیر نور- حجة الاسلام و المسلمین حاج شیخ محسن قرائتی مدظلہ)(نفحات القرآن-آیة اللّٰہ العظمی مکارم الشیرازی مدظلہ)(شرح أصول الکافی- مولی محمد صالح المازندرانیؒ)(مستدرک

سفينة البحار - العلامة آية اللّٰه الشيخ على النمازیؒ)(وصول الأخيار الى أصول الأخبار - والد البهائى العاملیؒ)(الامام علیؑ بن ابی طالب عليه السلام من حبه عنوان الصحيفة)(الامام علیؑ- أحمد الرحمانی الهمدانی)

(۴)......(مستدرک نهج البلاغة،الجزء ۱ ،صفحه۴)(منهاج البراعة فی شرح نهج البلاغة - الخوئیؒ)(نفحات الولاية فی شرح نهج البلاغة) (شرح نهج البلاغة - عبد الحميد بن هبة اللّٰه بن محمد بن الحسين بن أبی الحديد، أبو حامد، عز الدين،المتوفى : ۶۵۶ ھ،الجزء ۲۰،صفحه۲۹۲) (جامعه علوى در نهج البلاغه،الجزء۸،صفحه۲)

(۵)......(پيام امام امير المؤمنینؑ)(شرح نهج البلاغه - جعفرى) (نفحات الولاية فی شرح نهج البلاغة)

فصلِ ادبِ پنجم

استنباط

(حصّہ دوم)

١)الفاظ،معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط

٢)استنباط کی ضرورت

٣)استنباط کے رائج ثمرات

٤)قرآن سے علماء کا محدود استنباط

٥)قرآن،معدنِ معارف

٦)استنباط کیلئے حسِ جستجو چاہئے

٧)استنباطِ تقلیدی

٨)لقمہ خورِغرب نہ بنیں

٩)قرآن و اہلبیتؑ باعثِ ثروت

١٠)قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت

١١)علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت

١٢)اشارۂ قرآن

١٣)اشارة الموضوع

صفحہ

☆ سَبَقَتْ رَحْمَتُکَ غَضَبَکَ...... 359

☆ وَأَنْتَ الَّذِیْ تَسْعٰی رَحْمَتُهُ أَمَامَ غَضَبِهِ...... 359

☆ فَإِنَّکَ فَعَّالٌ لِمَا تَشَاءُ...... 461

☆ اِلٰهِیْ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ نَادَیْتَهُ فَاَجَابَکَ وَلَا حَظْتَهُ
فَصَعِقَ لِجَلَا لِکَ فَنَاجَیْتَهُ سِرًّا...... 493

☆ بَیْنِکَ وَ بَیْنِیْ اِنِّی یُنَازِعُنِیْ فَارْفَعْ بِفَضْلِکَ
اِنِّیْ مِنَ الْبَیْنِ...... 503-504

☆ رَبَّنَا لَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسَنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ اَبَدًا...... 583

۱) الفاظ، معانی اور حقائق کا آپس میں ارتباط

آدابِ فہمِ قرآن میں ادبِ پنجم استنباط ہے اور اس فصل کے حصۂ اول میں عرض ہوا تھا کہ قرآن کریم کے الفاظ سے جب انسان معانی تک جاتا ہے تو معانی کا اپنا پورا ایک عالم ہے کہ جس طرح الفاظ کا اپنا ایک عالم ہے۔ الفاظ میں آپس میں ارتباطات ہیں، جو لوگ ادبیاتِ عرب سے آشنا ہیں یا کسی بھی زبان کی ادبیات سے آشنا ہیں، لٹریچر (Literature) سے آشنا ہیں، وہ جانتے ہیں کہ الفاظ کا آپس میں رابطہ ہے، جس طرح سے ہم عربی لٹریچر میں یا دوسری ادبیات میں پڑھتے ہیں کہ بعض الفاظ دوسرے بعض الفاظ کے ساتھ مرتبط ہیں، آپس میں عامل اور معمول کا رابطہ ہے، آپس میں مبتدا و خبر کا رابطہ ہے، صفت و موصوف کا رابطہ ہے یا ممکن ہے کہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ کا رابطہ ہو تو یہ الفاظ کی دنیا ہے۔

اسی طرح سے معانی کے اندر بھی ارتباط موجود ہے، جب ہم ایک معنیٰ تک پہنچتے ہیں تو کوئی بھی معنیٰ تنہا نہیں پڑا ہوا ہے، کوئی معنیٰ کسی جگہ بھی تنہا نہیں ہوتا ہے، معانی کے اندر بھی آپس میں ارتباطات ہیں، ایک معنیٰ دوسرے معنیٰ سے مربوط ہے، ایک معنیٰ دوسرے معنیٰ کی تفسیر کرتا ہے، ایک معنیٰ دوسرے معنیٰ کا سبب بنتا ہے، ایک معنیٰ دوسرے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، ایک معنیٰ دوسرے معنیٰ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اسی طرح ایک معنیٰ دوسرے معنیٰ کا ثمرہ اور نتیجہ بنتا ہے، یہ معانی کی دنیا کے آپس میں ارتباطات ہیں کہ جو منطق میں بیان ہوتے ہیں۔

علمِ ادب ہمیں الفاظ کے روابط پڑھاتا ہے اور علمِ منطق ہمیں معانی کی دنیا کے آپس میں

ارتباطات سکھاتا ہے کہ تصورات کس طرح سے آپس میں مربوط ہیں، تصدیقات کس طرح سے آپس میں مربوط ہیں، یہ معانی کی دنیا سے آشنائی ہے اور پھر اس کے بعد انسان حقائق کی دنیا میں آ جاتا ہے یعنی ان معانی اور مفاہیم سے مصادیق اور حقائق تک آ جاتا ہے، عیناً الفاظ اور معانی کی طرح حقائق بھی آپس میں مربوط ہیں، کوئی حقیقت اس دنیا میں منقطع اور بے رابطہ نہیں ہے، ہر حقیقت کا دوسرے حقائق کے ساتھ رابطہ موجود ہے، جس طرح ہم معانی میں پڑھتے ہیں کہ معنیٰ کا ایک کا لازمہ ہے اور ایک ملزوم ہے اور اس معنیٰ کے ساتھ دوسرے معانی مربوط ہیں، اس ارتباط کو ہم بعض علوم کی مدد سے سیکھتے ہیں، کشف کرتے ہیں کہ ان کا آپس میں کس قسم کا رابطہ ہے، اسی طرح سے حقائق کی دنیا میں بھی آپس میں ارتباط ہے، واقعتاً حقیقتوں میں، واقعات میں اور موجودات میں اسی طرح کے روابط موجود ہیں، ایک حقیقت دوسری حقیقت کی علت ہے یا اس کے لئے معلول ہے، ایک حقیقت دوسری حقیقت کے لئے شرط ہے یا اس کے لئے مشروط ہے، اس کی صفت ہے یا اس کا موصوف ہے، لازم ہے یا اس کا ملزوم ہے، اس کا نتیجہ ہے یا اس کے مبادی و علل میں دخیل ہے، بالآخر ہر حقیقت ایک مجموعۂ حقائق کے ساتھ مربوط ہے۔

۲) استنباط کی ضرورت

ایک مثال کے ذریعے استنباط کی ضرورت پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ کتابوں کے اندر ہم ایک منظومۂ شمسی کو پڑھتے ہیں، اسے ہم دیکھتے کم ہیں اور پڑھتے زیادہ ہیں۔ منظومۂ شمسی کے اندر

ایک ستارہ بنامِ سورج ہے اور اس کے اردگرد ایک پورا عالم ہے، منظومۂ شمسی کے نام سے ایک پورا جہان ہے یعنی کچھ سیارے ہیں جو اس کے گرد موجود ہیں، کچھ ستارے اس کے اردگرد موجود ہیں، سیاروں کے اردگرد کچھ اور موجودات ہیں کہ جو گردش کر رہے ہیں کہ جن کو قمر یا چاند کہتے ہیں اور اس طرح سے ایک مجموعہ بنامِ منظومۂ شمسی بنا ہوا ہے اور پھر یہی منظومۂ شمسی دیگر منظومات کے ساتھ مل کر ایک اور دنیا کا حصہ ہے، وہ بھی حقائق کا ایک عالم ہے کہ جسے کہکشاں کہتے ہیں، ایک کہکشاں کے اندر متعدد منظومے موجود ہیں اور ایک منظومہ کے اندر بہت سارے فلکی موجودات، ستارے اور سیارے موجود ہیں۔ اسی طرح سے یہ ساری حقائق کی دنیا ہے، حقائق کا عالم آپس میں اسی منظومۂ شمسی کی طرح مربوط ہے، بعض معانی دیگر معانی کے ساتھ اور بعض حقیقتیں دوسری حقیقتوں کے ساتھ منسلک ہیں، اسی وجہ سے انسان کو استنباط کی ضرورت پڑتی ہے۔

تدبر کی ضرورت اس وجہ سے پڑتی ہے کہ یہ معانی آشکار نہیں ہیں بلکہ یہ کچھ پردوں کے پیچھے ہیں، یہ معانی کچھ ظواہر کے پردوں کے پیچھے پنہاں ہیں اور باطن میں موجود ہیں، تدبر کے ذریعے انسان وہاں تک رسائی پیدا کرتا ہے، اس بحر کے عمق کے اندر پہنچتا ہے اور پھر جب وہاں جا کر ان معانی کو سمیٹتا ہے تو ان معانی کے ارتباطات کو کشف کرتا ہے اور ان معانی کو اپنے ذہن میں اور اپنے وجود میں منتقل کرتا ہے اور جب ان کی دنیا سے آشنا ہو کر ان کے ارتباطات کو ظاہر کرتا ہے تو اس کو استنباط کہتے ہیں، مثلاً زمین سے فضا کے اندر پہنچنا تدبر ہے اور فضا کے اندر پہنچ کر اس منظومہ کے موجودات کا آپس میں رابطہ سمجھنا مثلاً زمین کے گرد چاند ہے اور چاند اور زمین کا فاصلہ ہے، چاند

کا مدار کیا ہے؟ زمین کا مدار کیا ہے؟ مریخ کا مدار کیا ہے؟ مشتری کا مدار کیا ہے؟ سورج کے گرد کتنے سیارے ہیں؟ اوران سیاروں کے گرد کتنے قمر موجود ہیں؟ یہ انسان کا استنباط ہے، پس تدبر ان حقائق تک یعنی ظواہر سے حقائق تک پہنچنا ہے اور استنباط ان حقائق کے آپس میں ارتباطات کو کشف کر کے انہیں اپنے وجود میں منتقل کرنا ہے، انہیں اپنی فہم کی حد تک لے آنا ہے، یہی چیز قرآن کے لئے ضروری ہے، تدبر کے بغیر کوئی خیر نہیں ہے۔

اَلا لَا خَیرَ فِیْ قِرَاۃٍ لَا تَدَبُّرَ فِیْھَا......(۱)

آگاہ رہو! جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اگر انسان قرآن کے اندر تدبر بھی کرلے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ استنباط پر قدرت نہ رکھتا ہو یعنی انسان اس بحر میں اتر گیا ہے لیکن اس میں صدف اور گوہر نکالنے کی طاقت نہیں ہے یا کسی رسی کی مدد سے پانی کے اندر کنویں میں اتر گیا ہے لیکن اس میں پانی نکالنے کی طاقت موجود نہیں ہے، ممکن ہے کہ ایسے متدبرین موجود ہوں کہ جو استنباط نہیں کر سکتے ہیں اور اکثر لوگ اہلِ تدبر نہیں ہیں، اہلِ تدبر بہت قلیل لوگ ہیں اور ان قلیل لوگوں میں بھی اَقلِ قلیل لوگ ہیں کہ جو اہلِ استنباط ہیں، جو معانی کے اندر اتر کے وہاں سے گوہر و صدف جمع کر کے اور ان کے ارتباطات سمجھ کے خود اپنے وجود میں منتقل کرتے ہیں اور دوسروں کے اختیار میں قرار دیتے ہیں۔

قرآن کی ہر آیہ انسان سے تدبر اور استنباط مانگتی ہے، ہر آیہ ایک بحر کی حیثیت رکھتی ہے، ہر آیہ ایک منظومہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے معانی ایک منظومہ کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی ہر آیہ کے

استنباط کی ضرورت

اندر حقائق و معانی کی ایک دنیا ہے کہ جو منظومہ کی طرح آپس میں مرتبط و منسلک ہے اور ان تک رسائی ضروری ہے، اگر انسان فقط تلفظِ آیہ پڑھ کے یہ سمجھے کہ میں نے قرآن کا حق ادا کر دیا ہے تو یہ مہجوریتِ قرآن ہے یعنی قرآن ابھی مہجور و متروک ہے یعنی قرآن کو ابھی انسان نے چھوا تک نہیں ہے،

لَّا يَمَسُّهُ......(۲)

ابھی کسی نے قرآن کو ٹچ (Touch) تک نہیں کیا ہے، اتنی قرأت کے باوجود، دس قرأتوں سے قرآن کو پڑھنے کے باوجود بھی ابھی قرآن کو مَس تک نہیں کیا ہے حتیٰ اگر انسان مفاہیم تک پہنچ بھی جائے تو پھر بھی، لایمسہ، کا مصداق ہے کہ جب تک انسان آیت کا وہ منظومہ تلاش نہیں کرلیتا۔ اب ممکن ہے کہ کسی نے یہ کام نہ کیا ہو، اتفاقاً بہت سارے ایسے بزرگان ہیں مثلاً امام غزالی وہ فرد ہیں کہ جو قرآنیات میں اور اخلاقیات میں بہت متبحر انسان ہیں، بعض دوسرے علوم میں ان کو مشکل درپیش ہے لیکن قرآنیات میں اور اخلاقیات میں متبحر ہیں، ایسا مقامِ علمی جو شیعہ و سنی دونوں تسلیم کرتے ہیں، اس مورد میں غزالی کا مقام قرآنی حقائق، قرآنی مسائل اور اخلاقیات کے اندر ایک حجت سمجھا جاتا ہے، ویسے بھی حجۃ الاسلام سب سے پہلے غزالی کے لئے استعمال ہوا ہے، اگر علی الاطلاق حجۃ الاسلام کہا جائے تو مراد امام غزالی ہوتے ہیں، جن کا لقب ہی حجۃ الاسلام تھا، اسلئے کہ اس شخص کا بہت رسوخ تھا، اس نے قرآنیات کے اندر اور اخلاقیات کے اندر عمر صرف کی اور محنت کی مثلاً یہی مطالب انہوں نے ذکر کئے کہ انسان اہلِ استنباط ہو لیکن خود جو کچھ استنباط کیا وہ ان کے ہاں

استنباط کی ضرورت

نظر نہیں آتا ہے، دوسروں کو انہوں نے راہ دکھائی کہ انسان اہل تدبر ہو، اہل استنباط ہو لیکن خود اتنا کشف کر سکے کہ قرآن کو استنباط کی ضرورت ہے اور انسان قرآن کے اندر استنباط کرے لیکن خود اس استنباط کا نتیجہ لے کر سامنے دیا ہو تو ایسی کوئی چیز غزالی سے نہیں ملتی، اگر چہ غزالی کی فراواں خدمات ہیں، غزالی کی ایسی بہت ساری کتابیں ہیں کہ جو قابلِ استفادہ ہیں اور علمی کتابیں ہیں۔

اگر قرآن میں تدبر نہ ہو اور استنباط نہ ہو تو قرآن متروک و مہجور ہے یعنی ابھی کسی نے اس کو مس نہیں کیا ہے، اکا دکا افراد آئے ہیں کہ جنہوں نے آ کر اس توفیق کو پیدا کیا ہے، خداوند تبارک وتعالٰی نے انہیں یہ نعمت اور توفیق عطا کی کہ دوسروں کی کچھ راہنمائی کریں لیکن بیشتر دیکھیں کہ جیسے تفسیر کشاف ہے یا امثالِ کشاف، ہمارے ہاں بھی ایسی تفاسیر موجود ہیں چونکہ اس مسئلے میں وہ ہم پر مقدم ہیں، وہ پہلے کام کرتے ہیں پھر ان کی دیکھا دیکھی ہمارے یہاں بھی ہوتی ہے، وہ ادبی تفسیر ہے، قرآن کے اعراب و بنا جیسی چیزیں کشاف نے حل کر دیں پھر آ کر دوسروں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی قرآن کی ایک اور ادبی تفسیر کر دی یا بعض نے آ کر کلامی تفسیر کی یعنی اس کے مقابل میں ایک اور کلامی تفسیر وجود میں آ گئی، وہ استنباط چاہیئے جو حقیقی معنیٰ میں قرآن کے لئے درکار ہے اور جو شایانِ شانِ قرآن ہے چونکہ جیسے پہلے عرض کیا تھا کہ انسان تدبر اس وقت کرتا ہے کہ جب پہلے خود متدبر ہو یعنی تدبر صفتِ انسان ہے نہ کہ صفتِ قرآن ہے، انسان متدبر ہے اور قرآن محلِ تدبر ہے یعنی انسان مستنبط ہے نہ کہ قرآن مستنبط ہے۔

پہلے انسان اہلِ استنباط بنے پھر قرآن کے اندر استنباط کرے گا، مستنبط بنے بغیر اگر قرآن

پڑھے گا جیسے ادیب بنے بغیر اگر قرآن کو پڑھے گا تو تلاوت بھی نہیں کر پائے گا، قرآن کا صحیح تلفظ بھی نہیں کر پائے گا، انسان پہلے مقامِ استنباط و مرتبۂ استنباط پہ فائز ہو، صفتِ استنباط انسان کی صفتِ راسخ بن جائے تو پھر اس کے بعد انسان قرآن کے اندر کچھ حاصل کرتا ہے، البتہ یہ صفت بھی قرآن کے اندر استنباط سے ہی پیدا ہوتی ہے یعنی تمرین اور مشق بھی خود انسان قرآن کے اندر ہی کرتا ہے اور جیسے پہلے اشارہ بھی ہوا تھا کہ پھر آہستہ آہستہ قرآن انسان کا ہاتھ تھام لیتا ہے، جس طرح سے ایک بچہ اگر کسی کے پیچھے بہت زیادہ چلتا ہے اور زیادہ نہیں چل پاتا اور نہیں اٹھ سکتا ہے تو پھر وہ اس کا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، اسی طرح انسان اگر قرآن میں استنباط کیلئے اصرار کرے، قرآن کی تکرار کرے تو ایک دن قرآن اسکا ہاتھ تھام لیتا ہے، اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے اور اپنے حقائق انسان پر عیاں کر دیتا ہے، نمایاں کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے، اگر ہم بعض بزرگان کے حالاتِ زندگی پڑھیں تو ان کے ساتھ اسی طرح سے اتفاق ہوا ہے کہ آغاز میں ان کو قرآن کی طرف کوئی راہ نہیں مل رہی تھی لیکن جب قرآن نے خود دَر کھول دیا تو پھر ان کیلئے در پہ در کھلتے گئے اور ان کے اندر جتنی طاقت و استعداد تھی اس لحاظ سے انہوں نے حقائقِ قرآن کو حاصل کیا۔

۳) استنباط کے رائج ثمرات

اہلِ استنباط نے قرآن سے ابھی تک کیا حاصل ہے؟ مطالب استنباط کئے ہیں لیکن استنباطِ قرآن میں فقط آیاتِ احکام کی حد تک اسکا نمونہ یا مصداق موجود ہے مثلاً قرآن کی آیات کی جو مجموعی

تعداد ہے ان میں سے تقریباً، لگ بھگ تکرار ومکررات سمیت مثلاً آیاتِ صلوٰۃ وآیاتِ زکوٰۃ جو متعدد دفعہ تکرار ہوئی ہیں، ان مکررات کو ملاکر پانچ سو آیات آیاتِ احکام ہیں کہ جن کے اندر علماء نے استنباط کیا ہے لیکن وہ بھی فقط درحدِ حکم استنباط کیا ہے یعنی آیاتِ احکام کی تہہ میں اترے ہیں اور ان آیات کی تہہ سے انہوں نے فراواں احکام استنباط کئے ہیں جیسے عرض کیا کہ بعض آیات ایسی ہیں کہ ایک ایک آیت سے پوری کتابِ فقہ استنباط کی ہے مثلاً کتابِ خمس ایک آیتِ قرآن سے استنباط کی گئی ہے۔ ایک سال کا مواد ایک آیت سے استخراج ہوا ہے، کس طرح سے استخراج ہوا؟ استنباط کے نتیجے میں استخراج ہوا ہے، فقط قرأت سے نہیں ہوا ہے، تلاوت سے نہیں ہوا ہے۔ پہلے قرآن کی گہرائی اترے، تدبر کیا اور تدبر کرکے اس کے احکام کے متعلقات کو کشف کیا، روابط کو کشف کیا اور اس طرح سے دوسروں کے لئے ایک پوری کتابِ خمس تدوین کی ہے، درحالیکہ قرآن چونکہ ہدایتِ بشر ہے، ھدی للناس ہے لہٰذا ہدایت کے لئے ایک حکم کافی نہیں ہے۔

٤) قرآن سے علماء کا محدود استنباط

ہدایتِ انسان کے لئے بہت سی چیزوں کا ہونا ضروری ہے، سب سے پہلے معرفت چاہئے، حکم سے بھی پہلے انسان کو معرفت کی ضرورت ہے، آگاہی کی ضرورت ہے، شعور کی ضرورت ہے اور معرفت کے بعد انسان کو پھر نظام کی ضرورت ہے، انسان کو علوم کی ضرورت ہے، علوم بمعنیٰ معرفت نہیں بلکہ مجموعۂ علوم یعنی یہ مجموعہ جو تدوین شدہ ہے جیسے علمِ ادب ہے، علم فقہ ہے، علم کلام

ہے، انسان کے لئے ان علوم کا جو مجموعہ موجود ہے اور ان کی مدد سے انسان حقائق کو سمجھنے کے اور پر کھنے کے قابل ہوتا ہے، ہدایتِ انسان کے لئے ان علوم کا ہونا ضروری ہے، شناخت کا ہونا ضروری ہے اور ہدایت کے لئے انسان کے لئے نظم کا ہونا اور نظام کا ہونا ضروری ہے، مستنبطینِ قرآن فقط احکام کی حد تک آئے ہیں لہٰذا انہوں نے قرآن سے آیات کو انتخاب کیا ہے اور ان پانچ سو آیات کے اندر خوب استنباط کیا ہے۔ چودہ سو سال سے تمام فرقہ اسلامی کے جو علماء، فقہاء اور قرآن شناس ہیں انہوں نے انہی آیات میں آ کر کام کیا البتہ اپنی حد تک، کسی نے سطحی استنباط کیا، کسی نے دقیق استنباط کیا، کسی نے دقیق سے دقیق تر استنباط کیا، کوئی اَدَق یعنی انتہائی باریک و دقیق تر استنباط تک پہنچا، درجاتِ علمی ہر ایک کے محفوظ ہیں لیکن میدانِ استنباط محدود رہا ہے۔

اول یہ کہ قرآن سے انہوں نے استنباط کے لئے آیات منتخب کیں اور وہ بھی فقط پانچ سو آیاتِ احکام، باقی چھے ہزار آیات میں استنباط نہیں کیا گیا یا استنباط کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور فقط پانچ سو کو اس قابل سمجھا گیا کہ ان میں استنباط کیا جائے۔

دوم یہ کہ ان آیات کے اندر جب استنباط کیا گیا تو علوم استنباط نہیں کئے گئے بلکہ فقط احکام استنباط کئے گئے ہیں اور سوم یہ کہ ان سے نظام استنباط نہیں کیا گیا ہے، قرآن انسان کے لئے ہدایت ہے، ہدایت کے لئے معرفت کی ضرورت ہے، نظام کی ضرورت ہے، علوم کی ضرورت ہے اور قرآن یہ سب کچھ لے کر آیا ہے چونکہ اگر یہ نہ ہو تو ہدایت ممکن ہی نہیں ہے، کیسے بشر کی ہدایت کریں گے؟ اگر قرآن سے پوچھیں کہ بشر کے لئے کوئی نظام ہے؟ اور یہ کہے کہ نہیں نظام نہیں ہے بلکہ نظام بشر کو

خود بنانا ہے، پھر پوچھیں کہ وہ علوم جو انسان کو مختلف مہارتیں عطا کریں، مختلف شناخت عطا کریں، انسان کی مختلف صلاحیتیں بیدار کریں اور اس جہانِ ہستی کو انسان کے لئے کھول کر، عیاں کر کے بتائیں تو ایسی کوئی چیز قرآن کے اندر موجود ہے؟ اگر جواب دے کہ نہیں قرآن تو فقط ثواب کے لئے آیا ہے، قرآن احکام بیان کرنے کے لئے آیا ہے تو پھر اس کو کیوں کہتے ہیں کہ یہ کتابِ ہدایت ہے؟ ہدایت کے لئے تو انسان کو ان ساری چیزوں کی ضرورت ہے، ہدایت کے لئے قانون کی ضرورت ہے، ہدایت کے لئے سیاسی نظام کی ضرورت ہے، اجتماعی نظام کی ضرورت ہے، تعلیمی نظام کی ضرورت ہے، ارتباطات کے نظام کی ضرورت ہے اور تمام ضروریاتِ حیات کی ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس یہ سارے علوم اور نظام نہیں تو پھر کیوں کہتے ہیں کہ یہ کتابِ ہدایت ہے؟ اور حقاً یہ کتاب ہدایت ہے، مشکل یہ ہے کہ قرآن کے اندر سب کچھ موجود ہے لیکن بصورتِ معدن موجود ہے۔

۵) قرآن، معدنِ معارف

قرآن ایک معدن کی طرح معارف سے مالا مال ہے، جس طرح کسی ملک کے اندر فراواں معدنیات ہوں مثلاً افغانستان معدنیات کے لئے لحاظ سے مالا مال ملک ہے، ہر قسم کی معدنیات ہیں، گیس وہاں ہے، تیل وہاں ہے، قیمتی پتھر وہاں ہیں، قیمتی دھاتیں وہاں پر موجود ہیں لیکن ایک ایسی قوم اس سرزمین کے اوپر موجود رہی ہے کہ اس کو اطلاع نہیں ہے کہ اس معدن کے نیچے کیا کچھ موجود ہے؟ چونکہ زمین کے اوپر ان کی اتنی سرگرمیاں ہیں کہ ان کی زمین کے نیچے

موجودات کی طرف توجہ نہیں ہے لیکن معدنیات سے مالا مال اس ملک کے بارے میں دوسروں کو پتہ چل گیا، پڑوسیوں کو پتہ چل گیا، روسیوں کو، امریکیوں کو، پاکستانیوں کو اور ایرانیوں کو معلوم ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ لہٰذا سب کی نظریں افغانستان میں ہیں اور افغانی کی نظریں باہر ہیں کہ مجھے کہیں اور کا پاسپورٹ (Passport) مل جائے تا کہ میں کسی دوسرے ملک میں سکون سے زندگی بسر کروں اور یوں ہی ہوا، اسکا اپنا ملک معدنیات سے بھرا ہوا ہے اور اسی میں وہ ایک فقیر محتاج اور ایک ایسی امت کی سی زندگی بسر کر رہا ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، سب کچھ اس کے لئے باہر سے آتا ہے، یہ حالت تمام مسلمانوں کی ہے۔

عرب کسی زمانے میں اسی صحرا میں زندگی بسر کرتے تھے اور ریت کے اوپر اونٹ دوڑاتے تھے درحالیکہ اسی ریت کے نیچے تیل کی عظیم ثروت کا ذخیرہ موجود تھا لیکن آگاہ ہی نہیں تھی، ان کے اندر اتنی فراست اور مہارت نہیں تھی کہ ریت کے نیچے دیکھ لیں کہ چند کلومیٹر نیچے خدا نے کیا چیز، کیا ثروت چھپا رکھی ہے یعنی استنباط چاہئے تھا، استنباط یعنی استخراج چاہئے، کنویں سے پانی نکالنے کو نبط کہتے ہیں، کنویں سے تیل نکالنے کو بھی نبط ہی کہتے ہیں، یوں تو نہیں ہے کہ فقط پانی ہو تو صرف اس کو نبط کہیں گے، اگر گیس ہو تو اس کو بھی نبط ہی کہتے ہیں، استنباط یعنی وہ چیز باہر نکالنا، استخراج کرنا۔

یہ سب کچھ ان کے یہاں موجود تھا لیکن مستنبط موجود نہیں تھے، مستنبط کسی اور مغربی ملک میں بنے چونکہ علوم ان کے پاس تھے، علوم انہوں نے کشف کیے، علوم کی طرف انہوں نے توجہ کی، علوم کی ترویج انہوں نے کی اور ثروت یعنی کنویں یہاں موجود تھے یعنی مستنبط وہاں پیدا ہوئے

اورثروت یہاں موجود تھی لہٰذا سارا تیل نکال کر، معدنیات نکال کروہ سب اپنے اپنے ممالک میں چلے گئے، پاکستان کے ایک معدن کاراور صنعت کار کے بقول وہ سروے آف پاکستان والوں کے پاس گئے کہ جس کا کام یہی ہے کہ ملک کی سرزمین کے مختلف حصوں کا سروے کرکے یہ بتائے کہ ملک کے کن کن حصوں میں کونسی معدنیات ہیں؟ تاکہ بعد میں سرمایہ داروں کو بتایا جاسکے کہ یہاں کس قسم کا معدن ہے تاکہ وہ انتخاب کرکے سرمایہ لگاسکیں، وہاں پرانویسٹمنٹ (Investment) کرسکیں، انہوں نے سروے آف پاکستان سے جاکر پوچھا کہ ہمیں آپ معدنیات کا نقشہ دیں کہ پورے پاکستان کے اندرکون کونسی معدنیات ہیں؟ تاکہ ہم دیکھیں اور پھراس کے مطابق جہاں ہمیں انویسٹمنٹ کرنی ہیں وہاں سرمایہ لگائیں، انہوں نے بڑا کھرا سا اور صادقانہ جواب دیا اور کہا کہ سروے رپورٹ پوری کمپلیٹ (Complete) موجود ہے، پاکستان کا بڑا دقیق سروے ہوا ہے لیکن وہ برٹش ایمبیسی (British embassy) میں ہے، یہ رپورٹ ہمارے پاس نہیں ہے اورہمیں بھی جب ضرورت پڑتی ہے تو ان سے جاکر لے لیتے ہیں، کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پاکستان کی سرزمین ہماری ہے لیکن سروے رپورٹ برٹش ایمبیسی میں پڑی ہوئی ہے، انہوں نے کہا کہ چونکہ یہ سروے انہوں نے کیا ہے ہم نے نہیں کیا ہے، ہم نے فقط یہ کیا ہے کہ ان سے پیسے لے کر سروے کی اجازت دی ہے، انہوں نے ہمیں پیسے دے دیئے اوراب ان کے سروے کی رپورٹ ان کے پاس ہے لہٰذا آپ کو چاہئے تو آپ بھی وہاں پر جائیں اور پیسے دے کروہ کاپی لے لیں۔ یہاں پرغور کریں کہ یہ ایک نہایت معدنیات سے سرشار اور مالامال ملک ہے لیکن اس کا مستنبط برطانیہ ہے

یعنی جس نے آکر مطالعہ کیا، جس نے آکر دقت کی، جسے پتہ چلا کہ اس معدن کے نیچے کیا ہے۔

قرآن بھی ایسے ہی ہے، قرآن بھی مسلمانوں کے پاس موجود ہے، عربوں کے پاس موجود ہے، عجم کے پاس موجود ہے، مشرق کے پاس موجود ہے لیکن مشرق کی عادت استنباط کرنا نہیں ہے، اصلاً مزاج ہی استنباطی نہیں ہے، ان کا مزاج یہ ہے کہ ہم اس میں مقابلے کریں، اس کی تلاوت کے مقابلے رکھیں، حفظ کے مقابلے رکھیں اور سرعت سے پڑھنے کے مقابلے رکھیں، یہ کام قرآن کے ساتھ فراواں ہیں اور اسی حد تک قرآن زندہ ہے لیکن یہ کہ قرآن میں استنباط کریں، یہ کام مفقود ہے۔ قرآن ایک معدن ہے اور اس معدن کے نیچے ثروت ہے، انسانی اور بشری ثروت ہے اور وہ ثروت ہے کہ جس کا نام ہدایت ہے، ھدی للناس ہے، بشر کی ساری ہدایت قرآن کے اندر موجود ہے لیکن معدن کی صورت میں موجود ہے، اس کے اوپر تہہ ہے، الفاظ کی تہہ ہے اور بہت ساری چیزوں کی تہیں ہیں، ان تہوں کے اندر اترنے والا مستنبط چاہئے اور شاید یہی ہو کہ کوئی مغرب سے آئے اور آکر استنباط کرے۔

استنباط کیلئے حسِ جستجو چاہئے

٦) استنباط کیلئے حسِ جستجو چاهئے

تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ مغربیوں کے اندر استنباط کا عنصر زیادہ ہے، ان کے اندر حسِ جستجو زیادہ ہے، زیادہ ماجرے وہاں سے ہوتے ہیں مثلاً مشرقی ممالک میں بھی الٹی سیدھی جگہوں پر جا کر اگر کوئی بندہ گھوم رہا ہو تو وہ بھی کوئی مغربی ہی ہوگا اور مشرقی اس کا گائیڈ (Guide) ہوگا کہ جو

اس کا سامان اٹھا کر، اس کی کٹ (Kit) اٹھا کر مزدور کے طور پر اس کے ساتھ جارہا ہوگا لیکن یہ کہ خود اس کے پاس حسِ جستجو نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں کیا ہے؟ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ جو مشرقی ممالک کو مغربی ممالک نے کشف کر کے بتائی ہیں، جیسے ایک نمونہ سروے آف پاکستان کا آپ کی خدمت میں ذکر کیا ہے۔

امام خمینیؒ نے اپنے خطبات میں ایک نمونہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا، جوان تھا تو اس وقت ہمدان میں گیا تھا، انقلاب سے بہت پہلے امامؒ قم میں پڑھتے تھے، فرمایا کہ میں کسی سے ملنے کے لئے ہمدان گیا، وہاں ایک بزرگوار سید عالم دین نے یہ واقعہ نقل کیا اور کہا کہ ایک آدمی نقشہ لے آیا اور اس کے اوپر مختلف نشانات لگے ہوئے تھے، کہیں سرخ نشان، کہیں سبز نشان، کہیں آبی نشان، کہیں سیاہ نشان، کہیں سفید نشان، نقشے کی مختلف جگہوں پر یہ نشانات تھے اور کچھ بھی نہیں تھا، فقط ایک نقشہ تھا، لائنیں تھیں اور یہ نشانات تھے، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیسے نشانات ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ امریکیوں نے پورے ایران کا سروے کیا ہے اور یہ مختلف نشان مختلف معدنیات کی علامت ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ مثلاً سفید علامت کے نیچے کون سی معدن موجود ہے مثلاً لوہا ہے، پیتل ہے، سونا ہے، تیل ہے، کوئلہ ہے یا کیا ہے یہ معلوم نہیں ہے؟ یہ خود سے انہوں نے نقشہ بنایا ہے اور علامتیں بھی ایسی لگائی ہیں کہ جو خود انہیں ہی معلوم ہیں مثلاً فرض کرلیں کہ ہمدان میں فلاں معدن ہے لیکن ہمدان کے کونسے علاقے میں ہے؟ مشرق میں ہے؟ مغرب میں ہے؟ جنوب میں ہے؟ کونسی پہاڑی میں ہے؟ صحرا میں ہے؟ ندی میں ہے؟ نالے میں ہے؟ یہ نہیں بتایا بس نقشے کے اوپر

استنباط کیلئے حسِ جستجو چاہئے

ایک نشان لگا ہوا ہے، اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے، پوری دنیا کا یہی حال ہے، حسِ جستجو چاہئے۔

وہ لوگ اہل استنباط ہیں، آج کیوں سرمایۂ مشرق اور سرمایۂ مسلمین مغرب کے پاس منتقل ہو گیا ہے؟ اس وجہ سے کہ حسِ جستجو ان کے پاس موجود ہے اور یہ مختلف قوموں میں رہا ہے، کسی زمانے میں علم کے اندر ایسے پیش رو مسلمان تھے، اس سے پہلے کسی زمانے میں اہلِ یونان تھے اور اِس وقت اہلِ مغرب اہلِ جستجو بن گئے ہیں، بعض بزرگان کے بقول اگر یہی مغربی مسلمان ہو جائیں تو شاید وہ یہ کام کریں کہ جو ہمارا مقصود ہے یعنی استنباط چونکہ ان کے اندر حسِ جستجو زیادہ ہے اور وہ اہلِ استنباط ہیں۔ جب ریت کے نیچے سے تیل نکال لیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ قرآن کے نیچے سے بھی بعض حقائق اور نظام استخراج کر لیں اور بعید نہیں ہے کہ کر لیں، بعض مغربی ممالک کے جو اس وقت قرآن کے اوپر حملے ہیں اور قرآن کی نسبت جو کچھ حساسیت ہے وہ یہ بتاتی ہے ان کو قرآن کے اندر موجود مطالب کی کچھ بو آئی ہے اور انہوں نے مسائل حس کئے ہیں، اس وجہ سے چاہتے ہیں کہ قرآن کی طرف سرے سے توجہ نہ ہو مثلاً لگتا ہے کہ قرآن کے بعض حقائق ان پر آشکار ہوئے ہیں۔

۷)استنباطِ تقلیدی

مسلمانوں میں مقلد زیادہ ہیں اور مستنبط بہت کم ہیں حتیٰ مثلاً فرض کر لیں کہ قرآن کی آیاتِ احکام میں پہلے ایک شخص نے آ کر استنباط کر لیا لیکن دوسرے نے بھی آ کر وہی استنباط کیا تو یہ استنباطِ تقلیدی ہے یعنی اس استنباط میں تقلید ہو رہی ہے، استنباط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے

تیل نکالا ہے تو آپ گیس نکالیں، استنباط اس کو تو نہیں کہتے ہیں کہ پہلے ایک آدمی کنواں کھودے، تیل نکالے پھر دوسرے آکر وہی کنواں کھودیں اور وہی تیل نکالیں، یہ کام ہو چکا ہے آپ اس کے ساتھ دوسری زمین میں جا کر کہیں سروے کریں اور وہاں موجود کچھ اور ثروت نکالیں یعنی آپ غیر کشف شدہ اسرار کشف کریں تو آپ مستنبط ہیں، فرض کریں کہ اس وقت ہم کہیں کہ ہم بہت بڑے مستنبط ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ وہ تیل جو پچاس سال پہلے نکالا گیا ہم بھی وہی تیل پھر سے نکالنا چاہتے ہیں۔ یہ تیل وہ لوگ نکال چکے ہیں، آپ وہ چیز نکالیں جو وہ پہلے نہیں نکال سکے ہیں، جس چیز تک ان کی دسترسی نہیں ہوئی ہو، پہلا مستنبط بننا سخت ہے جیسے متدبر بننا و مدبر بننا سخت ہے، اہل تدبر ہونا سخت ہے اسی طرح اہلِ استنباط ہونا بھی دشوار ہے، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے کہا کہ

جہانبانی سے ہے دشوار تر کارِ جہان بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا......(۳)

جہاں بینی بہت سخت کام ہے جبکہ جہاں بانی بہت آسان ہے، اس وقت پاکستان میں دیکھیں جہاں بانی کے لئے الیکشن (Election) ہو رہے ہیں اور سب تیار ہیں کہ جہاں بانی کی ضمام ہمیں دی جائے لیکن جہاں بین بننے کے لئے الیکشن نہیں ہیں، جہاں بینی دوسرے کر کے دیں لیکن جہاں بانی کرنے کے لئے ہم تیار ہیں، جہاں بانی کے لئے، اقتدار کے لئے ہزار پارٹیاں بنی ہوئی ہیں لیکن جہاں بینی کے لئے کوئی گروہ نہیں بنا ہوا ہے، اکا دکا فرد آتے ہیں اور ان کو بھی ایسی سزا ملتی ہے کہ دوسرے عبرت لے کر کبھی اس طرف رخ نہیں کرتے ہیں، جہاں بین کی وہ درگت بنائی

استنباطِ تقلیدی

جاتی ہے کہ وہ انسان اس طرف کبھی رخ نہیں کرتا ہے، پھر وہ یہ کہتا ہے کہ جہاں بان بنو، جہاں بین نہ بنو، اکا دکا انسان جہاں بین بنتا ہے، جہاں بین یعنی یہی مستنبط انسان، وہ مستنبط انسان کہ جو قرآن سے احکام بھی استنباط کریں، مطلق ہدایت بھی استنباط کریں، احکام بھی استنباط کریں، نظام بھی استنباط کریں اور علوم بھی استنباط کریں۔

۸)لقمہ خورِ غرب نہ بنیں

قرآن منبعِ علوم ہے لیکن اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ ہم یعنی اہلِ مشرق یا مسلمان لقمہ خورِ غرب بنے ہوئے ہیں اور وہ بھی اس حالت میں کہ جو چیز ہمارے پاس موجود ہے اسکے اپنے پاس ہوتے ہوئے بھی لقمہ خورِ غرب بنے ہوئے ہیں، ہم مغرب کے لقمہ خور ہیں، جو کچھ وہ بنا کر دے دیتے ہیں یا جس کی ہمیں اجازت دیتے ہیں وہ ہم کر لیتے ہیں اور اپنی طرف سے خود کوئی قدم نہیں اٹھتا درحالیکہ منبعِ علوم، منبعِ انکشافات اور منبعِ ہدایت ہمارے اختیار میں ہے، قرآن ہمارے اختیار میں ہے لیکن دسترخوان کسی اور کا بچھا ہوا ہے، لقمہ کسی اور کا بچھا ہوا ہے اور ہم طفیلی کے طور پر اس پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

جیسے یہاں ایران میں ایک بہت بڑا ہنر یہ ہے کہ کمپیوٹر وہ بناتے ہیں اور نام یہ رکھتے ہیں، انہوں نے کمپیوٹر بنایا اور اس کا نام کمپیوٹر رکھا لیکن انہوں نے کہا کہ اس کا نام رایانہ ہے، ہیلی کاپٹر انہوں نے بنایا لیکن انہوں نے اس کا نام بدل کر کہا کہ یہ بالگرد ہے، کیا یہ ہنر ہے کہ کام وہ کریں،

مسمیٰ وہ بنائیں اور اسم آپ رکھتے جائیں؟ یہ کارنامہ نہیں ہے، مہم یہ ہے کہ آپ مسمیٰ بنائیں اور لوگ آکر اس کے نام رکھیں، یوں نہ ہو کہ سارا کام دنیا کرتی رہے اور ہم فقط اس کا نام اپنی زبان میں بدل بدل کر رکھتے رہیں اور پھر ایک امتِ مترقی ہونے کا دعویٰ کریں، اگر آپ نے امتِ مترقی بننا ہے تو اس کے لئے پہلے مسمیٰ پیدا کرنا پڑے گا، نام بھی آپ کا ہو اور مسمیٰ بھی آپ کا ہو اور کسی کا حق نہ ہو ورنہ جنہوں نے کوئی چیز بنائی ہے اور اس کا نام رکھا ہے تو اس کے نام کو وہی رہنے دیں، نام بدلنے سے چیز آپ کی نہیں ہو جاتی ہے، پھر بھی یہ چیزیں انہی کے نام سے منسوب ہیں چونکہ استنباط کا عنصر یہاں پر کم ہے، رجحان نہیں ہے، اب شکوہ عوام سے نہیں ہے اور یہ عوام کے لئے ممکن بھی نہیں ہے بلکہ یہ اہلِ علم سے ممکن ہے، اہلِ حوزہ سے ممکن ہے اور اس مرکزِ علمی سے ممکن ہے کہ جس کی سلیبس (Syllabus) کی کتاب ہی قرآن ہے۔ حوزۂ علمیہ، حوزۂ اسلامیہ، حوزۂ دینیہ، دین یعنی قرآن، جس کا مرکز ہی دین ہو اس سے لوگوں کو توقع ہے کہ یہ سارا کام کر کے دے اور لوگوں کو استنباط کا ڈھنگ سکھائے۔

اس وقت جتنے علوم بھی ہیں کہ جن سے سروکار ہے اور جن سے لوگ اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں یہ سب علوم دوسروں نے غیر قرآنی منابع سے استنباط کئے ہیں۔ ان کے غیر قرآنی منابع میں ممکن ہے کہ فلسفہ ہو، ممکن ہے تاریخ ہو، ممکن ہے کہ جہانِ طبیعت ہو، عالمِ مادہ ہو اور ممکن ہے کہ آباؤ اجداد کی رسومات ہوں کہ بیشتر آباؤ اجداد کی رسومات ہیں کہ جہاں سے انہوں نے یہ علوم استنباط کر کے، تدوین کر کے دیئے اور مشرق و مغرب دونوں نے ان کو اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا، کسی

لمحۂ فکریہ برائے مدارس

نے فارسی میں، کسی نے عربی میں اور کسی نے اردو میں ترجمہ کیا اور عالم بن گئے۔

ایک یونانی فیلسوف ایران آئے تھے، ارسطو کے زمانے کے نہیں بلکہ ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ یونان کے ایک اسکالر (Scholar) آئے اور انہوں نے یہاں آکر بہت سارے لوگوں سے کہ جو پی ایچ ڈی (PhD) ہیں، ڈاکٹر ہیں یا فلسفے کے اندر اسکالر ہیں، جن کو شدُ بُد حاصل ہے ان سب سے ملاقاتیں کیں، ان ملاقاتوں کے بعد سب نے تبادلہ خیال کیا، اس اسکالر کو تعجب ہوا اور کہا کہ یہ تو ساری وہ باتیں ہیں جو ہم نے آپ کو پڑھائی ہیں، میں تو یہاں اس لئے آیا تھا کہ کچھ آپ لوگوں سے سنوں کہ آپ کے پاس کہنے کے لئے کیا ہے، یہ تو سب کچھ آپ نے وہ باتیں کی ہیں جو آپ نے ہم سے پڑھی ہیں، چونکہ پی ایچ ڈی کی ڈگری وہیں سے لے کر آتے ہیں، اگر ڈگری نہ بھی لے کر آئے تو کتاب وہیں کی ہوتی ہے یعنی ان ہی کے افکار، انہی کے اقوال، انہی کی آراء یہاں پر پڑھ کر اس پر ڈاکٹریٹ کر کے پھر انہی کی تحویل میں دیتے ہیں کہ یہ ہم پڑھ کر ڈاکٹر بن گئے ہیں۔

اس یونانی اسکالر نے جواب دیا کہ یہ علوم تو آپ کی طرف ہم نے بھیجے تھے، ہم یہاں پر یہ دیکھنے کے لئے آئے ہیں کہ آپ کی اپنی متاع کونسی ہے؟ آپ کے پاس بھی کہنے کے لئے کوئی اپنی بات ہے یا نہیں، پھر تہران سے اس کو حوزے میں لے کر آئے کہ اپنی بات کریں، حوزے میں بھی دیکھا کہ اس وقت ڈگریوں کی طرف رجحان زیادہ ہے، پہلے لوگ اپنے شان کے لئے حجۃ الاسلام لکھتے تھے، آیت اللہ بھی لکھتے تھے لیکن ابھی ڈاکٹر آیت اللہ لکھتے ہیں، ڈاکٹر واضح لکھتے ہیں اور آیت اللہ چھوٹا سا لکھتے ہیں وہ بھی اگر کوئی متدین طبقہ تو ہو اس کے لئے آیت اللہ لکھتے ہیں ورنہ فقط ڈاکٹر

لکھتے ہیں مثلاً اگر روزہ خوان ہے تو ڈاکٹر فلاں روزہ خوان، اگر کوئی استاد ہے تو کہتے ہیں یہ ڈاکٹر ہے، وہ حوزے میں آکر بھی حیران ہوا کہ میں یہ سمجھا کہ یہ حوزہ دین کا ہے، یہاں کوئی مجھے دین کی رائے بتائے گا، کوئی مجھے قرآن کی رائے بتائے گا لیکن یہاں پر بھی سارے ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر بھی سارے مغرب کی حکمت وفلسفہ ودیگر علومِ مغرب پڑھے ہوئے ہیں، یہاں بھی مجھے وہی باتیں بتانے لگے۔

تا اینکہ اس شخص کو حکیمِ مطلع کے پاس لایا گیا، یہ خدا کی نعمتیں ہیں کہ جن کی قدردانی ہمارے پاس نہیں ہے، اسے حکیمِ مطلع حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی کے پاس لایا گیا، یہاں آکر اس کو پتہ چلا کہ دین کے پاس بہت بڑا عظیم سرمایہ ہے کہ پوری گفتگو کے اندر جس طرح امامؒ نے گورباچوف کو خط لکھا اور دین کے منابع متعارف کروائے تو اس میں کوئی مغربی منبع نہیں تھا کہ آپ کسی کا فلاں ترجمہ پڑھو، سب کے سب اصیل اسلامی منابع، شرقی اور قرآنی منابع متعارف کروائے کہ آپ یہ پڑھو، کہا کہ ملاصدراؒ کو پڑھو، آپ فتوحات پڑھو، آپ یہ اسلامی کتابیں پڑھو تا کہ تمہیں پتہ چلے کہ اسلام میں کیا کچھ موجود ہے اور قرآن کیا دیتا ہے؟!

یہ اسکالر ان کی طرف آیا تو اس وقت اسے احساس ہوا کہ جنہیں میں سمجھ رہا تھا کہ یہ تو وہی فقط ڈاکٹر ہیں، نہیں یہ ڈاکٹر نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ ہیں اور اس نے کہا کہ پہلے دن مجھے آپ کو یہاں لانا چاہئے تھا، آپ مجھے غلط جگہ گھماتے رہے ہیں، ڈاکٹروں کے ہاں گھما گھما کے مجھے آخر میں یہاں لائے، جب وہ مایوسی کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اس کو حکیمِ قرآنی کے پاس لے گے، حکیمِ مطلع کے

پاس لائے، جس کی الٰہیات، جس کا علم سارا کا سارا نتیجۂ قرآن ہے یا جیسے ایک فرانسیسی اسکالر ہنری کاربون جب فکری طور پر سرگردان آیا اور دامنِ علامہ میں آیا تو اس کو سکون محسوس ہوا، یہاں آ کر اس نے احساس کیا کہ قرآن کے پاس کیا کچھ موجود ہے؟ قرآن کے اندر کتنے علمی سمندر موجود ہیں؟ !ایک مستنبطِ قرآن کے پاس جب ایک مستنبطِ غربی آیا تو اس کو سکون ملا اور پھر جا کر مغرب میں اس نے لوگوں کو خود بتایا۔ اس کے اپنے بقول میں نے مغرب میں بتایا کہ دین کا دامن کتنا پُر ہے اور قرآن کا دامن کتنا پُر ہے۔

اسی دینی حوزے میں بیٹھ کر ہم نے دسترخوانِ غربی بچھائے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر، ڈگری اور دوسرے مدرک کے درپے ہیں اور پھر وہی مثلاً ہیگل وھابز وفلاں کے افکار یاد کریں کہ ان سے دوسروں کے اوپر دھاک ڈالیں، اس سے کوئی متاثر نہیں ہوتا ہے مثلاً اس وقت آپ کلاشنکوف ان لوگوں کے پاس لے کر جائیں کہ جنہوں نے کلاشنکوف بنا کر خود ہمیں بیچی ہے اور ہم لے کر انہی کے سامنے کھڑے ہو گئے ہیں کہ مسلمان ہو جاؤ تو کیا وہ اس طرح کلاشنکوف سے ڈریں گے؟ یہ تو بنائی ہی انہوں نے ہے، یہ انہوں نے ہی بنا کر ہمیں بیچی ہے، جو چیزیں خود انہوں نے بنا کر دی ہیں اور ہماری طرف ایکسپورٹ (Export) کی ہیں ان سے وہ کب متاثر ہوتے ہیں؟ اس طرح جب یہ ہمارے ڈاکٹر ہیگل وفلاں پڑھ کر جب مغرب میں جا کر تبلیغ کریں گے تو ان سے کون متاثر ہوگا؟ چونکہ یہ خود انہوں نے ہمیں تعلیم دی ہے، ان کے ترجمے ہیں جو پڑھ پڑھ کے ڈاکٹر بن گئے ہیں۔

اگر آپ نے متاثر کرنا ہے تو آؤ قرآن ان کے سامنے پیش کرو، ان کے سامنے اہلبیت علیہم السلام

کو پیش کرو، ان کے سامنے اصالتِ دین پیش کرو اور اس کے لئے وہاں کئی لوگ تشنہ ہیں حتیٰ آپ دیکھیں کہ اس وقت عرفانِ ہندی اس وقت عرفانِ مغرب کی مقبول ترین دینی شکل ہے چونکہ اس کے اوپر مغربی رنگ طاری نہیں ہوا ہے یعنی جو بدھائی ہیں، ان کے مذہبی راہنما وہاں جاتے ہیں اور مُرتاض لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اس وقت مغرب کا شدید رجحان ہندی عرفان کی طرف ہے یعنی ہندوؤں کے عرفان کی طرف ہے، سب سے زیادہ احترام اس وقت وہ سادھوؤں کا کرتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ فقط ہندی ہے اور اس کے اندر مغربی رنگ نہیں ہے، لیکن جب ہم تبلیغِ دین کے لئے جاتے ہیں تو ان کو وہی چیزیں پیش کرتے ہیں کہ جو انہوں نے پیک (Pack) کر کے ادھر بھیجی تھیں، ہم یہ واپس انہی کی طرف لوٹا دیتے ہیں، اس سے وہ کب متاثر ہوں گے؟ اگر ہم قرآنِ اصیل، اصالتِ قرآن کو ان کے سامنے پیش کریں تو یہ اثر کرتی ہے۔ اس وقت ہماری دانشگاہوں میں حتیٰ ہمارے حوزوں کے اندر جو علوم رائج ہیں، قرآن کے ہوتے ہوئے یہ سارے علوم ہم نے مغرب سے قرض لے کر، مستعار لے کر اپنے سلیبس (Syllabus) میں شامل کئے ہیں درحالیکہ سب کچھ قرآن کے اندر موجود ہے، کمی اس بات کی ہے کہ مستنبط نہیں ہیں، کوئی آئے اور انہی چیزوں کو قرآن سے استنباط کرے۔

مثلاً کتابِ خمس تو قرآن میں نہیں ہے، فقط ایک آیۂ خمس ہے، اگر ایک قاری پڑھتا ہے تو وہ صرف چند سیکنڈ میں پڑھ کر اس سے گزر جاتا ہے لیکن ایک فقیہ ایک سال رکتا ہے، آیۂ خمس پر توقف کرتا ہے، تدبر کرتا ہے، اس کی گہرائی میں اترتا ہے یعنی قاری کا چند سیکنڈ کا موادفقیہ کا ایک سال کا

مواد ہے۔ یہ تو ایک آیت کا حکم ہے لیکن جو جہاں بینی کی آیات ہیں، حقیقت شناسی کی آیات ہیں، ہستی شناسی کی آیات ہیں، انسان شناسی کی آیات ہیں، طبیعت شناسی کی آیات ہیں، افلاک شناسی کی آیات ہیں، یہ ساری آیات اپنے اندر ایک دنیائے علم رکھتی ہیں اور اسی طرح آپ نہج البلاغہ میں آئیں جیسے اس فصل کے پہلے حصے میں اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ دنیائے نہج البلاغہ سے آشنا ہوئے ان کے احساسات پڑھیں کہ انہیں کیا ملا؟ نہج البلاغہ کے اندر ہر ہر جملے کے نیچے ایک عظیم علوم کا منبع پوشیدہ ہے۔

مثلاً اس وقت ہم مغرب کی ترجمہ شدہ نفسیات پڑھتے ہیں، اس وقت زیادہ تر جتنی بھی علمِ نفسیات یا سائیکالوجی (Psychology) کی کتابیں ہیں یہ سب مغربی سائیکالوجی ہے، اس میں ہم وہ نفسیات پڑھتے ہیں کہ جس میں نفس کا کوئی تصور نہیں ہے یعنی نفس کے بغیر نفسیات کی کتابیں پڑھتے ہیں، دقیق تر مطالعہ کر کے دیکھ لیں کہ نام نفسیات ہے لیکن سب جسمانیات ہیں، مادیات ہیں یعنی اس نفسیات کے اندر نفس کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، ہم جتنے بھی معاشرتی علوم پڑھتے ہیں، جتنی بھی سوشیالوجی (Sociology) پڑھتے ہیں یہ سب مغرب سے ترجمہ شدہ معاشرت ہے کہ جو ہم نے ترجمہ کر کے یہاں پر اپنی کتابوں میں رائج کر دی ہے درحالیکہ قرآن انسان کی ہدایت کا سب سے اصیل منبع ہے، قرآن نے بشری معاشرے جس طرح تحلیل کر کے بتائے ہیں، تجزیہ کر کے بتائے ہیں، جتنے قصے ہیں، قوم عاد و ثمود، بنی اسرائیل و قومِ لوط علیہ السلام و نوح علیہ السلام و فلاں یہ سب جامع شناسی قرآن ہیں لیکن ہم چونکہ لقمہ خور ہیں، طفیلی ہیں اگر ایک دن اپنے ہاں کھالیں تو اس کو حرام سمجھتے ہیں،

کہتے ہیں کہ مولانا سے کسی نے پوچھا کہ کبھی حرام کھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دن کھایا ہے، مجبوراً کھانا پڑا، کہا کہ وہ کونسا دن تھا؟ کہا کہ بارش تھی، آندھی تھی، طوفان تھا، گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے، اس دن گھر میں پکا کر کھانا پڑا، پوری عمر میں یہ ایک حرام کھایا باقی کبھی بھی حرام نہیں کھایا چونکہ موسم معمولی ہوتا تھا یعنی دوسروں کے ہاں جا کر کھاتے تھے۔

۹)قرآن و اہلبیتؑ باعثِ ثروت

سب مفید چیزیں قرآن میں موجود ہیں، بقول حافظ شیرازی

سالہادل طلب جامِ جم از ما می کرد......(۴)

یعنی کئی سالوں سے، مدتوں سے دل کا ایک تقاضا تھا، روز مانگتا تھا، کیا مانگتا تھا؟ جامِ جم۔ یہ اصطلاح ہے یعنی ایسی دید، ایسی بصیرت کہ جس کے اندر انسان دنیا کو سمجھ سکے، حقیقت کو سمجھ سکے۔ کہتے ہیں کہ جمشید جو ایران کا بادشاہ تھا، اس کے پاس ایک پیالہ تھا، آج کے مطابق راڈار (Radar) تھا کہ جس میں وہ بہت دور کے حالات دیکھ لیتا تھا، اب واللہ عالم تھا یا نہیں تھا، معلوم نہیں افسانہ ہے یا حقیقت، بہر کیف جس کو آج ریڈار کہتے ہیں، ریڈار اسی جامِ جم کو کہتے ہیں، انسان یہاں بیٹھا ہوا سارا عالم دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کون کدھر جا رہا ہے، اسی طرح سے ایک جام جم انسان کے اندر موجود ہے،

گفتم این جامِ جہان بین بتو کی داد حکیم

گفت آنروز کہ این گنبد مینا میکرد

یعنی وہ شخص کہ جامِ جہاں بین جس کے پاس ہے، یعنی ایسا دل ہے کہ جس سے وہ پوری کائنات کو سمجھتے ہیں، پورے احوالِ عالم سمجھتے ہیں، میں نے پوچھا کہ یہ جامِ جہاں بین خدا نے تجھے کب دیا یعنی یہ دل خدا نے تجھے کب دیا؟

گفت آنروز کہ این گنبد مینا میکرد

کہا کہ جس وقت عرش بنا رہا تھا، آسمان اور سماوات وارضین کی بساط بنا رہا تھا، جس وقت جہان بنا رہا تھا، میں نے کہا کہ مجھے جامِ جہاں بین بھی عطا کردے،

سالہا دل طلب جامِ جم از ما می کرد

وانچہ خود داشت زبیگانہ تمنا می کرد

سالوں سے دل مطالبہ کر رہا تھا کہ یہ جامِ جہاں بین مجھے مل جائے، یعنی جو کچھ اس کے اپنے پاس تھا وہ دوسرے سے مانگ رہا تھا، جو کچھ اپنی جیب میں تھا، اپنے پاس تھا وہی چیز دوسروں سے مانگ رہا تھا، جامِ جم تیرے پاس ہے، جامِ جم قرآن ہے، جامِ جہاں بین قرآن ہے، یہ کس قدر فقروزبوں ہے کہ انسان کے پاس ملینز کے اعتبار سے اربوں، کھربوں کے اعتبار سے سرمایہ ہو اور وہ ایک کاسہ لے کر پل پہ کھڑا ہو اور ہر آنے جانے والے سے کہے کہ یہاں تم ایک سکہ ڈال دو، قرآن غنیٰ کا مجموعہ ہے، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ......(۵)

جان لو کہ قرآن کریم کی قرأت کے بعد کوئی بھی انسان فقر و فاقہ سے دوچار نہیں ہوتا......

لَافَقْرَ بَعْدَ الْقُرْآن،

قرآن کے بعد کوئی فقر نہیں ہے،

ایک شخص امام صادق علیہ السلام کے پاس آیا، اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، جوتے نہیں تھے، برا حال تھا، پیٹ بھی خالی تھا اور آ کر رونے لگا، کہنے لگا کہ میں فقیر ہوں، میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے، میں محتاج ہوں، حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ تو بہت بڑا غنی ہے، اس نے سمجھا کہ شاید میرا تمسخر اڑا رہے ہیں، طنزاً کہہ رہے ہیں کہ تو بہت امیر ہے، جس طرح ہوتا ہے کہ بعض طنزاً فقیروں کو سیٹھ کہتے ہیں، رئیس کہتے ہیں، وہ بے چارہ جس کا کچھ نہیں ہے اس کو بعض طنز کے طور پر سیٹھ یا رئیس کہہ دیتے ہیں، اس نے کہا کہ شاید امام علیہ السلام اس حوالے سے مجھے کہہ رہے ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں تو واقعاً غنی ہے، اس نے پوچھا کہ میرے پاس کیا غنیٰ ہے فرمایا کہ آیا ہم اہلبیت علیہم السلام کی محبت تیرے دل میں ہے یا نہیں ہے اس نے کہا کہ ہے، فرمایا کہ جس کے پاس یہ سرمایہ موجود ہے وہ سب سے بڑا غنی ہے، یعنی ولایت کی نعمت جس کے پاس ہو اور وہ کہے کہ محتاج ہیں! کس چیز کے محتاج ہیں؟ یہ نہ کہو کہ محتاج ہیں بلکہ کہو کہ نا اہل ہیں، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے جمہوریت کے پیچھے دوڑتے ہیں، یہ نا اہل ہیں، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے تمہارے اوپر استبداد حاکم ہو، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے ڈکٹیٹروں کے تحت رہتے ہو، نظامِ ولایت ہوتے ہوئے شہنشائیت کے زیر سایہ رہتے ہو، نظامِ ولایت کے ہوتے ہوئے فوجیوں کی حکومت کے تحت رہتے ہو، یہ کہو کہ ہم نا اہل ہیں یہ نہ کہو کہ

ہم فقیر ہیں، سرمایہ تمہارے پاس موجود ہے، نظامِ دینی، قرآن کا بنایا ہوا نظام موجود ہے اور تم دوسروں کے نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے ہو، اس سے زیادہ برا فقر کونسا ہے؟

۱۰) قرآن بصورتِ معدن ہونے کی حکمت

قرآن ہدایت ہے اور تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن اسے کوئی مستنبط چاہئے۔ تمام نسلوں کے لئے استنباط شدہ چیزیں نہیں دی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ ایک نسل کے لئے ہیں لیکن پھر دوسری نسل کے لئے نہیں ہوسکتی ہے، میں اسی معدنیات کی مثال سے اس مطلب کی تکمیل کروں گا مثلاً کیوں خدا نے تیل کو زمین کے نیچے رکھا؟ اور کیوں بہت ساری مٹی کے اندر کئی کلومیٹر نیچے معدن بنا کر رکھا ہے؟ اگر طبعی طور پر پٹرول پمپ پیدا ہوتے اور پٹرول پمپوں میں تصفیہ شدہ تیل ہوتا تو ہمیں اتنی زحمت کرنے کی، استنباط کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، ایک نسل تو استفادہ کر لیتی لیکن باقی نسلیں اس سے استفادہ نہیں کرسکتیں۔

یہ بھی ممکن تھا کہ کسی طرح صاف شدہ تیل آپ تک پہنچایا جاتا یا اسی کو خلق کیا جاتا اور اس میں کوئی آلودگی نہ ہوتی، پٹرول الگ ہوتا، ڈیزل الگ ہوتا ہے اور اس میں دوسری قسمیں الگ الگ ہوتیں لیکن یہ ایک نسل کے لئے ممکن ہوتا ہے مثلاً اگر ہم سو سال پہلے ہوتے اور کسی کو سواری چاہئے ہوتی تو کیا مانگتے؟ گدھا گاڑی مانگتے چونکہ اس وقت بہترین شاہی سواریاں یہی گھوڑا گاڑیاں یا گدھا گاڑیاں تھیں، اُس وقت لوگ سوچتے ہوں گے کہ آخر خدا نے یہ گدھا گاڑیاں کیوں نہیں پیدا

کیں؟ اگر خدا ساری گدھا گاڑیاں سب نسلوں کے لئے پیدا کر دیتا تو آج یہ پٹرول کی گاڑیاں اور آگے آنے والے زمانوں میں اور جدید گاڑیاں جو ہمارے تصور سے بھی باہر ہیں نہ ہوتیں اور ان آئندہ کی نسلوں کی ارتقاء کا سلسلہ رک جاتا۔

معدن کی شکل میں کسی چیز کو بنانا نسلوں کے لئے ترقی کا میدان کھلا رکھنا ہے، اگر پروڈکٹ (Product) تیار کر کے کسی کے سامنے رکھ دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ہم نے ترقی کرنے نہیں دینا ہے لہٰذا قرآن میں استنباط شدہ سب چیزیں بھی بیان کی جاسکتی تھی لیکن نہیں کیں، کیوں؟ کیونکہ اس سے انسان ارتقاء نہیں کر سکتا ہے، مقصود انسان کا ارتقاء تھا، اس لئے قرآن معدنی صورت میں ہے، سب کچھ قرآن میں ہے، علوم جتنے بھی ہیں سب قرآن کے اندر موجود ہیں حتیٰ یہ علومِ رائج کہ جو ہم حوزوں میں پڑھتے ہیں یہ کوئی اِدھر اور کوئی اُدھر سے دوسروں نے استنباط کر کے ہمیں دیئے ہیں۔

علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت

۱۱) علوم کو قرآن سے استنباط کرنے کی ضرورت

بالخصوص صدرالمتالھین ؒ کا ایک اصرار یہ ہے کہ علومِ قرآن وہ علوم ہیں کہ جو انسان کی ہدایت میں مؤثر اور ضروری ہیں لہٰذا انسان یہ سارے علوم قرآن سے عکس کریں چونکہ قرآن میں یہ سب موجود ہیں۔ ایک دن انسان یہی چیزیں قرآن سے استنباط کر کے دیکھیں، فلسفہ قرآن سے لیں، منطق قرآن سے لیں، نفسیات قرآن سے لیں، جامع شناسی قرآن سے لیں، مسئلہ یہ درپیش

ہے کہ مستنبطانِ قرآنی نہیں ہیں حتیٰ آپ دیکھیں کہ عربی ادب شروع ہی قرآن سے ہوا چونکہ لوگ قرآن غلط پڑھتے تھے لہٰذا احساس ہوا کہ اس کے لئے ایک علم ہونا چاہئے تاکہ قواعد وضوابط لغتِ عرب کے مطابق بیان ہوں تاکہ لوگ صحیح قرآن پڑھیں، صحیح قرآن پڑھنے کے لئے جس علم کی ضرورت محسوس ہوئی اس علم کی ساری بنیاد جاہلیت کے شہروں میں ہے یعنی اس علم کے قواعد بھی قرآن سے استنباط نہیں ہوئے بلکہ جاہلیت کے شعر ہیں مثلاً سبعِ معلقہ ہے کہ ان کے ذریعے سے استنباط کرتے ہیں، آپ بڑے بڑے نحویوں کو دیکھیں کہ کہتے ہیں یہ لفظ اس طرح سے پڑھا جائے، یہ اعراب اس طرح سے ہونے چاہئیں، کیوں؟ اس لئے کہ فلاں شاعرِ جاہلی نے عصرِ جاہلیت میں اپنے شعر میں اس کو استعمال کیا ہے یعنی وہ علم جو قرآن کی ضرورت کے تحت وجود میں آیا اس کے مستنبطان بھی قرآنی نہیں ہیں، صرف ونحو کے مستنبطان بھی قرآنی نہیں ہیں، درحالیکہ منطق انسان کا فطری علم ہے لیکن اس میں بھی ان مستنبطین کے قواعد پر اکتفا کیا ہوا ہے کہ جو آج سے ڈھائی ہزار، تین ہزار سال پہلے پیدا ہوئے۔

قرآن ہمارے پاس موجود ہے لہٰذا آئیں ہم منطق کو قرآن سے استخراج کریں، ابھی تک جو علوم قرآن سے استنباط ہوئے ہیں ان میں سے ایک فقہ ہے، فقط یہ ایک علم استنباط ہوا ہے، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن سے علم استنباط ہوسکتا ہے، یہ کسی ایک چیز کا وقوع دوسری چیزوں کے استنباط کے امکان پر دلیل ہے، اگر قرآن سے ایک علم استنباط ہوسکتا ہے یعنی علمِ شریعت وعلمِ فقہ تو پھر بشر کی تمام ضرورتوں کے علوم بھی قرآن سے استنباط ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ہدایت کے لئے ہوں سرگرمی

کے لئے نہ ہوں، ہدایتِ بشر سے متعلقہ ہر چیز قرآن کے اندر موجود ہے، یہ سارے علوم جو اس وقت دانشگاہوں میں یا حوزوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ مستنبطینِ قرآنی نے استنباط نہیں کئے ہیں بلکہ دوسروں نے دیگر منابع سے استنباط کئے ہیں۔

ہم تعلقہ لگا دیتے ہیں، حاشیہ چڑھا دیتے ہیں کہ یہاں یہ آیتِ قرآنی ہے حالانکہ اول سے متن قرآن کا ہونا چاہئے تھا اور دوسرے حاشیے ہونے چاہئے تھے، آباؤ اجداد نے ہمیں یوں کہا تھا یا فلاسفہ نے یوں کہا تھا یا مثلاً دوسرے انسانوں نے یوں کہا تھا یہ حاشیے میں ہونے چاہئے تھے نہ کہ قرآنی آیات حاشیے میں ہوں، فٹ نوٹ کے طور پر ہوں اور متن اور اصل دوسروں کے اقوال ہوں۔ معلوم ہوا کہ قرآن میں استنباط کا عمل نہیں ہوا ہے، یہ در کھلا ہوا ہے۔ ہم اس وقت قرآنی انسان بنیں گے، قرآنی معاشرہ بنے گا، قرآنی ہدایت عام ہوگی اور قرآن مہجوریت سے نکلے گا کہ جب اس میں استنباط ہو اور ہر آیت میں ہو یعنی بسم اللہ میں استنباط ہو، ایک استادِ بزرگوار فوت ہو گئے ہیں، خدا ان پر رحمت کرے، انہوں نے بسم اللہ کی بتیس ترکیبیں کیں تھیں، ترکیب طالب علموں کی اصطلاح ہے یعنی تجزیہ یعنی یہ ب کونسی ب ہے؟ اسم کیا ہے؟ رحمٰن کیا ہے؟ رحیم کیا ہے؟ مبتدا کیا ہے؟ خبر کیا ہے؟ یہ سارے نحوی اور صرفی قوانین ہیں، ان نحوی اور صرفی قاعدوں کی رو سے بتیس الگ الگ ترکیبیں و تجزیئے انہوں نے فقط بسم اللہ کے کئے ہیں، فقط قواعدِ ادبی میں ترکیبیں کی ہیں کہ اس کو کس کس طرح پڑھ سکتے ہیں؟ مثلاً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنَ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمِ

انہوں نے کہا کہ یہ سب جائز اور درست ہیں، بسم اللہ پڑھنے کے بتیس طریقے ہیں لیکن اس فکر کو چھوڑیں کہ بسم اللہ صحیح پڑھی ہے یا نہیں کیونکہ بعض لوگ بسم اللہ صحیح نہیں پڑھ سکتے ہیں، بیشک نہ پڑھیں، حضرت بلالؓ بھی بہت ساری چیزوں کو درست نہیں پڑھ سکتے تھے، ش کو س پڑھتے تھے، اسھد الا پڑھتے تھے، اسی شہادت میں کہ جس کا تلفظ درست نہیں تھا بلالؓ کا استنباط بہت درست تھا، بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اوپر چٹان رکھ کر کہتے تھے کہ اشھد الا نہ کہو لیکن پھر بھی کہتا تھا کہ اسھد الا یعنی یہی غلط س اس سے نہیں رکوا سکے، یہ شہادت بلال کے اندر راسخ تھی ورنہ ابھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں کہ جن کا اعتقاد وایمان نہیں ہے جیسے بعض لوگ پیسے لے کر ریڈیو، ٹی وی پر شیعہ اذان پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں اشھد انّ علی ولی اللہ لیکن اگر انہی بہت بڑے قاری حضرات کے سینے پر چٹان رکھ کے کہو کہ انکار کرو تو یہ سب کا انکار بھی کر سکتے ہیں۔

۱۲)اشارۂ قرآن

صدر المتالھینؒ ایک بہت خوبصورت تعبیر ابنِ مسعود سے نقل کرتے ہیں، ابنِ مسعود جو صحابۂ رسول ﷺ میں سے تھے اور ایک قرآن شناس انسان تھے، یہ ان چیدہ چیدہ افراد میں سے ہیں کہ جن کو قرآنیات میں رسوخ تھا لیکن ان کے سیاسی یا دیگر مسائل امام غزالی کی طرح الگ

ہیں، غزالی کے بہت سارے مسائل ہیں لیکن قرآنیات میں غزالی واقعاً معرکہ ہے۔

صدرالمتألہینؒ ابن مسعود سے ایک قول نقل کرتے ہیں اور یہ قول مبالغہ نہیں ہے یعنی خطابی نکتہ نہیں ہے کہ خطابت کر کے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے یا با اصطلاحِ دیگر کہ جس طرح بعض لوگ نعرہ لگوانے کے لئے فضائلِ اہلبیت علیہم السلام پڑھتے ہیں اسی طرح فضائلِ قرآن پڑھ کر لوگوں سے واہ واہ کروانے کے لئے یہ بات نہیں ہے بلکہ ایک حقیقتِ کاملہ ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کو علوم چاہئیں، علمِ اولین و آخرین چاہئے تو وہ قرآن کی بارگاہ میں آئے، لیکن کیا کرے؟ اثارۂ قرآن کرے،

مَنْ أَرَادَ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ فَلْيُثَوِّرَ الْقُرْآنَ......(۶)

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ علمِ اوّلین و آخرین سیکھے تو اسے چاہئے کہ اثارۂ قرآن کرے......

اثارۂ قرآن کی اصطلاح ہم نے نہیں سنی ہے، تلاوتِ قرآن، قرأتِ قرآن، تفسیرِ قرآن کی اصطلاحیں سنی ہیں لیکن اثارۂ قرآن نہیں سنی ہے درحالیکہ یہ تعبیر استعمال کس نے کی ہے؟ ابنِ مسعود نے کہ جو صحابیِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یعنی چودہ سو سال سے یہ تعبیر مباحث میں اثارۂ قرآن کے نام سے موجود ہے، یہ بہت اہم نکتہ ہے، آپ قرآن کو اثارہ کریں، یہ ثورہ سے ہے، ثورہ یعنی ابھارنا، اکسانا، ثورہ انقلاب کو کہتے ہیں، انقلاب کو اس وجہ سے ثورہ کہتے ہیں چونکہ اس میں لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، قیام کرتے ہیں، مظاہرہ کرتے ہیں اور لوگوں کے احساسات ابھرے ہوئے ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کو ثورہ کہتے ہیں، ثورہ کا معنیٰ ہے ابھارنا یا جس طرح سے روایت میں بھی ہے کہ

اثارۂ قرآن

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ......(۷)

یعنی جس نے چالیس دن اپنے اندر خدا کے لئے اخلاص پیدا کیا تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے (پھوٹیں گے اور) زبان پر ظاہر ہوں گے۔

یہ بھی اصطلاح ہے اور اثارہ کی تعبیر ہے یعنی خدا اس کے دل پر حکمت کے سوتے اور چشمے جاری کرتا ہے اور وہ پھوٹ پڑتے ہیں لہٰذا ثورہ بھی اسی کو کہتے ہیں، جب پانی زمین کو چیر پھاڑ کر خود اُبل کر نکلے تو اس کو ثورہ کہتے ہیں۔

بسا اوقات ہوتا ہے کہ پانی نیچے سے ابل کر نکلتا ہے، جوش مار کر نکلتا ہے، ابلنے سے مراد گرم ہونا نہیں ہے، ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی جوش کے ساتھ نکلتا ہے اسی کو ثورہ کہتے ہیں اور یہ کام قرآن کے اندر ضروری ہے، اثارۂ قرآن یعنی ابھارنا، بھڑکانا، اکسانا اور چھیڑنا۔

اس چھیڑنے سے مراد محاوراتی زبان میں ہے مثلاً کسی معاشرے کے اندر ایک موضوع نہیں ہوتا ہے تو لوگ اس میں بحث و مباحثہ نہیں کر رہے ہوتے ہیں، قیل و قال نہیں کر رہے ہوتے، سوچ بچار نہیں کر رہے ہوتے ہیں، اصلاً فراموش شدہ موضوع ہوتا ہے لیکن بعض افراد آ کر وہی موضوع اس معاشرے میں چھیڑ دیتے ہیں۔

۱۳)اثارۃ الموضوع

فرض کریں کہ حوزے میں اس وقت بہت سارے موضوع چھڑے ہوئے ہیں، یہ حوزے کے زندہ موضوعات ہیں کہ جن پر بحث وتمحیص ہوتی ہے، غور وخوض ہوتا ہے، قیل وقال ہوتا ہے، نقد ہوتا ہے، تنقید ہوتی ہے ان سارے موضوعات کو کہتے ہیں کہ یہ مُطرَّ اموضوعات یا چھڑے ہوئے موضوعات ہیں، برانگیختہ موضوعات ہیں، جنہیں کسی نے ابھار دیا ہے، اٹھا دیا ہے۔ فرض کریں کہ بہت سارے موضوعات ہیں کہ جو ابھی حوزے میں چھڑے ہوئے نہیں ہیں، جن موضوعات کو حوزے کی اصلی بحث کا حصہ ہونا چاہئے یعنی فضلائے حوزہ، اساتیدِ حوزہ اور بزرگانِ حوزہ کو چاہئے کہ ان موضوعات پر غورِ وخوض کریں لیکن نہیں کر رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موضوع کسی نے چھیڑا نہیں ہے، مثال کے طور پر وحدت کا موضوع، جیسے ایک پورے سال کو مقامِ معظم رہبری نے وحدت اور انسجامِ اسلامی کا سال قرار دیا تھا تا کہ اس موضوع پر عملی توجہ ہو سکے، وحدت ایک مفہوم کے طور پر یا ایک ضرورت کے طور پر تو موجود ہے، کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، قرآن میں اس کا ذکر ہے لیکن عملاً معاشرے کے اندر چھڑا ہوا موضوع نہیں تھا، وحدت فراموش شدہ موضوع تھا راکد وجامد موضوع تھا، متروک موضوع تھا، اس کے اوپر کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی لیکن رہبر نے اس موضوع کو چھیڑا ہے، ابھارا ہے، اکسایا ہے اور اٹھایا ہے اس کو کہتے ہیں اثارۃ الموضوع یعنی ایک دبا ہوا، فراموش شدہ موضوع زندہ کر دینا، ابھار دینا، اس کو لوگوں کے سامنے بحث کے لئے آمادہ کر دینا، ضرورت ہے کہ بہت ساری چیزیں کو چھیڑیں مثلاً معاشروں کے اندر، انسانی معاشرے کے اندر

خصوصاً علمی ماحول کے اندر جب تک یہ علمی موضوعات کہ جو ضروری ہیں کہ ان پر غور و خوض و جستجو ہو، جب تک یہ موضوع چھیڑے نہیں جائیں یا کوئی چھیڑنے والا نہ ہو تو لوگ توجہ نہیں کرتے ہیں۔

انسان خود ہی خود دبے ہوئے موضوعات، فراموش شدہ موضوعات اور متروک موضوعات کی طرف نہیں آتے ہیں، ہمیشہ اس زمانے کے چھڑے ہوئے موضوعات کی طرف رجحان ہوتا ہے، اجتماعی طور پر یا سیاسی طور پر ان میں زیادہ غور و خوض ہوتا ہے مثلاً آپ میڈیا میں دیکھیں، خبروں میں دیکھیں کہ وہ موضوعات کہ جو آج کل چھڑے ہوئے ہیں ان کی طرف زیادہ توجہ ہے مثلاً اس وقت دنیا میں ایران کا ایٹمی مسئلہ ایک چھڑا ہوا اور ابھارا ہوا موضوع ہے جسے شرق و غرب میں بہت سارے لوگ دبنے نہیں دیتے ہیں، ایران کی پوری کوشش ہے کہ یہ موضوع ختم ہو جائے، فراموش ہو جائے اور اس پہ گفتگو نہ ہو، حتیٰ یو این او (UNO) میں ایرانی پریذیڈنٹ (President) نے اعلان بھی کیا کہ ہماری طرف سے یہ موضوع تمام شدہ موضوع ہے، اب اس پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی اور دنیا نے کہا کہ یہ تمام شدہ موضوع نہیں ہے بلکہ ابھی جاری ہے، یہ لوگ اس موضوع کو زندہ رکھنے کیلئے کئی بلین کا سرمایہ صرف کر رہے ہیں، یہ ہے کسی موضوع کو ابھارنا، زندہ کرنا، چھیڑنا اور اس کو اثارۃ الموضوع کہتے ہیں، یہ اجتماعی یا سیاسی موضوع ہے۔

ہر ملک کے اندر حزبِ اقتدار یا حزبِ اختلاف یعنی حکومت یا حکومت کے مخالفین کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی مفاد کا کوئی نہ کوئی موضوع چھیڑ کر رکھیں اور اس پر میڈیا کے اندر بحث و تمحیص ہو، خود میڈیا کا بھی ایک یہی رول (Role) ہے کہ بعض چیزیں ابھارنا، چھیڑنا اور بعض چھڑی ہوئی چیزوں

کو، مُطہرؔ اچیزوں کو دبا کر رکھنا کہ ان پر کوئی بحث و تمحیص نہ ہو، کچھ علماء کی یہ خصوصیت ہوتی ہے یعنی ہر عالم کی ایک صفتِ خاص ہے مثلاً بعض علماء کا کام فقط علمی بحث کرنا ہے اور پھر کئی عنوانات سے اور کئی موضوعات کے تحت کرتے ہیں، بعض علماء کا یہ تخصص اور فن ہے کہ وہ تعلیم اچھی دے سکتے ہیں، بعض تحقیق اچھی کر لیتے ہیں، بعض اچھا سمجھا سکتے ہیں، بعض محقق تو بہت خوب ہیں لیکن اچھے معلم نہیں ہیں، یہ مختلف افراد کی، معلمین کی، اساتید کی اور بزرگان کی خصوصیات ہیں۔

ایک شخص ہے کہ خود تنہائی میں کسی موضوع کے اندر غور وخوض کر کے اچھے نتائج لے سکتا ہے لیکن یہی موضوع دوسروں کو تفہیم کرنا پڑے، دوسروں کو سمجھانا پڑے تو نہیں سمجھا سکتا ہے، ایسے بہت سارے لوگ ہیں کہ جن کو خدا نے نعمتِ بیان عطا کی ہے، بیان یعنی قوتِ تفہیمِ مطلب، کسی کے پاس سمجھانے کی صلاحیت بھر پور موجود ہوتی ہے، بعض بڑے فاضل ہیں لیکن اپنا مافی الضمیر کسی تک آسانی سے منتقل نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ سادگی سے بیان کرنے میں ان کو مشکل پیش آتی ہے لیکن کچھ علماء کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دبے ہوئے موضوعات کو چھیڑنے کی بھر پور صلاحیت رکھتے ہیں، فراموش شدہ موضوعات کو اچھے طریقے سے، علمی طریقے سے، آداب کے ساتھ اور خوبصورتی کے ساتھ چھیڑ دیتے ہیں اور پھر علمی حلقوں کے اندر اس موضوع پہ لے دے شروع ہو جاتی ہے یا قیل و قال ہوتی ہے اور پھر اہل فضل آ کر اپنا اظہارِ نظر کرتے ہیں۔

لہٰذا موضوع چھیڑنے والا ایک خاص ہنر مند عالم ہوتا ہے، ہر ایک یہ موضوع نہیں چھیڑ سکتا ہے، شہید مطہریؒ نے امام رازی کے بارے میں ان کی یہی تصویر پیش کی ہے چونکہ امام رازی اہل

سنت کے بڑے معروف عالم تھے کہ جو ہر فن میں اور ہر علم میں متبحر تھے، ان کی ایک اختلافی شخصیت ہے یا یوں کہہ لیں کہ نزاعی شخصیات میں سے ہیں، جن کے بارے میں مختلف آراء ہیں، یہ ان شخصیات میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں بعد والوں میں افراط وتفریط ہوتا ہے، بعض نے ان کو افراط کی حد تک تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور بعض نے سرے سے تنقید ہی نہیں کی، بعض نے مثلاً ان کو بہت سراہا ہے اور یہ ہونا بھی چاہئے کیونکہ عموماً وہ شخصیات کہ جو اس طرح کا کام کریں ان کے بارے میں ایسی ہی آراء ہوتی ہیں اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، دوسرے انہیں کہتے ہیں کہ یہ امام مشککین ہیں، امام رازی کا یہ لقب معروف ہوگیا ہے کہ یہ شک کرنے والوں کے امام ہیں، شک کرنا، شک ڈالنا، مسلم مسائل میں بھی شک کرنا ان کا تخصص ہے، ان کو مہارت ہے لہٰذا مبداء سے لے کر معاد تک جتنے مسائل ہیں ان کے اندر انہوں نے شک کیا ہے، کسی بھی چیز کو انہوں نے کنفرمڈ (Confirmed) اور مسلّم نہیں رہنے دیا۔

یعنی بعض چیزوں کو کچھ لوگ مسلماتِ دین میں سے سمجھتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں یہ مسلماتِ دین میں سے نہیں ہیں ان میں بھی بحث ہوسکتی ہے، ان میں شکوک وشبہات کیے، نتیجہ یہ ہوا کہ جو علماء ان کے بعد آئے خوانخواہ ان کو ان کے شکوک وشبہات کا جواب اپنے اپنے موضوع اور فن میں دینا تھا، شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ امام رازی نے درحقیقت علوم کی جو خدمت کی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سارے فراموش شدہ موضوعات کہ جن کو مسلم سمجھ کر، طے شدہ سمجھ کر یا ثانوی سمجھ کر لوگوں نے چھوڑا ہوا تھا اور ان میں بحث وتمحیص نہیں کرتے تھے امام رازی نے شبہات کے ذریعے ان

ادارۃ المعصوم

موضوعات کو دوبارہ زندہ کیا ہے، دوبارہ ابھارا ہے اور پھر اس کے بعد انہوں نے دوسرے علماء کو میدان دیا جیسے خواجہ طوسیؒ ہیں اور سب سے بڑھ کر صدر المتالھینؒ ہیں، ملا صدرا نے آکر بہت ایسے بہت سارے مسائل میں بحث کی ہے کہ جن کو اگر امام رازی نہ چھیڑتے، نہ ابھارتے، نہ اکساتے تو یہ زحمت بھی نہ کرتے اور ضرورت بھی نہ سمجھتے کہ ان مسائل میں وارد ہوں۔ یہ فراموش شدہ موضوع تھے، علم کلام میں یا دوسرے علوم کے اندر طے شدہ موضوعات تھے اس وجہ سے دوسرے ان پر بحث کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے لیکن امام رازی نے آکر انہیں چھیڑ دیا اسی کو اثارۂ موضوع کہتے ہیں یعنی موضوع کو چھیڑنا۔

اثارۃ الموضوع

مثلاً کسی محفل میں بعض لوگ ایسے ہی آپس میں دو دو کر کے بات کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہاں کچھ ایسے ہنر مند بھی بیٹھے ہوتے ہیں کہ جو پوری محفل و مجلس کو ایک موضوع پر لے آتے ہیں یعنی سب لوگ ایک ہی موضوع پر گفتگو کرنا شروع کر دیتے ہیں، عموماً افطار کی مجالس میں، محافل میں ایسے ہی ہوتا ہے کہ جو ساتھ ساتھ دو بیٹھے ہوتے ہیں وہ اپنی ذاتی دلچسپی کے مسئلے پر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، کبھی موسم پر، کبھی ٹریفک پہ اور اس طرح کے جزئی اور ذاتی تعلقات پر کہ بچوں کا حال پوچھنا، اپنا حال بتانا، روزہ بہت لمبا ہے، اس سال یوں ہوگا، پچھلے سال روزہ ایسا تھا، چاند کے مسئلے پر بات ہوگی اور اس طرح کے اپنی دلچسپی کے امور پر گفت و شنید کر رہے ہوتے ہیں لیکن بعض دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ ایک اچھی فرصت ہے، سارے مومنین، سارے اہل فضل، سب اہل کمال جمع ہیں لہٰذا سب کی موجودگی سے استفادہ کیا جائے تو وہ بیچ میں ایک ایسا موضوع چھیڑتے ہیں کہ جو سب کی توجہ کا مرکز

بن جاتا ہے اور پھر سب اس میں اظہارِ نظر کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہ ان کا ہنر ہے کہ انہوں نے موضوع چھیڑا ہے اسی کو اثارہ کہتے ہیں یعنی ابھار دینا، چھیڑ دینا تاکہ لوگ آئیں اور آکر اس کے اوپر اظہارِ نظر کریں۔

۱۴) اثارة الفتنه

بعض لوگوں کے اندر فتنہ چھیڑنے کی، فتنہ پھیلانے کی بڑی مہارت ہے، اثارہ فتنہ یعنی فتنہ پھیلانا اور فتنے کو ہوا دینا، دوسرے لفظوں میں چھیڑنے کو اردو زبان میں، محاورے کی زبان میں ہوا دینا کہا جاتا ہے، اس سے آگ بھڑکتی ہے، جب آگ خاکستر کے نیچے بجھی ہوئی ہوتی ہے تو پنکھا لے کر اس کو ہوا دیتے ہیں اور ہوا کھا کر اس کا شعلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ عموماً جہاں تکّے اور کباب بنتے ہیں وہاں ان کے نیچے کوئلوں پر آگ کا شعلہ جلا کر پنکھے کی ہوا دیتے ہیں، یہ ہوا دینا ہے کہ ہوا سے آگ مزید پھیلتی ہے، اس سے آگ پھیلانا مقصود ہے، اگر آپ ہوا نہ دیں تو آگ پھیلتی نہیں ہے، ایک کوئلہ سرخ ہوتا ہے لیکن وہ جل کر وہیں پر خاکستر ہو کر بجھ جاتا ہے اور ساتھ والے کوئلے میں آگ سرائیت نہیں کرتی ہے چونکہ آگ کو پھیلانے کی ضرورت ہے اور وہ ہوا ہے جو آگ کو پھیلاتی ہے، بلڈنگز (Buildings) کو آگ لگ جاتی ہے، جنگلوں کو آگ لگ جاتی ہے، یہ ہوا ہے جو آگ کو پھیلاتی ہے، یہ عمل ہم نے دیکھا ہوا ہے مخصوصاً کھانے پکانے کی ضرورت کے وقت جب آگ جلاتے ہیں تو اس کو ہوا دیتے ہیں۔

مثلاً پاکستان میں ایک فقہی مسئلہ یعنی سادہ سا نماز کا مسئلہ پھیلایا گیا ہے اور اس کو ہوا دی گئی کہ نماز میں شہادت جائز ہے یا نہیں ہے، یہ مسئلہ توضیح المسائل سے حل ہوسکتا ہے۔ سادہ مسائل کو اسی لئے سادہ کہتے ہیں کہ یہ توضیح المسائل کے ذریعے حل ہو جاتے ہیں، ان کو عدالتوں میں لے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اگر یہ مسئلہ علماء کے پاس ہوتا، فقہا کے پاس ہوتا تو مشکل نہیں تھی لیکن آپ دیکھیں کہ یہ فتنہ جب بعض لوگوں کے پاس آیا تو انہوں نے چند مہینوں کے اندر بلکہ چند ہفتوں کے اندر اس کو ایسا چھیڑا، ایسا ابھارا کہ دیکھیں اس فتنے کے شعلے کہاں تک بھڑک رہے ہیں، کچھ لوگوں میں منفی امور کو ابھارنے کی مہارت ہوتی ہے اور کچھ لوگوں میں مثبت چیزوں کو چھیڑنے کی مہارت ہے، انسان کوشش کرے کہ مثبت چیزوں کو چھیڑے، ہم بھی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں لیکن نہ کہ فتنے چھیڑنے کی اور اختلافات کو ہوا دینے کی بلکہ علوم کو ہوا دیں، اچھے موضوعات کو ہوا دیں، اقدار کو ہوا دیں، صفاتِ کمالیہ کو ہوا دیں تا کہ یہ مثبت چیزیں لوگوں کے اندر پھیلیں۔

اختلافات کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ ان کو ہوا نہ دیں، اختلافات کو ہوا دینے سے اختلافات پھیلتے ہیں، تفرقے کو ہوا نہ دیں، ہوا دینا یعنی تفرقے کا اگر چھوٹا سا شر رہے تو اس کو شعلہ نہ بنائیں، اسے ہوا نہ دیں، اس موضوع کو نہیں چھیڑیں اور اس موضوع کو دبا رہنے دیں۔ اختلافی موضوعات کو اشارہ نہ کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ افراد کے درمیان کوئی سیاسی مسئلہ ہو، کوئی اختلافی مسئلہ ہو، کوئی اختلافی شخصیت ہو، کوئی اختلافی موضوع ہو یا کوئی مذہبی اختلاف ہو مثلاً اگر ٹرین میں دوسنی اور شیعہ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں یا بس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہاں پر کوئی اور گفتگو ہو رہی ہے

افادۃ الفہم

لیکن کسی نے آکر مسئلۂ خلافت چھیڑ دیا تو وہ دوسرا آدمی کہتا ہے کہ اس موضوع کو رہنے دیں، اسے یہاں پر نہ چھیڑیں کہ اختلاف کو ہوا ملے گی اور یہ آہستہ آہستہ تفرقہ بن جائے گا، لڑائی جھگڑا ہو جائے گا اور پھر مسئلہ الجھ جائیگا لہٰذا بعض چھڑے ہوئے مسائل کیلیے کوشش ہوتی ہے کہ اس کو دبائیں اور بعض مسائل کو کہتے ہیں کہ ان کو ہوا دیں، ہوا دینا یعنی اس مسئلے کو پھیلانا یا کسی مسئلے کو اُبھارنا۔

افواہوں کو بھی ہوا دے کر پھیلایا جاتا ہے مثلاً ایک آدمی حرم جاتا ہے اور حرم میں نماز کے بعد تعقیبات کے طور پر کسی کے کان میں کہتا ہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے اور یہ کسی کو نہیں بتانی ہے، یہ کوڈ (Code) ہے یعنی سب کو بتانی ہے، جب طلبہ میں اور عورتوں میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی کو نہیں بتانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کو بتانا ہے اور وہ بھی دوسرے کو یہی کہہ کر بتاتے ہیں کہ یہ بات کسی اور کو نہیں بتانی ہے۔

بعض طالبعلموں کی صفات عورتوں سے ساتھ ملتی ہیں، ان میں سے ایک یہ صفت ہے یعنی افواہ اور شائعات پھیلانا اور وہ بھی تاکید کے ساتھ کہ اس بات کو کسی اور کو نہیں بتانا، یہ پھیلانے کا بہترین طریقہ ہے پھر آپ دیکھیں کہ یہ ایک دم پھیل جاتی ہے، تجربے کے طور پر بھی کریں کیونکہ یہ تجربہ شدہ بات ہے، اس کے لئے نئے تجربے کی ضرورت نہیں ہے، آپ خود ایک بات مذاق کے طور پر کسی سے کریں پھر آپ دیکھیں کہ وہ سنجیدہ بات بن جاتی ہے اور پھیلتی ہی جاتی ہے اور جوں جوں پھیلتی ہے اس کے اندر شدت بھی آتی جاتی ہے یعنی آپ نے دیا سلائی سے آگ لگائی تھی اور اب اس افواہ کے یا اس شائعات کے شعلے آسمان پہ لپک رہے ہیں۔

۱۰)اثارۃ الارض

بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان انہیں چھیڑے نہیں، ان کو ابھارے نہیں، انہیں اٹھائے نہیں تو وہ چیزیں خود بخود انسان کو کچھ بھی عطا نہیں کرتی ہیں جبکہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنہیں ہمارے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے زمین کے اندر خدا نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ موسمِ بہار میں یا مختلف موسموں میں وہ خود ہی کچھ نہ کچھ اگلنا شروع کر دیتی ہے لیکن بعض چیزوں کے لئے ہمیں زمین کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، انسان کی غذا کے لئے زمین کو آمادہ کرنا پڑتا ہے لیکن حیوان کی غذا خود ہی خود زمین سے اگتی ہے یعنی ہمیں زمین کو جا کر چھیڑنا پڑتا، اکسانا پڑتا ہے، آمادہ کرنا پڑتا ہے، اس پر ہل چلانا پڑتا ہے، اس کا منہ کھولنا پڑتا ہے، اس کے اندر ایک مناسب حد تک رطوبت ایجاد کرنا پڑتی ہے پھر اس کے اندر بیج بونا پڑتا ہے اور دیگر متعدد امور زمین کے اوپر انجام دیے جاتے ہیں کہ جن کی بنا پر زمین کچھ اُگانے کیلئے آمادہ ہوتی ہے، اس کو اثارۃ الارض یا احیاء الارض کہتے ہیں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ پانی کے ذریعے زمین کو زندہ کیا گیا ہے لیکن یہی زمین جو پانی سے زندہ ہوتی ہے جب تک انسان اس کو اثارہ نہ کرے اور اس کے اندر ثورہ ایجاد نہ کرے یعنی ابھار وا کھاڑ کر کے آمادہ نہ کرے تو زمین وہ فصلیں اگانے کے قابل نہیں ہوتی ہے کہ جو انسان کے لئے مفید ہیں اور یہ چیز ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ایک کھیت انسان کو اس وقت غذا یا غلہ دیتا ہے کہ جب خود کسان جا کر اس میں زحمت کریں، محنت کریں اور اثارۃ الارض کریں۔

۱۶)ٹیکنالوجی وایجادات، ثمراتِ اثارہ

ٹیکنالوجی (Technology) اور یہ سب ایجادیں دانشمندوں اور سائنس دانوں کی مرہونِ منت ہے، ابھی ہم نے تقسیم بندی کردی ہے کہ آرٹسٹ الگ ہوگئے، ہنرمند الگ ہوگئے اور علماء الگ ہوگئے ہیں، نہیں، حقیقتاً بنیادی طور پر ایک عالم ہوتا ہی ہنرمند ہے، سب سے بڑا آرٹ ایک عالم کے پاس ہوتا ہے، ایک سائنٹسٹ (Scientist) وہی ہوتا ہے کہ جو سب سے بڑا ہنرمند ہو یعنی جس کو پتہ ہے کہ اس شے کے اندر کیا راز موجود ہے اور اس نے اس کو کشف کرلیا ہے اور یہ چھیڑنے سے کشف ہوا نہ کہ چھوڑنے سے مثلاً یہ بڑے بڑے طبیب کہ جنہوں نے جڑی بوٹیوں سے اور دوسری چیزوں سے انسانی علاج کے لئے دوائیں ایجاد کی ہیں، یہ کون لوگ تھے؟ جنہوں نے آکر ان ساری چیزوں کو چھیڑا، اگر نہیں چھیڑیں گے تو ان کے اندر سے کچھ بھی نہیں نکلے گا، ہزاروں سال سے یہ بوٹیاں اگتی آرہی ہیں، بہار میں اگتی ہیں اور خزاں میں خشک ہوجاتی ہیں، جانوران کو چر جاتے اور انسان کو ان کی کوئی خبر نہ تھی لہٰذا ان کو چھیڑنے والا بھی کوئی موجود نہیں تھا، نتیجہ یہ تھا کہ ان کو ساری چیزوں کے راز بھی معلوم نہیں تھے، لیکن جب چند پڑھے لکھے لوگوں نے ان نباتات کو آکر اکسایا، ابھارا اور چھیڑا تو انہی پودوں نے اپنے ثمرات عیاں کرنے شروع کردیئے۔

۱۷)اثارۃ العقل، انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت

عقل بھی ان چیزوں میں ہے کہ اگر پڑی رہے اور کوئی اس کو نہ چھیڑے، نہ ابھارے اور نہ

اکسائے تو عقل خود ہی خود پڑے پڑے کچھ بھی نہیں کرتی ہے، ضروری ہے کہ کوئی آ کر اس دبے ہوئے خزانے کو ابھارے اور اکسائے تا کہ اس کے اندر پنہاں اسرار انسان کے لئے نمایاں ہو جائیں، اس کام کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مقرر کیا ہے اور امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں انبیاء علیہم السلام کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک عمدہ مقصد یہی بیان کیا ہے کہ

لِیُثِیْرُوْا فِیْهِمْ دَفَائِنَ عُقُوْلِهِمْ...... (۸)

(انبیاءؑ اسلئے تشریف لائے) تا کہ وہ ان کی عقول کے پوشیدہ خزانوں کو ان میں ابھاریں......

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا کہ

وَأَنَّ الْأَنْبِیَاءَ اِنَّمَا جَاؤُوْا لِیُثِیْرُوْا دَفَائِنَ الْعُقُوْلِ فِی النَّاسِ...... (۹)

بے شک انبیاءؑ اس لئے آئے تا کہ وہ لوگوں میں عقلوں کے خزانون کو ابھاریں......

انبیاء علیہم السلام انسانوں کی دبی ہوئی عقلیں اور دبی ہوئی فطرتیں کہ جو ساکت اور جامد ہیں ان کو اکسانے اور ابھارنے کے لئے آئے ہیں۔ دفائن یعنی مدفون عقلیں، دفائنِ عقلی یعنی خزینۂ عقلی یا عقل کے خزانے، ان کو ابھاریں، اس طرح سے کہ عقلِ انسان جوش مارے، انبیاء علیہم السلام عقل کو ختم کرنے نہیں آئے ہیں یا عقل کے خلاف کوئی چیز لے کر نہیں آئے بلکہ مخاطَبِ انبیاء علیہم السلام عقل ہے اور مخاطَب کو جگانا بھی انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، مخاطب کو ابھارنا بھی انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ ایک ٹھنڈا اور جامد آدمی کہ جس کے لئے ایک موضوع بیان کریں لیکن وہ اس موضوع کے لئے آمادہ نہ ہو، بھڑکا ہوا نہ ہو

تو اس کے سامنے موضوع بیان کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے بھینس کے سامنے بین بجانا ہے اور انبیاءؑ بھینسوں کے لئے نہیں آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام اس لئے آئے تھے کہ ایسے لوگ تیار کریں کہ پہلے ان کی عقل کو ابھاریں پھر ان کے سامنے قرآن پیش کریں۔

ابھری ہوئی عقل کی مثال رحم کی طرح ہے، بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں، بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی ہیں یعنی ان کے رحم میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ نطفے کو انسان بنا سکیں لیکن جو بانجھ نہیں ہیں ان کے رحم میں اگر جائے تو وہ اس نطفے کو انسان بنا دیتی ہیں، اس پر غور کریں تو وہ قطرہ بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ قطرے سے بہت کم ہوتا ہے کہ جس کو ہم نطفہ کہتے ہیں، وہ نامرئی چیز ہے اصلاً نظر بھی نہیں آتا ہے، مثلاً اس ایک اسپرم میں ایک جرثومہ ہے کہ جو آنکھ سے نظر نہیں آتا ہے، یہ نامرئی جرثومہ جب اس رحم آمادہ میں جاتا ہے کہ جس کو خدا نے بنایا ہے لیکن اس نے کیا کیا؟ اس کو انسان بنا دیا، کیسا انسان بنا دیا؟ ایسا انسان کہ جس میں تمام اعضاء اور پیچیدہ ترین نظام موجود ہے اور جس کے اندر روح بھی آگئی ہے، اس رحم کے اندر کیوں بنا؟ کیونکہ یہ رحم آمادہ تھی، اسی طرح رحمِ علمی بھی ہے، انسان کا ذہن، انسان کا دل انسان کا رحم ہے، اس رحم کے اندر اگر ایک قطرہ چلا جائے، ایک اسپرم علمی چلا جائے تو وہ اس کو بہت کچھ بنا سکتا ہے اسی انسان کو مستنبط کہتے ہیں ورنہ بعض ایسے ہیں کہ جو پورا قرآن حفظ کر لیتے ہیں لیکن ایک ہدایت کا کلمہ یا ایک ہدایت کا اثر تک ان کے اندر موجود نہیں ہوتا ہے، سالہا سال درس پڑھ لیتے ہیں لیکن عملاً ہدایت حاصل نہیں کرتے ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ بانجھ ہیں، ان کے رحم آمادہ نہیں ہیں۔

ایک بدو عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا کہ مجھے قرآن پڑھنا ہے لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے، میں اپنی بھیڑیں چھوڑ کر آیا ہوں اور مجھے جلدی واپس جانا ہے جیسے آج کل بعض شارٹ کٹ (Short cut) مانگتے ہیں کہ یہ لمبی چوڑی باتیں، یہ توضیح المسائل، یہ رسالۂ عملیہ یہ ہم سے نہیں ہوسکتا ہے بلکہ ایک شارٹ کٹ بتائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ایک شارٹ کٹ کے بجائے ایک فولڈر (Folder) بتا دیا، شارٹ کٹ، شارٹ کٹ ہی ہوتا ہے لیکن فولڈر کے اندر بہت کچھ ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دو آیات پڑھ کر سنائیں، یہ سورۂ زلزال کی دو آیات ہیں لیکن دونوں ملا کر ایک آیہ کے برابر بھی نہیں بنتی ہیں،

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (۱۰)

پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

یہ آیات سن کر کہا کہ خدا حافظ یہی لینے آیا تھا، وہ دوسرے جو بیٹھے ہوئے تھے جو کئی کئی سالوں کے سینئر شاگرد تھے کہ جن کو ابھی تک سورۂ بقرہ یاد نہیں ہوا تھا وہ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے کہ یہ دیکھو جاہل بدو ابھی آیا اور ایک آیہ سن کر واپس جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے لئے کافی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کی طنز آمیز ہنسی دیکھی، ان کا خندہ دیکھا، مذحکہ دیکھا تو کیا فرمایا؟

لَقَدۡ رَجَعَ الرَّجُلَ فَقِيۡهًا...... (۱۱)

کیا سمجھتے ہو؟ یہ فقیہ بن کر لوٹ کر جا رہا ہے، فقیہِ دین، فقیہِ قرآن بن کر لوٹ کر جا رہا ہے،

اگر در خانہ کس است یك حرف بس است......

یعنی اگر گھر کے اندر کوئی ہے تو اس کے لئے ایک کلمہ ہی کافی ہے، ایک مستنبط کے دل میں یہ آیات ڈال دی ہیں لہٰذا یہ ان آیات کو خود کھولے گا،

لِيُثِيرُوا فِيهِمْ دَفَائِنَ عُقُولِهِمْ......

پہلے اس کی عقل ابھاری اور پھر اس ابھری ہوئی عقل کے اندر ایک نکتہ ڈال دیا۔ الغرض تمام پیغمبر علیہ السلام و انبیاء علیہم السلام اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کی عقل کو ابھاریں تا کہ ان عقلوں میں پیغامِ خدا اتر جائے اور جب ان کو آسمانی پیغام پیش کیا جاتا ہے تو کوئی سلمانؓ بنتا ہے، کوئی مقدادؓ بنتا ہے اور کوئی ابوذرؓ بنتا ہے۔

اثارۃ الناس

۱۸) اثارۃ الناس

اسی طرح وہ امور کہ جن کو ابھارے کی ضرورت ہے اس میں سے خود لوگ بھی شامل ہیں تا کہ ان کے اندر کوئی اثر پیدا ہو، اثارہ کا اور ثورہ کا ایک میدان قومیں اور عوام ہیں، اپنی روزمرہ ضروریاتِ مادی اور طبعی کے تحت ان کے اندر بھی رکاوٹ آجاتی ہے، معاشرے کے اندر جمود اور رکود پیدا ہو جاتا ہے اور عملِ ارتقاء رک جاتا ہے، بجائے اس کے کہ لوگ معاشرے کے اندر رشد و نشونما کریں ایک ہی حالت پر منجمد ہو جاتے ہیں اور ٹھہر جاتے ہیں، ٹھہرا ہوا معاشرہ یعنی جس کے اندر کوئی شخصیت پیدا نہیں ہوتی ہے، جس کے اندر علوم ترقی نہیں کرتے ہیں، علوم نشونما نہیں کرتے ہیں اور

تکامل یافتہ افراد پیدا نہیں ہوتے ہیں، ناقص افراد کمال تک نہیں پہنچتے ہیں بلکہ سب ایک ہی سطح کے اور ایک ہی درجے میں رکے ہوئے ہوتے ہیں، معاشرے کے بہت سارے نمونے اس وقت موجود ہیں، اکثر معاشرے جو مادیت کے ملبے میں دبے ہوئے ہیں کہ جن کے اندر انسانی اقدار و انسانی کمالات کی افتتاح کا عمل رُکا ہوا ہے تو یہ مغلوب اور رکے ہوئے معاشرے ہیں، اگر کوئی ان کو نہ ابھارے، نہ چھیڑے اور نہ اکسائے تو یہ خود بخود آگے نہیں بڑھتے ہیں ان کو بھی ثورہ اور اثارہ کی ضرورت ہے جیسے زمین کو ابھارنے کی ضرورت ہے تاکہ کچھ اگلے اور اگائے، اس زمین کے اندر یہ ساری چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن اسے اکسانے کی اور چھیڑنے کی ضرورت ہے، اسی طرح انسانوں کے اندر بہت طاقت ہے، انسانوں کے اندر بہت قوت ہے، ارتقاء کی قوت ہے، تکامل کی قوت ہے، جہالت کو ختم کرنے کی قوت ہے، باطل کو مٹانے کی قوت ہے، ظلم وستم کو ختم کرنے کی قوت ہے، یہ سب انسانی معاشرے کے اندر موجود طاقتیں اور قوتیں ہیں لیکن جب تک کوئی ان انسانوں کو ابھارے نہیں تو یہ قوتیں پڑے پڑے ختم ہوسکتی ہے لہذا انسانوں کو بھی اثارہ کی ضرورت ہے۔

امام خمینیؒ میں یہ مہارت وتخصص تھا کہ وہ لوگوں کو ابھارنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ ٹھنڈا برف زدہ معاشرہ، یخ زدہ معاشرہ کہ جس کے اوپر تہہ لگی ہوئی تھی، تنچال گلیشئر (Glacier) بنے ہوئے تھے وہ سارے امام خمینیؒ نے اس طرح سے پگھلائے کہ ایک بحرِ بیکراں کی شکل اختیار کر گئے اور اس ٹھنڈے اور منجمد معاشرے کو امامؒ نے متحرک معاشرہ بنا دیا، یہ ثورہ ہے یہی انقلاب تھا اور یہی اثارۃ الناس تھا۔

اس کام کے لئے بھی خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مامور کیا، اولیاء علیہم السلام کو مامور کیا اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو مامور کیا، ان کا اساسی کام یہی تھا کہ لیثیر و الناس یعنی لوگوں کو ابھاریں، جس طرح سے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا، انبیاء علیہم السلام کا کام بھی معاشروں کو مبعوث کرنا ہے، ابھارنا ہے اور تکامل کے لئے تیار کرنا ہے ورنہ معاشرے رک جاتے ہیں، ان کے اندر رکود و جمود آجاتا ہے اور تکامل کی طرف ان کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔

ابوذرِ غفاریؓ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے سال درس پڑھا؟ حوزوں میں کتنے سارے ابوذر نامی طلبہ بھی ہوں گے کہ جنہوں نے پندرہ سال پڑھا ہو گا لیکن ابوذر غفاریؓ نے کتنے سال درس پڑھا؟ ابوذرؓ نے چند منٹ میں یہ درس پڑھا، یہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔

انبیاء علیہم السلام ہماری طرح ٹھنڈے لوہے پہ چوٹ نہیں لگاتے ہیں، ہم ہر سال تبلیغ کے لئے جاتے ہیں اور خود ہی زخمی ہو کر آجاتے ہیں چونکہ ٹھنڈے لوہے پہ جب چوٹ لگتی ہے تو وہ واپس اپنی پیشانی پہ آکر لگتی ہے، خود مایوس ہو کر آتے ہیں کیونکہ ٹھنڈے لوہوں پر چوٹ لگاتے ہیں، انبیاء علیہم السلام پہلے لوہا گرم کر دیتے تھے، لوہا گرم کرنا یعنی عقل کو ابھارنا، دل کو ابھارنا، دل جب ابھر جائے تو پھر ایک نکتہ ہی کافی ہے۔

اگر در خانہ کس است یك حرف بس است۔

یعنی اگر گھر کے اندر کوئی ہے تو اس کے لئے ایک کلمہ ہی کافی ہے، اگر کوئی بھی نہیں ہے تو بیشک آپ پوری تقریر جھاڑ دیں کچھ بھی نہیں ہو گا۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلِ ابوذرؓ کو ابھارا،

اداره المناس

وہی کام جو خدا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا وہی کام رسول اللہ ﷺ نے ابوذرؓ کے ساتھ کیا، خداوند تعالیٰ نے رسول ﷺ کے ساتھ کیا کیا؟ مبعوث کیا،

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا......(۱۲)

بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا......(۱۳)

بَعَثَ اللّٰهُ رَسُولًا٥(۱۴)

خدا نے بعث کیا یعنی ابھارا، اللہ نے رسول ﷺ کو اس طرح سے اٹھایا کہ پھر اس رسولؐ کو دنیا کی کوئی طاقت بٹھانے پہ قادر نہ ہوسکی اور یہی ابوذرؓ کے ساتھ ہوا، ابوذرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے چند منٹ میں اس طرح ابھار دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت قادر نہیں تھی کہ ابوذرؓ کو چپ کرا سکے، ابوذرؓ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان موجود تھے لیکن ابوذرؓ نے جوں ہی سیکھا کہ أشهد ألا الٰـه الا اللّٰه تو فوراً جا کر کعبہ کی دیوار کے ساتھ کہ جہاں لوگ سنگسار کرنے کے لئے تیار تھے وہیں ببانگِ دہل کہا أشهد ألا الٰـه الا اللّٰـه، پانچ منٹ کے درس نے ابوذرؓ کو کیا بتایا گیا اور پھر خلافت کی پوری مشینری (Machinery) استعمال کی گئی، طاقت صرف کی گئی، جلاوطن کیا گیا، سزائیں دی گئیں اور ابوذرؓ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا گیا؟ لیکن ابوذرؓ کو خاموش نہیں کرا سکے۔

اکسانا یعنی درد پیدا کرنا، درس اگر درد پیدا کرے تو خوب ہے لیکن اگر درس ٹھنڈا کر دے تو خوب نہیں ہے، علامہ اقبالؒ کو مدرسوں سے یہی شکوہ تھا کہ مدرسے درد پیدا نہیں کرتے ہیں بلکہ گلا دبا دیتے ہیں،

ادارۃ النّاس

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صدالا الٰــــہ الا اللہ ......(۱۵)

گلا گھٹا ہوا ہوتو اس سے صدائے لا الــہ الا اللہ نہیں آتی ہے، مدرسے کا کام درد پیدا کرنا ہے، انسان دردمند ہو، امام خمینیؒ کے اندر وہی درد تھا، انسان کو درد اٹھاتا ہے درس نہیں اٹھاتا ہے اور اسی کو ثورہ کہتے ہیں، درد کس طرح اٹھاتا ہے؟ دانت میں درد ہو تو پھر بیٹھنے دیتا ہے؟ سونے دیتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ پھر وہ انسان کو تگنی کا ناچ نچاتا ہے، یہ دانت کا درد ہے اور دانت کا درد جسمانی درد ہے الٰہی درد نہیں ہے، اگر الٰہی درد پیدا ہو جائے، بشریت کا درد پیدا ہو جائے تو پھر انسان نہیں بیٹھ سکتا ہے، اس دل کو کوئی بٹھا نہیں سکتا ہے، ممکن نہیں ہے کہ کوئی طاقت اس کو بٹھا سکے، چاہے اس کے قتل کے منصوبے بنائے، اسے ڈرائے، دھمکائے، لالچ دے، جو کچھ بھی کرے لیکن اس کے درد کو تسکین نہیں ملتی ہے۔ ابوذرؓ میں وہی برانگیختگی پیدا ہوئی، ثورہ پیدا ہوا، اب اس ابوذرؓ کو ایک آیۂ قرآن پڑھ کر سنائیں تو اس کے لئے کافی ہے۔

۱۹) اثارۃ القرآن کی ضرورت

آج سب سے بڑھ کر ضرورت یہ ہے کہ آئیں اور قرآن کے اوپر اپنی طاقت آزمائی کریں۔ اثارۃ القرآن کی شدید ضرورت ہے وَ اِلّا پڑے پڑے انسان کو کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ یہ کام مستنبط انسان کرسکتا ہے، فارسی میں اس کے لئے شوراندن کا لفظ استعمال ہوتا ہے یعنی کسی

کو برانگیختہ کرنا، ابھارنا، اکسانا، اس کے اندر ایک ایسی حالت ایجاد کرنا کہ جس طرح سے آتش فشانی حالت ہوتی ہے، اس کے اندر ابھار پیدا ہو۔

قرآن ہمارے پاس موجود ہے لیکن جب تک قرآن کو ابھارنے والے، اکسانے والے اور قرآنی مسائل اور مطالب کے اسرار کو چھیڑنے والے نہ ہوں تو خود ہی خود قرآن اپنے خزانے باہر نہیں نکالتا ہے یعنی قرآن کے خزانے چشمے کی طرح خود ہی نکل کر باہر نہیں آتے ہیں کہ جب تک کوئی قرآن کو چھیڑے نہیں۔ لوگوں کے اندر قرآنی موضوعات چھیڑیں، چھیڑنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کے اندر اپنی تفسیر بالرائے شروع کر دیں، البتہ یہ الگ موضوع ہے کہ تفسیر بالرائے کے کیا معانی ہیں، ہمیں قرآن کے اوپر اپنی بات ٹھونسنی نہیں ہے، قرآن کے اوپر تحمیل نہیں کرنا ہے، قرآن کو اپنے کسی مفاد پر تطبیق بھی نہیں کرنا ہے بلکہ ان سے پرہیز کرنا ہے، چھیڑنے سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ قرآن کو اپنے مدعا پر تطبیق کرنا شروع کر دیں یا قرآن کے اندر معاذ اللہ تحریف شروع کر دیں، یہ کام قرآن کے ساتھ نہیں کرنے ہیں بلکہ ان سے اجتناب کرنا ہے، اس سے مراد موضوعاتِ قرآن کو ابھارنا ہے تا کہ یہ معاشرے کی عام گفتگو کے موضوع بن جائیں، گھر گھر میں قرآنی موضوع پر بحث ہو رہی ہو، مثلاً گلی محلے میں جب لوگ بات کر رہے ہوتے ہیں تو چھیڑا ہوا موضوع وہی ہوتا ہے کہ اخباروں میں بھی اسی پر گفتگو ہو رہی ہوتی ہے، گھروں میں بھی اسی پر گفتگو ہوتی ہے، دسترخوان پر بھی اسی پر گفتگو ہوتی ہے، بس، اڈے، چوک اور حتیٰ ٹیلیفون پر بھی اسی پر گفتگو ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جو ایک دوسرے کو فضول ٹیلیفون کرتے ہیں اور کوئی بات نہیں بنتی ہے تو فقط کہتے ہیں اور سناؤ، اگر کوئی

موضوع چھڑا ہوا ہو تو فوراً اسی موضوع پر آجاتے ہیں کہ یہ موضوع جو آج کل جاری ہے اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

موضوعِ قرآنی اگر چھڑے ہوئے ہوں تو اسی پر ایس ایم ایس (SMS) کریں، اسی پر ٹیلیفون کریں اور ظاہر ہے کہ چھڑے ہوئے موضوع پر دوسرے بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب ہم ایک موضوع چھیڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو سب مجبور ہوتے ہیں کہ اس موضوع پر سوچ بچار کریں، سب لوگ اس موضوع پر کہنے اور سننے کے بارے میں مجبور ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اتنے لوگ مل کر ایک موضوع پر سوچیں بھی، کہیں بھی اور سنیں بھی تو خوانخواہ یہ موضوع لوگوں کو زیادہ فائدہ دیتا ہے اور یہ موضوع بھی پختہ تر ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس موضوع پر سوچ بچار کرنے کیلئے باصلاحیت اور بااستعداد لوگ بھی ہوتے ہیں، اہلِ فضل اور اہلِ علم بھی ہوتے ہیں، اہلِ درایت اور اہلِ تحقیق بھی ہوتے ہیں، وہ جب اس موضوع کو لے کر آگے بڑھتے ہیں تو اس کے اچھے ثمرات آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی اس موضوع پر اچھی تقریر کر دے، کوئی اچھا مقالہ لکھ دے، کوئی اچھی کتاب لکھ دے، اسی موضوع کے بارے میں ممکن ہے کہ کوئی اچھا کام ہو جائے، چھڑے ہوئے موضوعات کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے صدرالمتالھین ؒ فرماتے ہیں کہ استنباط یعنی قرآنی موضوعات کو ابھارنا، چھیڑنا، پھیلانا، ہوا دینا اور ان کے پیچھے لگ جانا، ان کے تعلقات و روابط و لوازمات کو کشف کرنا اور پھر اس کا نتیجہ لے کر اپنے لئے اور لوگوں کیلئے بیان کرنا اشد ضروری ہے۔

اشارۃ القرآن کی ضرورت

۲۰)قرآنی موضوعات کے احیاء کیلئے مہارت کی ضرورت

قرآنی موضوعات کو چھیڑنے، ہوا دینے اور ابھارنے کے لئے مہارت کی ضرورت ہے تا کہ وہ موضوع پہلے خود انسان کے اندر چھڑے، خود میرے اندر مسئلہ اٹھے، سوال بن کر اُبھرے تا کہ میں اس کی جستجو میں لگوں، میں اس کے بارے میں سوالات اٹھاؤں اور پھر ان سوالات کو جوابات میں تبدیل کروں، پھر اسکے بارے میں تحقیق کروں، انسان کے اندر ابھرا ہوا موضوع، چھڑا ہوا موضوع کہ جس کے بارے میں انسان کو الجھن ہوتی ہے اور جو انسان کا ہم وغم بن جاتا ہے تو پھر وہ اس مسئلے میں اپنے لئے اور دوسروں کیلئے جستجو کرتا ہے۔ یہ کام مستنبط انسان کرسکتا ہے، یہ تخصص اور مہارت صدر المتألھین کے اندر موجود ہے یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ طباطبائیؒ ہیں، اگر دو چار افراد کے نام لئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اور نہیں ہیں، بہت سارے بزرگان ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں یہ کمال کیا ہے، انہوں نے بعض معارف کو چھیڑا ہے، ہوا دی ہے، ان مسائل کو اور ابھارا ہے، موضوع کے قابل اور بحث کے قابل بنایا ہے اور پھر دوسرے علماء نے آ کر ان کے بارے میں بحث و گفتگو کی ہے۔

قرآنی علوم کو اور قرآنی معارف کو ابھارنے کی ضرورت ہے یعنی شعبۂ قرآن سے متعلق ایسے متخصص اور ماہرین آئیں کہ جو آ کر معارفِ قرآن کو چھیڑیں۔ قرآنی معارف کو ہوا دینے کی ضرورت ہے یعنی علمی ہوا دینے کی ضرورت ہے نہ کہ پنکھے کی کہ قرآن سامنے رکھ کر اس کو پنکھا جھلکتے رہیں یا فقط قرآن سے ہوا جھلتے رہیں اور کہیں کہ قرآنی موضوعات کو ہوا دے رہے ہیں، قرآنی

موضوعات کو ہوا دے سکتے ہیں کہ جو معارفِ قرآنی میں مہارت رکھتے ہوں، جو قرآن کے ساتھ اُنس رکھتے ہوں، جن کا قرآن کے اندر تخصص ہو اور بہت سارے لوگوں نے یہ کام کیا ہے، خود صدر المتالھینؒ کہ جن کی کتاب کا متن ہم اس کتاب میں وقتاً فوقتاً ملاحظہ کر رہے ہیں اور یہ آدابِ قرآن ان کی کتاب سے درج کر رہے ہیں چونکہ مفاتیح الغیب قرآنی علوم کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے، انہوں نے یہ کام کیا ہے، اتفاقاً ایک تخصص اس بزرگوار ہستی کو یہ بھی حاصل تھا کہ انہوں نے بہت سارے معارف کو چھیڑا ہے، ابھارا ہے کہ جو دوسروں کے ہاں فراموش شدہ اور مفقود تھے اور ان کے بارے میں کوئی بحث و گفتگو نہیں ہوتی تھی۔

مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے معارفِ قرآنی کو ایک مستنبط کے طور پر ابھارا ہے اور معارفِ قرآنی کو پیش کیا ہے لیکن چونکہ ہمارا معاشرہ قرآنی معاشرہ نہیں ہے تاکہ یہ بحثیں پھر سے چھڑ جائیں، علمِ اصول کی ایک بحث چھیڑیں تو فوراً چھڑ جاتی ہے، فقہ کی باتیں چھیڑیں تو وہ بھی چھڑ ہی جاتی ہیں لیکن قرآن کا کوئی موضوع چھیڑیں تو وہ نہیں چھڑتا ہے، یہ اتنا ٹھنڈا ہے کہ اس کو مثلاً آپ بہت بڑے ٹربائن (Turbine) کے ذریعے بھی ہوا دیں تو بھی اصلاً اس کے اندر یہ ہوا نہیں پھیلتی ہے اور دوسروں تک سرائیت نہیں کرتی ہے، جب ہم سنتے ہیں کہ قرآن کہ بارے میں فلاں نے یہ گفتگو کی ہے، یہ اظہارِ نظر کیا ہے تو لوگ اس کو لے کر آگے نہیں بڑھتے ہیں۔

پس قرآن کو اثارہ کی ضرورت ہے، نہیں ابھاریں گے، نہیں اکسائیں، نہیں چھیڑیں گے تو قرآن آپ کو کچھ بھی نہیں دے گا جیسے زمین کو چھیڑنے کی ضرورت ہے تاکہ فصل اگ جائے، اگر

زمین کو نہیں چھیڑیں گے تو کچھ بھی نہیں ہوگا، جانوروں کے لئے گھاس اگ آئے گی لیکن آپ کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، جب تک آپ زمین میں ہل نہیں چلائیں گے، جب تک آپ اس میں اثارہ و ثورہ ایجاد نہیں کریں گے۔ لہٰذا اگر کوئی موضوعاتِ قرآن کو چھیڑے تو یہ تخصص اور فن کسی کے پاس ہونا چاہیے۔

عالم بنیادی طور پر اسی ہنرمند انسان کا نام ہے کہ جو چھیڑنا جانتا ہو، عالمِ قرآنی اسی کو کہتے ہیں کہ جو قرآنی معارف کو چھیڑ سکتا ہو، اپنے اندر بھی چھیڑ سکتا ہو اور معاشرے کے اندر بھی چھیڑ سکتا ہو اور قرآنی معارف کے اندر سے پنہاں اسرار کو اور حکمتوں کو باہر نکال کر انسانی ہدایت کے لئے آمادہ کر کے پیش کر سکتا ہو، وہ اس کے دونوں کام جانتا ہو، پہلے قرآن سے حکمت کو نکالے، نبط کرے، استنباط یعنی اس بحرِ قرآن کے عمق سے اور اس کی تہہ سے ان جواہر و گوہر کو باہر نکالے اور نکال کر پھر ایک اچھے بیان کے ساتھ اور ایک مناسب انداز میں لوگوں کے سامنے پیش بھی کرے اور ایسی مثالیں فراواں ہیں۔

اگر ایک مستنبط انسان کی مثال دی جائے تو شہید مطہریؒ کی مثال ہے کہ کس خوبصورتی سے یہ انسان دینی معارف کے اندر اترا اور اس نے دینی موضوعات کو چھیڑا، اس انسان نے چھیڑ کر خوبصورتی سے وہ حقائق اور حکمتیں نکالی اور نکال کر اپنی نسل کے لئے پیش کیں، پہلے اپنی نسل کو دیکھا، اتفاقاً شہید مطہریؒ نے فرمایا کہ میں نے دو آنکھوں سے دو چیزیں دیکھیں، جب میں نے اس زمانے میں رائج دینِ اسلام پر نگاہ ڈالی تو مجھے اسلام کا ایک عجیب چہرہ نظر آیا اور پھر جب میں نے

اپنی موجودہ نسل پہ نگاہ ڈالی تو مجھے اس کا عجیب تر چہرہ نظر آیا، پھر اس کے بعد اس شخصیت نے اسلام کے اندر، دین کے اندر غواصی کی اور دین کی گہرائی میں اتر کر استنباط کیا لہٰذا یہ مستنبط انسان ہے، یعنی انہوں نے بحرِ دین سے قیمتی گوہر نکالے اور نکال کر ایک خوبصورت بیان کے ساتھ اپنی نسل کو پیش بھی کیئے لہٰذا بہت ساری چیزیں شہید مطہریؒ سے پہلے چھڑی ہوئی نہیں تھیں، شہید مطہریؒ نے ان موضوعات کو چھیڑا، دوسروں نے آکر بعض کو جاری رکھا اور بعض کو جاری بھی نہیں رکھ سکے، ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوئی شخصیت پیدا ہو کہ جو ان موضوعات کو آگے بڑھا سکے اور اگلے مرحلے میں ان کو داخل کر سکے، ظاہر ہے کہ پہلا کام پہلا کام ہوتا ہے، تکمیل دوسرے کرتے ہیں۔

شہید مطہریؒ نے اس نسل کے لئے پہلا قدم اٹھایا اور ظاہر ہے کہ اسی نسل میں کچھ اور لوگ ہوں کہ جو اس کام کو اگلے مرحلے میں داخل کریں۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ جب انسان معارفِ دینی کو چھیڑنے جاتا ہے، استنباط کرنے جاتا ہے اور وہاں سے اپنی ہدایت کا سامان دریافت کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کے اندر فراواں علوم اور فراواں موضوعات موجود ہیں لیکن اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ میں ترجیحات کی بنیاد پر اور پھر ترتیب کے ساتھ استنباط کروں، آخری چیز پہلے دن استنباط نہ کروں اور پہلی چیز آخری دن کے لئے نہ رکھ دوں اور یہ ہوتا بھی ہے کہ بعض پڑھتے ہیں لیکن بے ڈھنگا پڑھتے ہیں، آخری کتاب کا پہلے دن مطالعہ کرتے ہیں اور پہلی کتاب کا آخری دن، جب فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو ان کو یاد آتا ہے کہ کتاب الامثلہ بھی پڑھنی تھی، صرف بھی آنی چاہئے، صرف کے بغیر تو مولانا نہیں ہوں لہٰذا پہلے دن پہلی چیز پڑھے اور آخری دن آخری چیز پڑھے، اسفار پہلے دن کی

کتاب نہیں ہے، امثلہ سے شروع کریں اور اسفار آخری دن پڑھیں یعنی ترتیب کے ساتھ پڑھیں۔

قرآن میں اہم ترین علوم تین چیزیں ہیں کہ جو معارفِ قرآنی کو چھیڑنے سے حاصل ہوں گی ایک احکام یعنی احکامِ الٰہی، دوم نظام یعنی نظامِ الٰہی اور سوم علوم، اگر قرآنی موضوعات چھڑ جائیں تو یہ تین چیزیں تحفہ ہیں، یہ ہر نسل کیلئے قرآن کا ہدیہ ہیں، جو نسل بھی قرآن کو چھیڑ دے گی تو قرآن اسے یہ سب کچھ عطا کردے گا کیونکہ قرآن کے پاس اتنا ذخیرہ موجود ہے۔

۲۱)اثارۂ قرآن نہ کرنے کا نقصان

عموماً اگر سادہ سا ساز دیکھیں کہ جس کو ستار یا گٹار کہتے ہیں، پہلے کسی زمانے میں چھوٹا تھا تو دیکھتا تھا کہ انہوں نے سادہ سا ساز بنایا ہوتا تھا، کدو میں سوراخ کر کے اس کے اندر ڈنڈا لگا کر پھر اسکے ساتھ تاریں جوڑ کے انہوں نے سادہ سا ایک گھریلو ساز بنایا ہوتا تھا، یہی صنعتی دنیا میں آکر ذرا ماڈرن (Modern) ساز بن گیا ہے لیکن اس کا بنیادی فارمولا ایک ہی ہے، یہ تاریں اگر کسی گھر میں اسی طرح سے رکھی رہیں کہ جیسے ڈیکوریشن پیس (Decoration piece) کے طور پر لوگ نے ابھی گھروں میں ساز لٹکایا ہوتا ہے، ساز کا ماڈل یا خود ساز کا آلہ، بعض مومنین کے گھروں میں جائیں تو ظاہر ہے کہ روح کی غذا ہے، مومنین کو بھی روح کی غذا چاہئے بالآخر مومنین نے گھروں میں ڈیکوریشن پیس کے طور پر یہ ساز لٹکایا ہوتا ہے، اس میں غور کریں کہ اگر یہ ساز اسی طرح سو سال تک بھی گھروں میں ڈیکوریشن پیس کے طور پر سجا رہے اور کوئی بھی اس کے تاروں کو نہ چھیڑے تو اس میں

سے کوئی آواز نہیں نکلتی ہے، سو سال پہلے یہ دادا یا نانا نے خریدا تھا، باپ کو بجانا نہیں آتا ہے پھر پوتے کو بھی نہیں آتا ہے لیکن انہوں نے ڈیکوریشن پیس اور نانا جان کی نشانی کے طور پر رکھا ہوا ہے، یہ ساز خاندانی وراثت ہے۔

سو سال سے اس میں آواز پیدا نہیں ہوئی ہے، کوئی نغمہ، کوئی سُر پیدا نہیں ہوا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ ٹھہرا ہوا اور رکا ہوا ساز ہے، اس کو کسی نے چھیڑا نہیں ہے حتیٰ اگر کسی بچے کا ہاتھ کھیلتے کھیلتے بھی اس تار پر لگ جائے تو وہیں سے ایک آواز پیدا ہو جاتی ہے، ساز وہ ہیں کہ جن کو چھیڑنے سے نغمے پیدا ہوتے ہیں، ساز ان تاروں کے اندر ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انہیں نہیں چھیڑے تو ہزار سال تک یہ ساز خاموش ہی رہتے ہیں، سازوں کو خدا نے بہت صَبُور بنایا ہے البتہ اگر خدا نے بنایا ہو تو بہت صبور ہے، یہ کبھی بھی اپنے راز نہیں اگلتے ہیں، جو سازوں کو نہیں چھیڑتے ہیں ان کے لئے ساز اپنا کوئی راز نہیں اگلتے ہیں لیکن جو سازوں کو چھیڑنے کا فن جانتے ہیں، بڑے بڑے ماہر موسیقار گزرے ہیں، ایک سے ایک بڑا موسیقار، بڑے موسیقار ہونے کی علامت کیا ہے؟ کہ جو سازوں کو زیادہ مہارت سے چھیڑ کر سازوں کی صدا اور سوز کو زیادہ نکال سکتا ہے، اسی کو موسیقی دان کہتے ہیں، بعد میں یہ عیاشوں کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں اور اس سے وہ لہو ولعب وطرب و دھمال شروع کر دیتے ہیں لیکن موسیقار کو کبھی بھی آپ نے دھمال ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، جو علومِ موسیقی کے ماہر ہیں، علومِ موسیقی کے ماہر کون لوگ ہیں؟ جو جانتے ہیں کہ موسیقی کے اندر یا سازوں کے اندر، تاروں کے اندر نخفتہ نغمے کونسے ہیں؟ اور ان نغموں کو چھیڑنے کا طریقہ جانتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکھاتے

ہیں، یہ استادِ موسیقی ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے آپ دیکھیں کہ کتنے خوبصورت ترنم سے پڑھتے ہیں، ظاہر ہے کہ سُریں تو اچھی ہوتی ہیں، گانے کے اوپر سُریں لگاتے ہیں، ہمیں تو سُر اچھی لگتی ہے اور اس کو قصیدے اور نوحے پر منتقل کر دیتے ہیں لیکن چاشنی تو اس کے اندر وہی رہتی ہے، یہ ہنر کس نے دکھایا؟ یہ ہنر اسی نے دکھایا کہ جس کو اس ساز کے اندر موجود یا اس تار کے اندر موجود راز کا پتہ ہے اور انہوں نے اسے چھیڑا اور اسکا طریقہ بتایا، اگر ان کو نہ چھیڑیں تو ہزاروں سال بھی یہ ساز خاموش پڑے رہیں گے اور کچھ بھی نہیں کہیں گے۔

انسان اگر قرآن کو نہ چھیڑے تو ہزاروں سال رکھا رہے گا اور کچھ بھی نہیں کہے گا، اگر پوری نسل کے اندر کسی کو قرآن چھیڑنے کا طریقہ نہیں آتا ہے تو قرآن ہزار سال خاموش بیٹھا رہے گا اور کچھ بھی نہیں دے گا لیکن اسی نسل کے اندر ایک ایسا شخص پیدا ہو جائے کہ جس کو قرآن آجائے تو قرآن خود اس کا راہنما بن جاتا ہے اور اپنے ثمرات دینا شروع کر دیتا ہے۔

۲۲) قرآن گفتگو کرتا ھے

امیر المومنین علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ قرآن بولتا ہے، تنطق کرتا ہے،

ذٰلِکَ الْقُرْآنُ فَاسْتَنْطِقُوْهُ...... (۱۶)

یہ قرآن (اللہ کا کلام) ہے پس تم لوگ اس کے بولنے اور نطق کو طلب کرو......

قرآن کو استنطاق کرو، استنطاق یعنی اسے بولنے پر مجبور کرو، قرآن کیسے بولے گا؟ اس کو

چھیڑو، مثلاً آپ کسی گھر میں جاتے ہیں تو وہاں شرمیلا بچہ ہوتا ہے، والدین اس سے کہتے ہیں کہ جاؤ آغا کو سلام کرو، وہ سلام کرنے آتا ہے تو بیچارے کی نہ آواز نکلتی ہے، نہ آنکھیں کھلتی ہیں اور جھجکتا ہوا، شرماتا ہوا آتا ہے لیکن اگر مہمان بچے کو چھیڑنے کا طریقہ جانتا ہو، بعض مہمان ایسے ہوتے ہیں کہ بچے کی شرم دیکھ کر مہمان کو بھی شرم آنا شروع ہو جاتی ہے لیکن بعض بچوں سے جلدی مانوس ہو جاتے ہیں، شرمیلا بچہ آئے تو ایک منٹ میں اس بچے کی ساری شرم و حیا دور کر کے اس کے ساتھ آزادی سے ہم کلام ہو جاتے ہیں یعنی بچوں کو چھیڑنا، اگر آپ بچے کو نہیں چھیڑ سکتے ہیں تو آپ جتنی دیر بھی گھر میں رہیں گے وہ بھی کسی کونے میں چھپا کھڑا رہے گا لیکن اگر آپ بچے کو چھیڑنے کا طریقہ جانتے ہیں اور پھر بچے کو چھیڑیں گے تو وہ ایک دم آپ کے ساتھ باتیں بھی کرنے لگے گا اور آپ سے مانوس بھی ہو جائے گا۔

اس موضوع کیلئے بہت میدان ہیں، صرف استنباط کا مطلب سمجھانے کیلئے کہ استنباط کا معنیٰ چھیڑنا ہے فراواں مثالیں ہیں مثلاً موضوع چھیڑنا ہے، زمین کو چھیڑنا ہے، چھیڑ کے اس چیز کے اندر پنہاں چیز کو باہر نکالنا ہے، زمین کے اندر گنجِ نخفتہ موجود ہیں لیکن جو چھیڑنا جانتے ہیں انہوں نے نکال لئے ہیں۔

قرآن گفتگو کرتا ہے

حوالہ جات

(۱)......(التفسیر و المفسرون)(پیام امام امیر المؤمنین علیہ السلام) (بھج الصباغة فی شرح نھج البلاغة)

(۲)......(سورۂ مبارکہ واقعہ، آیہ ۷۹)

(۳)......(بانگِ درا، حصۂ سوم، عنوان: طلوعِ اسلام، صفحہ ۲۶۸)

(۴)......(دیوان حافظ شیرازی، از روی نسخۂ تصحیح شدۂ علامہ محمد قزوینی، کلام ۱۴۳، صفحہ ۱۱۲)

(۵)......(ترجمہ نھج البلاغہ - انصاریان)(بھج الصباغة فی شرح نھج البلاغة)(تمام نھج البلاغة)(تصنیف نھج البلاغة)(شرح نھج البلاغة - المقتطف من بحار)(شرح نھج البلاغة - ابن ابی الحدید)(منھاج البراعة - الراوندی)(قرآن در آیینہ نھج البلاغہ)

(۶)......(نظرات معاصرة فی القرآن الکریم)(اتجاھات التفسیر فی القرن الرابع عشر، الجزء ۱، ۳۶۹)(الاتقان فی علوم القرآن، الجزء ۴، صفحہ ۲۲۶)(البرھان فی علوم القرآن)(التفسیر والمفسرون، الجزء ۲، صفحہ ۲۶۳)(البرھان فی علوم القرآن، الجزء ۲، صفحہ ۱۵۴)

(۷)......(بحار الانوار، الجزء ۶۷، صفحہ ۲۴۹)(جامع الخبار، الجزء ۱۲، صفحہ ۱۰)(الرواشم السماویة، الجزء ۱، صفحہ ۱۷۶)

(۸)......(شرح نھج البلاغہ - جعفری)

(۹)......(مبانی نقد متن الحدیث)

(۱۰)......(سورہ مبارکہ زلزلہ، آیہ ۸،۷)

(۱۱)......(تفسیر نور الثقلین)

(۱۲)......(سورۂ مبارکہ جمعہ، آیہ ۲)

(۱۳)......(سورۂ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۶۴)

(۱۴)......(سورۂ مبارکہ فرقان، آیہ ۴۱)

(۱۵)......(بالِ جبریلؒ، کلام ۲۳، صفحہ ۴۶)

(۱۶)......(الانسان الکامل فی نہج البلاغة، الجزء ۲، صفحہ ۱)(بهج الصباغة فی شرح نهج البلاغة)(پیام امام امیر المؤمنینؑ)(ترجمه نهج البلاغه - انصاریان)(قرآن در نهج البلاغه)(قرآن در آیینه نهج البلاغه)(مهدیؑ منتظر در نهج البلاغه)(شرح نهج البلاغة - ابن ابی الحدید)

فصلِ ادبِ پنجم

﴿استنباط﴾

(حصّہ سوم)

١)قرآنی موضوعات کا اشارہ، نظم و ترتیب کے ساتھ

٢)توحید،قرآن کا بنیادی موضوع

٣)معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ہے

٤)اسماء اللّٰہ،معرفتِ خدا کا پہلا باب

☆آیات کے آخر میں اسماء اللّٰہ کی حکمت

☆دعائے جوشن،خزانۂ اسماء اللّٰہ

٥)افعالِ الٰہی،معرفتِ خدا کا دوسرا باب

☆فعلِ الٰہی سے مراد

٦)افعالِ الٰہی کے دو چہرے

٧)بابصیرت انسان کی دید

٨)کتابِ تکوینئ خدا کی تفسیر کی ضرورت

٩)فعل سے فاعل کا استنباط

١٠)کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

۱۱)اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت

۱۲)فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس

۱۳)باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

۱) قرآنی موضوعات کا اشارہ، نظم و ترتیب کے ساتھ

صدر المتألھینؒ کا اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن کی آیات سے علوم کو استنباط کیا جائے۔آیاتِ قرآن نے بہت سارے علوم کی طرف راہنمائی کی ہے لیکن انسان قرآن کی بارگاہ میں جائے تو ابتدائی موضوعات کو پہلے چھیڑے یا پہلے وارد ہو چونکہ قرآنی موضوعات کے اندر ترتیب ہے، ایک موضوع کو چھیڑیں تو اس موضوع کے اندر دوسرا موضوع موجود ہے، خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو اس طرح سے تدوین کیا ہے، الگ الگ کتابیں نہیں ہیں، پہلے ہمارے بہت سارے علوم اسی طرح سے تھے مثلاً فلسفے کے اندر بہت سارے علوم موجود تھے لیکن آہستہ آہستہ علوم نے بغاوت کی اور اعلانِ آزادی کر دیا، اب ان علوم کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً ریاضیات پہلے فلسفہ میں تھی، طبیعات یا فزکس (Physics) یہ کسی زمانے میں فلسفی علوم تھے لیکن آہستہ آہستہ ان کو استقلال حاصل ہوا۔

حوزوی علوم میں منطق جزوِ فلسفہ تھا لیکن اس نے بھی اعلانِ آزادی کر دیا، علمِ اصول جزوِ علمِ فقہ ہے، مقدماتِ علمِ فقہ میں سے ہے، یہ اصالی علم نہیں ہے بلکہ ایک ضمنی علم ہے جو کہ ہمیں فقہ پڑھنے کے لئے چاہیئے لیکن علمِ اصول نے سب سے زیادہ بغاوت کی اور فقہ سے بھی زیادہ ترقی کی، اب فقہ کی کتاب چھوٹی ہوتی ہے اور اصول کی کتاب بڑی ہوتی ہے، اس طرح سے ہر علم نے اپنا اعلانِ استقلال کیا لیکن ابھی قرآن میں ایسا اتفاق رونما نہیں ہوا ہے کہ قرآنی موضوعات نے بھی اعلانِ استقلال کیا ہو، جس طرح خداوند نے ان کو ترتیب دیا تھا یہ ویسے موجود ہیں یعنی ایک علم

ہے، اس علم کو آپ کھولیں تو اس کے اندر علمِ دیگر ہے، پھر اس علم کو بھی کھولیں تو اس کے اندر علمِ دیگر ہے، اسی طرح انسان تہہ بہ تہہ قرآنی موضوعات کے اندر اترتا جاتا ہے اور یہ اس آیہ میں بھی موجود ہے کہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا......(۱)

اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے......

یہ راستے انہیں کس طرح بتائے جائیں گے؟ آپ پہلے کمرے میں آئیں، پہلے کمرے میں ہی ایک دروازہ دوسرے کمرے کے لئے کھلتا ہے لیکن بعض باہر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ نہیں سارے کمروں کی چابیاں ہمارے پاس ابھی ہونی چاہئیں، یہ نہیں ہو سکتا ہے، پہلے کمرے میں جاؤ وہاں آپ کو دوسرے کمرے کی چابی دے دی جائے گی پھر دوسرے میں جاؤ، وہاں تیسرے کمرے کی چابی لٹکی ہوئی ہے، پہلا علم پڑھو تو پہلے علم کے اندر دوسرے علم کا، دوسرے علم کے اندر تیسرے علم کا، تیسرے علم کے اندر چوتھے علم کا میدان موجود ہے۔

۲) توحید، قرآن کا بنیادی موضوع

شرافت اور عظمت کے لحاظ سے علوم میں فرق ہے، اشرف العلوم اور باعظمت ترین علم کہ جو انسان کی دنیا و آخرت کی سعادت اور تکاملِ انسان کے لئے لازمی ہے وہ علمِ الٰہی و علمِ توحید ہے اور

اس کے بعد علمِ اسماء اللہ ہے، علمِ صفاتِ الٰہی ہے اور علمِ افعالِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہے۔

پہلا علم جو قرآنی معارف میں سے ہے کہ جس کو چھیڑیں تو پھر اس کے اندر سے انسان کے لئے علومِ فراواں نکلتے ہیں، فرمایا وہ علم توحید ہے، علمِ خدا ہے، ذاتِ خدا کے بارے میں انسان کی معرفت ہے، یہ قرآن کا پہلا علم ہے، اس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ متنِ قرآن ہے باقی سب حاشیۂ قرآن ہے، توحید متنِ قرآن ہے، توحید متنِ دین ہے، امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

أَوَّلُ اَلدِّينِ مَعْرِفَتُهُ......(۲)

اولِ دین اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے......

اساسِ دین، بنیادِ دین یا اولِ دین معرفت ہے، یہ گنتی کا اول نہیں ہے کہ اول دین معرفتہ وثانیہ دین فلاں، جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا......(۳)

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں......

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ پھر یہ حدیث ناقص ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور مناسبتوں سے فرمایا کہ فلاں کھڑکی ہے، فلاں روشندان ہے، آخر شہر کی تو کھڑکیاں نہیں ہوتی ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ علم کہا ہے نہ کہ بیت العلم، مدینے کی کھڑکیاں اور روشندان نہیں ہوتے بلکہ دروازہ ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے وہ حدیثیں جالی بنالی ہیں۔

یہ جو اولِ دین کہا ہے تو اس اول کا معنیٰ ثانی کے مقابلے میں نہیں ہے کہ ثانیٔ دین بھی کوئی

چیز ہے، دوسری اساس الدین بھی کوئی چیز ہے، اول الدین یعنی بنیاد، اساس اور پھر اس کے اوپر دین کی جتنی عمارت تعمیر ہوگی یہ اسی اساس پر تعمیر ہوگی۔

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ......

یعنی معرفتِ خدا اساسِ دین ہے، اس علم سے جو دین شروع ہوگا وہ درست دین ہے، وہ انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے،

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥ (۴)

ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔

یعنی خدا سے شروع کرنا ہے اور خدا تک پہنچنا ہے لیکن جو معرفت خدا سے شروع نہ ہو، جو دین خدا سے شروع نہ ہو، جو علم خدا سے شروع نہ ہو وہ ہرگز خدا تک نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہی وہ دین خدا تک پہنچاتا ہے کہ جس کا آغاز خدا سے نہ ہو، پس مدرسے والوں کے لئے، مومنین کے لئے، عوام کے لئے اور سب کے لئے اساسی علم یا بنیادی علم علمِ توحید ہے، علمِ توحید سے مراد فقط وحدانیت نہیں ہے، علمِ توحید الٰہیات کا عنوان ہے، الٰہیات یعنی خدا کے بارے میں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں، اللہ کے بارے میں معرفت، اللہ کی معرفت۔ کچھ معرفتیں کسی حد تک انسان کے لئے مقدور ہیں کہ جو خداوند تبارک وتعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہیں، کنہِ خدا کی معرفت کوئی بھی حاصل نہیں کرسکتا ہے، حقیقتِ خدا کیا ہے؟ یہ کسی کے لئے مقدور نہیں ہے، غیر اللہ کے لئے مقدور نہیں ہے، حقیقتِ ذاتِ خدا، رازِ ذاتِ خدا، کنہِ ذاتِ خدا، یہ خدا کے علاوہ کسی پر منکشف نہیں ہے، نہ فرشتے پر، نہ نبی پر، نہ

ولی پر اور نہ کسی اور پر۔

۳) معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ھے

انسان کیلئے معرفت ایک حد تک مقدور ہے، البتہ انسانوں کے درجات ہیں، ظاہر ہے کہ ملائکہ کے لئے ایک حد تک مقدور ہے، انسانوں کے لئے ایک حد تک مقدور ہے اور انسانوں میں بھی معصوم کے لئے اور غیر معصوم کے لئے سب کی درجہ بندی ہے لیکن ہر ایک کے لئے معرفتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کی ایک مقدارِ معین، ایک حدِ معین اور معرفتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کا ایک طے شدہ راستہ کھلا ہوا ہے چونکہ اگر ہم کہیں کہ سرے سے معرفتِ خدا کا باب تعطل کا شکار ہے تو اس صورت میں دین کی ساری بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ انسان کا خدا سے رابطہ ہے، ہر ذرے کا خدا سے رابطہ ہے، ہر مخلوق کا خدا سے رابطہ ہے لیکن مخلوق کی حد تک رابطہ ہے نہ کہ خدا کی حد تک رابطہ ہے، خدا لامحدود ہے اور مخلوق محدود ہے، پس یہ محدود اور لامحدود کا رابطہ محدود رابطہ ہوتا ہے۔

جیسے آپ منطق میں پڑھتے ہیں کہ اگر ہم قیاس تشکیل دیتے ہیں، صغریٰ و کبریٰ کو قیاس بناتے ہیں تو نتیجہ ہمیشہ اخص سے مقدمہ کے تابع ہوتا ہے یعنی نتیجہ پست مقدمے کے اور ادنیٰ مقدمے کے تابع ہوتا ہے جیسے پہلے مثالیں دی تھیں کہ ایک اچھے اور برے انسان کی دوستی ہمیشہ بری ہوتی ہے چونکہ مقدمہ پست حصے اور پست جزو کے مطابق ہوتا ہے، اگر آپ ایک برتن میں بڑی مقوی غذا و دوا ڈالیں اور ساتھ تھوڑا زہر بھی ڈالیں تو نتیجہ زہر نکلے گا، یہ پورا مجموعہ زہر بن جائے گا،

مقوی نہیں بنے گا چونکہ مجموعے کا نتیجہ ہمیشہ گھٹیا جزو اور گھٹیا حصے کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا اچھے اور بُرے لوگوں کی مجلس میں ہمیشہ برا نتیجہ نکلتا ہے، وہ بری محفل بنتی ہے اور ہمیشہ بری صحبت میں شمار ہوتی ہے چونکہ نتیجہ گھٹیا جزو کے مطابق شمار کیا جاتا ہے۔

پس انسان محدود ہے، خدا لامحدود ہے، محدود اور لامحدود کا رابطہ محدود ہوگا یعنی جتنا یہ اس سے محدود ہے اتنا ہی اس کا رابطہ ہوگا اور مخلوقات کی حدود مختلف ہیں، کچھ مخلوقات کی حدود بڑی اور وسیع ہیں لیکن کچھ مخلوقات کی حدود بہت تنگ ہیں، جیسے ذہن ہے کہ بعض ذہن بہت چھوٹے اور بعض بند ذہن ہیں، بعض تھوڑے بڑے اور کھلے ذہن ہیں، کہتے ہیں کہ فلاں وسیع الظرف انسان ہے، وسیع النظر انسان ہے، وسیع النظر انسان کی دنیا بہت بڑی ہوتی ہے، تنگ دل انسان کی دنیا بہت چھوٹی ہوتی ہے۔

بعض متدینین و مومنین کے بارے میں یہ لطیفہ بنایا ہوا ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے تو ان کیلئے جنت میں ایک چار دیواری بنی ہوگی اور اس پر خاردار تار لگی ہوگی، آگے درخت اور پیچھے یہ ہوں گے، باقی سارے بہشتی کھلے میدان میں ہوں گے، پوچھا جائے گا کہ ان کو یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟ جواب یہ ملے گا کہ جب یہ دنیا میں تھے تو ان کی ذہنیت یہ تھی، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ فقط ہم جنت میں جائیں گے اور ہمارے علاوہ کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا تو اب جب یہ بندگانِ خدا جنت میں آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سب جنت میں ہیں تو انکا دل ٹوٹے گا، اس وجہ سے ان کی جنت کو دیوار بنا کر محدود رکھا گیا ہے تاکہ ان کو یہی معلوم ہو کہ فقط ہم جنت میں ہیں۔

تنگ نظر انسان کی جنت بھی بہت تنگ ہے، وسیع النظر انسان کی دنیا بہت وسیع ہے، بعض حکماء کے بقول ہر انسان ایک الگ دنیا میں رہتا ہے، ہر انسان کی کونسی دنیا ہے؟ جتنی اس کی نظر ہے، ہر انسان کی نظر کے مطابق اس کا جہان ہے، اگر وسیع انسان ہے تو اس کا جہان بہت وسیع ہے، تنگ انسان ہے تو اس کا جہان بھی بہت تنگ ہے اور یہی مطلب مولانا روم نے خداوند تبارک وتعالیٰ کے بارے میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ

ھر کسی از ظنِّ خود شد یار من

از درونِ من نجست اسرار من...... (۵)

یعنی ہر انسان اپنے گمان کے مطابق میرے ساتھ مرتبط ہے ورنہ جتنی میری حقیقت ہے اس طرح کوئی بھی میرے ساتھ مرتبط نہیں ہے،

ھر کسی از ظنِّ خود شد یار من

یعنی اپنے گمان کے مطابق میری طرف آیا ہے ورنہ

از درونِ من نجست اسرار من

اور معلوم بھی نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا ہر انسان کو مقدر بھر حد تک معرفتِ خدا میسر ہے اور یہ ممکن ہے لیکن اتنی مقدر بھر معرفت کے لئے بھی کوشش کرنی پڑے گی اور سب سے بہترین منبع قرآن ہے۔

معرفتِ خدا ایک حد تک مقدور ہے

٤) اسماء اللّٰہ، معرفتِ خدا کا پہلا باب

معرفتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کے لئے بابِ اصلی معرفت اسماء اللہ ہے، خداوند تبارک و تعالیٰ کے بارے میں سب سے پہلی معرفت کہ جہاں سے ہم معرفت خدا کا آغاز کریں وہ معرفتِ اسماء اللہ ہے، حضرت امام صادق علیہ السلام سے یہ حدیث اصولِ کافی میں مرحوم کلینیؒ نے بابِ اشتقاقِ اسماء میں نقل کی ہے کہ امام علیہ السلام سے کسی شخص نے آکر سوال کیا کہ اتنے زیادہ اسماء اللہ ہیں، ان کی حکمت کیا ہے؟ خدا نے اتنے زیادہ اسماء کیوں اختیار کئے ہیں؟ اول اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ جو رائج ہے کہ اسماء اللہ ننانوے ہیں، ایسا نہیں ہے، اسماء اللہ لامحدود ہیں، اسماء اللہ کی کوئی حد نہیں ہے، یہ جو تدوین کئے گئے ہیں یہ تعلیم کے لئے تدوین کئے گئے ہیں، یہ ننانوے ہیں نہ یہ کہ فقط یہی اسماء اللہ ہیں، لامتنہی یعنی ان اسماء اللہ کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہمیں ننانوے سمجھ میں آئے ہیں یعنی یوں کہیں کہ ہم ننانوے درجے کی حد تک آگے پہنچ سکے ہیں والّا ابھی اس سے آگے بھی ماجرا ہے اور اس سے آگے بھی اسماء اللہ کی دنیا ہے۔

جب اس شخص نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ ان اسماء کی حکمت اور فلسفہ کیا ہے تو امام علیہ السلام نے بہت خوبصورت تعبیر بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان اسماء کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنی معرفت کے دروازے قرار دیا ہے، یہ اسماء ابوابِ معرفتِ خدا ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان جس وادی میں، جس میدان میں جاتا ہے تو اس کو اس کے در سے جانا چاہیے، اگر انسان معرفتِ خدا و معرفتِ توحید حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا دروازہ اسماء اللہ ہیں، اب قرآن مجید میں اسماء اللہ کی طرف آئیں کہ کس

خوبصورتی سے قرآن نے اسماء اللہ ترتیب دیئے ہیں اور آیات کے اندر کس طرح سے اسماء اللہ چمک رہے ہیں، اسماء اللہ کے ساتھ اسماء اللہ کی کس قدر درخشندگی ہے۔ لیکن تفاسیر میں اور خصوصاً مترجمین نے اسماء اللہ کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے، وہی کیا ہے جو شاعر قافیے کے ساتھ کرتا ہے چونکہ پہلی آیت میم پہ ختم ہوئی ہے تو دوسری بھی میم پہ ختم ہو، پہلے میم حکیم آیا ہے تو دوسری میں علیم آنا چاہئے، یہاں علیم کیوں ہے؟ چونکہ پہلے میں حکیم آیا ہے، حالانکہ یہ وجہ نہیں ہے، قرآن شعر نہیں ہے،

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآنٌ مُّبِينٌ ٥(٦)

اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کی تعلیم نہیں دی ہے اور نہ شاعری اس کے شایان شان ہے یہ تو ایک نصیحت اور کھلا ہوا روشن قرآن ہے۔

یہ قرآن شعر نہیں بلکہ سراسر ہدایت ہے، حکمت ہے، نور ہے، قرآن سراسر آیہ ہے، اخلاق کے بارے میں، فقہ کے بارے میں، اجتماعی مسئلے کے بارے میں، سیاسی مسئلے کے بارے میں، جہان بینی کے بارے میں، حقیقت شناسی کے بارے میں، انسان شناسی کے بارے میں، طبیعت اور عالمِ طبیعت کے بارے میں آیہ ہے، یہ سب قرآن میں ہے، لیکن آیات منتہی کہاں پر ہو رہی ہیں؟ اسماء اللہ پر، اکثر و بیشتر آیات اسمائے حسنۂ خدا پر جا کر منتہی ہو رہی ہیں، کیا حکمت ہے؟ آیا اختتامِ آیہ برکت کے تحت ہے؟ برکت کے لئے بھی نہیں ہے، جس طرح آپ کہتے ہیں اور کرتے ہیں کہ شروع نام اللہ کے ساتھ، اُردو کے پرانے ترجمے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ کرتے ہیں کہ ''شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے''، یعنی اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں،

یہ آیہ کے اندر اسم کیا کر رہا ہے مثلاً

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، بسم اللہ کو ختم کس پہ کرتا ہوں؟ رحیم پر، رحیم بھی اسمِ خدا ہے تو پھر معنیٰ یوں ہو جائے گا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے نام کے ساتھ ختم بھی کرتا ہوں یعنی برکت کے لئے اسم سے شروع کیا اور برکت کے لئے اسم پر جا کر ختم کیا، عموماً برکت کے لئے لوگ ایسا کام کرتے ہیں مثلاً حوزے میں اتوار کو درس شروع ہوتے ہیں، ویسے کہتے ہیں کہ جمعے میں برکت ہیں لیکن درس اتوار کو پڑھتے ہیں، حوزوی خرافات بھی عوامی خرافات سے مختلف ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بدھ کو درس شروع کرتے ہیں یا اتوار کو شروع ہونا چاہئے، ویسے جمعہ متبرک دن ہے لیکن جمعے کو اصلاً درس نہیں پڑھنا ہے، جو جمعے کو درس پڑھے گا وہ جنت نہیں جائے گا، جب برکتی دن ہے تو زیادہ درس جمعے کے دن پڑھنے چاہئیں، ویسے بھی سورۂ مبارکہ جمعہ آیہ ۱۰ میں ہے کہ جمعہ پڑھ کر کام کرو،

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِی الْأَرْض......

یعنی جب نماز قائم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ......

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّه......

اور فضل خدا کو تلاش کرو......

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا......

اور خدا کو بہت یاد کرو......

اختتامِ اسمائے حسنٰی پر آیات کا صرف ایک اشارہ کرتا ہوں چونکہ ہماری بحث تفسیرِ قرآن میں نہیں ہے یا ان اسماء میں نہیں ہے، صرف اس بات کی وضاحت کیلئے اسماء اللہ کی ایک حکمت عرض کرتا ہوں کہ صدر المتألھین کا اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن کی آیات سے علوم کو استنباط کیا جائے، لیکن انسان قرآن کی بارگاہ میں جائے تو پہلے ابتدائی موضوعات کو چھیڑے پھر فرمایا کہ علمِ توحید اساسی علم ہے اور معرفتِ خدا کے بارے میں ذکر کیا کہ اسماء اللہ ابوابِ معرفتِ خدا ہیں یعنی قرآن میں سب سے پہلے انسان کس کے پیچھے جائے؟ توحید کے پیچھے جائے، انسان قرآن کے اندر جستجو گرِ توحید ہو، توحید کے اندر سب لپٹا ہوا ہے، توحید ایک فولڈر (Folder) ہے کہ جس کے اندر سارے علوم ہیں، اس کے اندر جا کر پتہ چلے گا، ابھی باہر سے ہی چابی نہ مانگیں،

توحید کے اندر جائیں گے تو دیکھیں گے کہ آپ کو وہاں سے بہت کچھ ملے گا، انسان کس طرح سے توحید تک پہنچے؟ اسماء اللہ کے ذریعے سے پہنچے، قرآن نے اسماء اللہ کو ابوابِ معرفتِ خدا مقرر کیا ہے۔

☆آیات کے آخر میں اسماء اللہ کی حکمت

قرآن میں بہت سی آیات کے اختتام پر اسماء اللہ ذکر کئے گئے ہیں۔ آیۂ فقہی، آیۂ اخلاقی، آیۂ اجتماعی، آیۂ سیاسی، آیۂ علمی، آیۂ جہاں بینی، آیۂ فلسفی اور جو بھی آیہ کا مضمون ہو تو یہ آیہ کسی نہ کسی اسم پر جا کر منتہی ہو رہی ہے، اس اسم کا اس آیہ کے ساتھ کیا ربط ہے؟ برکت کے لئے نہیں ہے، بالآخر

کہیں تو منتہی ہونا ہی تھا، مثلاً آیات کے آخر میں یہ اسماء اللہ ہوتے ہیں،

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥ (٧)

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٥ (٨)

أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ٥ (٩)

اب کوئی یہ نہ سوچے اس کے بجائے أَنَّ اللّٰهَ رَحِيْمٌ حَلِيْمٌ کہہ دیتے تو قافیہ بھی مل جاتا اور وزن بھی برابر ہو جاتا۔ یہ ساتھ میں غفور کیوں کہا؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ اس لئے کہ جو کچھ آیہ کے اندر پیش ہوا ہے یہ اسمِ خدا اس آیہ کیلئے بمنزلۂ برہان ہے۔

یہ مطلب حضرتِ استاد آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی سے نقل کر رہا ہوں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اسماء اللہ کا وقوع ان آیات کے اختتام پر بمنزلۂ برہان ہے، نہ صرف بمنزلۂ برہان بلکہ حقیقتاً برہانِ آیت ہے یعنی دلیلِ آیت ہے، یہ اسمِ خدا علتِ آیت ہے یعنی یہ آیت اس اسمِ خدا کی تجلی ہے، اس اسمِ خدا سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہے، یہ مفسر کا کام ہے، مستنبط کا کام ہے کہ ربط دے، آیت کو اسمِ خدا کے ساتھ ربط دے، تفسیر کا یہی معنیٰ ہوتا ہے، تفسیر کا مطلب صرف مبتدا و خبر تلاش کرنا نہیں ہے، تفسیر یعنی آپ آئیں اور مضمونِ آیت کو پہلے کشف کریں کہ کیا ہے؟ آیہ کیا کہنا چاہ رہی ہے؟ پیغامِ آیت کیا ہے؟ آیت کا پیغام لے کر اب اس کا رابطہ اسمِ الٰہی سے مربوط کرو اور ذکر کرو کہ اس کا اسمِ خداوند تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کیا رابطہ ہے؟ پس معلوم ہوا کہ جہاں عزیز و حکیم ہے، غفور و شکور ہے، علیم و حکیم ہے، شکور و حلیم ہے، غفور و رحیم ہے، قوی و

☆ آیات کے آخر میں اسماء اللہ کی حکمت

عزیز ہے یا جہاں کوئی اور اسم ہے تو اسی اسم کے مطابق یہ آیت تدوین کی گئی ہے، یہ جلوہ اسمِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہے، پس پہلا باب معرفتِ اسمائے خداوند تبارک وتعالیٰ ہے لیکن خود ہی فرماتے ہیں کہ یہ معرفت اخص لوگوں کے لئے ہے، مخصوص لوگوں کے لئے ہے، یہ معرفت عام نہیں ہے کہ ابوابِ معرفتِ خدا سے خدا کی طرف جانا، اسماء اللہ سے خدا کی طرف جانا۔

☆دعائے جوشن، خزانۂ اسماء اللہ

ایک دعا کہ جسے ہم نے پورے سال ہاتھ نہیں لگایا ہے کہ کہیں اس کا تقدس پائمال نہ ہو جائے، جو فقط لیلۃ القدر کے لئے رکھی ہوئی ہے وہ دعائے جوشن ہے، بعض ہاتھ نہیں لگاتے ہیں کہ یہ چیزیں میلی ہو جاتی ہیں، خراب ہو جاتی ہیں، دعائے جوشن پڑھیں، دعائے جوشن کیا ہے؟ اس کے اندر فقط اسماء اللہ ہیں، ایک ہزار اسمائے خدا ہیں اور اسے اسپیڈ (Speed) کے ساتھ نہیں پڑھنا ہے، دعائے جوشن کا یہاں مقابلہ ہوتا ہے، ایک سینٹر (Centre) والے آتے ہیں اور دوسرے سینٹر میں پوچھتے ہیں کہ آپ کے مولانا نے کتنے منٹ میں پڑھی؟ کہتے ہیں کہ پندرہ منٹ میں پڑھی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے مولانا نے چودہ منٹ میں پڑھی، وہ پھر افسوس کرتا ہے کہ ہمارا ایک منٹ ضائع ہوا ہے۔

ایک جگہ خود میرا اپنا تجربہ ہے، دعا میں نے خود لے لی کیونکہ وہ جس طرح سے دعائے جوشن کی درگت بنا رہا تھا تو ان سے درخواست کی کہ میری آواز اور سُر تو آپ جیسا نہیں ہے لیکن مجھے

دیں میں پڑھتا ہوں، پڑھنا شروع کی تو پیچھے سے عجیب وغریب قسم کی آوازیں آنے لگیں کہ جس طرح برتن کھنکنے کی آوازیں ہوتی ہیں، جب میں دُعا کا وہ ایک حصہ پڑھتا چونکہ اسماء اللہ اس طرح بند بند کی صورت میں ہیں، وہ جب پڑھتا تو زور زور سے آوازیں آنا شروع ہو جاتی تھیں، ایک دفعہ جو پیچھے مڑا تو دیکھا کہ سب کے پاس پانی کے بھرے ہوئے جگ رکھے ہوئے ہیں اور بیچ میں تسبیحاں لے کر منتظر ہیں اور جوں جوں میں پڑھتا تھا وہ پانی کے اندر بیچ میں تسبیحاں ہلاتے تھے، پھر ان سے کہا کہ ان کا کیا کرنا ہے؟ کہا کہ یہ مریضوں کو پلانا ہے اور یہ فلاں کو پلانا ہے، کسی نے ان لوگوں سے کہا کہ اٹھو یہ سارے جگ انڈیل کے آؤ، یہ ختم کرو، یہ جوشن کے ساتھ تم نے کیا شروع کر دیا؟ یہ اسماء اللہ کا ذکر ہو رہا ہے، تم اسمائے خدا سنو اور اسمائے خدا میں غور کرو، اسماءِ خدا سے خدا سے اپنا رابطہ برقرار کرو، ان اسماء کے ساتھ تمسک کرو شاید آج کی رات کوئی اسم تمھارے شاملِ حال ہو جائے، کسی اسم کی تجلی تمہارے دل پر ہو جائے، شاید کسی اسم سے تمہارا ربط جڑ جائے اور وہ دولتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہو جائے، آپ یہ کیا عمل کر رہے ہو؟

جوشنِ کبیر یعنی مجموعۂ اسماء اللہ، بہت زیادہ نورانی دعا ہے، اس دعائے شریفِ جوشن کے لئے توصیف کے لئے واقعاً الفاظ نہیں ہیں، اس کے اندر گدائی نہیں ہے بس صرف اسماء اللہ ہیں یعنی سراپا نور ہی نور ہے، تمام اسماء جو قرآن میں ہیں اور جن کی طرف قرآن نے راہنمائی کی ہے وہ سب کے سب دعائے جوشن میں ہیں، خدا نے یہ نعمتیں ہمیں ائمہ علیہم السلام کی صورت میں عطا کیں ہیں، اہلبیت علیہم السلام نے ہمارے لئے یہ تحفے اور یہ میراث چھوڑی ہے لہٰذا اس سے سروکار رکھیں۔

الغرض اسماء اللہ معرفتِ خدا کا پہلا باب ہیں اور اسماء اللہ سے خواص کا تعلق ہوتا ہے، وہ اہلِ معرفت خاص لوگ ہیں کہ جن کو یہ توفیق ہوتی ہے کہ معرفتِ خدا کیلئے اسماء اللہ کے باب سے داخل ہوں کیونکہ باہمت لوگ ہوتے ہیں البتہ سب جاسکتے ہیں کسی کے لئے ممنوع نہیں ہے۔

۵) افعالِ الٰہی، معرفتِ خدا کا دوسرا باب

صدرالمتالھینؒ فرماتے ہیں کہ اسماء اللہ کے بعد افعالِ الٰہی معرفتِ خدا کا باب ہیں، کیونکہ اکثر لوگ اسماء اللہ کی طرف ہمت نہیں کرتے ہیں بلکہ افعالِ خدا میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے اگر اسماء اللہ تک رسائی نہیں ہے تو افعالِ الٰہی کے ذریعے سے آئیں اور معرفتِ قرآن میں اثارہ وثورہ کریں اور افعالِ الٰہی میں غور وفکر کے ذریعے سے معارفِ قرآنی کو چھیڑیں یعنی اگر اسماء سے استنباط کے قابل نہیں ہیں تو افعالِ الٰہی سے استنباط کریں کہ یہ در بھی قرآن نے ہمارے لئے کھولا ہے۔

☆فعلِ الٰہی سے مراد

فعل سے مراد یہی مخلوقات اور موجودات ہیں، فعل سے مراد معنئ مصدری نہیں ہے، فعلِ خدا خلق کرنا نہیں ہے بلکہ خود مخلوق فعلِ خدا ہے، صرف زمین بنانا فعلِ خدا نہیں ہے بلکہ خود زمین فعلِ خدا ہے، خود آسمان فعلِ خدا ہے، خود موجودات جو کسی بھی شکل میں موجود ہوں، جسمانی و غیر جسمانی، مادی و غیر مادی، ارضی و سماوی یا زمین کے اندر جس شکل میں بھی موجود ہوں، بصورتِ جماد

موجود ہوں، بصورتِ نبات موجود ہوں، بصورتِ معدن موجود ہوں، بصورتِ حیوان یا بصورتِ انسان موجود ہوں یہ سب کچھ افعالِ الٰہی ہیں۔

عام انسانوں کے لئے آسان ترین علم، علمِ افعالِ الٰہی ہے کہ جسے انسان سادگی اور سہولت سے حاصل کرسکتا ہے اور ہر انسان مقصودِ علم ہے، علم سے مراد ڈگری (Degree) و مدرک نہیں ہے، ممکن ہے کہ ایک انسان عام مطالعہ کے ذریعے سے، موجودات اور نظامِ ہستی کے مطالعہ سے بہت ساری چیزوں سے آگاہ و مطلع ہو درعینِ حال کسی علمی مرکز میں رسمأ نہ پڑھا ہو اور کوئی ڈگری و مدرک اس کے پاس موجود نہ ہو، یہاں پر مراد افعالِ الٰہی میں غور و خوض کرنا ہے نہ کہ بنامِ علم جو دینی مراکز یا غیر دینی مراکزِ علمی تاسیس ہوئے ہیں ان کے اندر جا کر باقاعدہ ایک مدرک و ڈگری حاصل کرنا ہے۔

آج کل رائج ہے کہ عالم اسے کہتے ہیں جو کسی علمی مرکز کا فارغ التحصیل ہو یا اس نے کہیں سے یہ تدوینی کتابیں بصورتِ لفظی پڑھی ہوں لیکن جس نے عالمِ ہستی میں، موجودات میں اور عالمِ الٰہی میں خود غور و خوض کیا ہوا ہو اسے کوئی عالم کے زمرے میں شمار نہیں کرتا۔ قرآن میں عالم سے مُراد یا یہاں پر مُراد از علوم یہ ہے کہ انسان جو علوم افعالِ الٰہی سے استنباط کرتا ہے اور افعالِ الٰہی سے علوم استنباط کر کے انہیں کتب کی شکل میں اور دیگر صورتوں میں تدوین کر کے طلاب علوم کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

☆ فعلِ الٰہی سے مراد

٦) افعالِ الٰہی کے دو چہرے

صدر المتألھین ساتھ ہی یہ نکتہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم افعالِ الٰہی میں غور و استنباط کریں تو اس نکتے کی طرف متوجہ رہیں کہ ہر فعلِ الٰہی دو پہلو رکھتا ہے، فعلِ خدا کے دو چہرے ہیں، انسان کس چہرے سے افعالِ خدا کا مطالعہ کرے؟

انہی افعال کا ایک چہرہ انسان کو خدا سے غافل کر دیتا ہے اور ایک چہرہ ایسا ہے کہ اگر ہم اُس پہلو سے فعلِ خدا میں غور و استنباط کریں تو وہ ہمیں اسماء و صفاتِ الٰہی تک پہنچاتا ہے اور اسماء و صفاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ سے ذاتِ خدا تک پہنچاتا ہے اور یہ وہ چہرہ ہے کہ جسے ہم وجہ اللہ کہتے ہیں۔ ہر موجود کے اندر دو وجہ ہیں، ایک اس کا اپنا مخصوص وجہ ہے، جس وجہ کے لحاظ سے، جس چہرے کے لحاظ سے وہ ایک شے ہے اور ایک وجہ اسی کے اندر وجہ اللہ ہے کہ جس کے بارے میں قرآن مجید نے بھی فرمایا ہے کہ

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ٥(١٠)

اور اللہ کے لئے مشرق بھی ہے اور مغرب بھی پس جدھر بھی رخ کرو وجہ خدا وہیں موجود ہے، بے شک وہ صاحبِ وسعت بھی ہے اور صاحبِ علم بھی ہے۔

یعنی آپ جدھر نگاہ کرو وجہ خدا آپ کو وہیں پر ملے گا یا جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ٥ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ٥(١١)

جو بھی روئے زمین پر ہے سب فانی ہیں اور صرف تمہارے رب کی ذات جو صاحبِ جلال واکرام ہے وہی باقی رہنے والی ہے۔

ہر چیز کو فنا ہے لیکن وجہِ خدا کو فنا نہیں ہے یعنی یہ اشیاء جو معرضِ ہلاکت میں ہیں اور فانی ہیں لیکن ان کا چہرۂ وجہِ الٰہی باقی ہے چونکہ وہ متصل باذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہیں اور اسی لحاظ سے ہر موجود خداوند تبارک وتعالیٰ سے حکایت کرتا ہے اور اس چہرے سے اگر انسان کسی موجود کو، کسی مخلوق کو دیکھے تو اس سے پہلے کہ وہ شے نظر آئے انسان کو خدا کی ذات نظر آتی ہے البتہ نہ کہ اس ظاہری آنکھ سے، ممکن ہے کہ انسان اس آنکھ سے، اس بصر سے مخلوق کو دیکھتا ہو لیکن بصیرت سے اسی شے کے اندر خدا نظر آتا ہے، جس طرح خود امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اس شخص کے جواب میں کہ جس نے آپ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ آیا آپؑ نے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ ہاں، میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا کہ جسے میں نے دیکھا نہ ہو،

لَمۡ أَکُنۡ أَعۡبُدُ رَبّاً لَمۡ أَرَہُ...... (۱۲)

میں نے ایسے خدا کی عبادت نہیں کی ہے جسے میں نے دیکھا نہ ہو......

مَا کُنۡتُ لِأَعۡبُدُ رَبّاً لَمۡ أَرَہُ...... (۱۳)

یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا کہ جسے دیکھا نہ ہو،

میں نے آج تک کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی مگر یہ کہ پہلے اس میں خدا کو دیکھا ہے، اس نے پوچھا کہ خدا کو کہاں دیکھا ہے؟ اور کیسے دیکھا ہے؟ فرمایا کہ خدا نورِ ایمان اور بصیرتِ ایمان سے

دیکھا جاتا ہے۔

انسان کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک دل کی آنکھ ہے اور ایک جسم کی آنکھ ہے، جسم کی آنکھ سے ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے ہیں بلکہ فقط جسمانیات اور محسوسات کو دیکھ سکتے ہیں لیکن دل کی آنکھ، ایمان کی آنکھ اور نورِ بصیرت سے ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں، جیسا کہ بصیرت سے انسان بہت کچھ دیکھ سکتا ہے، بہت ساری چیزیں ہیں کہ جو بصیرت دیکھتی ہے مثلاً ہم ٹریفک کا اشارہ دیکھتے ہیں تو آنکھ ہمیں فقط ایک تیر بنا ہوا دکھاتی ہے، آنکھ ایک سرخ گول دائرہ دکھاتی ہے لیکن بصیرت اس کے اندر موجود قانون دکھاتی ہے، بصیرت یہ کہتی ہے کہ اس نشانی کے پیچھے یا اس بورڈ کے اندر قانون موجود ہے، پس بصر سے انسان رنگ دیکھتا ہے، بصر سے انسان ایک سائن (Sign) دیکھتا ہے لیکن بصیرت سے یہی انسان اس قانون کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اگر بصیرت نہ ہو تو انسان کو قانون نظر نہیں آتا ہے جیسا کہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بورڈ نظر آتا ہے لیکن قانون نظر نہیں آتا ہے کیونکہ ان کے پاس بصیرت نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح سے یہ سب مخلوقات آیاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہیں، سب ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کی نشانیاں ہیں، کوئی چھوٹی نشانی ہے تو کوئی بڑی نشانی ہے، اگر کوئی ان نشانیوں کو صرف نشانی کے پہلو سے، نشانی کے چہرے سے دیکھے تو ان موجودات کے اندر انسان کو خدا نظر آئے گا چونکہ یہ سب آئینہ ہیں، یہ سب خدا نما ہیں، خدا نما یعنی ہستیٔ خدا کی نمائش کر رہی ہیں، تجلیٔ خدا ہیں اور یہ اشیاء صفاتِ خدا کی نمائش کر رہی ہیں اور یہ سب کچھ ہمیں خدا کی کوئی نہ کوئی صفت بتا رہی ہیں، روئے

زمین پر یا کائنات میں جتنے موجودات ہیں اور جو کچھ انسان کی بصیرت میں آتا ہے یہ سب ہمیں خدا کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔

۷) بابصیرت انسان کی دید

نکتۂ دیگر یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم وجہ الٰہی کے پہلو سے اشیاء کو دیکھتے ہیں تو اس لحاظ سے اشیاء کو بقا حاصل ہے لیکن جب ہم اس کے دوسرے چہرے کو کہ جس چہرے کے لحاظ سے وہ خود ایک شے ہے، ایک موجود ہے، ایک مخلوق ہے کہ جو دیگر مخلوقات کی مانند ہے یا ان کے مقابلے میں ہے تو اس لحاظ سے یہ شے ہالک ہے۔ پس اگر ہمیں صحیح دید عطا ہو جائے، اگر ہم صحیح بصیرت کے ساتھ کسی چیز کو دیکھیں تو ہمیں ایک چیز کے اندر دو منظر نظر آئیں گے، ایک ہی شے کے اندر، ایک ہی نگاہ کے اندر دو منظر نظر آئیں گے، ایک منظر بقا کا نظر آئے گا اور ایک منظر فنا کا نظر آئے گا یعنی وہ شے ہمیں باقی نظر آئے گی اور وہی شے ہمیں فانی نظر آئے گی، ہم اسی شے کو ہلاکت میں دیکھیں گے، ہر شے ہالک ہے اور ہر شے کے اندر ایک گوہر، ایک جوہر اور دیکھیں گے کہ جو حالتِ بقا میں ہے اور اسی سے منسوب ایک شعر ہے کہ جو جاہلیت کے زمانے کی تنہا چیز ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی ہے، لبید بن ربیعہ بن عامر زمانۂ جاہلیت کا شاعر ہے، یہ سبعِ معلقہ میں شامل تھا یعنی ساتھ ہی شاہکارِ ادبِ عربی ہے، عرب کے اندر جو قصیدے جاہلیت کے زمانے میں موجود تھے ان میں سے ایک قصیدہ اسی کا تھا، لبید نے ایک شعر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بہت تمجید کی اور فرمایا کہ

صادق ترین قول جو کسی عرب کی زبان سے نکلا ہے وہ یہی قول ہے اور وہ قول یہی مطلب ہے کہ جو یہاں بیان فرما رہے ہیں کہ

علی کل شیء ما خلا اللہ باطل

اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے، نہ کہ باطل ہو جائے گی،

یہ وہی مطلب ہے کہ جسے یہ آیہ بیان کر رہی ہے، لبید کے شعر میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے، آیہ میں ہے کہ

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ...... (۱۴)

اس کا معنیٰ یا ترجمہ عموماً یہ کرتے ہیں کہ کل شیء سیھلک یعنی ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔نہیں بلکہ ابھی حالتِ فنا میں ہے، ہر چیز ابھی حالتِ ہلاکت میں ہے، ہر چیز ابھی بالفعل ہالک ہے، حالِ حاضر میں ہر چیز ہالک ہے،

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ......

یعنی ہر شے ہالک ہے لیکن اس شے کے اندر ایک وجہ ہے کہ جو باقی ہے اور ہالک نہیں ہے، انسان اگر ہر شے کے اوپر نگاہ کرے اور یہ دو منظر دیکھ لے کہ

علی کل شیء ما خلا اللہ باطل

و کل نعیم لا محالة زاهل

اور ہر نعمت کو بالآخر زائل ہونا ہے، یہ زوال پذیر ہے اور زائل ہے۔ انسانِ بابصیرت،

بابصیرت انسان کی دید

انسانِ مستنبط اور انسانِ متدبّر وقرآن شناس کہ جس کو خدائی بصیرت عطا ہوگئی ہو وہ جب اشیاء پر نگاہ کرتا ہے تو انہیں ہالک دیکھ رہا ہوتا ہے، معرضِ ہلاکت میں دیکھ رہا ہوتا ہے اور انہی اشیاء کے اندر ایک وجہِ خدا ہے کہ جو باقی ہے اسے بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

پس اگر انسان بصیرت کے ساتھ مطالعۂ فعلِ خدا، تدبر در فعلِ الٰہی و استنباط در فعلِ خدا کرے اور ہر شے کو بصیرت کے ساتھ دیکھے تو وہاں سے انسان علومِ متعدد کشف کر سکتا ہے۔

۸) کتابِ تکوینیٔ خدا کی تفسیر کی ضرورت

جب انسان افعالِ خدا کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو یہی طبیعیات اور یہی معمولی علوم کہ جن کو ہم فقط سند کے لئے، ڈگری کے لئے، مقام کے لئے، ملازمت کے لئے، عزت کیلئے، شہرت کیلئے پڑھتے ہیں علوم الٰہی بن جاتے ہیں کہ ان ہی علوم سے انسان افعالِ الٰہی کی تفسیر کرے اور انہی افعال کے ذریعے سے خدا تک پہنچے لہٰذا تفسیرِ اقوالِ الٰہی و تفسیرِ افعالِ الٰہی میں کوئی فرق نہیں رہے گا مثلاً قرآن کلامِ خدا اور قولِ خدا ہے، کچھ لوگ آئیں اور قولِ خدا و کلامِ خدا کی تفسیر میں مشغول ہوں، اس میں کسی کو شک نہیں ہوتا ہے کہ یہ علمِ دین وعلمِ الٰہی ہے پھر اگر ایک انسان فعلِ الٰہی کی تفسیر میں مشغول ہو تو وہ بھی علمِ دین ہے، اگر نہ کہیں کہ یہ بالاتر دین اور بالاتر علم ہے اس علمِ قول سے، یعنی قول کی تفسیر سے بڑا علم فعل کی تفسیر ہے چونکہ کائنات فعلِ خدا ہے اور قرآن قولِ خدا ہے، یہ بھی کتابِ خدا ہے اور وہ بھی کتابِ خدا ہے، قرآن کتابِ تدوینیٔ خدا ہے اور کائنات کتابِ تکوینیٔ خدا ہے،

قرآن کے اندر کلماتِ لفظی خدا ہیں اور کائنات کے اندر کلماتِ وجودیٔ خدا ہیں۔

لہٰذا کوئی اس کتابِ تدوینی کی بھی تفسیر کرے اور اس کتابِ تکوینی کی بھی تفسیر کرے لیکن اس دید کے ساتھ کہ جو بیان ہوئی ہے یعنی یہ سب موجودات فعلِ خدا ہیں اور میں فعلِ خدا کی تفسیر کر رہا ہوں اور فعلِ خدا کی تفسیر میں بھی دو چہرے دیکھ رہا ہوں، ایک اشیاء کا ہالک چہرہ، فانی چہرہ، ختم ہونے والا چہرہ اور فنا و نیستی کی جانب جانے والا چہرہ اور ایک ان کا باقی چہرہ، اگر انسان اس طرح سے فعل کو دیکھے تو ہر موجود کے اندر انسان کو خدا ملے گا۔ یہ قرآن انسان کی راہنمائی کر رہا ہے، قرآن انسان کو ہدایت کر رہا ہے کہ آؤ تدبر کرو، دعوتِ تدبر و استنباط دیتا ہے کہ موجوداتِ ہستی میں، آیاتِ خدا میں، آیاتِ لفظیۂ خدا میں اور آیاتِ تکوینیۂ خدا میں غور و تدبر کرو، اب ہم کتاب کی عبارت کو پڑھ لیتے ہیں تا کہ یہ ادبِ پنجم تمام ہو جائے اور بعد کے ادبِ دیگر شروع کریں۔

۹) فعل سے فاعل کا استنباط

☆ فینبغی ان یتدبّر فی الفعل تدبرا کاملا بحده و حقیقته......

انسان کو چاہئے کہ فعلِ خداوند تبارک وتعالیٰ میں اس طرح سے تدبر کرے کہ حقِ تدبر ادا کرے،

☆ لیشهد فی الفعل الفاعل دون الفعل......

تا کہ فعل کے اندر اس کو فاعل نظر آئے نہ کہ اس کو صرف فعل نظر آئے یعنی جب مخلوق کو

دیکھے، جب دشت وکوہ ودمن دیکھے، جب پہاڑ وستارے وکہکشاں دیکھے تو اس کے اندر اسے فاعلِ فعل نظر آئے گا، جس طرح سے اگر انسان آیاتِ لفظیہ وآیاتِ تدوینیہ قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے متکلم نظر آئے گا، جیسے حضرت امام سید ساجدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس حد تک، اس قدر امام علیہ السلام بعض آیات کو تکرار فرماتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے تھے کہ اب میں قرآن سے یا صفحے سے نہیں یا دل و حافظے سے ان آیات کو نہیں پڑھ رہا ہوں بلکہ متکلم سے سن رہا ہوں، جیسے

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ٥

اگر انسان ان آیاتِ لفظی میں بھی غور کرے تو انسان کو متکلم نظر آتا ہے، اگر انسان فعلِ خدا میں تدبر وغور کرے تو انسان کو فاعل نظر آتا ہے،

☆ و من عرف الحق راہ فی کل شیء......

اور جو بھی حق تعالیٰ کی شناخت رکھتا ہو تو اسے ہر شے میں دیکھتا ہے، اگر واقعاً اسے خدا کی شناخت ہو تو اسے خدا ہر چیز میں نظر آتا ہے،

☆ اذ کل شیء فمنہ و الیہ و بہ و لہ......

چونکہ ہر چیز خدا کی جانب سے ہے، ہر چیز خدا کی طرف جارہی ہے، ہر چیز کی حقیقت خدا کے لئے ہے اور ہر چیز میں خدا ہے۔

۱۰)کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

☆ فهو الكل على التحقيق في وحدته......

بلکہ آپ کو کہیں غیرِ خدا نظر نہیں آئے گا کہ وہ خود ہی سب کچھ ہے، اسی کی تجلیاں ہیں، اسی کی آیات ہیں، اسی کی نشانیاں ہیں، اسی کے افعال ہیں، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، وہی مطلب جو شیخ سعدی نے عرض کیا کہ

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا هیچ نیست...... (۱۵)

اگر انسان واقعاً اس کائنات کے اندر حقِ تدبر و حقِ غور ادا کرے، عارف یعنی جو معرفتِ خدا رکھتے ہیں، عارف دیواریں دوڑانے والے کو نہیں کہتے ہیں، باطنی حال بتانے والوں کو نہیں کہتے ہیں، کرتب دکھانے والوں کو نہیں کہتے ہیں چونکہ ان کو سارے مرید نظر آتے ہیں یہ جو عرفاء بنے ہوئے کرتب دکھاتے ہیں ان کو خدا بھی نظر آتا ہے اور مرید بھی نظر آتے ہیں عارف یعنی معرفتِ خدا رکھنے والا، مقربِ خدا، فانی در خدا، مشغول بہ خدا۔ ان کے پاس خدا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، وہ دیواریں انہیں نظر نہیں آتیں چہ جائیکہ وہ دیواریں دوڑائیں۔

توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خرده گیرند اهل قیاس

حقیقت شناس لوگوں کو تو یہ بات بتائی جا سکتی ہے، ان کے سامنے تو اس بات کا اظہار کرنا

آسان ہے کہ اہلِ معرفت کے نزدیک خدا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حقیقت شناس کو بتا سکتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے لیکن اہلِ قیاس کہ جو عقلِ ظاہری و عقلِ محدود کے ذریعے سے سوچنے والے ہیں، وہ اشکال کریں گے اور اعتراض کریں گے،

کہ پس آسمان و زمین چیستند
بنی آدم و دام و دد کیستند؟

کہ پھر یہ زمین و آسمان کیا ہے؟ یہ بنی آدم کیا ہے؟ یہ حیوانات و چرند و پرند، یہ سب کیا ہیں؟ یہ تو خدا نہیں ہیں،

همه هر چه هستند از آن کمترند
که با هستیش نام هستی برند

ہاں یہ مخلوق ہیں، یہ ساری چیزیں ہیں لیکن یہ اس کے مقابلے میں نہیں ہیں، یہ اس کے علاوہ نہیں ہیں۔ یہ سب اگر موجود کہلاتے ہیں تو اس کی وجہ سے موجود کہلاتے ہیں چونکہ یہ اس کی تجلیاں ہیں، اس کی نشانیاں اور فعل ہیں، اسی کے جلوے ہیں نہ کہ خدا کے مقابلے میں ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ توحیدِ کامل یہ ہے کہ خدا کے ساتھ دوسرا خدا نہ ہو یعنی انسان خدا کے علاوہ کسی خدا کا قائل نہ ہو، نا، توحیدِ حقیقی یہ ہے کہ خدا کے مقابلے میں نہ خدا ہو اور نہ غیرِ خدا ہو، نہ کوئی معبود ہو اور نہ کوئی غیرِ معبود ہو، فقط خدا ہو۔ پھر یہ کثرت کیا ہوگی؟ یہ زمین و آسمان کیا ہوں گے؟ یہ بنی آدم و دیو و دد کیا ہوں گے؟ یہ خدا کے مقابلے میں نہیں ہیں، یہ خدا کی آیات ہیں، یہ خدا کی تجلیاں ہیں، یہ خدا کے جلوے ہیں مثلاً

کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

سورج ہوتو ایک سورج ہو، سورج کے مقابلے میں نہ سورج ہے نہ چاند ہوسکتا ہے، یہ نہ کہو کہ یہ شعاعیں کیا ہیں؟ یہ شعاعیں تو سورج کی شعاعیں ہیں، یہ سورج کے وجود کی دلیل ہیں، یہ تاکید کر رہی ہیں کہ فقط سورج ہے یعنی یہ کہ جن کو آپ خدا کے مقابلے میں سمجھتے ہو، یہ بنی آدم و دِیو و دد یہ خدا کے مقابلے میں نہیں ہیں بلکہ یہ تاکید کر رہے ہیں کہ غیر از خدا کچھ بھی نہیں ہے،

ہر گیاہی کہ از زمین روید
وحدهٗ لاشریك له گوید

یعنی یہ ہر پتہ جو زمین سے اگتا ہے وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے یعنی ہر موجود دلیل بر توحیدِ خدا ہے، بقول اہلِ معرفت کے کہ ان سے پوچھا گیا روئے زمین پر اور کائنات کے اندر خدا کی وحدانیت کی کتنی دلیلیں ہیں؟ کہا کہ جتنے موجودات ہیں۔ وجودِ خداوند تبارک وتعالیٰ پر ہر ذرّہ ایک برہانِ مستقل ہے، ہر چیز پکار کر کہہ رہی ہے، وحدهٗ لاشریک لہٗ، اس کے ساتھ کوئی شریک موجود نہیں ہے،

☆ ومن لا یراه فی كل ما یراه......

وہ شخص کہ جو ہر چیز دیکھتا ہے مگر اس میں اس کو خدا نظر نہیں آتا تو

☆ فكأنه ما عرفه......

اس نے خدا کو نہیں پہچانا،

☆قال امیر امؤمنین علیه السلام: ما رأیت شیئاً الاّ ورایت اللّٰه فیه......

کوئی شے خدا کے مقابلے میں نہیں

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس میں خدا دیکھا ہے، چونکہ امیر المومنین علیہ السلام وہ فن و ہنر اور وہ معرفت و درایت رکھتے تھے کہ یہ لطفِ خدا شاملِ حال تھا کہ اشیاء کو اسی چہرے سے دیکھتے تھے کہ جس چہرے سے خدا نظر آتا ہے، نہ کہ اس چہرے سے کہ جس چہرے سے اشیاء، اشیاء نظر آتی ہیں بلکہ ہر چیز آیتِ خدا نظر آتی تھی اور امیر المومنین علیہ السلام کا یہ بھی فرمانا ہے کہ سب سے بڑی آیتِ خدا میں خود ہوں،

وَمَا لِلّٰهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّي......(١٦)

اور اللہ کی کوئی آیت مجھ سے بڑی (بزرگ و عظیم المرتبت) نہیں ہے......

اور جیسے عرض کیا تھا کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ ہر شے کے دو چہرے ہیں، ایک چہرے سے وہ خود اپنا پتہ بتاتی ہے اور ایک چہرے سے خدا کا پتہ بتاتی ہے لیکن علی علیہ السلام دونوں چہروں سے خدا کا پتہ بتاتے ہیں، علی علیہ السلام کا جو چہرہ علوی چہرہ ہے اس چہرے سے بھی وہ نشانئ خدا ہیں اور علی علیہ السلام کے اندر جو چہرۂ وجہ اللہ ہے وہ بھی علامتِ خدا و نشانئ خدا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا تَسُبُّوا عَلِيّاً فَإِنَّهُ مَمْسُوسٌ فِي ذَاتِ اللّٰهِ......(١٧)

تم علیؑ کو گالی نہ دو (برا بھلا نہ کہو) بے شک یہ ذاتِ خدا میں ضم ہے (جذب ہے)......

علی علیہ السلام کو کبھی بھی ناسزا نہیں کہنا چونکہ علی علیہ السلام فانی در ذاتِ خدا ہے یعنی حتیٰ علی علیہ السلام کا وہ چہرۂ دیگر کہ جو چہرہ فانی ہوتا ہے وہ چہرہ بھی فانی در ذاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ ہے، لہٰذا فرمایا کہ

وَمَا لِلّٰهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّي......

۱۱)اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت

☆ ومن عرفه عرف ان کل شیء ما خلا الله باطل......

اور جس نے خدا کو پہچان لیا، خدا کی شناخت کی علامت یہ ہے کہ ماسوا اللہ انسان کو ہر شے ہالک نظر آئے، ہر شے فانی نظر آئے نہ کہ ہر شے فانی ہوگی کہ فقط کہیں پر خبر پڑھ لے، کسی روایت کو پڑھ لے، کسی شعر میں پڑھ لے کہ

علی کل شیء ما خلا الله باطل،

یا آیہ قرآن پڑھ لے کہ

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ ......

اور اس کا معنیٰ کیا کرے؟ کلّ شیء سیهلک یعنی ہر چیز بعد میں ہلاک ہو جائے گی یعنی ابھی ہالک نہیں ہے بلکہ ابھی تو موجود ہے۔

اگر ابھی موجود نظر آرہی ہے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ صحیح نظر نہیں آرہی ہے، چونکہ آپ کو پائیدار نظر آرہی ہے۔ ناپائیدار جب پائیدار نظر آئے تو ہم اس کو حقیقی طور پر نہیں دیکھ رہے ہیں مثلاً ایک چیز جو رکی ہوئی ہے اور ہمیں چلتی ہوئی نظر آئے اور ایک چیز جو چل رہی ہے وہ ہمیں رکی ہوئی نظر آئے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ ہم درست نہیں دیکھ رہے ہیں۔ بسا اوقات انسان کسی تیز رفتار گاڑی مثلاً ٹرین پر سفر کرتا ہے تو اطراف میں درخت، کھمبے اور گھر چلتے ہوئے، حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ دیدِ اشتباہ ہے چونکہ وہ تو ثابت ہیں لیکن گاڑی چل رہی ہے، جو چیز چل

رہی ہے وہ ہمیں ثابت نظر آتی ہے اور جو چیز رکی ہوئی ہے وہ حرکت میں نظر آتی ہے لہٰذا ہماری دید خطا کر رہی ہے، ہماری دید اشتباہ کر رہی ہے، اسی طرح سے بہت ساری خطائیں ہیں اور انسان ان پر ایمان رکھتا ہے مثلاً ہمیں سورج طلوع وغروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے درحالیکہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد چکر لگا رہی ہے لہٰذا زمین طلوع وغروب کرتی ہے نہ کہ سورج طلوع وغروب کرتا ہے۔

اسی طرح قرآن نے بھی متوجہ کیا ہے کہ آیا آپ ان پہاڑوں کیلئے گمان کرتے ہو کہ یہ جامد اور رکے ہوئے ہیں؟

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِیْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ٥(۱۸)

اور تم دیکھو گے تو سمجھو گے کہ جیسے پہاڑ اپنی جگہ پر جامد ہیں حالانکہ یہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے اور وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ......

یہ پہاڑ بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں۔ اگر ہم روزانہ پہاڑوں کو دیکھیں اور دقت کے ساتھ نگاہ کرے تو پھر بھی یہ ہمیں رکے ہوئے ہی نظر آتے ہیں، معلوم ہوا کہ ابھی وہ آنکھ، وہ دیدِ قرآنی نہیں ملی ہے، قرآن خود کہتا ہے کہ آپ پہاڑوں کو کیا سمجھتے ہو؟ پہاڑ رکے ہوئے ہیں؟ نہیں، یہ پہاڑ رکے ہوئے نہیں ہیں،

تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ......

یہ بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں، کون آئے کہ جو آکر ایسی دید خدا دے کہ جو پہاڑوں کو بھی گزرتا ہوا دیکھے، پہاڑوں کو بھی ہالک دیکھے۔

ہمیں چلتی ہوئی نہریں رکی ہوئی نظر آتی ہیں، اگر ایک ایسی نہر کہ جس کے اندر موج نہ ہو اور ہموار زمین پر پانی بہہ رہا ہو تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ پانی رکا ہوا ہے، جب ہمیں چلتی ہوئی نہر رکی ہوئی نظر آتی ہے تو پہاڑ کس طرح سے چلتا ہوا نظر آئے؟ چونکہ ہم فقط اس ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں، فقط موجودات کا ایک چہرہ دیکھتے ہیں، ملّا صدرا جیسا حکیم آئے کہ جس کو پہاڑ گزرتے ہوئے نظر آئیں، جس کو جسم بھی گزرتے ہوئے نظر آئیں، جس کو ہر چیز کے جوہر میں حرکت نظر آئے، جو ایک لحظے کے لئے بھی کہے کہ کسی چیز میں آرام اور پائیداری حاصل نہیں ہے، علامہ اقبالؒ کے بقول

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں......(۱۹)

فقط ایک چیز پائیدار ہے اور وہ تغیر ہے، فقط تغیر ثابت ہے اور ہر چیز متغیر ہے، ہر چیز ہالک ہے، ہر چیز ختم ہو رہی ہے،

علی کل شیء ما خلا اللہ باطل،

اللہ کے علاوہ ہر چیز حالتِ گزرو حالتِ فنا و نابودی کے اندر ہے،

☆ ومن عرفه......

جو اس طرح سے خدا کو پہچانے کہ

☆ عرف ان کل شیء ما خلا اللہ باطل......

اللہ کے علاوہ ہر چیز ہالک ہے اور باطل ہے۔

☆ وان کل شیء ھالک الا وجھہ

ہر شے ہالک ہے یعنی ابھی ہالک ہے نہ کہ موت کے بعد ہالک ہوگی۔

اگر ہم غور کریں تو بہت ساری چیزیں ہمیں درست نظر نہیں آتیں مثلاً جب ہم ایک چولہا جلتا ہوا دیکھتے ہیں یا روشن شمع دیکھتے ہیں تو ایک مسلسل شعلہ نظر آتا ہے لیکن اسی کو مائیکرو اسکوپ (Microscope) سے دیکھیں تو آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئے گا، وہ یہ ہے کہ مسلسل آگ جل بجھ رہی ہے یعنی مسلسل ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ بجھتا ہے پھر اس کی جگہ ایک شعلۂ دیگر پیدا ہوتا ہے، جس طرح آپ ٹی وی دیکھتے ہیں مثلاً کارٹون فلم میں ایک کارٹون مسلسل حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اگر خود فلم کو روک کر دیکھیں تو کوئی حرکت نہیں ہے بلکہ فلم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں اور ان رکے ہوئے ٹکڑوں کو سرعت سے ہمارے سامنے سے گزارتے ہیں تو ہمیں وہ حرکت نظر آتی ہے یعنی جمود حرکت نظر آتا ہے اور حرکت جمود نظر آتی ہے، رکی ہوئی فلمیں ہمیں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں اور چلتے ہوئے پہاڑ ہمیں رکے ہوئے نظر آتے ہیں، دیدکی اور بصیرت کی اتنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ کس آنکھ سے انسان انہیں دیکھے کہ حقائق ہمیں ویسے نظر آئیں کہ جیسے موجود ہیں، جس طرح سے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے کہ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ......(۲۰)

استنباط کی حقیقی دیدکی ضرورت

اے اللہ ہمیں اشیاء کو ویسی دکھا جیسی وہ ہیں......

مجھے حقائق کو ایسا دکھا کہ جیسے یہ ہیں نہ کہ حقائق کچھ ہوں اور مجھے نظر کچھ اور آئیں۔ یہ عالم ہمیں دھوکہ دے رہا ہے یعنی ہم خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں چونکہ ہمارے اندر وہ بصیرت پیدا نہیں ہوئی ہے کہ ہمیں حقائق ویسے نظر آئیں کہ جیسے ہیں۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ،

کواکب کی حقیقت کچھ اور ہے اور ہمیں کچھ اور نظر آتے ہیں، زمین سے کئی گنا بڑے ستارے ہمیں ٹمٹماتے ہوئے دیئے نظر آتے ہیں۔ اشیاء کا وہ پہلو کہ جو آیتِ خدا ہے، جو آئینۂ خدا ہے، جس میں خدا نظر آتا ہے وہ چہرہ ہمیں نظر نہیں آتا ہے،

☆وان کل شیء هالک الا وجهه، ای هالک......

یعنی ہر چیز ہالک ہے سوائے اس کی ذات کے لیکن کس طرح سے ہالک ہے؟ ہم کس طرح سے دیکھیں؟ انسان خدا سے دعا کرے، ارادہ کرے، عزم کرے کہ خدا مجھے وہ دید عطا کر، وہ بصیرت عطا کر کہ حقائق مجھے ویسے ہی نظر آئیں کہ جیسے یہ ہیں،

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ......

ہمیں اس طرح سے اپنے موجودات، اپنے افعال اور اپنی مخلوقات کو دکھا کہ ان میں ہم تجھے دیکھ سکیں نہ کہ تجھے بھی دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں روٹی نظر آئے، قرآن بھی دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں روٹیاں نظر آئیں، بعض ایسے ہیں کہ جن کو قرآن میں بھی مال اور روٹیاں نظر آتی ہیں، علم

میں بھی روٹیاں نظر آتی ہیں، انہیں ہر چیز میں درحقیقت روٹی نظر آتی ہے اور آیتِ قرآن بھی ہے کہ ہم نے یہ کتاب ہدایت کے لئے اتاری تھی اور تم نے اس میں روٹیاں دیکھنی شروع کردی ہیں، بلکہ ہم نے جو روٹیاں اتاری ہیں ان میں بھی تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، دانے میں بھی تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، سنبلہ میں تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، حَبّہ میں تجھے خدا نظر آنا چاہئے اور اس کے اوپر لگے ہوئے خوشے میں تمہیں خدا نظر آنا چاہئے، پتے اور پودے میں تمہیں خدا نظر آنا چاہئے یعنی ساری مخلوقات فعل خدا ہیں، اس فعل میں تمہیں فاعل نظر آنا چاہئے، اس طرح سے دیکھیں کہ ہمیں یہ اشیاء ہالک نظر آئیں یعنی ہم دونوں چہرے دیکھ لیں کہ یہ چہرہ ہالک ہے اور یہ چہرہ باقی ہے، فرماتے ہیں کہ

☆ ای هالک ان اعتبر شیئیته و وجوده لنفسه......

اگر انہیں خدا سے کاٹ کر دیکھیں اور فقط اس شے کے اوپر انحصار کر کے دیکھیں تو وہ ہالک نظر آئے یعنی اگر کوئی بھی چیز اس طرح سے دیکھے کہ خدا سے اس شے کا رابطہ منقطع کرلے، صرفِ نظر کرلے، چشم پوشی کرلے تو ہر شے ہالک نظر آئے،

☆ لا ان یعتبر وجوده من حیث انه موجود بالله و بقدرته......

شے کو اس طرح سے نہ دیکھے کہ جس لحاظ سے شے موجود ہے بلکہ قدرتِ خدا کے ذریعے اور متصل با خدا ہو کر دیکھے، اس چہرے سے دیکھا تو ہر شے ثابت نظر آئے گی لیکن جب شے کو خدا سے کاٹ کر دیکھو تو ہالک نظر آئے گی۔ مومنِ حقیقی وہ ہے کہ جو بصیرت سے دیکھے، دونوں آنکھوں سے دیکھے اور اس کو اشیاء کے دونوں چہرے نظر آئیں، خدا نے دو آنکھیں اسی لئے دی ہیں کہ دونوں

اشیاء کی حقیقی دید کی ضرورت

چہرے نظر آئیں، ہم دونوں آنکھوں سے ایک چہرہ دیکھتے ہیں اور وہ اس کا وہی ہالک چہرہ ہے لیکن وہ ہمیں ثابت نظر آتا ہے،

☆ **فیکون له بطریق التبعیة ثبات، وبطریق الاصالة بطلان محض......**

اگر اس چیز کو تابعِ قدرتِ خدا، تابعِ ارادۂ خدا و تابعِ حکمتِ خدا جانیں تو یہ شے باقی ہے، اس کو ثبات حاصل ہے یعنی جس لحاظ سے یہ شے تابع ہے یعنی تابعِ خدا ہے تو یہ ثابت ہے لیکن اس شے کو اصالت، استقلال اور خودی سے دیکھیں تو اس لحاظ سے یہ شے بطلانِ محض ہے، اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

۱۲)فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس

اب یہاں پر ایک اور نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اشیاء دو جگہ پر ہیں اور عوام کے بجائے حکماء کے لئے، اہلِ علم کے لئے یہ نکتہ زیادہ مہم ہے کہ جو اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے جسے قرآن نے ذکر کیا ہے اور علماء نے بیان کیا ہے کہ خدا کی ذات وحدہ ہے۔

وحدهٗ لا شریک له،

آیتِ قرآن ہے کہ

تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ......(۲۱)

تم خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ......

اس ذات نے ظہور کیا ہے چونکہ نور ہے،

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ......(۲۲)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے......

اب کسی سے یہ نہ پوچھئے گا کہ اس نے ظہور کیوں کیا ہے؟ نور کا کام ہی ظہور کرنا ہے، اگر نور ظہور نہ کرے تو پھر کیا کرے؟ جس طرح سے کوئی یہ پوچھے کہ سورج نے کیوں نورانیت دی ہے؟ کیوں شعاعیں دیں ہیں؟ یہ نور ہے، نور کا کام ہی یہ ہے، نور کی تعریف و ذات یہی ہے کہ اس کا کام نورانیت پھیلانا ہے،

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ......

خدا کی ذات نور ہے، اس نور سے نور کی تجلی ہوئی، اس سے اسماء وصفات وجود میں آئے، اسماء وصفات سے پھر افعالِ الٰہی پیدا ہوئے اور اب یہ سب کے سب افعالِ الٰہی اسی تجلی کے ساتھ مربوط ہیں۔ پہلی تجلی یہ ہوئی کہ خود ذاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ نے ظہور کیا اور ظہورِ ذات سے اسماء و صفات پیدا ہوئے، جن میں سے ایک مرتبہ علم کا ہے یعنی علمِ الٰہی کا ایک مرتبہ پیدا ہوا۔ خدا ذاتِ علیم ہے، سب سے پہلے اشیاء علمِ خدا میں پیدا ہوئیں ہیں، پھر علمِ خدا سے وجود میں آئی ہیں اور اس عالم میں آئی ہیں۔

بعض ادیبوں نے اسے خوبصورتی سے نقل کیا ہے کہ اس کو دو خلقتیں کہتے ہیں، خدا کے دو فیض ہیں، فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس۔ فیضِ اقدس یعنی خلقتِ اشیاء در عالَمِ علمِ خدا اور فیض مقدس

یعنی خلقتِ اشیاء در عالمِ ہستی یعنی آپ پہلے علمِ الٰہی میں پیدا ہوئے ہیں پھر علمِ الٰہی سے اس عالَمِ عینی میں اترے ہیں، جس طرح سے آپ خود کوئی چیز ایجاد کرتے ہیں، تعجب نہ کریں کہ خدا نے یہ کام کیسے کیا؟ مثلاً آپ ایک کتاب یا مقالہ لکھتے ہیں تو پہلے کہاں پر لکھتے ہیں؟ ذہن میں لکھتے ہیں، پھر کاغذ پر لکھتے ہیں یعنی کاغذ پر جو کچھ آتا ہے وہ پہلے آپ کے ذہن سے آتا ہے، علم سے آتا ہے، ذہن عالمِ علم ہے، عالمِ علم سے ہر چیز ذہن میں نزول کرتی ہے، اسی طرح سے ہر چیز علمِ الٰہی سے اس عالم میں اتری ہے، پہلے اس نے وجودِ علمی پایا ہے لہٰذا اشیاء پہلے عالمِ علمِ خدا میں آئی ہیں، ظہور کیا ہے پھر اشیاء کو عالمِ علم سے اس عالمِ عینی میں اتارا گیا ہے، اہل علم و اہلِ معرفت کی اصطلاح میں ایک کو فیض مقدس کہتے ہیں اور دوسرے کو فیضِ اقدس کہتے ہیں۔

۱۳) باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

یہ بزرگان فرماتے ہیں کہ اشیاء جب عالمِ علم میں موجود تھیں تو وجودِ عینی نہیں تھا، ان کا یہ وجود نہیں تھا کہ جیسے آج موجود ہیں مثلاً یہ زمین و آسمان جب عالَمِ علمِ خدا میں تھے تو یہاں نہیں تھے، ان کا وجودِ زمینی، وجودِ آسمانی اور وجودِ جسمانی نہیں تھا، یہ اشیاء اس ظاہری وجود سے خالی تھیں، یہ حقائق اس وجود کے بغیر تھے اور چونکہ اس وجود کے بغیر تھے تو اس لحاظ سے انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ چیزیں بھی باطل تھیں یعنی وہ موجود نہیں تھیں، وہ چیزیں فانی تھیں یعنی ان کا وجود کے لحاظ سے باطل ہونا اور ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے باطل ہونا یہ دو بطلان ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے یہاں پر

ذکر کیا ہے اس کو آپ مخلوط نہ کر دیں، اگر کسی نے کتاب میں پڑھا ہوا ہے یا سنا ہوا ہے یا پڑھیں گے تو انشاء اللہ بعد میں یہ دونوں مطلب آپس میں مخلوط نہیں کر دینا کہ اشیاء جو علمِ خدا میں موجود ہیں لیکن ابھی اس عالمِ عینی میں یہ اشیاء نہیں اتری ہیں ان کے بارے میں بھی کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ باطل ہیں لیکن ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ باطل الوجود ہیں نہ کہ باطل الذات ہیں، لیکن اگر اب وہ علمِ خدا سے اِس عالم میں آجائیں، اِس عالم یعنی یہی جو ہمارے اطراف میں ہے، اردگرد ہے، یعنی ہم خود اور یہ ساری چیزیں تو اس عالم میں کہا جاتا ہے کہ یہ اشیاء باطل الذات ہیں۔ وہاں ان کو باطل الوجود کہا جاتا ہے یعنی ان کو علمِ خدا میں علمی تحقق و علمی حیثیت حاصل ہے لیکن وجودی حیثیت حاصل نہیں ہے لیکن یہی اشیاء اب جب اِس عالم میں پیدا ہوگئی ہیں تو ان کو حتیٰ ذاتی حیثیت بھی حاصل نہیں ہے، وہاں ذات تھی وجود نہیں تھا، یہاں نہ ذات ہے اور نہ ہی وجود ہے، پھر یہ سب کچھ کیا ہیں؟ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ تجلیٔ خدا ہیں، یہ سب کچھ فیضِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہیں یعنی وہ پہلو جو وجہ الٰہی کا پہلو ہے اس کی وجہ سے باقی ہیں لیکن اس پہلو سے کاٹ کر دیکھیں تو کچھ بھی نہیں ہیں بلکہ ہالک الذات ہیں۔

باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

☆ **فیکون له بطریق التبعیة ثبات، وبطریق الاصالة بطلان محض، وهذا البطلان غیر بطلان الماهیات و الاعیان الثابتة......**

ان بزرگانِ کیلئے یہ اعیانِ ثابتہ ہیں یعنی علمِ الٰہی میں موجود، وجودِ علمی کے ذریعے موجود حقائق کو اصطلاح میں اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں، وہ موجودات جو ابھی اس عالمِ جسمانی، عالمِ کائنات، عالمِ ہستی میں نہیں اترے ہیں بلکہ ابھی علمِ الٰہی میں ہیں وہ اعیانِ ثابتہ ہیں، وہ بھی باطل ہیں،

☆ اذا اخذت من حيث هى، او مجردة عن الوجود......

یعنی جب ان ماہیات یا ان حقائق کو کہ جو علمِ خدا میں ہیں جب انہیں لحاظ کیا جائے تو یہ خالی از وجود ہیں، مجرد از وجود ہیں چونکہ ان میں وجود نہیں ہے لہٰذا ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ باطل ہیں یعنی وجود نہیں رکھتی ہیں، اس معنیٰ میں ان کو باطل کہا جاتا ہے،

☆ فانها من تلك الحيثية باطلة الوجود......

وہ حقائق جو علمِ الٰہی میں موجود ہیں چونکہ وہ وجودِ عینی نہیں ہیں لہٰذا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ باطل ہیں، یہ باطل فقہی اصطلاح والا باطل نہیں ہے، جیسے نماز باطل ہوتی ہے، وضو باطل ہو جاتا ہے، فقہ میں باطل کا معنیٰ ہوتا ہے ناصحیح یعنی جس طرح سے حدِ شرعی تھی، دستورِ خدا تھا، امرِ خدا تھا یہ اس کے مطابق نہیں ہے، چونکہ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ذہنوں میں کسی علم کی ایک اصطلاح بیٹھی ہوتی ہے اور پھر اسی کے تناظر میں ساری چیزوں کی تفسیر و معنیٰ کرتے ہیں اور بات بجائے سنورنے کے بگڑ جاتی ہے۔ استادِ بزرگوار حضرت آیت اللہ تبریزی دام ظلہ العالی ہفتے کے اندر چار دن کتابِ طہارت کا درس دیتے تھے اور ایک دن دیات کا درس دیتے تھے، ایک نئے طالب علم کو ان کے درس دینے کا طریقہ معلوم نہیں تھا لہٰذا ان چار دنوں میں اس نے شرکت کی تو طہارت کی بحث ہو رہی تھی، وضو کی بات ہو رہی تھی، مبطلاتِ وضو کی بات ہو رہی تھی اور پانچویں دن جب بحث شروع ہوئی تو وہ حدود کی بحث تھی اور بحث شروع ہی ایسے ہوئی کہ مثلاً اگر یہ مکلّف مرتکب ہو، اس قسم کی خطا کرے تو اتنے کوڑے ماریں جائیں گے تو یہ فوراً حیران ہوا کہ طہارت نہ کرنے پر کس کو کوڑے مارے جائیں

باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

گے؟ کس فقیہ نے آج تک یہ مسئلہ دیا ہے؟ چونکہ وہ اس وادی میں نہیں تھا، اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اور بحث تھی اور یہ اور بحث ہو رہی ہے تو یہاں بھی اسی طرح نہ ہو جائے کہ ذہنیتیں آپس میں مل جائیں۔ فقہ کے اندر باطل اور صحیح کی اصطلاح ہے کہ نماز صحیح ہے، نماز باطل ہے، وضو باطل ہے، وضو صحیح ہے، وہ اور چیز ہے لیکن یہ بطلانِ حقائق کی بات ہو رہی ہے نہ کہ بطلانِ نماز کی۔

ایک حقیقتِ باطل ہے، یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ موجود نہیں ہے، یہاں بطلان بمعنیٰ عدم ہے، نیستی ہے، نہ ہونا ہے، باطل ہو جانا یعنی فانی ہوگئی ہے۔ یہ شے نہیں ہے یعنی یہ شے اب موجود نہیں ہے،

☆ **فانها من تلک الحیثیة باطلة الوجود، ثابتة الشیئیته......**

اس کی شیئت ثابت ہے لیکن وجود باطل ہے،

☆ **بخلاف الهویات الوجودیة......**

درحالیکہ یہ موجودات وحقائق کہ جن سے ہمیں سروکار ہے اگر انسان ان کو درست دیکھے اور ان کے دونوں چہرے دیکھے تو

☆ **فانها مأخوذة علی وجه الاستقلال باطلات صرفة......**

یہ باطلِ محض ہیں،

☆ **وهذا مفتاح من مفاتیح علم المکاشفة.**

اور فرماتے ہیں کہ یہ بات ایک مفتاح ہے، مفاتیحِ علم میں سے، علم کی چابیوں میں اگر چند

باطل الوجود اور باطل الذات کا مطلب

مفتاح ہوں تو یہ ایک مفتاح ہے، مفاتیح کی اگر مفتاح ہوتو پھر الگ بحث ہے لیکن اگر مفاتیح جمعِ مفتاح ہوتو اس کے معانی یہ ہیں کہ یہ ایک چابیِ علمی ہے لیکن یہ چابی کس کے ہاتھ آتی ہے؟ یہ ان کے ہاتھ لگتی ہے کہ جو علومِ حضوری اور علومِ مکاشفات پر قدرت رکھتے ہوں یعنی جنہوں نے اپنے نفس کو، اپنے دل کو، اپنے قلب کو پاک کرلیا ہوتو یہ چابیاں ان کو دے دی جاتی ہیں۔ علم کی چابیاں کہ اسرارِ حقائق وعلوم ان چابیوں سے کھلتے ہیں اور خداوندتبارک وتعالیٰ نے بعض پر یہ لطفِ عنایت کیا ہے، یہ راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے، اپنے آپ کو کم ہمت نہ سمجھیں، انسان کی قیمت بھی بقدرِ ہمتِ انسان ہے، اپنی قدرِ ہمت بڑھائیں، مقدارِ ہمت بالا کریں تا کہ قدرِ انسان بڑھ جائے، قیمتِ انسان بڑھ جائے اور جب قیمتِ انسان بڑھ جائے تو پھر وہ خزانے انسان کے اوپر کھل جاتے ہیں۔ انشاء اللہ اس کتاب کی جلد دوم میں فہم قرآن کے باقی پانچ آداب تحریر کئے جائیں گے۔

حوالہ جات

(۱)......(سورۂ مبارکہ عنکبوت، آیہ ٦٩)

(۲)......(نهج البلاغه)(تفسير الميزان-العلامة الطباطبائیؒ، بحث روائى، الجزء٦، صفحه٥٠)(شرح أصول الكافى - مولى محمد صالح المازندرانیؒ، الجزء٣، صفحه٣٢٠)(الأمثال القرآنية القياسية المضروبة للايمان بالله - عبد الله بن عبد الرحمن الجربوع، الجزء١، صفحه٢٦۴)(الكلينى والكافى - الشيخ عبد الرسول الغفارى، الجزء١، صفحه٣١۴)(شرح نهج البلاغة - ابن ابى الحديد، الجزء١، صفحه٦٧)(یک هزار سخن از حضرت علیؑ، الجزء٦، صفحه١)(ميزان الحكمة - الريشهرى، الجزء٣، صفحه٢٨٦)

(۳)......(التفسير الأصفى - الفيض الكاشانیؒ، الجزء١، صفحه١١٠)(تفسير كنز الدقائق - الميرزا محمد المشهدیؒ، الجزء١، صفحه۴٧٢)(تفسير نور الثقلين، الجزء١، صفحه١٩٩)(تلخيص البيان فى مجازات القرآن موافقا للمطبوع - الشريف الرضیؒ)(تفسير القمیؒ، الجزء١، صفحه٦)(أسباب النزول فى ضوء روايات أهل البيت)(كشف اليقين - العلامة الحلیؒ)(التفسير الصافى - الفيض الكاشانیؒ، الجزء١، صفحه٢٥٠)(أحكام القرآن - القاضى محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربى المعافرى الاشبيلى المالكى (المتوفى: ۵۴٣ھ، الجزء٣، صفحه٨٦)(معترك الأقران فى اعجاز القرآن، ويُسَمَّى (اعجاز القرآن ومعترك الأقران) - عبد الرحمن بن أبى بكر، جلال

الدين السيوطى،المتوفى ٩١١ھ،الجزء٣،صفحه ٣٦٠)(روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسينى الألوسى، الجزء١٣،صفحه ٢٠)(بيان المعانى-عبد القادر بن ملّا حويش السيد محمود آل غازى العانى،الجزء٦،صفحه٥٢٥)(المفردات فى غريب القرآن- أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى،الجزء١، صفحه١٥٠)(شرح أصول الكافى - محمد صالح المازندرانىؒ،الجزء١،صفحه٢٦)

(۴)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۵۶)

(۵)......(مثنوى معنوى،به تصحيح :رينولد ا.نيكلسون،دفتر اول،صفحه ۵)

(۶)......(سورۂ مبارکہ یٰس، آیہ ۶۹)

(۷)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۴۷)(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۶۱)(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۶۸) (سورۂ مبارکہ مائدہ، آیہ ۵۴)(سورۂ مبارکہ نور، آیہ ۳۲)(سورۂ مبارکہ آل عمران، آیہ ۷۳)

(۸)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۰۹)،(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۲۰)(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۶۰) (سورۂ مبارکہ انفال، آیہ ۱۰)(سورۂ مبارکہ توبہ، آیہ ۷۱)(سورۂ مبارکہ لقمان، آیہ ۲۷)

(۹)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۲۳۵)(سورۂ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۵۵)

(۱۰)......(سورۂ مبارکہ بقرہ، آیہ ۱۱۵)

(۱۱)......(سورۂ مبارکہ رحمٰن، آیہ ۲۷،۲۶)

(۱۲)......(ارشاد القلوب،الجزء٢٦،صفحه ٢)(متشابه القرآن،الجزء١، صفحه ١١٦)(مختصر بصائر الدرجات- الحسن بن سليمان الحلى،الجزء١،

صفحه ۱۶۷) (مستدرک سفینة البحار - آیة اللّٰه الشیخ علی النمازی، الجزء ۳، صفحه ۴۴۰)

(۱۳)...... (أهل البیت فی تفاسیر أهل السنة)

(۱۴)...... (سورۂ مبارکہ قصص، آیہ ۸۸)

(۱۵)...... (کلیات سعدی، بر اساس نسخه محمد علی فروغی، صفحه ۲۸۰)

(۱۶)...... (مسند الامام علیؑ) (تفسیر القمی - ابی الحسن علی بن ابراهیم القمیؒ) (تفسیر نور الثقلین) (مسند الامام الرضا (ع) - الشیخ عزیز اللّٰه عطاردی، الجزء ۲، صفحه ۹۴) (بحار الأنوار - علامه مجلسیؒ، الجزء ۳۶، صفحه ۱) (موسوعة الامام علی بن أبی طالب علیه السلام فی الکتاب و السنة و التاریخ، الجزء ۹، صفحه ۱۸۴)

(۱۷)...... (غریب الحدیث فی بحار الانوار، الجزء ۳، صفحه ۱۹۷) (شرح نهج البلاغه - جعفری) (شعراء الغدیر فی القرن الحادی عشر، الجزء ۷، صفحه ۱۸)

(۱۸)...... (سورۂ مبارکہ نمل، آیہ ۸۸)

(۱۹)...... (بانگِ درا، عنوان : ستاره، صفحه ۱۱۱)

(۲۰)...... (تفسیر رازی، باب ۷۵، الجزء ۶، صفحه ۳۴۳)

(۲۱)...... (سورۂ مبارکہ ممتحنہ، آیہ ۴)

(۲۲)...... (سورۂ مبارکہ نور، آیہ ۳۵)

فہرستیں

▼ فہرست آیات	738
▼ فہرست روایات	763
▼ فہرست دعا و مناجات	768
▼ فہرست اشعار	770
▼ فہرست متفرقات	782
▼ فہرست منابع و مآخذ	783

فہرست آیات

آیت		صفحہ
سورۂ فاتحہ		
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُo	۵	580,716
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo	۱	619
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَo	۲	619
سورۂ بقرہ		
شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنُ......	۱۸۵	19
ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَo	۲	23
ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَo	۲	34
ھُدًی لِّلنَّاسِ......	۱۸۵	34
وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ......	۱۸۶	56
نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ......	۱۷۶	56
قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ......	۹۷	57
سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ......	۶	69,295,315,325,338
خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ......	۷	69,295,325

	آیت	صفحہ
ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ......	۷۴	71,98,296,299,332
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ......	۱۰	71,324
وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ......	۵۷	161
وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى......	۶۱	165
فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ......	۶۱	167
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا......	۶۱	167
يَا مُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ......	۵۵	205
يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ......	۱۸۳	252
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ......	۲۲۲	313
وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا......	۲۸۳	320
وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ......	۸۸	333
وَأُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ......	۹۳	335
أَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ......	۷۵	347
وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ٥	۴۵	377,420
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ......	۲۰۱	395
رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا......	۲۵۰	395
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ......	۶۸،۶۹،۷۰	397
قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ......	۲۵۸	397
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ......	۲۹	535

	آیت	صفحہ
وَأُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo	۵	568
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَo	۱۵۶	696
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌo	۲۶۸،۲۶۱،۲۴۷	704
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo	۲۶۰،۲۲۰،۲۰۹	704
أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌo	۲۳۵	704
وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا......	۱۱۵	709

سورۂ آلِ عمران

	آیت	صفحہ
هُدًى لِّلنَّاسِ......	۴	30,53
هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَo	۱۳۸	34
نَزَّلَ عَلَيْکَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا......	۳	56
لِأُولِى الْأَلْبَابِ......	۱۹۰	68
رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ......	۱۹۳	206,396
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ......	۱۶۹	263
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ......	۷۷	310
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ......	۱۵۹	317
هُوَ الَّذِىْ أَنْزَلَ عَلَيْکَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ......	۷	328
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا......	۸	329,395
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ......	۱۶۷	335

	آیت	صفحہ
أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاءَ......	۱۶۲	370
اِنَّ اللّٰهَ رَبِّی وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ......	۵۱	397
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ......	۱۴	477
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ......	۱۹۰	557,560,583
وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥	۱۰۴	568
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا......	۱۶۴	677
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥	۷۳	704
أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ٥	۱۵۵	704

سورۂ نساء

	آیت	صفحہ
يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا بِاللّٰهِ......	۱۳۶	56
أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ......	۸۲	96,515,518,608
أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً......	۱۵۳	207
مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ......	۴۶	346
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ......	۱۳	346
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ......	۱۴	346
لَا يَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ......	۹۵	369
وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ......	۸۱	515

	آیت	صفحہ
سورۂ مائدہ		
فَاتَّقُوا اللّٰہَ یا اُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo	۱۰۰	69
قُلُوْبَھُمْ قَاسِیَۃً......	۱۳	70
فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ......	۵۲	71
فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ......	۵۲	324
فَبِمَا نَقْضِھِمْ مِّیْثَاقَھُمْ لَعَنّٰھُمْ......	۱۳	332
قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ......	۱۰۰	374
اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ......	۴۴	416
یا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ......	۴۱،۶۷	567
اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ......	۱۱۸	582
یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ......	۶۷	597
وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌo	۵۴	704
سورۂ انعام		
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً......	۹۹	37
فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ......	۱۲۵	60,273
فَلَوْلَا اِذْ جَآئَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا......	۴۳	70
وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ......	۵۹	158

	آیت	صفحہ
وَمِنْهُم مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْکَ وَجَعَلْنَا......	۲۵	333
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo	۳۷	357
قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ......	۵۰	370
أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا......	۱۲۲	370
وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى أَوْلِيَائِهِمْ......	۱۲۱	382
قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِىْ جَاءَ......	۹۱	417
وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ......	۳۲	477

سورۂ اعراف

	آیت	صفحہ
قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّا لَنَرَاکَ......	۶۰	31
قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ......	۶۶	31
قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ......	۷۵	31
وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ......	۹۰	32
قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّکَ......	۸۸	32
قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ......	۱۰۹	32
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَo	۱۲۸	35
اِنَّ وَلِيِّىَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتَابَ......	۱۹۶	56
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا......	۲۰۴	100
وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا......	۱۶۰	161

	آیت	صفحہ
لَنْ تَرَانِیْ......	۱۴۳	207
وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا......	۱۴۳	208
فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا......	۱۴۳	208,232
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ أَخْلَدَ......	۱۷۶	305
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ......	۱۷۶	306
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ○	۱۲	318
أَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ......	۱۲	318,320
تِلْكَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ أَنْۢبَآئِهَا......	۱۰۱	327
وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ......	۱۷۹	328,537,553
أَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ○	۱۳۱	357
رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ○	۱۲۶	396
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ......	۱۳۴	397

سورۂ انفال

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ......	۴۹	71
أَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ......	۲۴	226
أَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ○	۳۴	357
اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ○	۱۰	704

	آیت	صفحه
سورۂ توبه		
فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ......	۱۲۵	71
خُذۡ مِنۡ أَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ......	۱۰۳	303
اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسۡتَأۡذِنُوۡنَكَ......	۹۳	326
لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالۡمُهَاجِرِيۡنَ......	۱۱۷	329
وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ......	۱۵	336
فَأَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ......	۷۷	335
لَا يَزَالُ بُنۡيَانُهُمُ الَّذِيۡ بَنَوۡا رِيۡبَةً......	۱۱۰	336
أَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَاجِّ وَعِمَارَةَ......	۱۹	368
لَا تَقُمۡ فِيۡهِ أَبَدًا لَمَسۡجِدٌ أُسِّسَ......	۱۰۸	489
وَأُولٰئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ٥	۸۸	568
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ٥	۷۱	704
سورۂ یونس		
ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ......	۷۴	327
أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ٥	۵۵	357

آیت		صفحہ
سورۂ ہود		
فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرَاكَ......	۲۷	32
مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ......	۲۴	369
وَاِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ......	۶۱	397
سورۂ یوسف		
اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ٥	۲	95,96
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ......	۳	96
قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ......	۹۸	398
لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ......	۱۱۱	557
سورۂ رعد		
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً......	۱۷	37
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ......	۱۶	371
أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ......	۱۹	371
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ٥	۴	508

	آیت	صفحہ
سورۂ ابراھیمؑ		
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ......	۴۱	396
سورۂ حجر		
نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ......	۶	57
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ	۲۱	158
فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ	۳۴	179
وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ......	۴۷	334
رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا......	۲	467
ذَرْهُمْ یَأْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا......	۳	467
لَأُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْأَرْضِ وَلَأُغْوِیَنَّهُمْ أَجْمَعِیْنَ٥	۳۹	480
سورۂ نحل		
وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ٥	۱۰۲	34
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً......	۶۵،۱۰	37
فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ......	۹۸	100,347,354,519
ذٰلِکَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیَاةَ الدُّنْیَا.....	۱۰۷	322
أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ......	۱۰۸	322,326

	آیت	صفحہ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	۱۰۱،۷۵	357
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا......	۷۵	368
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا......	۷۶	368
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى......	۹۷	518

سورۂ اسراء

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ......	۷۹	60,61
وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً......	۴۶	333
اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ......	۱۴	573

سورۂ کہف

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ......	۲۸	321

سورۂ مریم

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا......	۶۳	35

سورۂ طٰهٰ

يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ......	۸۰	162

	آیت	صفحہ
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ٥	۱۱۴	455

سورۂ انبیاء

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ......	۳	337,456,465
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ......	۲۴	357
اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ......	۱	465
مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ......	۳	465

سورۂ حج

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً......	۶۳	37
وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ......	۵۳	70
فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ......	۵۳	71
فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى......	۴۶	329
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ......	۶۵	536

سورۂ مؤمنون

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا......	۲۴	33
وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا......	۳۳	33

	آیت	صفحہ
قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلٰى عَلَيْكُمْ......	٦٦	520
مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ○	٦٧	520
أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَ هُمْ......	٦٨	520
أَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ○	٦٩	520

سورۂ نور

	آیت	صفحہ
اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ......	٢٦	375,404
فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ......	٣٦	486
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ......	٣٧	486,491
وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○	٥١	568
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ○	٣٢	704
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ......	٣٥	728

سورۂ فرقان

	آیت	صفحہ
وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا......	٣٠	27
قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ......	١٥	35
تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ......	١	57
بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا○	٤١	677

	آیت	صفحہ
سورۂ شعراء		
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍo	۱۹۵	90
سورۂ نمل		
هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَo	۲	34
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo	۶۱	357
وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ......	۸۸	722
سورۂ قصص		
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَo	۸۳	35
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo	۵۷،۱۳	357
أَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ......	۶۱	372
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ......	۸۸	713,721
سورۂ عنکبوت		
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَo	۶۳	357
وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ......	۶۴	476
وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً......	۳۵	508

	آیت	صفحہ
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا......	٦٩	574,694

سورۂ روم

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ......	٥٩	326
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ٥	٢٤	508
وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥	٣٨	568

سورۂ لقمان

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ٥	٣	34
وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ......	١٩	128
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ٥	٢٥	357
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ٥	١٨	357
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ......	٦	473
وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥	٥	568
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ٥	٢٧	704

سورۂ سجدہ

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا......	١٨	368

	آیت	صفحه
سورۂ احزاب		
اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَیْتِ......	۳۳	52
فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ......	۱۲،۶۰	71
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ......	۲۳	176
سورۂ فاطر		
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً......	۲۷	37
وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ......	۱۲	371
وَمَا یَسْتَوِی الْأَعْمٰی وَالْبَصِیْرُo	۱۹	371
وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْرُo	۲۰	371
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُo	۲۱	371
وَمَا یَسْتَوِی الْأَحْیَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ......	۲۲	371
سورۂ یٰس		
وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ......	۱۷	301
وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ......	۶۹	701

	آیت	صفحہ
سورۂ ص		
لِأُولِی الْأَلْبَابِ......	۴۳	68
کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَیْکَ مُبَارَکٌ......	۲۹	94,521
فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّکَ رَجِیْمٌ......	۷۷	179
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍo	۷۶	318
أَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ......	۷۶	318,320
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ......	۴۳	557
سورۂ زمر		
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً......	۲۱	37
الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ......	۱۸	68
فَوَیْلٌ لِّلْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ......	۲۲	70,332
وَإِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ......	۴۵	330
أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ......	۲۲	332
أَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَo	۴۹،۲۹	357
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَکَاءُ......	۲۹	369
أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا......	۹	372

	آیت	صفحہ
سورۂ غافر (مؤمن)		
لِأُولِي الْأَلْبَابِ......	۵۴	68
الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ......	۳۵	317
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ......	۵۸	372
هُدًى وَّذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ٥	۵۴	558
سورۂ فصلت		
كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا......	۳	90
تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ٥	۴۲	90
بَشِيرًا وَّنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ......	۴	92
وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا......	۵	93
سورۂ زخرف		
إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ٥	۳	90
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ......	۴۹	397

	آیت	صفحہ
سورۂ دخان		
اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ......	۳	210
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ٥	۳۹	357
سورۂ محمدؐ		
أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا٥	۲۴	70,331,521
فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ......	۲۰،۲۹	71
أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ......	۲۳	88
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا......	۱۶	326
أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ......	۱۴	373
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَا......	۱۵	373
اِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ......	۳۶	476
سورۂ فتح		
بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا٥	۱۵	357
هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ......	۲۵	489
سورۂ حجرات		
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ٥	۴	357

	آیت	صفحہ
سورۂ ق		
وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِo	۱۶	226
سورۂ طور		
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo	۴۷	357
سورۂ قمر		
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍo ۴۰،۳۲،۲۲،۱۷		73
سورۂ رحمٰن		
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَo	۴۳	538
يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ آنٍo	۴۴	538
فَبِأَىِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِo	۴۵	538
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍo	۲۶	709
وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِo	۲۷	709

	آیت	صفحہ
سورۂ واقعہ		
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ o	۷۷	23,51,54,75,96
فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍo	۷۸	23,54.75,96
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَo	۷۹	23,54,75,96
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَo	۸۰	75,91
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَo	۸۵	226
سورۂ حدید		
فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ......	۱۶	70
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍo	۲۳	357
وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ......	۱۰	373
اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ......	۲۰	475
سورۂ حشر		
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ......	۲۱	208
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ......	۱۹	265,266
وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا......	۱۰	334
لَا يَسْتَوِيْ اَصْحَابُ النَّارِ وَاَصْحَابُ الْجَنَّةِ......	۲۰	374

	آیت	صفحہ
سورۂ ممتحنہ		
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ......	۴	727
سورۂ جمعہ		
ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ	۲	302
مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا......	۵	305
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاۃِ مِنْ......	۹	463
فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلَاۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ......	۱۰	463,702
وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا انْفَضُّوْا اِلَیْھَا......	۱۱	463
سورۂ منافقون		
سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَھُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ......	۶	315
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ آمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی......	۳	326
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا......	۹	462,475
سورۂ حاقۃ		
تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَo	۴۳	75,91

	آیت	صفحہ
سورۂ مزمل		
إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ٥	۵	60,274
إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ٥	٦	60,61
وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ٥	۴	80,100
سورۂ مدثر		
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ......	۳۱	71
سورۂ قیامۃ		
بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ٥	۱۴	314
سورۂ انسان		
وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا......	۲۱	244,245
سورۂ نبا		
إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ٥	۳۱	35

	آیت	صفحہ
سورۂ مطففین		
کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥	۱۴	337
سورۂ انشقاق		
يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلٰی......	۶	456
سورۂ شرح		
اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ٥	۱	60,274
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ٥	۲	274
سورۂ قدر		
إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥	۱	210
سورۂ زلزلہ		
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ٥	۷	673
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ٥	۸	673

آیت		صفحہ
سورۂ تکاثر		
اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُO	۱	459,460,461,674
حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَO	۲	460,461
سورۂ عصر		
وَالۡعَصۡرِO	۱	24
اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍO	۲	24
سورۂ کافرون		
لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِO	۶	444

فہرست روایات

حدیثِ قدسی

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ...... 226

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ...... 59
اِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْراً وَ بَطْنًا وَ لِبَطْنِهِ بَطْنًا اِلٰى سَبْعَةِ اَبْطُنٍ...... 81-509
رُبَّ تَالِ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ...... 89
اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَاْدَبَةُ اللّٰهِ...... 108,112
لَا تُعَلِّمُوا الْعِلْمَ لِتَمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَتُجَادِلُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ...... 137
مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِاَرْبَعٍ دَخَلَ النَّارَ : لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ...... 137
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 263
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 263
مَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 263
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَظْلَمَتِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 264
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِيَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 264
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ نَفْسِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 264
مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ...... 264

اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَيِّبُوْهَا بِالسِّوَاکِ...... 280

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْاُمُوْرِ وَيَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا...... 307

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ...... 307

اَرِحْنَا يَا بِلَالُ...... 377

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلَاةِ...... 418

اِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِىْ اَلْهَوٰى وَطُوْلُ الْأَمَلِ.. .. 470

فَاِنَّهُ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِىْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ...... 524

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ...... 568,621,622

حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ...... 570

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ...... 572

فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ...... 572

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ...... 597,598,608

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ...... 660

لَقَدْ رَجَعَ الرَّجُلُ فَقِيْهًا...... 673

أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِىٌّ بَابُهَا...... 695

لَا تَسُبُّوْا عَلِيًّا فَاِنَّهُ مَمْسُوْسٌ فِىْ ذَاتِ اللّٰهِ...... 720

حضرت امام علی علیہ السلام

اَلَا لَا خَيْرَ فِىْ قِرَاءَةٍ لَا تَدَبُّرَ فِيْهَا...... 78,523,631

لَا خَيْرَ فِيْ عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيْهَا...... 81,523
تَدَبَّرُوْا آيَاتِ الْقُرْآنِ وَ اعْتَبِرُوْا بِهِ فَإِنَّهُ أَبْلَغُ الْعِبَرِ...... 83,524
مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِيْ جَنَّتِكَ...... 85
لَا تَجْتَمِعُ الْفِطْنَةُ وَ الْبِطْنَةُ...... 111
اَفْضَلُ الْاَدَبِ اَنْ يَّقِفَ الْاِنْسَانُ عِنْدَ حَدِّهِ وَلَا يَتَعَدّٰى قَدْرَهُ 125
خُذُوْا مِنَ الْعِلْمِ مَا بَدَأَ لَكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تَطْلُبُوْهُ لِخِصَالٍ اَرْبَعٍ...... 138
اِنَّ بِذَوِى الْعُقُوْلِ مِنَ الْحَاجَةِ اِلَى الْأَدَبِ كَمَا يَظْمَأُ 151,180
بِالْأَدَبِ تَشْحَذُ الْفِطَنُ...... 152,158,180
اِنَّكُمْ اِلٰى اِكْتِسَابِ الْاَدَبِ أَحْوَجُ مِنْكُمْ اِلٰى اِكْتِسَابِ...... 151,180
يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالَ...... 176
ذٰلِكَ الْقُرْآنُ فَاسْتَنْطِقُوْهُ...... 192
لَمْ أَكُنْ أَعْبُدُ رَبًّا لَمْ أَرَهُ...... 206,218,710
مَا كُنْتُ لِأَعْبُدَ رَبًّا لَمْ أَرَهُ...... 206,710
فَتَجَلّٰى لَهُمْ سُبْحَانَهُ فِيْ كِتَابِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّكُوْنُوْا رَأَوْهُ...... 218
اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْآنِ فَطَهِّرُوْهَا بِالسِّوَاكِ...... 281
يَا كُمَيْلُ بْنَ زِيَادٍ، اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ أَوْعِيَةٌ، فَخَيْرُهَا أَوْعَاهَا...... 291
النَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ، وَمُتَعَلِّمٌ عَلٰى سَبِيْلِ نَجَاةٍ...... 291
طَهِّرُوْا قُلُوْبَكُمْ مِنْ دَرَنِ السَّيِّئَاتِ تُضَاعَفْ لَكُمُ الْحَسَنَاتُ...... 297
طَهِّرُوْا قُلُوْبَكُمْ مِنَ الْحَسَدِ فَاِنَّهُ مُكْمِدٌ مُضْنِيْ...... 297
طَهِّرُوْا قُلُوْبَكُمْ مِنَ الْحِقْدِ، فَاِنَّهُ دَاءٌ مُوْبِئٌ...... 297

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ...... 306

قُلُوْبُ الْعِبَادِ الطَّاہِرَۃُ مَوَاضِعُ نَظَرِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ فَمَنْ طَہَّرَ...... 309

کَمْ مِنْ عَقْلٍ أَسِیرٍ تَحْتَ ہَوًی أَمِیرٍ...... 353

وَأَنَّ الْأَنْبِیَاءَ اِنَّمَا جَاؤُوْا لِیُثِیْرُوْا دَفَائِنَ الْعُقُوْلِ فِی النَّاسِ...... 355,671

یُثِیْرُوْا فِیْھِمْ دَفَائِنَ عُقُوْلِھِمْ...... 355,671,674

قُلُوْبُ الرِّجَالِ وَحْشِیَّۃٌ...... 401

لِکُلِّ شَیْءٍ آفَۃٌ وَلِلْعِلْمِ آفَاتٌ...... 430

لَا یَشْغَلُہٗ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ...... 431

لِلْقَلْبِ اِقْبَالٌ وَ اِدْبَارٌ...... 447

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ...... 457

مَنْ کَانَ آخِرُ یَوْمِہٖ شَرَّھُمَا فَھُوَ مَلْعُوْنٌ...... 458

وَقَالَ عَلِیُّ بْنُ أَبِیْ طَالِبٍ: لَا خَیْرَ فِیْ عِبَادَۃٍ لَا فِقْہَ فِیْھَا وَلَا...... 523

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَأَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ...... 562

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَأَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ وَمَعَہٗ وَ بَعْدَہٗ...... 562

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَأَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ...... 562

لَا خَیْرَ فِیْ عِبَادَۃٍ لَا فِقْہَ فِیْھَا وَلَا فِیْ قِرَائَۃٍ لَاتَدَبُّرَ فِیْھَا...... 578-579

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ...... 603

أَتَزْعَمُ أَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ وَ فِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْأَکْبَرُ...... 622

وَاعْلَمُوْا أَنَّہٗ لَیْسَ عَلٰی أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَۃٍ...... 652

لَافَقْرَ بَعْدَ الْقُرْآنِ...... 653

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ...... 695,696
وَمَا لِلّٰهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّى...... 720,721

امام محمد باقر علیہ السلام

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِىَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ يُمَارِىَ بِهِ السُّفَهَاءَ...... 138

امام جعفر صادق علیہ السلام

اَلْعِلْمُ نُوْرٌ...... 45
مَا كَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْعِبَادَ بِكُنْهِ عَقْلِهِ قَطُّ. 58
فَالْعِبَارَةُ لِلْعَوَامِ وَالْاِشَارَةُ لِلْخَوَاصِ وَاللَّطَائِفُ لِلْأَوْلِيَاءِ وَ...... 157
لَقَدْ تَجَلَّى اللّٰهُ لِخَلْقِهِ بِكَلَامِهِ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ...... 217-218
وَاللّٰهِ لَقَدْ تَجَلَّى اللّٰهُ لِخَلْقِهِ فِىْ كَلَامِهِ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ...... 218
اَلْعِلْمُ نُوْرٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِىْ قَلْبِ مَنْ يَّشَاءُ...... 271
اَلْقَلْبُ حَرَمُ اللّٰهِ فَلَا تُسْكِنْ حَرَمَ اللّٰهِ غَيْرَ اللّٰهِ...... 438
اِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ...... 438

فہرست دعا و مناجات

صفحہ

☆ وَ اَنِرْ اَبْصارَ قُلُوبِنا بِضِیَاءِ نَظَرِهَا اِلَیکَ حَتّٰی
تَخْرِقَ اَبْصارُ الْقُلُوْبِ حُجُبَ النُّوْرِ فَتَصِلَ
اِلٰی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ...... 154

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ جَمَالِکَ بِاَجْمَلِهٖ وَ
کُلُّ جَمَالِکَ جَمِیْلٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ
بِجَمَالِکَ کُلِّهٖ...... 306

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ عُلُوِّکَ بِاَعْلَاهُ وَ کُلُّ
عُلُوِّکَ عَالٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِعُلُوِّکَ کُلِّهٖ...... 307

☆ یا اِلٰهِی صَبَرْتُ عَلٰی حَرِّ نارِکَ فَکَیْفَ اَصْبِرُ
عَنِ النَّظَرِ اِلٰی کَرامَتِکَ...... 310

☆ عَقْلی مَغْلُوبٌ وَ هَوائی غالِبٌ...... 352

☆ اَللّٰهُمّ اِنَّکَ أَعَنْتَنِی عَلٰی خَتمِ کِتابِکَ
الَّذِیْ أَنْزَلْتَهُ نُوراً...... 417

☆ وَيَا قُرَّةَ عَيْنِ مَنْ لاذَ بِکَ وَانْقَطَعَ اِلَیْکَ...... 448

☆ وَلا تَشْغَلْنا عَنْکَ بِغَيْرِکَ...... 448

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَخْلَصْتُ بِانْقِطَاعِی اِلَیْکَ
وَأَقْبَلْتُ بِکُلِّی عَلَیْکَ...... 448

☆ أَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لایَنْفَعُ...... 455

☆ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ...... 724,725

فہرست اشعار

صفحہ

شیخ سعدی

سعدی حجاب نیست تو آیینه پاک دار
زنگار خورده چون بنماید جمالِ دوست 99

هرگز وجود حاضر غایب شنیده ای؟
من درمیان جمع و دلم جای دیگرست 394

ره عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا هیچ نیست 717

توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خرده گیرند اهل قیاس 717

کہ پس آسمان و زمین چیستند
بنی آدم و دام و دد کیستند؟ 718

ہمہ ہر چہ ہستند از آن کمترند
کہ با ہستیش نام ہستی برند 718

غالب

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ 725

بھرتری ہری

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر 314

علامہ اقبالؒ

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا 139

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں 140

جوانوں کو مِری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے 140

تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں 142

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا 142

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا 142

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے 173

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ 535

جہانبانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا 643

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ 678

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں 723

حافظ شیرازی

واعظان کاین جلوه در محراب و منبر میکنند
چون بخلوت میروند آن کارِ دیگر میکنند 141

خلوتِ دل نیست جایِ صحبتِ اضداد
دیو چو بیرون رود فرشته در آید 270

من ملك بودم و فردوسِ برین جایم بود 535

سالها دل طلب جامِ جم از ما می کرد
وانچه خود داشت زبیگانه تمنا می کرد 652

گفتم این جامِ جهان بین بتو کی داد حکیم
گفت آنروز که این گنبد مینا میکرد 651-652

مولانا روم

هر گیاهی که از زمین روید
وحده لا شریك له گوید 719

دیده‌ای باید سبب سوراخ کن
تا حُجُب را بر کَنَد از بیخ و بُن 156

از خدا جوییم توفیقِ ادب
بی ادب محروم شد از لطفِ رب 159-160

بی ادب تنها نه خود را داشت بد
بلك آتش در همه آفاق زد 160

مایده از آسمان در می رسید
بی صداع و بی فروخت و بی خرید 162

درمیانِ قومِ موسیٰ چند کس
بے ادب گفتند کو سیر و عدس 163

منقطع شد نان و خوان آسمان
ماند رنجِ زرع و بیل و داسمان 167-168

باز عیسیٰ چون شفاعت کرد حق
خوان و رستاد و غنیمت بر طبق 169

باز گستاخان ادب بگذاشتند
چون گدایان زلہا برداشتند 169

لابہ کردہ عیسیٰ ایشانرا کہ این
دایمست و کم نگردد از زمین 170

بد گمانی کردن و حرص آوری

کفر باشد پیشِ خوانِ مہتری 170

زآن گداز و یان نادیدہ زآز

آن درِ رحمت بر ایشان شد فراز 171

ابر بر ناید پی منعِ زکات

وز زنا افتد وبا اندر جہات 171

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم

آن ز بی باکی و گستاخیست ہم 171

ہر کہ بی باکی کند در راہِ دوست

رہ زنِ مردان شد و نامرد اوست 173

از ادب پر نور گشتست این فلک
وز ادب معصوم و پاک آمد مَلک 177

هر که او بی سر بجنبد دُم بود
جنبشش چون جنبش کژدم بود 177-178

بُد ز گستاخی کسوفِ آفتاب
شد عزازیلی ز جرأت ردِّ باب 178

این دهان بستی دهانی باز شد
کاو خورندۀ لقمه هائی راز شد 206

نام احمدؐ نام جمله انبیاست
چون که صد آمد نود هم پیش ماست 246

ای برادر قصّہ چون پیمانہ ای ست
معنی اندر وی مثال دانہ ای ست
دانۂ معنی بگیرد مرد عقل
ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل 441

ای برادر تو ہمان اندیشہ ای
مابقی تو استخوان و ریشہ ای 574

چند گاہش گامِ آہو در خور است
بعد از آن خود نافِ آہو رہبر است 575

ہر کسی از ظنِّ خود شد یارِ من
از درونِ من نجُست اسرارِ من 699

امام خمینیؒ

من بخال لبت ای دوست گرفتار شُدم
چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شُدم 175

شمس مغربی

مرا به هیچ کتابی مکن حواله دگر
که من حقیقتِ خود را کتاب می بینم 568

لبید

علی کل شیء ما خلا اللہ باطل
و کل نعیم لا مهالة زاهل 713

متفرق

عبارتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر 129

جو بیچتے تھے دوائے دل،وہ دکان اپنی بڑھا گئے 298

فہرست متفرقات

اَلْعِلْمُ هُوَ حُصُوْلُ صُوْرَةِ الشَّیْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ...... 43

اِنَّ الْعِلْمَ هُوَ الصُّورَةُ الْحَاصِلَةُ مِنَ الشَّیْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ...... 44

اَلْعِلْمُ هُوَ : حُضُوْرُ صُوْرَةِ الشَّیْءِ عِنْدَ الْعَقْلِ...... 44

اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَ اِنْ لَمْ يَشَاءُ لَمْ يَفْعَلُ...... 120

تمام بد بختی ہائی مسلمین از دست آمریکہ است 172

بَيْنَ الْأَحْبَابِ تَسْقُطُ الْآدَابُ...... 174

لَاجَنَّةَ فَوْقَهَا 309

از کوزہ انچہ تراود کہ در اوست۔ 312

الجنس يميل الجنس۔ 407

کبوتر با کبوتر باز با باز

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز...... 407

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ 469

مَنْ رَبُّکَ وَمَنْ نَبِيُّکَ وَ مَنْ دِيْنُکَ وَ مَنْ كِتَابُکَ وَمَن

قِبْلَتُکَ وَمَنْ اَئِمَّتُکَ...... 572-573

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است...... 674,676

فہرست منابع و مآخذ

◀القرآن الکریم

◀نہج البلاغه

◀صحیفۂ سجادیه

◁الف

◀اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر

◀اثنا عشر رسالة - المحقق الداماد

◀اختیار مصباح السالکین

◀اخلاق از دیدگاه قرآن، پیامبر و عترت

◀اخلاق در قرآن

◀ارشاد القلوب

◀اسرارِ نماز

◀اقبال الاعمال

◀الاتقان فی علوم القرآن

◀الاکلیل فی استنباط التنزیل - عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السیوطی

◀الامام علیؑ بن ابی طالب علیه السلام من حبه عنوان الصحیفة

◀الامام علیؑ ونهج البلاغه

◀الامام علیؑ- أحمد الرحمانی الهمدانی

◀الامثل فی تفسیر کتابِ اللّٰهِ المُنزَل- الشَیخ نَاصِر مَکارم الشِیرازی مدظله

◀الانسان الکامل فی نهج البلاغة

◀الأخلاق عنوان الایمان ومنطلق التقدم

◀الأمالی للطوسیؒ

◀الأمثال القرآنية القياسية المضروبة للايمان باللّٰه - عبد اللّٰه بن عبد الرحمن الجربوع

◀البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید

◀البرهان فی علوم القرآن

◀البلد الأمین

◀البیان فی تفسیر القرآن

◀التبیان فی تفسیر القرآن- شیخ الطائفة أبی جعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ

◀التحفة السنیة

◀التفسیر الأصفی- الفیض الکاشانیؒ

◀التفسیر الصافی- الفیض الکاشانیؒ

◀التفسير والمفسرون

◀الحدائق الناضرة - المحقق البحرانیؒ

◀الخصال

◀الرواشم السماوية

◀السلام فی القرآن والحديث

◀العمدة - ابن البطريق

◀الفصول المهمة فی أصول الأئمة - الحر العاملیؒ

◀الفوائد الرضويه

◀الكافی- الكلينیؒ

◀الكلينی والكافی- الشيخ عبد الرسول الغفاری

◀الگوهای رفتاری امام علی عليه السّلام

◀المرشد الوجيز لقراء كتاب اللّٰه العزيز

◀المسترشد - محمد بن جرير الطبری، الشيعی

◀المفردات فی غريب القرآن - أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانی،المتوفی: ۵۰۲ھ

◀المنطق - مظفرؒ

◀النظام القرآنی

◀النظرية الاجتماعية فی القرآن الكريم

◀الوجيز فی أصول العقائدوأحكام التقليد والبلوغ

◀امالی السيد المرتضیؒ

◀امام علیؑ فرهنگ عمومی و همبستگی اجتماعی

◀امثال القرآن

◀انسان و قرآن

◁ آ

◀آشنایی با قرآن- متفکر شهید استاد مرتضی مطهریؒ

◀آموزه های بنیادین علم اخلاق - محمد فتحعلی خانی

◁ أ

◀أحاديث أم المؤمنين عائشة - السيد مرتضى العسكری

◀أحكام القرآن - القاضی محمد بن عبد اللّٰه أبو بكر بن العربی المعافری الاشبيلی المالكی ،المتوفی: ۵۴۳ھ

◀أحكام القرآن - أحمد بن علی أبو بكر الرازی الجصاص الحنفی،المتوفی: ۳۰۷ھ

◀أدعيه جامع الاحاديث

◀أسباب النزول فی ضوء روایات أهل البیتؑ

◀أسطورة العبوسة

◀ أعلام الدین فی صفات المؤمنین

◀أهل البیت فی تفاسیر أهل السنة

◁ب

◀باطن و تأویل قرآن

◀بحار الأنوار- العلم العلامة الحجة فخر الامة المولی الشیخ محمد باقر المجلسیؒ

◀بررسی تطبیقی مفهوم و آثار اضطرار در حقوق مدنی

◀برگی از دفتر آفتاب

◀بصائر ذوی التمییز فی لطائف- الکتاب العزیز مجد الدین أبو طاهر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی

◀بهج الصباغة فی شرح نهج البلاغة

◀بهجت عارفان در حدیث دیگران

◀بیان المعانی [مرتب حسب ترتیب النزول]المؤلف: عبد القادر بن ملّا حویش السید محمود آل غازی العانی،المتوفی: ۱۳۹۸ھ

◁ پ

◀ پرتوی ازاسرار نماز

◀ پیام امام امیر المؤمنینؑ

◁ ت

◀ تحریرات فی الأصول - السید مصطفی الخمینیؒ

◀ تذکرۃ الفقھاء

◀ ترجمہ تفسیر المیزان - علامہ محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللّٰہ علیہ

◀ ترجمہ نہج البلاغہ -انصاریان

◀ تسنیم تفسیر قرآن کریم - آیۃ اللّٰہ جوادی آملی مدظلہ

◀ تصحیح القرائۃ فی نہج البلاغۃ

◀ تصنیف نہج البلاغۃ

◀ تفسیر الامام العسکریؑ

◀ تفسیر القرآن الکریم-السید مصطفی الخمینیؒ

◀ تفسیر القمی - ابی الحسن علی بن ابراھیم القمیؒ

◀ تفسیر المیزان-العلامۃ الطباطبائیؒ

◀ تفسیر جوامع الجامع -الشیخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ

◄تفسیر رازی

◄تفسیر کنز الدقائق-المیرزا محمد المشهدیؒ

◄تفسیر مجمع البیان - امین الاسلام أبی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ

◄تفسیر نمونه - جمعی از فضلا

◄تفسیر نور الثقلین

◄تفسیر نور - حجة الاسلام و المسلمین حاج شیخ محسن قرائتی مدظله

◄تلخیص البیان فی مجازات القرآن - الشریف الرضیؒ

◄تمام نهج البلاغة

◄تنبیه الغافلین و ارشاد الجاهلین عما یقع لهم من الخطأ حال تلاوتهم لکتاب اللّٰه المبین

◄تهذیب الاحکام فی شرح المقنعة للشیخ المفید رضوان اللّٰه علیه - الشیخ الطوسیؒ

◁ج

◄جاذبه و دافعه علیؑ - شهید مرتضیٰ مطهریؒ

◄جامع الاخبار

◄جامع آیات و احادیث موضوعی نماز

◀جامعه علوی در نهج البلاغه

◀جلوه تاریخ در شرح نهج البلاغه

◀جمال الاسبوع

◀جواهر القرآن - ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی

◁ ح

◀حقائق الاصول

◀حلية الأبرار - السيد هاشم البحرانی

◀حياة أمير المؤمنينؑ عن لسانه - الشيخ محمد محمديان

◁ د

◀در سرزمین تبوک - آیة اللّٰه جعفر سبحانی مدظله

◀دراسات فی علم الاصول

◀دعائم الاسلام

◀دیوانِ امام خمینیؒ

◀دیوانِ حافظ شیرازی،از روی نسخۂ تصحیح شدۂ علامه محمد قزوینی

◀دیوانِ حکیم ثنائی غزنوی

◀دیوانِ شمس مغربی

◁ ذ

◀ذخیرۃ المعاد - المحقق السبزواریؒ

◁ ر

◀رجال الکشی

◀رسالہ سیروسلوک بحرالعلومؒ

◀روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی - شہاب الدین محمود بن عبد اللّٰہ الحسینی الألوسی،المتوفی: ۱۲۷۰ھ

◁ ز

◀زھر الأکم فی الأمثال والحکم

◁ س

◀سنن النبی الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

◀سنن النبیؐ - السید الطباطبائیؒ

◀سیرۃ الامام جعفر صادقؑ

◀سیمای کارگزاران علیؑ ابن ابی طالبؑ

ش

◀شبی در پایتخت بهشت

◀شرح أصول الكافی- مولی محمد صالح المازندرانیؒ

◀شرح حکم نهج البلاغة

◀شرح خطبه البيان امام علیؑ بن ابی طالبؑ

◀شرح نهج البلاغه - جعفری

◀شرح نهج البلاغة - ابن ابی الحدید

◀شرح نهج البلاغة - الحائری

◀شرح نهج البلاغة - المقتطف من بحار

◀شرح نهج البلاغة - عبد الحميد بن هبة الله بن محمد بن الحسين بن أبی الحدید، أبو حامد، عز الدين، المتوفى : ٦٥٦ھ

◀شرح نهج البلاغة - الدخيل

◀شعراء الغدير فی القرن الحادی عشر

ص

◀صحائف الأبرار فی وظائف الأسحار

◀صحيفة الامام علیؑ

◁ع

◀علوم طبیعت در قرآن

◀على المرتضى(عليه السلام) نقطة باء البسملة

◀عليٌ فى الكتاب والسنة والادب

◀عليٌ والخوارج

◀على "عليه السلام" من المهد الى اللحد

◀عوالى اللآلى-ابن ابى جمهور احسائى

◀عيون الحكم والمواعظ- على بن محمد الليثى الواسطى

◁غ

◀غرر الحكم و درر الكلم

◀غريب الحديث فى بحار الانوار

◁ف

◀فضائل القرآن للقاسم بن سلام - أبو عُبيد القاسم بن سلاّم بن عبد الله الهروى البغدادى

◀فضائل و سيره چهارده معصوم (ع) در آثار استاد علامه حسن زاده

آملی مدظله

◄فی رحاب القرآن

◄فی ظلال نهج البلاغة

▷ق

◄قبسات من نهج البلاغة

◄قرآن در آیینه احکام

◄قرآن در آیینه نهج البلاغه

◄قرآن در نهج البلاغه

◄قرآن کریم از منظر امام رضا علیه السلام

◄قرآن و تبلیغ

▷ک

◄کاملة دفاع عن القران الكريم

◄کان خلقه القرآن

◄كتاب الطهارة - الشيخ الأنصاریؒ

◄كشف الخفاء و مزيل الالباس - العجلونی

◄كشف اليقين - العلامةالحلیؒ

◄ کلمات الرسولؐ

◄ کلیاتِ اقبالؒ

◄ کلیاتِ سعدی،بر اساس نسخه محمد علی فروغی

◄ کیف نقرأ القرآن

▷ گ

◄ گفتگو در محضر امیرالمومنین علیؑ

▷ م

◄ مباحث فی علوم القرآن - صبحی الصالح

◄ مبانی نقد متن الحدیث

◄ متشابه القرآن

◄ مثنوی معنوی،به تصحیح :رینولد ا.نیکلسون

◄ مجموعۂ ورام

◄ مجموعة ورام - ورام بن ابی فراس

◄ مختصر بصائر الدرجات - الحسن بن سلیمان الحلیی

◄ مراجعات قرآنية

◄ مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسولؐ - العلامة المجلسیؒ

◀مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل - المحدثین الحاج میرزا حسین النوری الطبرسیؒ

◀مستدرک سفینة البحار - العلامة آیة اللّٰه الشیخ علی النمازیؒ

◀مستدرک نهج البلاغة

◀مستطرفات السرائر - ابن ادریس الحلیؒ

◀مستمسک العروة-السید محسن الحکیمؒ

◀مسند الامام الرضا(ع) - الشیخ عزیز اللّٰه عطاردی

◀مسند الامام علیؑ

◀مسند فاطمة بنت الحسین علیهما السلام

◀مشارق الشموس-المحقق الخوانساریؒ

◀مصباح الشریعة المنسوب للصادقؑ

◀مصباح الفقاهة - السید الخوئیؒ

◀مصباح المتهجد

◀مصباح کفعمی

◀معانی الاخبار

◀معترک الأقران فی اعجاز القرآن، ویُسمّی (اعجاز القرآن ومعترک الأقران) - عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السیوطی

◀معجم أحاديث المهدیؑ

◀معراج السعادة

◀مفاتيح الجنان

◀مفاهيم القرآن الجزء السادس

◀مفاهيم القرآن - العلامة جعفر السبحانی مدظله

◀مكارم الأخلاق

◀من لا يحضره الفقيه - للشيخ الجليل الاقدم الصدوق أبی جعفر محمد بن علی بن الحسين بن بابويه القمیؒ

◀من وصايا العترة (عليهم السلام)

◀مناقب أمير المؤمنين (ع) - محمد بن سليمان الكوفی

◀مناهل العرفان فی علوم القرآن- محمد عبد العظيم الزُّرْقانی

◀منتهی المطلب - العلامة الحلیؒ

◀منهاج البراعة فی شرح نهج البلاغة - الخوئیؒ

◀منهاج البراعة - الراوندی

◀منية الطالب - تقرير بحث النائينی للخوانساریؒ

◀موسوعة الامام علی بن أبی طالب عليه السلام فی الكتاب و السنة والتاريخ

◀مهج الدعوات

◀مهدئ منتظر در نهج البلاغه

◀ميزان الحكمة - الريشهرى

◀مَصَاعِدُ النَّظَرِ للاشْرَافِ عَلٰى مَقَاصِدِ السِّوَرِ - ابراهيم بن عمر بن حسن الرباط بن على بن أبى بكر البقاعى،المتوفى: ٨٨٥ھ

◁ن

◀نزول القرآن والعناية به فى عهد النبىؐ- عبد الودود مقبول حنيف

◀نظرات معاصرة فى القرآن الكريم

◀نفحات القرآن-آيةاللّٰه العظمى مكارم الشيرازى مدظله

◀نفحات الولاية فى شرح نهج البلاغة

◀نهج البلاغة - الشيخ محمد عبده

◀نهج السعادة

◀نهج السعادة - الشيخ المحمودى

◀نهج البلاغه موضوعى

◁و

◀وسائل الشيعة - الفقيه المُحَدِّثِ الشيخ مُحَمّدُ بن الحسن الحُر العاملىؒ،المتوفى سنة ١١٠٤ھ

◄وصول الأخيار الی أصول الأخبار - والد البهائی العاملیؒ

◄ولأول مرة فی تاريخ العالم

◁ ھ

◄هداية العلم فی تنظيم غرر الحكم للامام علیؑ بن أبی طالبؑ

◁ ی

◄یک هزار سخن از حضرت علی علیہ السلام

اجمالی طور پر وہ اوصاف جن کی مدد سے قرآن سے استفادہ کیلئے فہم کو آمادہ کیا جاسکتا ہے، آدابِ فہم قرآن کہلاتے ہیں لیکن دقیق معانیٔ ادب معلوم کرنے کے لئے اس موضوع پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی ''آدابِ فہم قرآن''، لہٰذا ادب کے معانی کی شناخت کی ضرورت ہے......

مفاتیح الغیب یعنی اللہ کے خزانوں کی کنجیاں، یہی چابیاں آداب ہیں اور ان آداب ہی کے ذریعے سے انسان الٰہی خزانوں تک پہنچتا ہے لہٰذا اہلِ خرد وفہم چابی مانگ لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ خزانے کے اندر ان کی رسائی ہو جاتی ہے، خزانوں سے جتنی ضرورت ہے، جتنی بھوک و پیاس ہے وہ اس حد تک حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا سے ادب مانگنا یعنی چابی لے لینا......

ان صفات کو ادب کہیں گے کہ جن کے اندر دو خصوصیات پائی جاتی ہوں، اول یہ کہ باعث زینتِ فعل ہوں، دوم باعثِ حصولِ غرضِ فعل ہوں۔ ان خصوصیات کے ساتھ اگر انسان سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے اور اس فعل کے اوپر یہ صفات طاری ہوں تو نتیجے میں فعل ایک حالتِ حسنہ وحالتِ موزوں پیدا کر لیتا ہے اسی کو ادب کہتے ہیں......

کوہاٹ: عظیم خان مارکیٹ، سیکنڈ فلور، کچہ پکہ، شیرکوٹ، کوہاٹ 0312-9808280

گلگت: نزد DHQ ہاسپٹل، خزانہ روڈ، گلگت 0315-4011020/ 05811450568

سیالکوٹ: نزد مسجد خدیجۃ الکبریٰ، مظفر پور سیالکوٹ 0313-7925944/0300-7163180

کراچی: شاپ D.8، ایم ایل پارک ویو، سولجر بازار، کراچی 03343454643/0345-2715082

کوئٹہ: شاپ نمبر 7، نزد گلگتی امام بارگاہ، علمدار روڈ، کوئٹہ 0307-8866699/0300-9388400

لاہور: A-2، بخاری سٹریٹ، مسلم ٹاؤن موڑ، وحدت روڈ، لاہور 0323-5777439/042-5005761

اسلام آباد: آفس نمبر 4، پلاٹ B-2، بالمقابل جامعہ امام الصادقؑ، G-9/2، اسلام آباد 0321-5046472/051-2252016